ملفوظات

محبوبِ یزدانی حضرت سیّد اشرف جہانگیر سمنانیؒ

مُترجم

پروفیسر ایس۔ ایم لطیف اللہ

نذرانۂ عقیدت

ہاشم رضا اشرفی

آستانۂ محبوبِ یزدانی حضرت مخدوم سلطان سید اشرف جہانگیر سمنانی
درگاہ کچھوچھہ شریف (ضلع فیض آباد) یو۔پی

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَاخَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَاهُمْ يَحْزَنُوْنَ

سُنو! بلاشبہ اللہ کے اولیاء کو نہ کوئی ڈر ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

لطائفِ اشرفی

حصّہ سوئم

ملفوظات

امام العارفین زبدۃ الصالحین غوث العالم محبوب یزدانی

مخدوم حضرت میر اوحد الدّین سُلطان سیّد اشرف جہانگیر سمنانی قدس سرہٗ

جامع ملفوظات

حضرت نظام یمنی رحمۃ اللہ علیہ

مترجم

پروفیسر ایس۔ایم لطیف اللہ

مدیر و ناشر

نذر اشرف شیخ محمد ہاشم رضا اشرفی

سابق ایگزیکٹو ڈائریکٹر مسلم کمرشل بینک لمیٹڈ پاکستان

خلیفہ مجاز مخدوم المشائخ حضرت سید محمد مختار اشرف اشرفی جیلانی رحمۃ

سجادہ نشین خانقاہ اشرفیہ حسنیہ سرکارِ کلاں کچھوچھہ شریف انڈیا

لطائفِ اشرفی

حصّہ سوئم

مدیر وناشر نذرِ اشرف شیخ محمد ہاشم رضا اشرفی

بارِ اوّل ——— جُون سنہ ۲۰۰۲ء

تعداد ——— پانچ سو

کمپوزنگ ——— اقبال احمد

طابع ——— ادکھائی پرنٹنگ پریس۔ کراچی

قیمت

کتاب ملنے کا پتہ انور ہاشم۔ اشرفی انٹرپرائزز
ڈی ۱۰۸ بلاک ۵ فیڈرل بی ایریا۔ کراچی ۷۵۹۵۰ پاکستان

ابوالمسعود سید
محمد مختار اشرف الاشرفی الجیلانی
سجادہ نشین کچھوچھہ مقدسہ ضلع فیض آباد
(یوپی)
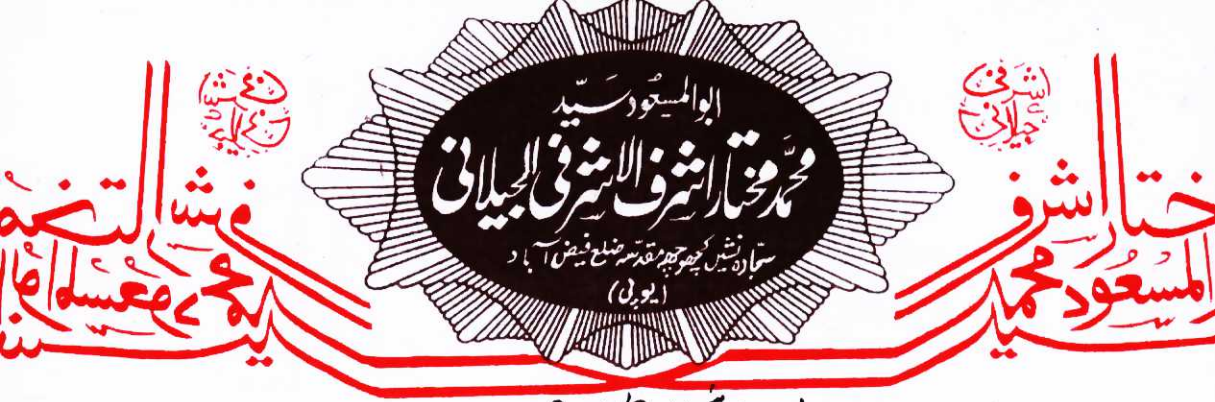
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ المختار

تمام اہلسنت جماعت کیلئے عموماً اور عزیزانِ سلسلۂ اشرفیہ کیلئے خصوصاً
باعث مسرت ہے کہ لطائف اشرفی جس کے ترجمہ کا مدتوں سے اہل ذوق
انتظار کر رہے تھے خدا کا شکر ہے کہ محبی مخلص شیخ ہاشم رضا صاحب اشرفی
جن کو آستانۂ اشرفیہ سے انتہائی عقیدت ہے زر کثیر سے پوری کتاب کا ترجمہ
کرالیا ہے اور اب آپ لوگوں کی آرزو کے مطابق منظر عام پر آگئی ہے
جو سب کیلئے نادر تحفہ ہے میری دعا ہے کہ مولیٰ تعالیٰ آنحضور کی خدمات کو
قبول فرمائے اور ذریعۂ نجات بنائے اور مقبول عام فرمائے جو لوگ
استفادہ حاصل کریں آنحضور کے حق میں دعائے خیر کریں (آمین)

سید محمد مختار اشرف سجادہ نشین
کچھوچھہ شریف ضلع فیض آباد

Abul Masud Syed Mohd. Mukhtar Ashrfa Ashrafi-ul-Jila
SAJJADA NASHEEN KICHHAUCHHA SHARIF, DIST. FAIZABAD, (U.P.)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جامع اشرف

خانقاہ اشرفیہ حسنیہ سرکار کلاں
درگاہ کچھوچھا شریف، ضلع فیض آباد (یو۔پی)

JAM - E - ASHRAF

DARGAH KICHHAUCHHASHARIF-FAIZABAD (U.P.)

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

لطائف اشرفی، تارک السلطنت غوث العالم محبوب یزدانی مخدوم سلطان سید اشرف جہانگیر سمنانی قدس سرہ النورانی کے ملفوظات مبارکہ اور آپکے حالات وواقعات پر مشتمل ایک مستند وبے مثال تصنیف ہے جس کو کتب تصوف میں ایک نمایاں اور خصوصی مقام حاصل ہے ۔ آٹھویں صدی ہجری کے بعد آج تک فن تصوف میں ایسی مکمل اور جامع کتاب نہیں لکھی گئی ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے بعد کے اکثر صوفیائے کرام نے اپنی کتابوں میں لطائف اشرفی کو بطور حوالہ پیش کیا ہے ۔ کتاب مذکور کو مخدوم پاک کے مرید خاص اور چہیتے خلیفہ حضرت مولانا نظام الدین یمنی رحمۃ اللہ علیہ نے آپکی حیات مبارکہ ہی میں مرتب کرکے آپکی بارگاہ میں سنایا ہے اس لئے اس کے مستند ومحقق ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں کیا جا سکتا ۔ جیسا کہ کتاب مذکور کے دیباچہ سے ظاہر ہے ۔ کتاب مذکور فارسی زبان میں ہونے کی وجہ سے عام طور پر لوگ اس سے استفادہ نہیں کر سکتے تھے ۔ اس لئے ضرورت تھی کہ اس کا اردو ترجمہ شائع کر دیا جائے تاکہ تصوف کی اس گرانمایہ تصنیف سے عامۃ مسلمین بھی فائدہ حاصل کر سکیں اور اس کے مطالعے سے ان کے اندر ایمانی شعور وادراک اور روحانی جذب وکیف پیدا ہو۔

بڑی مسرت کی بات ہے کہ اس عظیم کام کو گرامی قدر الحاج نذر اشرف ہاشم رضا صاحب اشرفی خلیفہ سرکار کلاں نے انجام دیا اور اسکا اردو ترجمہ کروا کر شائع کیا۔ یہ حقیقت ہے کہ اس راہ میں جناب موصوف کو بہت ہی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ہے اس کا اندازہ کچھ وہی کر سکتا ہے جس نے کبھی ایسے عظیم کام کا بیڑا اپنے سر لیا ہو۔ ظاہر ہے کہ ایک چھ سو سالہ قدیم تصنیف جو بشکل مخطوط محفوظ ہے اور جس کے گنے چنے چند مخطوطہ و مطبوعہ نسخے لائبریریوں کی زینت بنے ہوئے ہیں اوس کو ایک زبان سے دوسری زبان میں منتقل کروانے کے لئے مختلف نسخوں کی فراہمی لائق و فائق مترجم کا انتخاب اس کی تکمیل کے لئے مسلسل تگ و دو اور جہد پیہم پھر اوس کی اشاعت کے اخراجات کے بارگراں کو برداشت کرنا نہایت حوصلہ مندی کا کام ہے ۔ جس پر موصوف کو جتنی مبارکباد پیش کی جائے کم ہے۔ یقیناً موصوف کا یہ نمایاں کارنامہ انکے ایثار و اخلاص کی واضح دلیل ہے اور غوث العالم محبوب یزدانی سے انکے والہانہ عقیدت اور شبیہ غوث الثقلین اعلیٰحضرت مولانا الحاج سید شاہ علی حسین صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ سجادہ نشین سرکار کلاں سے محبت کا بین ثبوت ہے۔ موصوف کے مخلصانہ کردار و عمل کا روشن نتیجہ ہے کہ وہ مخدومی مشن کے فروغ میں رات و دن لگے ہوئے ہیں اور بحمدہ تعالیٰ انکے ذریعہ فیضان مخدوم سمنان جاری ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ جب بھی خانقاہ اشرفیہ سرکار کلاں سے کسی عظیم کام کی ابتدا ہوتی ہے تو انہوں نے بھرپور حصہ لیا ہے جسکی واضح مثال جائس اشرف ہے۔

موصوف کو اپنے پیر و مرشد مخدوم المشائخ حضرت مولانا الحاج سید شاہ محمد مختار اشرف صاحب قبلہ سجادہ نشین سرکار کلاں سے ایسی والہانہ عقیدت ہے جو انکے دور میں کم ہی نظر آتی ہے میں نے خود دیکھا ہے کہ جب بھی وہ اپنے مرشد کا ذکر کرتے ہیں تو انکیں فرط محبت سے اشکبار ہو جایا کرتی ہیں موصوف کے اس عظیم کارنامے پر مبارکباد دیتے ہوئے دعا گو ہوں کہ مولیٰ تعالیٰ انکی اس خدمت کو قبول فرمائے اور اس ترجمہ لطائف اشرفی کو مقبول عام بنائے (آمین)

مفتقر ناگو

سید الطاف اشرف اشرفی جیلانی

۷۸۶

حامداً و مصلیاً

نذر اشرف

الحمد للہ کہ لطائف اشرفی کے باقی ماندہ چالیس لطائف کا ترجمہ بھی مکمل ہوگیا ہے اور جلد ہی زیور طبع سے آراستہ ہو کر ناظرین کی آنکھیں روشن کرے گا۔ لطائف اشرفی کو برصغیر کے فارسی ملفوظات میں غیر معمولی اہمیت حاصل ہے۔ ملفوظات کا یہ تفصیلی مجموعہ سرچشمۂ اہل بصیرت بھی ہے۔ گنجینۂ علم و عرفان بھی ہے اور انسانی زندگی کے رموز، حسن اور سلیقے کی کلید بھی ہے۔ بزرگوں کی ہر بات بزرگانہ انداز کی حامل ہوتی ہے۔ گہری معنویت کی حامل ہوتی ہے اور انسانی کردار و اخلاق کی تشکیل میں مدد و معاون ثابت ہوتی ہے۔ دل بیدار اور چشم بینا کا مشاہدہ کچھ اور ہوتا ہے۔ عفت قلب و نظر کا تقاضا کچھ اور ہوتا ہے یہ باتیں ہی کچھ اور ہیں۔ اولیائے کرام اپنے مشاہدوں اور تجربوں کو اس دلاویز انداز سے بیان کردیتے ہیں کہ وہ ساری دنیا کے انسانوں کے لیے مشعل راہ بن جاتے ہیں۔ پڑھنے والے پڑھتے ہیں۔ فیض حاصل کرتے ہیں۔ غور کرنے والے بات کی تہہ تک پہنچنے اور موتی رولنے کی کوشش کرتے ہیں۔ عمل کرنے والے عمل کرتے ہیں اور دین و دنیا میں سرخرو ہوتے ہیں۔ بزرگوں کے ملفوظات فیض جاریہ ہیں۔ جس کا جی چاہے فیض اٹھائے اور اپنی عاقبت سنوارے۔ لطائف اشرفی کا فیض بھی فیض دائمی ہے مگر اب اس سے استفادہ کرنے میں دو مشکلات حائل ہوگئی ہیں۔ ایک تو یہ کہ یہ مبسوط کتاب فارسی میں ہے۔ فارسی نسخہ ۱۸۷۸ء میں دلی سے شائع ہوا تھا اور اب نایاب ہے۔ ملک کے بعض کتب خانوں میں یہ نسخہ موجود ہے لیکن استفادہ کرنے والے برائے نام ہیں کیونکہ فارسی کی روایت برصغیر سے رخصت ہوچکی ہے۔ دوسرے یہ کہ اس کا اردو میں ترجمہ نہیں ہوا۔

بعض بزرگوں نے لطائف اشرفی کے اردو ترجمے کی طرف بھی توجہ کی تھی۔ حکیم شاہ سید نذر اشرف نے ۹ لطائف کا ترجمہ کیا۔ مشیر احمد کاکوروی نے اختصار کے ساتھ ترجمہ کیا۔ یہ تلخیص دو جلدوں میں شائع ہوئی تاہم مکمل ترجمہ منظر عام پر نہ آسکا۔ علمی سہل انگاری۔ مترجموں کے فقدان اور مالی وسائل کی کمی کے اس دور میں مکمل ترجمے کی اشاعت امر محال معلوم ہوتی تھی لیکن ایک باہمت انسان نے اس مہم کو سر کرنے کا بیڑا اُٹھایا اور امر محال کو بڑی خوش اسلوبی سے ممکن بنادیا۔ شاید ایسے ہی لوگوں کے لیے مردے از غیب بروں آید و کارے بکند کی نوید صحیح معلوم ہوتی ہے۔

شیخ المشائخ۔ نذر اشرف شیخ ہاشم رضا صاحب مدظلہ العالی سلسلہ اشرفیہ کے گل سرسبد ہیں۔ پاکباز، پاک نہاد، صاحبِ عرفان و آگہی۔ اپنے سلسلے کے بزرگوں پر جان چھڑکنے والے۔ دوسرے سلاسل کے بزرگوں کی عزت و تکریم کرنے
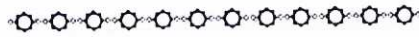
والے۔ سراپا لطف و کرم، درویشانہ آہنگ اور اخلاق کے حامل۔ محبت اور عقیدت کے پیکر۔ جو بھی ان کی بارگاہ میں حاضر ہوگیا حلقہ بگوش بن گیا۔ شیخ صاحب قبلہ کو دیکھ کر ہنستے ہوئے چنبیلی کے ڈھیر کا خیال آتا ہے۔ قریب جائیں تو چنبیلی کی بھینی بھینی خوشبو سے مشام جہاں معطر ہوجاتا ہے۔ چہرے پر مسکراہٹ، انداز میں روحانی طمانیت، گفتگو میں حکیمانہ بذلہ سنجی اور مزاج میں غیر معمولی شفقت اور فیاضی۔ لطائف اشرفی جیسی ضخیم اور دقیق کتاب کا ترجمہ اور اشاعت بڑا مشکل کام تھا لیکن شیخ صاحب نے اپنے شیوخ کی الفت بے پایاں کی دُھن میں اس مشکل کام کو آسان بنالیا۔ پہلے بیس لطائف کا ترجمہ شائع ہوچکا ہے۔ اہل علم اور صاحب دلوں میں مقبول ہوچکا ہے۔ مجھے ذاتی طور پر علم ہے کہ اس پہلی جلد کی اشاعت میں شیخ صاحب کو کیسے کیسے مرحلوں سے گزرنا پڑا ہے۔ کام رک گیا تو رک گیا لیکن شیخ صاحب کے عزم نے رکے ہوئے کام کو پوری تندہی سے ازسرنو جاری کردیا۔ اللہ والوں کے کام ایسے ہی ہوتے ہیں۔ کسی کے روکے رکتے نہیں ہیں۔

باقی ماندہ چالیس لطائف کے ترجمے کے لیے شیخ صاحب قبلہ نے راقم الحروف کے مشورے سے پروفیسر لطیف اللہ کی خدمات حاصل کی تھیں۔ پروفیسر لطیف اللہ فارسی کے عالم اور ملفوظات کے تراجم کے ماہر ہیں۔ مجھے خوشی ہے کہ انہوں نے یہ کام بھی بہت دل لگا کر اور بڑی محنت سے انجام دیا ہے۔ ترجمہ بڑا رواں اور سلیس ہے۔ ایک مفید کام لطیف اللہ صاحب نے یہ بھی کیا ہے کہ معلوماتی حواشی لکھ کر مجموعے کی افادیت میں اضافہ کردیا ہے۔ میرا خیال یہ ہے کہ ترجمے کے لیے لطیف اللہ صاحب کا انتخاب بھی شیخ صاحب، قبلہ کی نگاہ نکتہ شناس کا لطیف اشارہ ہے۔ یہ ہر کارے اور ہر مردے والی بات نہیں ہے۔

راقم الحروف اگرچہ شیخ صاحب کا دیرینہ شناسا ہے لیکن صحیح معنوں میں نیاز مندی کا سلسلہ اسی ترجمے سے مستحکم ہوا۔ راقم ترجمے، کمپوزنگ، تصحیح اور بعض دوسرے مرحلوں سے ذاتی طور پر آشنا ہے۔ حیرت اس بات پر ہے کہ شیخ صاحب قبلہ کی بشاشت، طمانیت اور رجائیت ہر مرحلے میں نمایاں رہی۔ نہ کوئی اضطراب، نہ بے چینی، نہ گھبراہٹ۔ ہر مرحلے میں راضی برضا رہنا اور ہر مشکل لمحے میں مسکراہٹیں بکھیرنا شیخ صاحب کا طرہ امتیاز ہے۔ آج کے بے چین دور میں شیخ صاحب کی اس طمانیت سے نجانے کتنے بے چین اور ذہنی طور پر پریشان لوگوں نے سکون اور طمانیت کی راہ پر چلنے کی سعادت حاصل کی ہے۔

علامہ اقبال نے ایک جگہ کہا ہے ''وہ سوداگر ہوں میں نے نفع دیکھا ہے خسارے میں۔'' دنیاوی اور مالی اعتبار سے لطائف اشرفی کی اشاعت خسارے کا سودا ہے لیکن اس خسارے میں جو منافع ہے اُسے اہل دل بخوبی محسوس کرسکتے ہیں۔ شیخ صاحب نے لطائف کے ترجمے کی اشاعت پر عمرعزیز کے چوبیس برس اور لاکھوں روپے صرف کیے ہیں اور جو نیک نامی حاصل کی ہے وہ خسارے کا نہیں منافعے ہی منافعے کا سودا ہے۔ ''اُنہیں کا کام ہے یہ جن کے حوصلے ہیں زیادٔ۔ اس مبارک سعی میں سلسلے کے بعض احباب مثلاً جناب شاہ نصر اللہ قادری اشرفی اور محبّ مکرم سیّد معین الدین کاظمی نے بڑی لگن سے شیخ
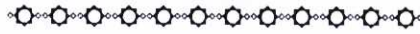
صاحب کی معاونت کی ہے۔ میں نے خلوص، محبت اورلگن کے ایسے مظاہرے کم دیکھے ہیں۔ بات یہ ہے کہ محبت کی باتیں محبت والے ہی جانتے ہیں۔ شیخ صاحب محبت والے بزرگ ہیں۔ اہل محبت کو اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں اور اُنہیں اپنے عہد اُلفت میں شریک کر لیتے ہیں۔ لطائف اشرفی کے اُردو ترجمے کی اشاعت حیرت انگیز کارنامہ ہے۔ اپنے اسلاف کے کارناموں کو منظر عام پر لانا اور اُنہیں عام انسان کی رہبری، آگاہی اور سلامت روی کے لیے روزمرہ کی زندگی کا جزو بنا دینا انسانیت کی سچی خدمت ہے۔ بارگاہ رب العزت سے شیخ صاحب کو اس خدمت پر جو اجر عظیم بھی حاصل ہوگا اُس کے بارے میں کچھ کہنا مشکل ہے تاہم اس گراں قدر خدمت پر وہ برصغیر کے لاکھوں قارئین کے دلی شکریے کے بھی مستحق ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند سے بلند تر فرمائے۔ہمیں ان کی ذات گرامی سے فیض حاصل ہوتا رہے۔ حضرت سلطان جیؒ کا ارشاد مبارک ہے کہ جو بھی عالم محبت میں کمال کو پہنچا اُس کا کام بن گیا۔ میری رائے میں شیخ صاحب قبلہ نے اپنے جذبہ خدمت و محبت سے اپنا کام بنالیا ہے۔ کاش یہ سعادت ہم لوگوں کو بھی حاصل ہو جائے۔

بندہ بارگاہ محبوبی
اسلم فرخی

۹ ربیع الاول ۱۴۲۳ھ
۲ مئی ۲۰۰۲ء

تکمیل آرزو

الحمدللّٰہ و الصلوٰۃ و السلام علی سیدنا محمد النبی الکریم و علیٰ آلہ و اصحابہ اجمعین

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم، سرکار دو عالم ﷺ کے لطف و نوازش اور بزرگان سلسلہ عالیہ اشرفیہ کے فیض و عطا سے لطائف اشرفی کی دوسری اور تیسری جلدیں جو چالیس لطائف کے ترجمے پر مشتمل ہیں مکمل ہوکر اشاعت کی منزلوں سے گزر رہی ہیں۔ الحمد للہ کہ اس عاجز کی چوبیس سالہ خواہش دیرینہ اور جہد مسلسل کی کامیابی اور خوش اسلوبی سے تکمیل ہوگئی۔ یہ عاجز جو جسمانی اعتبار سے لاچار اور ناتواں ہوگیا ہے فیض اشاعت لطائف سے زندگی اور توانائی کی ایک نئی لہر اپنے کمزور جسم میں محسوس کر رہا ہے اور 'شادم از زندگی خویش کہ کارے کردم' کی روح افزا کیفیت سے سرشار ہے۔ اس بندہ عاجز کے لیے یہ امر باعث امتنان وتشکر ہے کہ یہ کار بزرگ حضرت مخدوم میر سیّد اوحد الدین اشرف جہانگیر سمنانی قدس سرہ العزیز کی روحانی سرپرستی۔ سرکار کلاں حضرت سیّد محمد مختار اشرف اشرفی الجیلانی قدس سرہ کے فیضان نظر، خصوصی توجہ اور موجودہ سجادہ نشین خانقاہ اشرفیہ کچھوچھ شریف حضرت سیّد محمد اظہار اشرف اشرفی الجیلانی مدظلہ العالی کی ذاتی دلچسپی، حوصلہ افزائی اور ہمہ وقت رہنمائی کے ذریعے ممکن ہو سکا ہے۔ ان بزرگوں کے فیض، ہدایت اور رہ نمائی کے لیے یہ بندہ عاجز سراپا سپاس ہے۔ جو کچھ حاصل ہوا۔ جو کچھ ہے سب انہیں بزرگوں کا فیض ہے۔ اللہ تعالیٰ فیض کے ان سرچشموں کو ہمیشہ برقرار رکھے۔

سہولت کے خیال سے دوسری جلد میں لطیفہ نمبر اکیس سے نمبر اڑتیس تک کا ترجمہ شامل ہے۔ تیسری جلد میں انتالیسویں لطیفے سے ساٹھویں لطیفے تک کا ترجمہ ہے۔ اس طرح ساٹھ لطائف کے ترجمے کو تین جلدوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے تاکہ قاری کو کتاب کے مطالعے میں زحمت نہ ہو۔

اس کتاب کی اشاعت وترتیب کے سلسلے میں ڈاکٹر اسلم فرخی صاحب نے گراں قدر مشورے دیے یہ عاجز ان کے لیے ڈاکٹر صاحب کا بے حد سپاس گزار ہے۔

اس موقعے پر میں اپنے ہمدم دیرینہ اقبال شکور صاحب (گلف آپٹکل ۔ دبئی) کا خاص طور پر شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں۔ اقبال بھائی کے ہمہ جہتی تعاون سے یہ ترجمہ قارئین تک پہنچ رہا ہے۔ پروفیسر لطیف اللہ صاحب نے چالیس لطائف کا بڑا رواں اور آسان ترجمہ کیا ہے اور بڑے مفید حواشی تحریر کیے ہیں۔ میں ان کا بطور خاص شکر گزار ہوں۔ پروفیسر ڈاکٹر ناصر الدین صدیقی قادری نے پروف پڑھنے میں تعاون کیا۔ میں ان کا بھی شکر گزار ہوں۔

شاہ نصر اللہ قادری اشرفی اور سیّد معین الدین کاظمی نے اس کام کی تکمیل میں جس بھرپور انداز سے اس عاجز کی مدد کی ہے اُس کا شکریہ رسمی الفاظ میں ممکن نہیں۔ ان کے پرخلوص تعاون کی اہمیت کو دل محسوس کرتا ہے اور محسوسات قلب کو بیان کرنا آسان نہیں۔
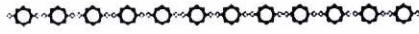
آخر میں یہ عرض کرنا چاہوں گا کہ جو کوئی لطائف اشرفی کے مکمل ترجمے کا مطالعہ کرتا رہے گا تو گویا وہ پیر کامل کی صحبت باکرامت میں رہے گا اور اُسے مخدوم سیّد اشرف جہانگیر سمنانی علیہ الرحمتہ والرضوان کے روحانی فیض و برکات حاصل ہوتے رہیں گے۔

یہ بندہ عاجز اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ اقدس و اعلیٰ میں دست بدعا ہے کہ اس کی کوششوں کو شرفِ قبولیت حاصل ہو اور اس بابرکت مجموعہ ملفوظات کے قارئین شادو بامراد رہیں۔ آمین۔ بجاہ سید المرسلین سیّدنا محمد النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم۔

بندہ بارگاہ اشرفی

نذر اشرف۔ شیخ ہاشم رضا اشرفی

فہرست

لطیفہ ۳۹

عشق اور اس کے درجات کا بیان

قال الاشرفؒ:

العشق ذات البحت والغیبة والھویة والضیاء وفی اصطلاح العوام افراط المحبت۔

حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانیؒ نے فرمایا، عشق ذاتِ خالص، غیبت، ہویت اور روشنی ہے اور اصطلاحِ عوام میں محبت کی زیادتی ہے۔

عاشقوں کے سرگروہ اور عالم کے پیشوا، شیخ روز بہان بقلیؒ [۱] وادیٔ عشق میں مردانہ وار آئے اور اس گرداب سے دلیرانہ باہر نکلے۔ اس مجموعے میں (عشق کے بارے میں) جو کچھ بیان کیا گیا ہے ان کے مقولات پر مبنی ہے جان لینا چاہیے کہ عشق کے (کئی) درجات ہیں۔ عشق کا پہلا درجہ ارادت ہے پھر خدمت اس کے بعد موافقت ہے۔ اس کے بعد رضا ہے جس کی حقیقت محبت ہے اور یہ دونوں طرف سے ہوتی ہے، معشوق کے انعام سے اور معشوق کی رویت سے۔ پہلی عام ہے اور دوسری خاص ہے۔

جب محبت کمال کو پہنچتی ہے تو شوق ہے۔ جب حقیقت استغراق تک پہنچتی ہے تو اس کا نام ''عشق'' رکھا گیا۔ مشائخ نے توجہ دے کر اس کی ترتیب بتائی ہے، اما العشق علیٰ خمسة (لیکن عشق کی پانچ قسمیں ہیں)۔

(۱) ایک قسم عشق الٰہی ہے۔ یہ مقامات کی انتہا ہے۔ سوائے اہل مشاہدہ وتوحید اور اہل حقیقت کے کسی کو حاصل نہیں ہوتا

---

[۱] ابومحمد روز بہان بقلی رحمتہ اللہ علیہ چھٹی صدی ہجری کے معروف بزرگ تھے۔ آپ کا وصال ۶۰۶ ھ میں ہوا آپ حسین بن منصور حلاجؒ مقتول ۳۰۹ھ کی مشہور تصنیف ''طواسین'' کے شارح تھے۔ آپ نے قرآن حکیم کی تفسیر بھی تحریر کی ہے۔ آپ کی تصنیفات میں ایک بہت دل کش رسالہ فارسی زبان میں ہے۔ جس کا نام ''عبہر العاشقین'' ہے۔ اس کا موضوع عشق، اس کے مراحل اور مراتب ہے۔ جامع لطائف اشرفی نے شیخ روز بہان بقلی کے جن معقولات کا حوالہ دیا ہے شاید یہی رسالہ ''عبہر العاشقین'' ہو۔ ایرانی دانش ور ڈاکٹر قاسم غنی نے شیخ روز بہان بقلی کے بارے میں تحریر کیا ہے کہ شیخ رحمتہ اللہ علیہ مفاخرِ فارس تھے اور شیخ ابوالحسن خرقانی اور شیخ ابوسعید ابوالخیر کے ہم مرتبہ تھے۔ شیخ سعدی رحمتہ اللہ علیہ نے بھی اپنے ایک قصیدے میں شیخ روز بہان بقلیؒ کا ذکر بہت احترام اور تعظیم سے کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔ تاریخ تصوف در اسلام۔ قسمت اول جلد دوم، تہران ۱۳۴۰ ش چاپ دوم ص ۳۹۵۔

اور ہونا بھی نہیں چاہیے۔

(۲) عشق کی دوسری قسم عقلی ہے۔ اس کا تعلق عالم مکاشفات وملکوت سے ہے۔ یہ اہل معرفت کا حصہ ہے۔

(۳) عشق کی تیسری قسم روحانی ہے یہ انسانوں میں خواص کا حصہ ہے جب وہ انتہائی لطافت تک پہنچ جاتے ہیں۔

(۴) عشق کی چوتھی قسم طبعی ہے جو عام مخلوق کو حاصل ہے۔

(۵) عشق کی پانچویں قسم بہائمی ہے جو ذلیل انسانوں کو حاصل ہے۔

اس تقسیم کے مطابق ہر ایک کا ذکر کیا جاتا ہے[۱] لیکن جو ذلیل ترین لوگ ہیں وہ نشے میں مدہوش رہنے والے، فساد اور فسق وفجور میں مبتلا اور اسی طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔ ان کا عشق خواہش بے جا کا اثر ہے جو فتنے اٹھانے کے لیے نفس امارہ میں ہوتی ہے تاکہ مذموم شہوتوں کا راستہ بن جائے اور حیوانی صفت اس حد تک پہنچ جائے جو اپنی اصل میں عین فطری شہوت ہے۔ اسے محبوب کی محبت اور مطلوب کی الفت حاصل ہونے کے بعد ذرہ برابر نفس امارہ کی آتشِ شہوت سے رہائی نہیں ملتی۔ علم وعقل کی دنیا میں جو بات شریعت کے مطابق اور امر ونواہی پر مبنی نہیں ہوتی مذموم ہوتی ہے لیکن چوں کہ طبیعت عناصر اربع کی لطافت سے مرکب ہے کہ اس کا راستہ کلام کی بلندی، نفسِ امارہ کی عادت نفسِ کلی کی بلندی اور فریب دینے والے نفس کی پستی ہے اس لیے اگر (کسی شخص پر) عقلیات اور روحانیات کا غلبہ رہے تو پسندیدہ بات ہے ورنہ عاشقوں کی محفل میں یہ بات قابل مذمت ہے کہ ایک شخص نفس اور طبیعتِ جسم میں محصور رہے۔

ان دونوں گروہوں کے حال پر چوں کہ عقل وعلم کا غلبہ نہیں ہوتا اس لیے ان کا ٹھکانا سوائے ہاویہ اور دوزخ کے کہیں نہیں ہے۔ یہاں وہ گروہ شہوتِ حیوانی کی آگ میں جلتے رہتے ہیں لیکن عشق روحانی بہت ہی خاص انسانوں کو ہوتا ہے۔ ان کے ظاہر وباطن کے جوہر کو روحِ مقدس سے صفائی اور عالم عقل سے (اخلاق کی) پاکیزگی حاصل ہوچکی ہوتی ہے اور ان کا (مادی) جسم قلب کی مانند ہوتا ہے۔ یہ حضرات جو اچھی بات دیکھتے ہیں اس کے عشق میں بہت زیادہ مستغرق رہتے ہیں۔ حتیٰ کہ مجاہدے کی آگ سے انسانی طبیعت کی گندگی راکھ ہوجاتی ہے اور انفاس بشری کی تیز ہوا سے خواہش لذت کی آگ چمک جاتی ہے۔ (خواہش لذت منفی ہونے کے بجائے مثبت ہوجاتی ہے) یہ عشق اہلِ معرفت کے عشق سے پیوستہ ہوجاتا ہے۔ چوں کہ یہ عشق ملکوت کے درجے تک پہنچنے کا زینہ ہے اس لیے اہل عشق کے مذہب میں اسے لایق تحسین رویہ خیال کیا گیا ہے۔

---

[۱] عشق کی پانچ اقسام تحریر کرنے کے بعد، ان کی تفصیل کا بیان پانچویں قسم سے شروع کیا گیا ہے اس کے بعد بھی ترتیب قائم نہیں رکھی گئی ہے پھر صفحہ ۲۳۸ پر (مطبوعہ نسخہ) ''عشق ومحبت کی مختلف اقسام'' کا عنوان قائم کیا گیا ہے۔ اس سے قیاس پیدا ہوتا ہے کہ مطبوعہ نسخے کو جس خطی نسخے سے نقل کیا گیا ہے اس میں ترتیب قائم نہ رہ سکی تھی فارسی عبارت میں بھی ژولیدگی محسوس ہوتی ہے بہر حال مطبوعہ نسخے کے مطابق ترجمہ کیا گیا ہے۔

عشق و محبت کی مختلف اقسام

البتہ عقلی عشق، عقل کی قوت سے عالمِ ملکوت میں روح کے قریب، جبروت کے مشاہدے سے ظاہر ہوتا ہے۔ یہ عشق الٰہی کی ابتدا ہے لیکن عشق الٰہی جو بلند دزدہ[1] اور انتہائی درجے کا ہے اس کی ابتدائیں اور نہایتیں ہیں جن سے مشاہدۂ جلالی و جمالی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا، البتہ یہ محبت طبیعت کی آفت سے ماورئ ہوتی ہے اور خالص محبت ہوتی ہے اور لوگوں کے درمیان دیکھی ہوئی اور جانی پہچانی ہے۔ اہل معرفت کے نزدیک یہ باری سبحانہ وتعالیٰ کا فعل ہے اور کسی کا اس پر اختیار نہیں ہے۔ جب اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ وہ کسی شخص کو غیب کی راہ دکھائے تو وہ اُس شخص کو فطرت کے عجائبات اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کے کمال کے مشاہدے میں مشغول کر دیتا ہے تا کہ وہ اُن حقایق کو جو کمالات الٰہیہ ہیں اپنی روح کی آنکھ سے دیکھے اور اس مشاہدے میں خوش وقت اور مگن رہے لیکن اس کا حق اس طرح ادا کرے کہ اللہ تعالیٰ کے فعل کے جمال پر خود کو گروی رکھ دے۔ جب تک کوئی شخص ابتدا کی حقیقت تک نہیں پہنچتا، اس کے لیے آگے بڑھنا ناممکن ہے کیوں کہ غیب کے مکان کی بلندی پر پایۂ افعال کے زینے کے بغیر نہیں چڑھا جاسکتا، اسی لیے تمام عاشقان الٰہی ابتدا میں شواہد کی راہ سے داخل ہوئے ہیں، سوائے اُن خاص اہل توحید کے جن کی روح، ابتدا کے مشاہدے کے بغیر مشاہدۂ کلی سے بہرہ ور ہوئی۔ یہ بات نادراتِ غیب سے ہے۔

اگر تو یہ گمان کرتا ہے کہ عشق طبیعت کے پندار کا نتیجہ نہیں ہے تو یہ ایک برا خیال ہے۔ اس کے برعکس (عشق کی) اصل فطرت روحانی ہے جو جسمانی دنیا میں افعال کی سیر اور حق تعالیٰ کا مشاہدہ کرتی ہے۔

اگر اللہ کی پناہ (یہ کیفیت) عارضی، طبعی اور نفسانی ہے تو ازروئے قانون عشق سے پیوستگی ہے لیکن لاحق ہو جانے والی چیز کے اعتبار سے بری ہے۔ اصولِ عشق کسی صورت تباہ نہیں ہوتا لیکن (بری کیفیت) عظیم غلطی ہے اور اگر اس کیفیت میں ٹھہر جائے تو گناہ کی طرف ایک قدم ہے۔ نفسِ[2] امارہ کو کہ جسے شوق شہوت میں ڈال دیا گیا ہے، سوائے گرمی نفس کے مضمحل نہیں کرنا چاہیے۔ اس عشق کے شرعی شواہد ہیں۔

جب عقل کے داعی نے جلالِ ذات، جمالِ صفات اور تجلیِ افعال سے خاص محبتِ مخلوقات، عقول اور عبادت گزاروں کی

---

[1] مطبوعہ نسخے میں صفحہ ۲۳۸ کی عبارت یہ ہے۔ ''اما عشق الٰہی کہ دزدۂ علیاست و درجۂ قصوی آں رابدایات و نہایا تست'' ''دزدہ'' غالباً سہو کتابت ہے اس لیے کہ کسی لغت میں یہ لفظ مندرج نہیں ہے۔ قیاس ہے کہ یہاں کوئی ایسا لفظ ہے جو ''جگہ'' یا ''رتبہ'' یا ''مقام'' کا مفہوم ادا کرتا ہے۔ واللہ اعلم۔

[2] مطبوعہ نسخے میں (ص ۲۳۸) اصل عبارت یہ ہے ''نفسِ امارہ را کہ در شوق شہوت نہادہ اند، غبار آں قدم جز بدم حرقہ مضحل نباید کرد۔'' اس میں ''غبار آں قدم'' جملے کے ترجمے میں کسی طرح راست نہیں آتے، اس لیے احقر مترجم نے ''غبار آن قدم'' کے الفاظ شامل ترجمہ نہیں کیے ہیں۔ احقر مترجم اردو ترجمے میں اس تحریف اور اپنی کم علمی پر معذرت خواہ ہے۔

روحانیات میں نیز کمال عشق کے ساتھ عالمِ جاں میں برپا کی (تو) حقایق ومعارف کی بلبلوں نے شوق کی خلش ثابت قدم لوگوں کے دل میں پیوست کردی پھر نوخیز لڑکوں کے عشق کا غلبہ روح کو جذبِ محبت کے چنگل میں (پکڑ کر) مشاہدے کے عالم میں لے گیا، دوستوں کے حق کو دوستوں پر ظاہر کیا اور انھیں محبت کی شائستگی سے متصف کیا اور مزید فضلیت دینے کے لیے اپنے محبوں میں سے پاک جانوں کو منتخب کرنے کے بعد عشق ومحبت کے احسان سے نوازا کہ **وَاَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِنِّي**[1]۔(اس آیت کی تفسیر میں) **قال مجاهد ای مودة فی صدور المومنين** یعنی مجاہد نے فرمایا کہ اس کا مطلب ہے اہل ایمان کے سینوں میں محبت۔ پس اسی باعث پاک روحوں کو حق تعالیٰ کے نور سے، جو محض صفت ہے، آراستہ کیا گیا۔

معدنِ صفت کے انوار، روحوں (کے توسط) سے اجسام میں تاثیرِ حسن پیدا کرتے ہیں، اسی سبب سے عشق اہلِ عقل کی جان وروح میں صفتِ عشق کی تاثیر پیدا کرتا ہے۔ یہ اثر و تاثر حق تعالیٰ کی جانب سے دوستوں کے لیے بیش قیمت گوہر اور بیش بہا جوہر ہے۔ یہ عظیم الشان نعمت ولایت کی ابتدا اور انتہا کا سرمایہ ہے۔ اسی لیے غیب کی باتوں کا مشاہدہ کرنے والوں اور دلوں کے میدانوں کو رگڑنے والے مجاہدوں کے سردار صلی اللہ علیہ وسلم نے علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہ کو تلقین فرمائی تھی،

قُل رب اقذف لی مودة فی صدور المومنين واجعل لی عندک وليجه اجرا واجعل لی عندک عهدا اوودا۔	کہو اے پروردگار میری محبت مومنوں کے دل میں ڈال دے اور مجھے ازروئے اجر اپنا ہم نشیں بنالے اور مجھے اپنے پاس سے عہد و دوستی عطا فرما۔

جب (محبت) اللہ تعالیٰ کے دوستوں کے دلوں کی آرزو ہوگئی تو انسانی محبت صفات ربانی سے فیض یاب ہوکر مومنوں کے ارواح کو جذب کرنے والی قوت بن گئی۔ (یہ حضرات) انسانی طبائع سے شناسائی کی بدولت جہانِ جاودانی میں حتیٰ کہ جمالِ صفات کے عین مشاہدے میں کمالِ معرفت حاصل کرتے ہیں۔ اللہ عزاسمہ، نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کے موافق یہ آیت نازل فرمائی:

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّاO[2]	بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے، عنقریب رحمٰن ان کے لیے محبت پیدا کردے گا۔

قيل محبة فی صدور المؤمنين یعنی بعض کے نزدیک اس سے مومنوں کے دلوں میں محبت مراد ہے۔ (بہر حال) جو شخص محبت کے انوار سے روشن ہوگیا اور حسنِ الٰہی کی خاصیت سے آراستہ ہوگیا، اس نے اہل حق کے قلوب کی گہرائیوں میں جگہ بنالی، پس (یہ حقیقت) اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ جو شخص حسن کی خوبیوں کے ساتھ دلوں کو بھا گیا اسے "**مراد الله فی ارضه وحب الله فی الناس**" (ترجمہ: زمین میں اللہ تعالیٰ کا مقصود اور انسانوں میں اللہ تعالیٰ کی محبت) کہتے ہیں۔

---

[1] پارہ ۱۶۔ سورۂ طٰہٰ آیت ۳۹ (ترجمہ) ہم نے اپنی طرف سے آپ پر محبت ڈالی۔

[2] پارہ ۱۶۔ سورۂ مریم آیت ۹۶۔

لقولہ صلی اللہ علیہ وسلم، لاخبرکم باحبکم الی اللہ قالو بلیٰ قال احبکم الی الناس یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے کے بموجب، کیا میں تم کو خبر دوں اس کی جو تم میں اللہ کے نزدیک محبوب ترین ہے، لوگوں نے عرض کیا ہاں، آپ ﷺ نے فرمایا جو تم میں سے لوگوں میں محبوب ترین ہے، کیوں کہ حسن کی تاثیر روحوں کی پسندیدگی کے ساتھ نیک انسان کی بدولت ہی آبرومند ہوئی، اس لیے امت کے دانشمند نیک آدمیوں کا موازنہ محبتِ خلق اور محبتِ حق کی نسبت سے کرتے ہیں کہ اُس محبت کی قدر جو حق تعالیٰ کے محبوبوں کو حاصل ہے وہ قدر نیک لوگوں سے مخلوق کی محبت میں مضمر ہے۔

اہل عقل کے علم میں ہوگا کہ حق سبحانہ نے سب سے پہلے نیک لوگوں کو نیکی کرنے سے قبل برگزیدہ کیا پھر جب بھلائی کے کام کیے تو سنت الٰہی کے مطابق خلق سے محبت کا انعام ملا یعنی ''حُسن'' حق تعالیٰ اپنے انعام کو پسند کرتا ہے اور اس امر میں کسی قسم کا تعجب نہیں ہونا چاہیے کہ حقایق اسباب میں کوئی شے محبت انسانی اور محبت روحانی کے عرفان سے عزیز تر نہیں ہے کیوں کہ اسی خاص وسیلے اور زینے سے مکانِ ازل کی بلندی پر پہنچا جا سکتا ہے۔ جب حسن نہایت خوب واسطہ اور عظیم رابطہ قرار دے دیا گیا تو اس محبت کے بارے میں، عالم ازلیات کے آفات اور ابدی باغوں کے آشیاں کے سیمرغ، صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا گیا کہ قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰهُ[1] (ترجمہ: آپ فرما دیجیے اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری فرماں برداری کرو اللہ تمھیں اپنا محبوب بنا لے گا۔)

حضرت قدوۃ الکبریٰؒ فرماتے تھے کہ مظاہرِ کائنات کی صورتوں میں جمالِ الٰہی کا مشاہدہ کرنا اور موجودات کی پیش نظر کمین گاہوں میں کمالِ الٰہی کا معائنہ کرنا ہر خبیث وخسیس کے بس کا کام نہیں ہے سوائے اُن حضرات کے جو صورتوں پر پڑے ہوئے پردوں کے اندر بھی محبوب حقیقی کے رخسار کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ (ان کی صفت یہ ہے کہ) ان کا ظاہر بے جا خواہش کی آلودگی سے مبرا اور اُن کا باطن نفس کی حرکتوں سے خالی ہو چکا ہے، یہی حضرات مادی صورتوں میں اُس نور کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ اربابِ محبت چار طبقوں میں منقسم ہیں:

اربابِ محبت کے طبقوں کا بیان

پہلا طبقہ روشن دلوں کا ہے، جن کی پاک روحوں پر شہوت کے میل کچیل کا کوئی اثر نہیں ہے اور پاک صاف ہو چکی ہیں۔ ان کے قلوب بھی پاک ہیں اور طبیعت کی آلودگی سے مبرا ہو چکے ہیں۔ یہ حضرات مظاہر خلق میں حق تعالیٰ کی ذات کے سوا کسی شے کا مشاہدہ نہیں کرتے اور آئینۂ کائنات میں صرف جمالِ مطلق کو دیکھتے ہیں۔ یہ حضرات کیفیتِ عشق میں خود کو پسندیدہ شکلوں اور زیبا صورتوں میں مقید نہیں کرتے بلکہ کائناتِ عالم میں جو صورت ان کے سامنے آ جائے اس میں حق تعالیٰ کی تجلیات کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

---

[1] پارہ ۳۔ سورۂ آل عمران۔ آیت ۳۱
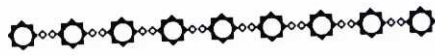
محقق ہماں بیند اندر ابل
کہ درخوبرویان چین وچگل [۱]

(ترجمہ) صاحب تحقیق اونٹ میں اسی جلوے کا مشاہدہ کرتا ہے جو چین وچگل کے خوبرویوں میں کارفرما ہے۔

(۲) دوسرا طبقہ پاکبازوں کا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عنایت سے، ان کا نفس ریاضت ومجاہدے کے باعث کثرت کے وہم، انحراف، ظلمت اور طبیعت کی کدورت سے صاف ہوجاتا ہے۔ اگرچہ یہ رذائل کلی طور پر زایل نہیں ہوتے (وجہ یہ ہے کہ) بغیر کسی مظہر کے مجرد حقایق کا ادراک اشیائے کائنات کے مناسبِ حال حاصل نہیں ہوتا تو (آخرکار) خواہ مخواہ ظاہری حسن کے توسط سے انسانی مظہر کی حس (جو مظاہر میں کامل ترین مظہر ہے) ان کے باطن میں آتشِ عشق اور سوزشِ شوق کا شعلہ بھڑکا دیتی ہے۔ رفتہ رفتہ احساسات جن سے تفرقہ پیدا ہوتا ہے جل جاتے ہیں اور جن سے اتحاد پیدا ہوتا ہے قائم ہوجاتے ہیں اور (انسانی مظہر سے) حسی تعلق ومیلان ختم ہوجاتا ہے اور (اُسی) مقید ظاہری حسن سے جمالِ مطلق کی حقیقت عیاں ہوجاتی ہے۔ ان پاکبازوں پر مشاہدات کے دروازوں میں سے ایک دروازہ کھول دیا جاتا ہے، نتیجتاً مجازی اور عارضی عشق کا رنگ اڑ جاتا ہے اور حقیقی محبت کا رنگ پکا ہوجاتا ہے۔

(۳) تیسرا طبقہ ان گرفتاروں کا ہے جو اس راستے میں آگے نہیں بڑھتے بلکہ حجابات میں گھرے رہتے ہیں اسی باعث بعضے بزرگوں نے ان احوال سے پناہ مانگی ہے اور فرمایا ہے، **نعوذباللّٰہ من السکر بعد التعرف ومن الحجاب بعد التجلی** یعنی ہم اللہ سے پناہ مانگتے ہیں شناسائی کے بعد غفلت سے اور تجلی کے بعد حجاب سے۔ ان کا یہ رویہ اس اعتبار سے حجاب ہے کہ ظاہری حسن رکھنے والی صورت سے، جو (بلاشبہ) صفتِ حسن سے موصوف ہے، آگے نہیں بڑھتے، حالاں کہ انھیں محدود کشف وشہود میسر ہوتا ہے۔ (ان کا حال یہ ہے کہ) اگر ایک صورت سے وہ حسی تعلق ومیلان منقطع ہوتا ہے تو دوسری صورت سے جو پہلی صورت سے حسن میں بہتر ہوتی ہے، وابستہ ہوجاتے ہیں اور اسی کشمکش کے عالم میں رہتے ہیں۔ (کسی حسین) صورت سے یہ حسی میلان وتعلق، دراصل دین ودنیا میں اللہ تعالیٰ سے دوری، حرمان، فتنے اور رسوائی کی ابتدا ہے۔ **اعاذنا اللہ وسائر الصادقین من شر ذالک** (اللہ تعالیٰ ہم کو اور جملہ صادقین کو اس برائی سے محفوظ رکھے)

(۴) چوتھا طبقہ (گناہ میں) آلودہ لوگوں کا ہے۔ ان کا نفس امارہ مرا نہیں ہے، ان کی آتشِ شہوت بھی ماند نہیں پڑتی اور یہ جبلت کی انتہائی پستی میں گرجاتے ہیں اور حیوانیت کے جہنم میں پڑے رہتے ہیں۔ ان کی ذات سے عشق ومحبت کا وصف معدوم ہوجاتا ہے اور لطافت کی خوبی ان کے باطن میں چھپ جاتی ہے۔ انھوں نے محبوب حقیقی کو بالکل فراموش کردیا ہے اور مجازی محبوبوں کی آغوش میں ہاتھ ڈالے ہوئے آرزوئے طبیعت کو تسکین پہنچاتے ہیں اور انہوں نے نفس کی بے

---

(۱) مطبوعہ نسخے میں (ص۔ ۲۳۹) اس مقام پر نقل کردہ لفظ مٹ چکا ہے۔ مترجم نے ''خوبرویاں'' بطور قیاسی تصحیح لکھا ہے۔ (چگل۔ ترکستان میں ایک حسن خیز شہر کا نام ہے۔ ملاحظہ فرمائیں غیاث اللغات)۔

جاخواہشوں کا نام عشق رکھا ہے۔[۱] افسوس صد افسوس۔ مثنوی:

گریز از عشقِ صورت اے دل آرام
کہ گیرداز ہو اے نفس خود کام
چرا روباہ گرگِ سیرتے را
زلیخای چو یوسف دولتے تام

ترجمہ: اے دل آرام ظاہری صورت کے عشق سے فرار اختیار کر جو انسان کو نفس خود کام کی خواہش میں جکڑ لیتا ہے چیتے کی طرح بڑھ کر حملہ کرنے کی بجائے لومڑی کیوں بن گیا ہے تو کامل دولت حسن رکھنے والے یوسف کی زلیخا ہے۔

مراتب محبت میں سے ادنیٰ ترین درجہ شہوت پسندی کے آثار ہیں۔ یہ رجحان اُن لوگوں میں پیدا ہوتا ہے جنھیں ذوقِ نفس اور قیدِ طبیعت سے رہائی نہیں ملتی اور اُن کے ذوق ادراک کے صحن پر کشف ومشاہدے کی تجلی نہیں چمکی۔ مرادِ نفس کے سوا کوئی مقصود ان کی نظر میں نہیں ہوتا اور نہ کوئی ان کا مطلوب ہے، لیکن اہل اللہ کی شان یہ ہے کہ اربابِ کشف وشہود ہیں۔ الظاہر اسمِ ذات کی تجلیات کے قبیلے سے ہے بلکہ فصوص الحکم کے مصنف رضی اللہ عنہ نے ان کو اعظم شہودات میں شمار کیا ہے، چناں چہ اکثر متقدمین اس نوع کے مشاہدے کے عشق سے منسوب کیے گئے ہیں۔ حضرت شیخ روز بھان بقلیؒ، حضرت سید الطائفہ جنید بغدادیؒ، حضرت خواجہ حسن نوریؒ، حضرت شیخ ابو القاسم گرگانیؒ اور حضرت خواجہ قاسم نصر آبادی ایسے ہی بزرگ ہیں۔

(ایک روز) شیخ الشیوخ (حضرت شہاب الدین سہروردیؒ) کی مجلس میں شیخ اوحدالدین کرمانیؒ کا ذکر ہوا حاضرین مجلس میں سے ایک جماعت نے عرض کیا کہ وہ عاشق تھے لیکن پاک طبع شاہد باز تھے۔ حضرت شیخ الشیوخؒ نے فرمایا کہ وہ بدعتی اور گمراہ ہیں، ہمارے سامنے ان کا نام نہ لیں۔ جب شیخ اوحد الدینؒ نے یہ واقعہ سنا تو کہا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر و احسان ہے کہ میرا نام اسی بہانے سے شیخ کی زبان مبارک پر آیا، جیسا کہ اس معنے میں خود فرمایا ہے۔ شعر!

و لسانی ذکر لک لی مساوۃ
بل سرّنی لمنّی خطرۃ ببالکا

ترجمہ: میری زبان پر تیرا ذکر رہتا ہے لیکن میں خوش ہوں کہ تیرے دل میں میرے لیے خلش ہے۔

جب شیخ الشیوخؒ نے شیخ اوحد الدینؒ کے اس انکسار کے بارے میں سنا تو آپ نے انصاف کیا اور تحسین کی دوسری بار جب کسی محفل میں یہ بات سنی تو فرمایا کہ وہ پاکباز شاہد باز تھے لیکن اسی مقام میں اٹکے رہے پھر اہل مجلس سے فرمایا، کاش وہ

---

[۱] مطبوعہ نسخے میں (ص ۲۴۰) یہاں یہ عبارت تحریر کی گئی ''دہواے عشق رانفس نام نہاد'' یہ صریحاً سہو کتابت ہے۔ سیاق وسباق کے مطابق عبارت یوں ہونی چاہیے۔ ''دہواے نفس راعشق نام نہاد'' چنانچہ اسی قیاسی تصحیح کے مطابق ترجمہ کیا گیا ہے۔
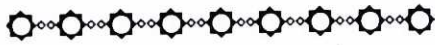
کرتے اور کر کے چھوڑ دیتے۔ بعض علما اور عرفا نے اس قسم کی محبت کی مذمت کی ہے، ایسے عاشق کو علاحدہ رکھا ہے اور اسے سلوک کا ادنیٰ مرتبہ خیال کیا ہے (اور کہا ہے کہ) ایسے لوگ اہل حجاب ہیں الاتری ان النبی صلی الله علیه وسلم کیف قال احب اِلی من دنیا کم ثلثه، النساء، والطیب، وقرّة عینی فی الصلوة۔ انه اکمل الوریٰ وانزل فی شانه یعنی کیا تو نہیں دیکھتا کہ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کیوں فرمایا، مجھے تمہاری دنیا کی تین چیزیں بہت پسند ہیں، عورت، خوشبو اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔ حالاں کہ ہر اعتبار سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اکمل ترین مخلوق ہیں اور آپ ﷺ کی شان میں نازل ہوا ہے، مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی [1] (نہ ایک طرف مایل ہوئی نظر نہ حد سے بڑھی۔)

اس حدیث کی شرح میں حضرت شیخ الکبریٰ (یعنی ابن عربیؒ) نے فصِ فردیت میں فرمایا ہے کہ یہاں مقصود اس بات سے خبردار کرنا ہے کہ اہل اللہ کو جن حالات سے گزارا جاتا ہے وہ شہود اور طبیعت کی صورت ہوتی ہے حقیقت نہیں ہوتی اس حال سے نابلد لوگ اپنی کیفیت کو اُن بزرگوں کے احوال ومقامات پر قیاس نہ کریں اور خود کو انکار وادبار کے گرداب میں نہ ڈالیں۔ رباعی: [2]

مبیں در راہِ راست از جملہ عشاق
کہ ہر کس رانوائے زیرو بالاست
یک راہِ حجاز [3] آورد آہنگ
دگر راہِ عراق [4] از پیش آراست

ترجمہ: تمام عاشقوں کو ایک جیسا خیال نہ کرو کیوں کہ ہر ایک کی آواز میں (الگ الگ) اور اونچے سر ہوتے ہیں ایک نے نغمۂ حجاز چھیڑا تو دوسرے نے نغمۂ عراق کے سروں کو سجایا۔

حضرت قدوۃ الکبراؒ نقل فرماتے تھے کہ محبت کے اسباب پانچ ہیں:

(۱) پہلا سبب۔ اپنے نفس اور اپنے وجود و بقا کی محبت ہے۔ اس محبت کی ضرورت واہمیت واضح ہے۔ ہر شخص اپنے وجود کی بقا چاہتا ہے۔ نفع حاصل کرنے اور نقصان سے بچنے کی تدبیر میں لگا رہتا ہے۔ جب اپنے وجود بقا کی محبت انسانی ضرورت ہے تو پیدا کرنے والے اور باقی رکھنے والے کی محبت اولیٰ تر ہونی چاہیے۔ [5] اس شخص پر حیرت ہوتی ہے کہ گرمی

---

[1] پارہ ۲۷۔ سورہ والنجم، آیت ۱۷۔ [2] یہ اشعار رباعی کے معروف وزن و بحر میں نہیں ہیں۔
[3] حجاز۔ موسیقی میں ایک راگ کا نام ہے۔ ملاحظہ فرمائیں غیاث اللغات۔ [4] عراق۔ یہ بھی ایک راگ کا نام ہے۔ ایضاً
[5] مطبوعہ نسخے میں صفحہ ۲۴۱ کی سطریں، ۱۔ ۴۔ ۸۔ ۱۰۔ ۱۱۔ ۱۲۔ ۱۴۔ ۱۷ قطعی طور پر مٹی ہوئی ہیں۔ ان کا پڑھنا ناممکن ہے۔ مترجم نے اس صفحے کے ترجمے میں جناب مشیر احمد کا کوروی کی تلخیص سے استفادہ کیا ہے۔ اگر احقر مترجم کو یہ تلخیص اپنے کرم فرما ڈاکٹر ناصر الدین صدیقی استاد معارف اسلامی گورنمنٹ کالج ناظم آباد سے عاریتاً دستیاب نہ ہوتی تو یہ صفحہ بے ترجمہ رہ جاتا۔ مترجم محترم ڈاکٹر صاحب کی علم نوازی اور دوست پروری کا ممنون ہے۔

سے بچنے کے لیے درخت کے سائے کو تو پسند کرتا ہے لیکن درخت کو جس کی ذات سے سائے کا قیام ممکن ہوا ہے دوست نہیں رکھتا، کیوں کہ وہ شخص (درخت کی اہمیت اور حقیقت سے) ناواقف ہے اس بات میں کوئی شک وشبہہ نہیں ہے کہ جاہل شخص حق تعالیٰ کو دوست نہیں رکھتا کیوں کہ حق تعالیٰ کی محبت ہی اس محبت کا ثمر ہے۔

(۲) دوسرا سبب۔ احسان کرنے والے اور نعمت دینے والے کی محبت ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ احسان کرنے والے اور نعمت دینے والے کا پیدا کرنے والا حق سبحانہ ہے۔ وہ نعمت دینے والے کے دل میں یہ بات ڈالتا ہے کہ اس کی سعادت اور بھلائی اس امر میں مضمر ہے کہ وہ ضرورت مند کو مال خیرات کرے۔ حق تعالیٰ منعم کو خیرات کے لیے بے چین کر دیتا ہے۔ پس حق تعالیٰ کی محبت ہی ہر محسن اور منعم کی محبت سے اولیٰ تر ہوگی۔

(۳) تیسرا سبب۔ صاحب کمال سے محبت ہے، مثال کے طور پر ایک شخص صفات کمال میں سے بعض خوبیوں کا حامل ہے جیسے علم، سخاوت اور تقویٰ وغیرہ تو اس کی وہی خوبیاں اس سے محبت کا سبب بن جاتی ہیں پس اس حقیقت کے پیش نظر اس ہستی سے محبت کرنا زیادہ بہتر ہے جو تمام کمالات کا سر چشمہ ہے اور جس کی ذات پاک سے تمام مکارِم اخلاق، محامد اور اوصاف کا فیض جاری ہوا ہے۔

(۴) چوتھا سبب۔ صاحب کمال سے محبت ہے لیکن ظاہری جمال ایک عاریتی چیز ہے درحقیقت جو عکس وخیال سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی۔ اس کی حقیقت صرف اسی قدر ہے کہ یہ جمال آب وگل نیز گوشت اور پوست کے پردے سے نمایاں ہوتا ہے۔ اس کے باوجود کسی معمولی سبب سے متغیر ہو جاتا ہے (یعنی ظاہری حسن ہمیشہ قائم نہیں رہتا) پس وہ جمیل مطلق زیادہ لائق محبت ہے جس کے انوارِ جمال کے پرتو سے تمام مخلوق حسین نظر آتی ہے۔ جمال مطلق کا ظہور کسی مظہر اور صورت میں مقید نہیں ہے۔

(۵) پانچواں سبب۔ وہ محبت ہے جو روحانی ہم آہنگی کے سبب پیدا ہوتی ہے دو شخصوں میں یہ ہم آہنگی روحانی مناسبت کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ مناسبت اس وجہ سے بھی پیدا ہوتی ہے کہ دونوں کا مزاج اعتدال کے کسی درجے میں یکساں ہو یا مزاج کا درجہ ایک دوسرے سے نزدیک ہو۔ **فالقرب نسبة الى الا عتدال الحقيقي يستلزم قبول روح اشرف اعلىٰ لا بالعكس فى الحسنة ونزول الدرجة** (پس قربت اعتدال حقیقی کی نسبت ہے جس سے بزرگ وبلند روح کی قبولیت لازم آتی ہے نہ برعکس بھلائی اور درجے کے نزول میں) چنانچہ جب دو مزاج ایک درجے پر ہوں یا ایک دوسرے کے قریب ہوں تو لازمی طور پر دونوں میں محبت پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ اسبابِ محبت حضرت مسبب الاسباب کے پیدا کردہ ہیں لہٰذا حضرت حق جنھوں نے بے علت وبے استحقاق وہ اسباب پیدا فرمائے بدرجۂ اولیٰ لایق محبت ہیں۔

لطیفہ ۴۰

پرہیز گاری، دنیا سے بے رغبتی، اور تقویٰ کا بیان

قال الا شرفؒ

الزھدھو الا عتزال عن میلان النفس حضرت سید اشرف جہاں گیرؒ نے فرمایا، زہد خواہش نفس سے علاحدہ ہو جانا ہے۔

مشائخ کے اقوال میں بیان کیا گیا ہے کہ پرہیز گاری کے پانچ مراتب ہیں۔

(۱) مرتبۂ اوّل عدل ہے یعنی جو بات ظاہری شرع کے حکم سے حرام ہے اس پر عمل نہ کرے ورنہ گنہگار اور بدکار ہوگا۔ عمومی طور پر عام مسلمان پرہیز گاری کے حکم پر عمل کرتے ہیں۔

(۲) مرتبۂ دوم نیکوکاروں کے لیے ہے، یعنی جس چیز کے بارے میں حرام ہونے کا فتویٰ نہیں ہے لیکن اس میں (ذرا سا بھی) شبہہ ہے تو اس کا ترک کرنا بہتر ہے۔ پھر شبہے کے بھی تین قسمیں ہیں:

(الف) وہ بات جس سے پرہیز کرنا واجب ہے مثلاً جس بات میں ریا کا شبہہ ہو یا غصہ کرنا۔

(ب) وہ بات جس سے پرہیز کرنا مستحب ہے جیسے بادشاہوں یا امیروں کا کھانا قبول کرنا۔

(ج) وہ بات جس سے وسوسہ پیدا ہو پرہیز کرنا لازم ہے جیسے شکار کا گوشت شاید بھاگے ہوئے جانور کا گوشت ہو۔

(۳) مرتبۂ سوم متقیوں کے لیے ہے، جو حلال سے بھی پرہیز کرتے ہیں، مثلاً حضرت عمر بن عبدالعزیز کے بارے میں منقول ہے کہ ایک مرتبہ مالِ غنیمت میں آیا ہو مشک اُن کے سامنے لایا گیا لیکن آپ نے اسے نہیں سونگھا کہ اس پر مسلمانوں کا حق ہے۔ نقل ہے کہ ایک شخص کسی بیمار کے پاس بیٹھا تھا، بیمار مر گیا، اہل خانہ نے چراغ روشن کیا تو وہ شخص روشنی سے دور چلا گیا کہ چراغ کی روشنی پر صرف وارثوں کا حق ہے۔

(۴) مرتبۂ چہارم صدیقوں کے لیے ہے جو حلال چیز سے محض اس لیے پرہیز کرتے ہیں کہ شاید وہ چیز کسی ناجائز ذریعے سے حاصل کی گئی ہو، جیسے کہ بشر حافیؒ نے سلطان کی جاری کردہ نہر کا پانی نہیں پیا (اور فرمایا) کہ معلوم نہیں کہ کس طرح

کی آمدنی سے یہ نہر کھودی گئی ہے۔

(۵) مرتبۂ پنجم مقربوں اور موحدوں کے لیے ہے جو اشارۂ حق کے بغیر کھانے پہننے کو حرام سمجھتے ہیں، **قال المحققین ورع العوام من المحرمات وورع الخواص من المحللات وورع الصدیقین ممن سوی الله** یعنی بعض محققوں نے کہا ہے کہ عوام کی پرہیز گاری حرام چیزوں سے بچنا ہے، خواص کی پرہیز گاری (مشتبہ) حلال چیزوں سے بچنا ہے اور صدیقین ماسوی اللہ سے پرہیز کرتے ہیں۔

حضرت قدۃ الکبرا فرماتے تھے کہ محققوں کے نزدیک زہدوزاہد کی کوئی حیثیت نہیں ہے اور ہونی بھی نہیں چاہیے کیوں کہ خود دنیا کی اتنی قدرو قیمت نہیں ہے کہ اس کے ترک کرنے والے کو زاہد کہا جائے، **قُلْ مَتَاعُ الدُّنْیَا قَلِیْلٌ**[1] (آپ فرما دیجیے کہ دنیا کا سامان بہت تھوڑا ہے) سے دنیا کم حیثیت ہونا ثابت ہے۔ **الزھدفی الدنیا یذبح البدن والزھدفی الآخرۃ یذبح القلب والا قبال الی اللہ تعالیٰ یذبح الروح** یعنی دنیا سے پرہیز کرنا بدن کو ذبح کرنا ہے، آخرت سے پرہیز کرنا قلب کو ذبح کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونا روح کو ذبح کرنا ہے۔

حضرت گنج شکرؒ سے نقل کرتے ہیں۔ (آپ نے فرمایا) تین باتیں زہد کی نشانیاں ہیں، جس شخص میں یہ تین باتیں نظر نہ آئیں وہ زاہد نہیں ہے۔

(۱) اوّل دنیا کی شناخت اور اس کے معاملات سے دست برداری

(۲) دوم اپنے مولا کی خدمت اور اس میں مصروفیت

(۳) سوم آخرت کی آرزومندی اور اس کی طلب

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، **وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّہٗ مَخْرَجاً وَّیَرْزُقْہُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ**[2] (اور جو اللہ سے ڈرے اللہ اس کے لیے نجات کی راہ پیدا کردے گا اور اس کو روزی دے گا جہاں سے اس کا گمان (بھی) نہ ہو)۔ (درحقیقت) متقی وہ ہے جس کی روزی کسب سے حاصل نہ ہو۔ **قال علیہ السلام، نِعْمَ کل مومن تقی ایضاً المتقی من اتقی رویتہ تقوئہ ولم یر نجاتہ** یعنی حضور علیہ السلام نے فرمایا، ہر مومن متقی بہتر ہے اور نیز متقی وہ ہے جو اپنا تقویٰ دیکھنے سے ڈرتا ہے اور اپنی نجات کے بارے میں کچھ نہیں جانتا (سوائے اپنے مولا کے فضل کے)۔

پاکیزگی تین باتوں پر منحصر ہے:

(۱) ایک حسنِ توکل جو چیز اسے حاصل ہو اس پر توکل کرے۔

(۲) دوسرے حسنِ رضا، جو چیز اسے حاصل نہ ہو اس پر راضی رہے۔

---

[1] پارہ ۵۔ سورہ النساء، آیت ۷۷۔

[2] پارہ ۲۸۔ سورہ الطلاق۔ آیات ۲ اور ۳۔

(۳) تیسرے حسنِ صبر، جو چیز اس سے فوت ہوجائے اس پر صبر کرے۔

متقی کے لیے لازم ہے کہ وہ عزیمت پر کاربند ہو اور رخصت کی فکر میں نہ رہے۔ جس شخص کا دل مفتی ہے وہ اپنے دل کے فتوے پر عمل کرے ایسا شخص متقی اور نیک بخت ہوتا ہے۔

پرہیزگاری بھی ہر شخص کی نسبت سے متضاد ہوتی ہے۔ شریعت میں متقی وہ ہے جو اعضا و جوارح کے گناہوں اور ان کے سبب اصلی سے اعراض کرتا ہے۔ طریقت میں متقی وہ ہے جو باطن کی برائیوں، نفس کے خطروں اور جسم کی بے جا خواہشوں سے بچتا ہے۔ حقیقت کی نظر میں متقی وہ ہے جو ماسوی اللہ سے اعراض کرتا ہے۔ تھوڑے اور زیادہ میں فرق ہوتا ہے۔ تھوڑی چیز کا اختیار کرنا آسان ہوتا ہے۔ چنانچہ جاہ واقتدار کی محبت، کشف وکرامت، زمین طے کرنا اور ہوا میں اڑنا اور اسی طرح کی باتیں ان کے علاوہ ہر وہ شے جو غیر اللہ ہوتی ہے مثلاً حور وقصور، محبت وجدائی وغیرہ، حقیقی متقی ان کی جانب متوجہ نہیں ہوتا۔

لطیفہ ۴۱

توکل، تسلیم ورضا اور روزی کمانے کے بیان میں اس لطیفے میں خوف اور امید کا ذکر بھی ہے

قال الاشرفؒ

التوکل ھو تفویض الا مورالی اللہ تعالیٰ ۔ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ[۱] سید اشرف جہاں گیرؒ نے فرمایا کہ توکل (درحقیقت اپنے) معاملات کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کردینا ہے (اللہ فرماتا ہے) اور جو اللہ پر بھروسا کرے تو وہ اسے کافی ہے۔ توکل کے معنی مضبوطی کے ساتھ قائم رہنے اور حق تعالیٰ کے وعدوں پر اعتماد کرنے کے ہیں۔ یہ امر یقینی ہے کہ جس شخص کو وثوق واعتماد ہوتا ہے اسے حق تعالیٰ کی عنایت کافی ہے۔ التوکل ثقة باللہ یعنی توکل اللہ تعالیٰ کے ساتھ استوار ہونا ہے۔ شعر:

و کلت الی المحبوب امری کله
فان شاء احیا وان شاء تلفاً

ترجمہ: میں نے اپنے تمام امور محبوب کے سپرد کردیے ہیں پس اگر چاہے تو زندہ رکھے چاہے ہلاک کردے۔

توکل کی تین نشانیاں ہیں:

(۱) سوال نہ کرے (۲) جب غیب سے کشائش ہو تو رد نہ کرے۔ (۳) اگر حاصل کرے تو ذخیرہ نہ کرے۔

حضرت قدوۃ الکبراؒ فرماتے تھے کہ درحقیت متوکل وہ شخص ہوتا ہے جس کی نظر اسباب پر نہ ہو بلکہ اسباب پیدا کرنے والے پر ہو۔ تمام ظاہری اور باطنی امور میں اسباب کی طرف متوجہ ہونا توکل کے خلاف ہے۔ (پس) جو شخص توکل کے باغ میں چلنا پھرنا چاہتا ہے اس پر لازم ہے کہ (اس باغ میں) پھول کی خوشبو یا کانٹے کی چبھن جو بھی میسر ہو، ہر ایک میں

---

[۱] یہ قرآن حکیم کی آیت مبارکہ ہے۔ پارہ ۲۸، سورہ الطلاق، آیت ۳۔

اسباب پیدا کرنے والے کی خوش بو سونگھے۔ بیت

ترا وقتے بود روزی توکل
کہ خارِ خشک رابنی توگِل [1]

ترجمہ: اے سالک تجھے توکل کی نعمت اس وقت نصیب ہوگی جب تجھے خشک کانٹے میں بھی پھول کی چمک نظر آنے لگے۔

بعضے مشایخ نے توکل کی چار قسمیں بتائی ہیں۔

اوّل: متیقّنِ جو یقین رکھتا ہے کہ روزی ہے، پہنچنے والی ہے **کما قال علیه السلام رزق العوام فی یمینهم و رزق الخواص فی یقینهم** یعنی جیسے کہ رسول علیہ السلام نے فرمایا، عوام کا رزق ان کے دائیں ہاتھ میں ہے اور خواص کا رزق ان کے یقین میں ہے۔

دوم: غالب جو زیادہ تر جانتا ہے کہ جو کچھ روزی ہے پہنچنے والی ہے۔ تھوری دیر میں رزق ضرور پہنچے گا۔

سوم: استوالطرفین جس کا دل رزق کے ہونے یا نہ ہونے پر یکساں حالت میں رہے۔

چہارم: مغلوب جو غالب کے برعکس ہوتا ہے (یعنی روزی کے بارے میں بے چین رہتا ہے)۔

حضرتؒ قوت القلوب [2] سے نقل فرماتے تھے، **حقیقة التوکل الفرار من التوکل ای قطع الاسباب مع اطمینان القلب بغیر تردد وقیل التوکل ترک تدبیر النفس وعن بعض الحکما انه قال مثل التقویٰ کمثل کفی المیزان والتوکل لسانه وبه یعرف الزیاده والنقصان** یعنی توکل کی حقیت توکل سے فرار ہے یعنی کسی تشویش کے بغیر، اطمینانِ دل کے ساتھ اسباب سے بے تعلق ہوجانا اور بعض کے نزدیک توکل یہ ہے کہ نفس کی تدبیر کو ترک کردیا جائے اور بعضے حکما کا قول ہے کہ تقویٰ اور یقین کی مثال ایسی ہی ہے جیسے ترازو کے دو پلڑے ہوتے ہیں اور توکل ان کی زبان ہے جس سے بیش وکم کا پتہ چل جاتا ہے۔

حاتم [3] سے لوگوں نے دریافت کیا آپ کہاں سے کھاتے ہیں، فرمایا **وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰات وَالْاَرْضِ ولکِنَّ**

---

[1] مطبوعہ نسخے (ص ۲۴۲) اور خطی نسخے (ص ۶۲۴) دونوں میں دونوں مصرعوں میں ''توکل'' نقل ہوا ہے۔ دونوں مصرعوں میں ایک ہی قافیہ لانا خلاف اصول ہے۔ علاوہ ازیں دونوں مصرعوں میں توکل کا قافیہ برقرار رکھا جائے تو دوسرے مصرعے کے کوئی معنی ہی برآمد نہیں ہوتے۔ احقر مترجم کا قیاس ہے کہ دوسرا مصرع یوں ہوگا ...... کہ خارِ خشک رابنی توگل ...... اسی قیاس تصحیح کے مطابق ترجمہ کیا گیا ہے۔

[2] قوت القلوب۔ تصوف کی اہم ترین تصنیفات میں سے ہے۔ اس کے مصنف ابو طالب محمد بن علی بن عطیۃ الحارثی المکی م ۳۸۶ھ تھے۔ کتاب کا پورا نام ''قوت القلوب فی معاملۃ المحبوب'' ہے۔

[3] مطبوعہ نسخے میں ان کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں دی گئی ہے۔ شاید ابو عبدالرحمٰن حاتم اصم، م ۲۳۷ھ مراد ہیں۔

الْمُنٰفِقِیْنَ لَا یَفْقَهُوْنَ [۱] (ترجمہ: اور اللہ ہی کی ملک میں، آسمانوں اور زمینوں کے (سب) خزانے مگر منافق نہیں سمجھتے۔) حقیقی توکل یہ ہے کہ (بندہ) یہ یقین کرلے کہ بخشش اور ممانعت اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہے اور (وہ) دائمی مہربان غافل نہیں ہے۔ تمہارا گمان یہ ہے کہ رزق کے بغیر چارہ نہیں ہے جب کہ حقیقت یہ ہے کہ رزق کو تمہارے بغیر چین نہیں ہے۔ بیت:

بد نبال روزی چہ بایددوید
تو بنشیں کہ روزی خود آید پدید

ترجمہ: روزی کے پیچھے کیوں دوڑتا پھرتا ہے تو ایک جگہ جم کے بیٹھ جا، روزی خود بخود تیرے سامنے آئے گی۔

قیل الرزق رزقان، رزق یاتیه ورزق یاتیک یعنی کہا گیا ہے کہ رزق دو طرح کا ہوتا ہے۔ وہ رزق جس کے پاس تو آتا ہے اور وہ رزق جو تیرے پاس آتا ہے۔ عمدہ رزق وہ ہے کہ گھر بیٹھے ہوئے شخص کو رزق پہنچ جائے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت سید الطائفہ (جنید بغدادیؒ) حضرت رابعہؒ کے ہاں ملاقات کے لیے آئے۔ حضرت رابعہؒ نے دریافت کیا کہ اے جنید آپ کے رزق کا کیا حال ہے؟ جواب دیا کہ اگر (اللہ تعالیٰ) دیتا ہے تو کھالیتا ہوں اگر نہیں دیتا تو قانع رہتا ہوں۔ رابعہؒ نے کہا کہ ہماری گلی کے کتوں کی بھی یہی خاصیت ہے۔ (اس پر جنیدؒ نے) کہا، فرمایئے کہ پھر کیا کروں؟ [۲] بیت:

اگر نداد بکن شکر کاندراں خیرست
اگر بدادت بر بندگاں بکن ایثار

ترجمہ: اگر (رزاق حقیقی نے روزی) نہیں دی تو شکر ادا کر کہ اس میں خیر کا پہلو ہے۔ اگر تجھے (روزی) عطا ہوئی ہے تو اسے بندگان الٰہی پر ایثار کر۔

پیر ہری [۳] نے فرمایا، ہاتھ کو متحرک رکھ تاکہ تو کاہل نہ ہوجائے۔ روزی کو اللہ تعالیٰ کا عطیہ جان تاکہ کافر نہ بن جائے

---

[۱] پارہ ۲۸۔ سورہ المنٰفقون، آیت ۷

[۲] اس واقعے سے متعلق تاریخی احتمال یہ ہے کہ رابعہ بصریؒ کا وصال بقول ابن خلکان ۱۳۵ ہجری یا ۱۸۵ ہجری میں ہوا۔ دیگر کتب تصوف میں اس روایت میں حضرت حسن بصری اور سفیان ثوری علیہ الرحمہ کا نام ہے۔ ''نجوم الزاہرہ'' میں رابعہ بصریؒ کی وفات ۱۸۰ ہجری میں بتائی گئی ہے۔ مولانا جامی نے حضرت جنید بغدادی کی وفات ۲۹۷ھ تحریر کی ہے۔ اگر رابعہ بصریؒ کی وفات ۱۸۵ ہجری میں اور جنید بغدادیؒ کی عمر ۱۱۰ سال فرض کی جائے تو ان کی ولادت حضرت رابعہ بصریؒ کی وفات کے بعد ہوئی ہوگی۔ ملاحظہ فرمائیں ''تاریخ تصوف درایران'' جلد دوم مصنفہ ڈاکٹر قاسم غنی۔ تہران چاپ دوم ۱۳۴۰ ش صص ۳۱ اور ۴۹۔ احقر مترجم کا قیاس ہے کہ اصل روایت میں کسی اور بزرگ کا ذکر ہوگا لیکن صدیوں تک نقل درنقل کے باعث حضرت جنید بغدادی کا نام شامل ہوگیا۔ واللہ اعلم

[۳] پیر ہری سے غالباً خواجہ عبداللہ انصاری ہرویؒ (م ۴۸۱ ہجری) مراد ہیں۔

ہاتھ کو حرکت دینے سے مراد یہ ہے کہ تو اندھیری رات میں بستر سے اٹھ جائے، وضو کرے اور نوافل ادا کرے۔ حضرت قدوۃ الکبراؒ فرماتے تھے کہ تسلیم کے معنی سپرد کرنا ہیں اور سپرد کرنے والے کو مالک ہونا چاہیے تاکہ سپرد کرنے کا فعل درست ہو۔ خلیل اللہ (علیہ السلام) نے کہا، اسلمت لرب العٰلمین (ترجمہ: میں نے اپنی گردن رکھ دی تمام جہانوں کے رب کے لیے) اس سپردگی کا بدلہ یہ تھا کہ فانی گھر کی[1] (دنیا کی) فانی آگ جو مخلوق کی سلگائی ہوئی تھی خلیل اللہؑ پر ٹھنڈی ہوگئی اور یہ جو کہا وَاُفَوِّضُ اَمْرِیْٓ اِلَی اللّٰہِ[2] (اور میں اپنا (سب) معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔) اس تفویض کا بدلہ یہ ملا کہ دارِ بقا کی باقی رہنے والی آگ جسے اللہ نے سلگائی ہے حضرت رسالت علیہ السلام کے غلاموں پر ٹھنڈی ہوگئی۔

حضرت قدوۃ الکبراؒ فرماتے تھے کہ خود کو حق تعالیٰ کے سپرد کرنا یہ ہے کہ نعمت ہو یا مصیبت اس کی طرف سے جانے۔ ایک سے خوش اور دوسرے سے غمگین نہ ہو ورنہ حضوری کی کیفیت سے حجاب میں جا گرے گا کیوں کہ سپردگی حق کے ساتھ دل کا قرار ہے اور اس کی معرفت میں سچا ہونا ہے کہ مصیبت اور نعمت دینے والا صرف اللہ ہے۔ بیت:

بگزاشتہ ام مصلحتِ خویش بدو
گر بکشد و ور زندہ کند او داند

ترجمہ: ہم نے اپنے معاملات اللہ تعالیٰ کے سپرد کردیے ہیں۔ اب مارے یا جلائے یہ وہی جانے۔

حضرت قدوۃ الکبراؒ فرماتے تھے کہ سپردگی اور ترکِ مداخلت بندگی کی علامت ہے۔ غلام کو آقا کی ملکیت میں تصرف کرنا جائز نہیں ہے کیوں کہ ایسا تصرف آقا کے حکم کی خلاف ورزی کے ضمن میں آتا ہے اور یہ کفر ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُل لَّآ اَمْلِکُ لِنَفْسِیْ نَفْعاً وَّلَا ضَرّاً اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰہُ وَلَوْ کُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ لَاسْتَکْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ وَمَا مَسَّنِیَ السُّوْءُ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ وَّبَشِیْرٌ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ۝[3]

فرما دیجیے میں اپنی جان کے لیے خود کسی نفع کا مالک نہیں اور نہ کسی نقصان کا مگر (اس کا) جو اللہ چاہے اور اگر (تعلیم حق کے بغیر) میں غیب جانتا تو یقیناً (بذاتِ خود) بھلائی جمع کر لیتا اور مجھے کوئی تکلیف نہ پہنچتی۔ میں تو ایمان والوں کو (اللہ کی طرف سے) محض ڈرانے والا اور خوش خبری سنانے والا ہوں۔

حضرت قدوۃ الکبراؒ فرماتے تھے کہ وہ عزیز بندہ جس سے مسبب (اللہ تعالیٰ) اسباب لے لیتا ہے وہ حق تعالیٰ کی رضا کا منتظر رہتا ہے اور ہر صورت حال میں کسی قسم کی تدبیریں اختیار نہیں کرتا کہ الآفۃ فی التدبیر والسلامۃ فی التسلیم یعنی

---

[1] مطبوعہ نسخے (ص ۲۴۳) کی عبارت یہ ہے: ''سرد شدن آتش فانی بدار البقا کہ موقدش مخلوق بود'' اس عبارت میں ''بدار البقا'' سہو کتابت ہے یہاں ''بدارالفنا'' ہونا چاہیے تاکہ بعد کی عبارت کے مطابق ہوجائے۔ اس قیاس کے مطابق ترجمہ کیا گیا ہے۔

[2] پارہ ۲۴۔ سورۂ المومن، آیت ۴۴ [3] پارہ ۹، سورہ الاعراف، آیت ۱۸۸۔

تدبیر میں آفت ہے اور سپردگی میں سلامتی ہے۔ قطعہ

سلامت آں کسے باشد کہ درراہ
مسلّم باشدش ارشاد تسلیم
بباد اوبود حرکات سکنات
نہادہ در تو ومیدانت تسلیم[1]

ترجمہ: راہِ سلوک میں وہ شخص سلامتی کے ساتھ گزرتا ہے جو تسلیم کے حکم کو مانتا ہے۔ جس کی حرکات وسکنات سپردگی کے اشارے کے مطابق ہوتی ہیں اور جس کی بنیاد اور میدان میں بجز سپردگی کچھ نہ ہو۔

بندے کی سپردگی قاطعِ مصیبت ہوتی ہے۔ مقام خلیل اللہ ہے۔ **حسبی من سوالی علمه بحالی** یعنی مجھے میرے سوال سے کفایت ہے اس کا علم میرے حال کے ساتھ ہے۔ شعر:

علم تسلیم ہیچ دانی چیست
ارّہ بر سر نہند او تسلیم

ترجمہ: تجھے کچھ خبر ہے کہ علم تسلیم کیا ہے؟ یہ ہے کہ اس کے سر پر آرہ چلائیں اور وہ جنبش نہ کرے۔

حضرت قدوۃ الکبرا فرماتے تھے کہ اکثر مشائخ نے ہمیشہ دست کاری کے ذریعے روزی کمائی ہے اور دل وجان سے اس پر عمل کیا ہے۔ متقدمین مشائخ اور علما نے ہاتھ سے روزی کمانے کا شغل اختیار کیا ہے اور باعث عزت گمان کیا ہے۔ ہندوستان میں روزی کمانے کو بدترین عادات اور ذلیل ترین اخلاق میں شمار کیا جاتا ہے، اسی باعث بھیک اور محتاجی میں مبتلا کردیے گئے ہیں۔ انھیں اس کی خبر ہی نہیں ہے کہ اکثر انبیا کسی پیشے اور کسب سے منسوب رہے ہیں چنانچہ کسب کی توہین کو ایک قسم کا کفر کہا گیا ہے کیوں کہ وہ توکل کی وادی میں آخری حد تک پہنچنے میں ناکام رہے اگر لوگ روزی کمانے کا شغل اختیار کرتے ہیں تو جائز ہے بلکہ لازم ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے، **فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ**۔[2] (پھر جب نماز پوری ہوجائے تو زمین میں منتشر ہوجاؤ)۔

نقل ہے کہ ایک شخص کا کنبہ بڑا اور معاش کے ذرائع کم تھے حضرت شبلی رحمتہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی پریشانی بیان کی۔ آپ نے فرمایا کہ اپنے گھر لوٹ جا اور اس فرد کو جس کی روزی کا ذمہ اللہ تعالیٰ پر نہیں ہے اسے گھر سے نکال دے۔ وہ شخص شبلیؒ کے جواب سے متنبہ ہوا اور گوشۂ توکل میں بیٹھ گیا۔

---

[1] اس قطعے کا دوسرا شعر خطی نسخے (ص ۶۲۵) کے مطابق نقل کیا گیا ہے۔ مطبوعہ نسخے کے صفحہ ۲۴۳ پر چوتھا مصرع ''نہادہ در تو ومیدنت تسلیم'' نقل ہوا ہے۔ اس میں سہوِ کتابت کا احتمال پیدا ہوتا ہے۔ بہرحال مترجم نے اس قطعے کا ترجمہ بہ تکلف کیا ہے لیکن مطمئن نہیں ہے۔

[2] پارہ ۲۸۔ سورۃ الجمعہ، آیت ۱۰

اربابِ توکل کی تمثیل میں ایک حکایت

نقل ہے کہ ایک جماعت خواجہ جنید قدس اللہ روحہٗ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ اگر حکم ہو تو ہم تلاشِ رزق شروع کردیں۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تمھارا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں بھلا دیا ہے تو یاد دلاؤ۔ انھوں نے عرض کی کہ ہم مکان کے اندر توکل میں بیٹھ جائیں۔ فرمایا کہ تمھارے لیے یہ تجربہ مشکل ہوگا۔ انھوں نے عرض کی پھر حیلہ (بہانہ) کیا ہے؟ فرمایا حیلہ ترک کرنا ہی حیلہ ہے۔ قطعہ:

کزیں رہ می روی ہشیار می رو
تو نازِ نازنیناں راچہ دانی
بہ موسیٰ گو کہ برہر کو ہے تیغ است
ولے بر طور تیغِ لن ترانی

ترجمہ: تو راستے سے جارہا ہے ذرا ہوش کے ساتھ چل۔ تجھے نازنینوں کے ناز کی خبر نہیں ہے۔ (حضرت) موسیٰ سے کہو کہ ہر پہاڑ کی چوٹی پر تلوار ہے لیکن کوہِ طور پر لن ترانی (تم مجھے ہرگز نہ دیکھ سکو گے) کی تلوار ہے۔

عوارف[1] میں اس گروہ کے مختلف احوال بیان کیے گئے ہیں، جو اسباب کے ساتھ گزر بسر کرتے ہیں یا اسباب سے بچتے ہیں۔ ان میں کوئی ایسا ہوتا ہے جو فتوح اور رزق معلوم کی طرف جلد مایل نہیں ہوتا۔ نہ کسب کرتا ہے نہ سوال کرتا ہے۔ کوئی ایسا ہوتا ہے کہ کمائی ہوئی روزی سے پیٹ بھرتا ہے۔ کوئی فاقے کے وقت سوال کرتا ہے لیکن فاقہ اسے کہتے ہیں کہ کوئی شخص فاقے کی وجہ سے ہلاکت کے قریب پہنچ جائے۔

وہب رضی اللہ عنہ کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ اگر آسمان تانبا بن جائے اور زمین سیسے کی ہوجائے تو میں ہر حال میں رزق کا اہتمام کروں گا۔ لیکن اگر میرا رجحان صرف رزق کی طرف ہی رہے تو میں مشرک ہوجاؤں گا۔

ابوعلی رود باری فرماتے ہیں، اگر صوفی پانچ روز کے بعد یہ کہے کہ میں بھوکا ہوں تو **فالزموہ بالسوق ومروہ بالکسب** (اسے ملازم بازار کرو اور کسب کا حکم دو)

یہاں ایک نکتہ پیدا ہوتا ہے۔ جو شخص روزی کمانا ترک کرے ذکر وفکر میں بیٹھ جائے یا اخلاص واستغراق کے لیے عبادت میں مشغول ہوجائے لیکن اس کے دل میں تشویش ہو، اور اس انتظار میں رہے کہ کوئی شخص آئے اور اس کے لیے کچھ لائے تو ایسے شخص کو ترکِ کسب روا نہیں ہے، البتہ وہ شخص جس کا دل قوی ہو اور حق تعالیٰ پر صبر وتوکل کرنے کی طاقت رکھتا ہو

[1] عوارف۔ اس تصنیف کا پورا نام ''عوارف المعارف ہے، جسے شیخ شہاب الدین سہروردی (م ۶۳۲ھ) نے تحریر فرمائی ہے۔

ایسے شخص کے لیے ترکِ کسب بہتر ہے۔ اگر کسی کسی شخص کے دل میں یہ اضطراب ہے کہ کوئی شخص اس کے گھر آئے اور اسے کچھ دے تو یہ خیال بھی ایک قسم کا سوال ہے جو دل سے کیا گیا پس ترکِ سوال ترکِ سبب سے بہتر ہے۔

قال الخوف ذکر والرجا انس ومنھما یولد حقائق الایمان یعنی فرمایا کہ خوف ذکر ہے اور رجا (امید) محبت ہے، ان دونوں سے حقائقِ ایمان پیدا ہوتے ہیں۔

ایضاً، الخوف جندمن جنود الله، لا یصح خوفه حتّٰی لا یخاف من الحسنات کما یخاف من السیأت پھر (فرمایا) خوف اللہ تعالیٰ کے لشکروں میں سے ایک لشکر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا خوف اس وقت تک درست نہیں ہوتا جب تک کوئی شخص نیکیوں سے ایسے ہی ڈرے جیسے برائیوں سے ڈرتا ہے۔ جس روز اخلاص سے نماز پڑھی ہو یا روزہ رکھا ہو یا پاک حج ادا کیا ہو، اس روز زیادہ ڈرنا چاہیے۔ (دراصل) خوف ایمان کی شرطوں میں سے ایک شرط ہے۔

خشیت[1] عبارت ہے خوف سے۔ اس کے بارے میں مشائخ کا اختلاف ہے۔ (سفیان) ثوریؒ نے فرمایا ہے کہ خوف حُزن ہے۔ جنید (بغدادیؒ) کا قول ہے کہ سانس کے شمار کے ساتھ عقوبت برداشت کرنا (خوف ہے) ابراہیم بن شعبانؒ نے فرمایا، جب خوف دل میں بیٹھ جاتا ہے تو شہوتوں کی جگہوں کو جلا دیتا ہے اور اس سے دنیا کی رغبت دور کر دیتا ہے۔ بعضے بزرگوں نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے جلال سے دل کا لرزنا خوف ہے۔ کہا گیا ہے کہ خوف احکام کی متابعت سے دل کا قوی ہونا ہے۔ حاتم اصم کا قول ہے کہ ہر شے کے لیے زینت ہے، عبادت کی زینت خوف ہے۔ خوف کی علامت قصرِ امید ہے، جیسے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ[2] (تو تم ان سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو اگر تم مومن ہو) خشیت عمل کی شرائط میں سے ایک شرط ہے، جیسے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا۔[3] (اللہ کے بندوں میں سے اللہ سے وہی ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں۔) جو شخص کسی شے سے ڈرتا ہے اس شے سے دور بھاگتا ہے (لیکن جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف دوڑتا ہے۔ جہاں کہیں خوف ہے دلیری نہیں ہے اور جہاں کہیں رجا (امید) ہے فرصت نہیں ہے۔ اگر اس کی (خوف کی) یا اُس کی (امید کی) دائمی قید میں رہے تو ایمان تباہ ہونے کا اندیشہ ہے۔ **الایمان بین الخوف والرجا** (ایمان خوف اور امید کے درمیان ہے) اس حقیقت کا بھید ہے۔

خوف اور امید پرندے کے دو پر ہیں۔ اگر اس پرندے کا ایک پر ناقص ہو تو ایک پر کی قوت سے اڑنے کی رفتار سست رہے گی جب تک دونوں پر یکساں اور برابر نہ ہوں۔ قطعہ:

---

[1] یہاں مطبوعہ نسخے (ص ۲۴۴) میں طویل عربی عبارت مع فارسی ترجمے کے تحریر کی گئی ہے۔ احقر مترجم نے عربی عبارت نقل کرنے کے بجائے فارسی ترجمے کا اردو ترجمہ کرنے پر اکتفا کیا ہے۔

[2] پارہ ۴۔ سورۂ ال عمران، آیت ۱۷۵۔ [3] پارہ ۲۲۔ سورۂ فاطر، آیت ۲۸،

دو بالِ خوف ورجا مرغِ سالک از ہم زد
پرید تابسرِ آشیانِ وحدت خویش
بریخت پرّ ہوائے گریز، خانہ گرفت
کشاد بال و پر از بیضہائے کثرت خویش

ترجمہ: سالک پرندے نے خوف وامید کے دو پروں کو حرکت دی اور اپنے آشیانۂ وحدت کی طرف اڑا خواہشِ فرار (خوف) نے پرتوڑ دیا تو گوشے میں بیٹھ گیا اور اپنی کثرت کے انڈوں (امیدوں) سے بال وپر کھولے۔

خوف کی حقیقت یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے مکر (تدبیر) سے محفوظ نہ رہ سکے، **وَاُمْلِیْ لَھُمْ اِنَّ کَیْدِیْ مَتِیْنٌ**[1] (اور میں انھیں مہلت دیتا ہوں بے شک میری خفیہ تدبیر بہت پکی ہے) دس امور مکر کی علامت ہیں۔ اوّل بے ذوق طاعت، دوم بغیر توبہ کیے گناہ کرتے رہنا، سوم دعا میں بے اطمینانی کی کیفیت، چہارم علم بے عمل، پنجم حکمتِ بے نیت۔ ششم احترام کے بغیر نیک بندوں کی صحبت، ہفتم بدلوگوں کی جانب رغبت، ہشتم بے اطمینانی، نہم اللہ کے آگے ایسی عاجزی جو یقین سے خالی ہو، دہم بندے کا غیر خدا پر بھروسا۔ آخر کی دو علامتیں سب سے بدترین ہیں۔

رجا کی علامت یہ ہے کہ بندہ طاعت میں لگا رہے اور اللہ تعالیٰ کے کرم کی امید رکھے۔ دل کی قوت امید ہے۔ شیخ یحیٰ معاذ رازی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی عنایتوں میں سے سب سے بڑی عنایت یہ ہے کہ بندے کے دل میں اللہ تعالیٰ کے کرم کی امید قائم رہے۔

لوگوں نے مالک بن دینار کو خواب میں دیکھا۔ ان سے دریافت کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا کیا؟ انھوں نے کہا کہ میں اُس بارگاہ عالی میں بہت زیادہ گناہوں کے ساتھ حاضر ہوا، مجھے تمام گناہوں سے پاک کردیا گیا اُس یقین کی بنا پر جو مجھے اللہ تعالیٰ کے ساتھ تھا۔ **انا عند ظن عبدی**[2] یعنی میں اپنے بندے کے گمان پر ہوں اس حقیقت کا بھید ہے۔ حق تعالیٰ نے بشر حافی سے ان کی وفات کے بعد دریافت کیا کہ تو دنیا میں مجھ سے کیوں ڈرتا رہا، **ما علمت الکریم صفتی** (کیا تو نہیں جانتا کہ الکریم میری صفت ہے) شعر:

امید واراں دستے زوند مدام بدوست
اگر فرد گسلا نند در کہ آویزند

ترجمہ: امید وارانِ کرم ہمیشہ دوست کا سہارا پکڑتے ہیں۔ اگر دوست کا ہاتھ چھوڑ دیں تو پھر کس کے سہارے رہیں گے۔

---

[1] پارہ ۹۔ سورہ الاعراف، آیت ۱۸۳

[2] مطبوعہ نسخے (ص۔۲۴۵) میں یہ حدیث قدسی اس طرح نقل کی گئی ہے، ''اَنَا عَلیٰ ظَنّ عبدی'' لیکن یہ درست نہیں ہے۔ یہاں خطی نسخے کے مطابق نقل کی گئی ہے۔

لطیفہ ۴۲

خواب کی تعبیر کا بیان

قال الاشرف:

التعبیر ما یعبر من الرو یا بمقتضی حال یعنی سید اشرف جہاں گیرؒ نے فرمایا، تعبیر کے معنی ایسی بات ظاہر کرنے کے ہیں جو خواب میں دیکھے گئے واقعے کے مطابق ہو۔

حضرت قدوۃ الکبراؒ فرماتے تھے کہ اہل ریاضت ومجاہدہ کے خواب کی تعبیر اربابِ دولت کے خواب سے مختلف قسم کی ہوتی ہے خواہ دونوں کا خواب یکساں ہی کیوں نہ ہو۔ ہر گروہ کے خواب کی تعبیر مختلف ہوتی ہے۔

حضرت قدوۃ الکبراؒ فرماتے تھے کہ ایک شخص خواب کی تعبیر معلوم کرنے کے لیے حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ میں نے خواب دیکھا کہ میں ایک بہت سایہ دار درخت کے نیچے بیٹھا ہوا ہوں اور میں نے اس کے سائے سے فائدہ حاصل کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعبیر فرمائی کہ تمھیں بادشاہِ وقت سے دنیاوی فائدے حاصل ہوں گے۔ ایک دوسرے شخص نے بعینہ یہی خواب جو ایک بادشاہ نے دیکھا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیان کیا۔ فرمایا، اس کا ملک اس کے ہاتھ سے چلا جائے گا لیکن تخت وہی رہے گا۔

فرماتے تھے کہ خواب کی تعبیریں بھی کئی قسم کی ہوتی ہیں۔ ایک قسم یہ ہے کہ خواب بیان کرتے وقت خواب دیکھنے والے کے جسمانی اعضا کی حرت کس طرف ہے۔ اگر دائیں جانب حرکت کرتے ہیں تو تعبیر اچھی ہوگی اگر اعضا کی حرکت بائیں جانب ہے تو بری ہوگی۔ اس تعبیر کو ''فعل السائل'' اور ''بالسمع'' بھی کہتے ہیں۔ ''تعبیر بالسمع'' کا تعلق تعبیر بتانے والے سے ہے کہ اس نے خواب سنتے وقت کیا سنا۔ اگر اس نے مبارک بات جیسے اذان کی آواز، تلاوت قرآن، اللہ تعالیٰ انبیا اور اولیا کا ذکر یا اس کی مثل کلام سنا ہے تو خواب کی تعبیر نیک ہوگی اگر اس نے نامبارک بات جیسے گالی یا گریہ یا اس کی مثل ناخوش گوار بات سنی ہے تو خواب کی تعبیر بری ہوگی۔ ایسے ہی ''تعبیر بہ بصر'' بھی ہے۔ اس کا تعلق بھی تعبیر بتانے والے سے ہے یعنی جب خواب بیان کیا جارہا تھا تو اس نے کیا دیکھا۔ اگر ایسی بات دیکھی جو نیک فال ہو جیسے اچھا چہرہ یا گھوڑے کی شکل اور

ایسی ہی چیزیں تو خواب کی تعبیر نیک ہوگی۔ اگر برا چہرہ اور بری صورت دیکھی جو نیک فال خیال نہیں کی جاتیں تو اس صورت میں خواب کی تعبیر بری ہوگی۔ خواب کی تعبیر بتانے والے پہلی قسم کو ''تعبیر بسمع'' اور دوسری قسم کو ''تعبیر بہ بصر'' کہتے ہیں۔

غالبًا اسی مجلس میں فرمایا کہ حضرت شیخ فرید الدین گنج شکرؒ جب بھی کوئی خواب دیکھتے تھے تو اس کی تعبیر جاننے کی بہت کوشش فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ نے خواب دیکھا اور اس کی تعبیر کے لیے بہت غور و فکر کیا لیکن کوئی مناسب تعبیر حاصل نہ ہوئی، یہاں تک کہ قرآن شریف سے فال دیکھی، اس میں بھی ایک ایسی آیت بر آمد ہوئی جس سے تعبیر کے نیک وبد کا پتہ نہ چلتا تھا۔ بس بین بین تھی۔ آخر الامر حضرت شیخ نظام الحق والدینؒ نے عرض کیا۔ یا شیخ! آپ کے خواب کی تعبیر نیک ہے گنج شکرؒ نے دریافت فرمایا، تم نے یہ بات کس طرح معلوم کی؟ انھوں نے عرض کیا کہ جس وقت آپ خواب بیان فرما رہے تھے تو آپ کا دایاں دست مبارک آسماں کی جانب حرکت کر رہا تھا، اس صورت حال سے میں نے جانا کہ خواب کی تعبیر خیر کے ساتھ ہوگی۔ پھر رویت باری تعالیٰ کا ذکر آ گیا (فرمایا) خواب کی تعبیر سے متعلق ابن سرینؒ [۱] فرماتے ہیں کہ جو شخص حق تعالیٰ کو خواب میں دیکھے وہ شخص دنیا میں امن میں رہے گا، دونوں جہانوں میں نیک بخت ہوگا اور اسے بہشت نصیب ہوگی۔ اگر کافر ایسا خواب دیکھے تو ایمان لائے گا۔ اگر فاسق یہ خواب دیکھے تو اسے توبہ نصیب ہوگی۔ اگر ظالم بادشاہ یہ خواب دیکھے تو عادل ہو جائے گا۔ درویش دیکھے تو تونگر ہو جائے گا۔ اُس شہر میں عدل وانصاف جاری ہوگا۔

طرح طرح کے خوابوں کا ذکر

حضرت قدوۃ الکبراؒ فرماتے تھے کہ شیاطین ہر شکل کے مشابہ ہو کر سامنے آ سکتے ہیں لیکن رسول علیہ السلام کی شکل میں نہیں آ سکتے (اس کی انھیں قدرت ہی نہیں ہے) اسی سلسلے میں فرمایا کہ بغداد میں قلندروں کی ایک جماعت آئی اور ایسے اطوار شروع کر دیے جو اہل سنت و جماعت کے خلاف تھے۔ شہر کے علما اور فصحا جمع ہوئے اور ان کے قتل کرنے کا فتویٰ دے دیا۔ مولانا برہان الدین جو بغداد کے علما کے پیشوا اور راست گفتار اہل بلاغت کا خلاصہ تھے، اس معاملے کے پیش کار بنے اور یہ معاملہ سلطان کی خدمت میں عرض کیا، سلطان نے تعظیم وتکریم بجالانے کے بعد کہا کہ کل میرے پاس سوال فتویٰ روانہ کیا جائے تاکہ فیصلہ کروں۔ مولانا اپنے گھر آ گئے۔ رات خواب میں دیکھا کہ ان کے والد کی شکل میں ایک نورانی شخص ہے جو کہہ رہا ہے، اے بیٹے! تو کس خیال میں گرفتار ہے۔ خلقِ خدا کو خدا کے حوالے کر اور یہ کہہ کر وہ شکل غائب ہوگئی۔ مولانا خواب سے جاگے تو بہت فکر مند ہوئے کہ اب کیا کروں؟ (اسی تشویش میں) نیند آ گئی۔ حضرت رسول علیہ السلام کی عالم آرا اور مشکل کشا شکل خواب میں نمایاں ہوئی، فرمایا تم ہرگز اپنے دل میں تردد نہ کرو۔ وہ ابلیس کی صورت تھی جس نے دھوکہ دیا

---

[۱] (آپ کا پورا نام محمد ابن سیرین تھا۔ آپ مفتیان بصرہ میں بلند مرتبے کے حامل تھے۔ فقیہ، امام، وسیع العلم اور خواب کی تعبیر بتانے کے ماہر تھے۔ ۱۱۰ھ میں وفات پائی۔ ملاحظہ فرمائیں ''تاریخ فقہ اسلامی'' از علامہ محمد الخضری۔ اردو ترجمہ از مولانا عبد السلام ندوی۔ اسلام آباد، سال ندارد، ص ۲۳۰۔۲۳۱)

اور تم سے شرع درست کرنے کی بات کی۔ اب تم پر لازم ہے کہ پوری آبادی سے اٹھو، شریعت پر کار بند ہو جاؤ اور ان کے قتل کرنے کا فتویٰ دو کیوں کہ بدعت کو جڑ سے اکھاڑ نا انتہائی اہم کام ہے۔ مولانا (اس بشارت سے) بہت خوش ہوئے اور شریعت کا حکم پورا کیا۔

خواب میں حمائل (چھوٹا قرآن شریف جو گلے میں لٹکایا جاتا ہے) پانا بہت اچھا ہے۔ اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیا جائے کہ خواب کی تعبیر ہر شخص کی نسبت سے جو زاہد ہو، فاسق ہو یا صوفی ہو جدا جدا ہوتی ہے۔

بیان کیا گیا ہے کہ حضرت امام اعظمؒ نے خواب میں دیکھا کہ وہ حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر منورہ کو کھود رہے ہیں، ہڈی کی خاک کو الٹ پلٹ اور پراگندہ کررہے ہیں۔ صبح ہوئی تو امام اعظمؒ بہت پریشان اور فکر مند ہوئے۔ ایک شخص کو یہ پیغام بھیجا کہ تم ابن سیرین کے پاس جاؤ اور کہو کہ تم نے یہ خواب دیکھا ہے (اس کی تعبیر کیا ہے) وہ شخص ابن سرین کے پاس گیا اور کہا کہ میں نے یہ خواب دیکھا ہے۔ حضرت ابن سرین نے فرمایا کہ یہ آپ کا خواب نہیں ہوسکتا البتہ امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ نے دیکھا ہوگا۔ جایئے اور انھیں خوش خبری دیجیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم کی خاک اور شریعت کے مغز کو دنیا کے اطراف میں پہنچائیں۔ اگر کسی دوسرے شخص نے یہ خواب دیکھا ہوتا تو ابن سرین اس کی تعبیر دوسری طرح کرتے۔

عبدالملک بن مروان نے خواب دیکھا کہ اس کی کسی دشمن سے جنگ ہوگئی ہے۔ دشمن نے اسے زیر کرکے چومیخا کردیا ہے۔ جب عبدالملک بیدار ہوا تو کہا کہ رات میں نے برا خواب دیکھا۔ اس نے ایک شخص کو ابن سیرین کی خدمت میں بھیجا اور حکم دیا کہ تم اپنی طرف سے یہ خواب بیان کرکے تعبیر دریافت کرنا۔ ابن سیرینؒ نے خواب سنا اور کہا کہ یہ خواب تم نے نہیں دیکھا اگر دیکھا ہوگا تو عبدالملک بن مروان نے دیکھا ہوگا۔ جاؤ اور انھیں بشارت دو کہ آپ اطراف زمین پر قبضہ کریں گے اور دشمن کو زیر کریں گے۔

حضرت قدوۃ الکبراؒ فرماتے تھے کہ خواب جھوٹے بھی ہوتے ہیں۔ ان کی تین قسمیں ہیں۔ پہلی قسم کو ''خواب ہمت'' کہتے ہیں۔ دوسری قسم کا نام ''خواب علت'' ہے۔ تیسری قسم کو اضغاث واحلام (پراگندہ خواب) کہتے ہیں۔ پہلی قسم کا اجمال یہ ہے کہ لوگوں کو بیداری میں کسی چیز کا خیال پیدا ہوتا ہے جب سوتے ہیں تو اس چیز کو خواب میں دیکھتے ہیں جیسے بھوکا پیاسا شخص خواب میں روٹی اور پانی دیکھتا ہے۔ دوسری قسم یہ ہے کہ کوئی شخص کسی مرض یا بیماری میں گرفتار ہے اور اس کے درد سے نالاں ہے۔ ایسا مریض شخص خواب میں خوف وہراس دیکھتا ہے۔ تیسری قسم یہ ہے کہ لوگ خواب میں شیطان کو دیکھتے ہیں یا اُن پر غسل واجب ہو جاتا ہے۔ ایسے خوابوں کی کوئی تعبیر نہیں ہوتی۔

کافر کے خواب کی تعبیر ایسی ہی ہوتی ہے جیسی مومن کے خواب کی ہوتی ہے لیکن مومنوں کے خواب کافروں سے افضل ہوتے ہیں۔ اسی طرح عالم کا خواب جاہل سے، مرد کا خواب عورت سے اور بادشاہ کا خواب رعیت سے افضل ہوتا ہے۔

لطیفہ ۴۳

بخل، سخاوت، رزق اور ذخیرہ کرنے کے بیان میں

قال الاشرفؒ:

البخل هو الامساک عن الحق من ذمة والسخاهو فناء النفس فی سبیل الله مع الواجب۔ سید اشرف جہاں گیرؒ نے فرمایا کہ کنجوسی اپنے ذمے حق کو ادا کرنے سے رک جانا ہے اور سخاوت اللہ تعالیٰ کی راہ میں واجب کے ساتھ نفس کو فنا کرنا ہے۔

ایک شخص پر جو کچھ واجب ہے اگر ادا نہیں کرتا تو بخیل کہلائے گا۔ اگر کوئی شخص یہ چاہتا ہے۔ کہ واجب سے زیادہ ادا نہ کرے تو اس نے فضلیت کو ترک کیا خواہ دے یا نہ دے۔ اگر دیتا ہے تو عدل ہے واجب کا ادا نہ کرنا حرام اور کنجوسی ہے۔

ایک دوسری روایت ہے کہ سخی وہ شخص ہے جو واجب کو ادا کرتا ہے اور بخیل اس کے ضد ہوتا ہے (یعنی واجب ادا نہیں کرتا) لیکن سخی اور جواد میں فرق ملحوظ رکھا گیا ہے۔ سخی وہ ہے جو حق دار کو واجب ادا کرتا ہے اور جواد وہ ہے جو واجب پر اضافہ کرکے (حق دار کو) دیتا ہے، بعض علما کے نزدیک، صفاتِ خلق کے اعتبار سے، جو دوسخا کے ایک ہی معنی ہیں لیکن حق تعالیٰ کو جواد کہتے ہیں اور سخی نہیں کہتے کیوں کہ ہم اس امر سے آگاہ ہیں کہ حق تعالیٰ نے خود کو سخی نہیں فرمایا ہے اور نہ احادیث و روایت میں اس نام (یعنی سخی نام) کا ذکر ہے۔ علما کا اجماع ہے کہ حق تعالیٰ کا نام رکھنا بمقتضائے عقل ولغت جائز نہیں ہے۔ مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ عالم (جاننے والا) ہے اور اس پر اجماع ہے کہ سب اسے عالم کہتے ہیں اور عاقل وفقیہہ نہیں کہتے، حالاں کہ عالم، عاقل اور فقیہہ کے ایک ہی معنیٰ ہیں۔

بیان کرتے ہیں کہ پہلا درجہ سخاوت ہے، اس کے بعد جود اور اس کے بعد ایثار کا درجہ ہے۔ اس کی مثال یوں دی گئی ہے کہ ایک شخص اپنے مال میں کچھ اللہ کی راہ میں خرچ کرے اور کچھ بچا کر رکھے وہ سخی ہے، جو شخص زیادہ خرچ کرے اور اپنے لیے کم بچائے وہ جواد ہے اور جو شخص خود تکلیف اٹھائے اور دوسرے کی تکلیف دور کرے وہ صاحب ایثار ہے۔ یہ تمام خوبیاں صفاتِ خلق میں شامل ہیں۔

بیان فرماتے تھے کہ جواد وہ ہے کہ جس وقت کوئی چیز دینے کا خیال دل میں پیدا ہو اسی وقت دیدے۔ اگر دوسرے خطرے کا انتظار کرے تو سخی کہا جائے گا۔ علاوہ ازیں سخی مال دیتے وقت بعض باتوں کی احتیاط کرتا ہے (مستحق اور غیر مستحق میں تمیز کرتا ہے) لیکن جواد کسی قسم کی احتیاط نہیں کرتا۔ بعض بزرگوں کے نزدیک ایثار، انفاق، فتوت (جوانمردی) اور صدقہ ایک ہی قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ ایثار دوسروں کی ضرورت کو اپنی ضرورت پر ترجیح دے کر مال خرچ کرنا ہے اور انفاق یہ ہے کہ اپنی محبوب شے کو خرچ کیا جائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰى تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ [1] (تم ہرگز نہ پاسکو گے نیکی یہاں تک کہ خرچ کرو اس چیز سے جسے تم پسند کرتے ہو)

فتوت یہ ہے کہ دوسرے کے کام کے لئے قدم اٹھائے۔ اپنے نفس کو دوسرے کے نفس پر ترجیح نہ دے۔ صاحب فتوت انصاف کرتا ہے اور خود انصاف کا طالب نہیں ہوتا، دوسروں کے عیب چھپاتا ہے اور آج جو کچھ اس کے پاس ہے، کل کے لیے ذخیرہ نہیں کرتا اور سوالی کو (خالی ہاتھ) نہیں لوٹاتا۔ **قال علیہ السلام الصدقہ تقع اولاً فی ید الرحمن ثم انتقل فی ایدی الفقیر۔** رسول علیہ السلام نے فرمایا کہ صدقہ اولاً اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں واقع ہوتا ہے پھر محتاج کے ہاتھ میں جاتا ہے۔ فقیر کو تھوڑا بہت ضرور دینا چاہیے اور شرم نہیں کرنا چاہیے۔ اس حقیقت پر غور کرے کہ ہر عطا کرنے والا لینے والا بھی ہے۔

صدقے کے قبول ہونے کی پانچ شرطیں ہیں۔ دو شرطیں صدقہ دینے سے پہلے ہیں۔ ایک یہ کہ صدقہ حلال کمائی سے دے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ صدقہ صالح لوگوں کو دے تاکہ خراب باتوں پر خرچ نہ ہو۔ دو شرطیں صدقہ دیتے وقت کی ہیں۔ ایک یہ کہ صدقہ خوش دلی اور عاجزی کے ساتھ دے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ لوگوں سے چھپا کر دے اور پانچویں ایک شرط صدقہ دینے کے بعد کی ہے اور وہ یہ ہے کہ صدقہ دینے کا ذکر زبان پر نہ لائے احسان نہ جتائے **لَاتُبۡطِلُوۡا صَدَقٰتِکُمۡ بِالۡمَنِّ وَالۡاَذٰی** [2] (نہ ضائع کرو اپنی خیراتیں احسان جتا کر اور تکلیف پہنچا کر)۔ حضرت فرماتے تھے کہ عطا کرنے والا اپنی نظر پیدا کرنے والے پر رکھے حاتم (طائی) اور اس کی سخاوت کا ذکر ہوا۔ (فرمایا) حضرت شیخ سعدی شیرازی رحمتہ اللہ علیہ نے چند باتیں اس کی سخاوت سے متعلق بیان کی ہیں، اُن سے اس کی ہمت کی بلندی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ لیکن یہ جو کہا جاتا ہے کہ وہ اعراف میں ہے، اللہ کی کتاب کے خلاف ہے کیوں کہ کافروں کا دوزخ میں ڈالا جانا قرآن اور سنت سے ثابت ہے۔ اگر بعض نصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ کافر کے عذاب میں کمی ہوتی ہے لیکن تحقیق یہ ہے کہ کافر کے عذاب میں کمی نہیں ہوتی کیوں کہ کافر کے عذاب میں تخفیف دفع عذاب تک پہنچ سکتی ہے یعنی اس کا احتمال ہے کہ کافر کی مسلسل نیکیوں کے باعث اسے عذاب ہی سے چھٹکارا حاصل ہوجائے، ایسا ہونا نص صریح کے خلاف ہوگا بہر حال یہ اسرار الٰہی ہیں، ان کا انکشاف تحریر نہیں کیا گیا ہے۔ چونکہ قلم کی لگام بے اختیار ہاتھ سے نکل گئی تھی اس لیے اس مقام پر ایک شمہ ذکر اس امر کا بھی

---

[1] پارہ ۔ ۴، سورہ آل عمران، آیت ۹۲

[2] پارہ ۳۔ سورہ بقرہ آیت ۲۶۴

ہوگیا۔ اشعار:

چودر دنیا عذاب ورحمت آید
چرا در آخرت آرند انکار

ترجمہ: جب دنیا میں عذاب اور رحمت دونوں آتے ہیں تو پھر آخرت میں ان کا انکار کیوں کرتے ہیں۔

کہ آں قادر چو وعدہ کردہ در پیش
بجان ودل گراید نصّ و آثار[۱]

ترجمہ: اس قادر مطلق نے جب وعدہ کیا ہے تو جان ودل سے اس کے حکم کو قبول کرنا چاہیے۔ مومن کے لیے جنت اور کافر کے لیے دوزخ ہے۔

ولے رمزیست در وے عار فاں را
کہ در پوشیدہ می دارند اسرار

ترجمہ: لیکن اس میں عارفین کی ایک مصلحت ہے کہ وہ اسرار الٰہی کو ظاہر نہیں کرتے۔

چودر کارے کسے را درپذیرد
بود راحات رنج وگنج دُر بار

ترجمہ: اگر اللہ تعالیٰ کسی کے عمل کو قبول فرماتا ہے تو اس کی محنت راحت اور موتی برسانے والا خزانہ ہوجاتی ہے۔

حضرت قدوۃ الکبراؒ فرماتے تھے کہ اگر ایثار کی تفصیل میں درختوں کے پتے ایک ضخیم کتاب اور سمندروں کا پانی روشنائی بن جائیں تو ایک حرف سے زیادہ نہیں لکھا جاسکتا۔ خدا نہ کرے کہ کوئی بندہ صفتِ بخل سے موصوف ہو کیوں کہ بخل اپنی خاصیت میں کفر کی صفت رکھتا ہے۔ کافروں کے بخل کی انتہا یہ ہے کہ اگر کافر ناخن سے پہاڑ کھودنا چاہیں تو یہ کام ان کے لیے آسان ہے لیکن زبان پر کلمہ لانا دشوار ہے۔

حضرت قدوۃ الکبراؒ فرماتے تھے کہ اللہ کی پناہ! اللہ کی پناہ! میں اگر اپنے اصحاب واحباب کے بارے میں سنوں کہ ان اوصاف کا ایک شمہ اُن میں ہے تو اپنی بیعت وخلافت کے بندھن سے انھیں آزاد کردوں گا۔

فرماتے تھے کہ بعض درویش اپنے اہل وعیال کے لیے ذخیرہ کرنا روا رکھتے تھے جیسے حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم بعض ازواج مطہرات کو ایک ماہ، بعض کو چھ ماہ اور بعض کو ایک سال کی خوراک مہیا فرماتے تھے لیکن حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عمل میں ایک حکمت ہے کہ بعض کم ہمتوں کو جو عقیدہ ویقین میں سست ہیں سند ہوجائے ان کے لیے نہیں جو کامل الحال حضرات ہیں۔ **نعوذباللہ منہا۔**

---

[۱] (یہ مصرع مطبوعہ نسخے میں ''بجان ودل گرابرنص وآثار'' اور خطی نسخے میں ''بجان ودل کرابرنص وآثار'' دونوں سے مفہوم واضح نہیں ہوتا احقر مترجم کے قیاس میں شاید یہ مصرع یوں ہوگا ''بجان ودل گراید نص وآثار'' قیاسی تصحیح کے مطابق ترجمہ کیا گیا ہے۔)

لطیفہ ۴۴

ریاضت ومجاہدے کا بیان اور سعادت وشقاوت کی وضاحت

قال الاشرفؒ:

المجاهدة هی المحاربة بعسكر النفس والرياضة هی اصلاح النفس بقبول الواردات العينيه والهامات الفيضيه۔

سید اشرف جہاں گیرؒ نے فرمایا کہ مجاہدہ نفس کے لشکر سے جنگ کرنا، اور ریاضت وواردات کی بارش اور الہامات کی کثرت کے حسن وجمال سے نفس کی اصلاح کرنا ہے۔

مشائخ روزگار اور صوفیۂ عظام کا اس امر میں اختلاف ہے کہ مجاہدے سے مرتبۂ وصول حاصل ہوسکتا ہے یا نہیں۔ اکثر مشائخ کا قول ہے کہ مجاہدہ وصول کا سبب نہیں ہے کیوں کہ علت یہ ہوتی ہے کہ سبب اور نتیجے کے درمیان فاصلہ نہیں ہوتا (عمل کے ساتھ اس کا نتیجہ فوراً ظاہر ہوجاتا ہے) بہت سے لوگ ہیں کہ مجاہدہ کرتے ہیں لیکن مقصود حاصل نہیں ہوتا۔ اس آیت پاک، وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا [1] (اور وہ لوگ جنھوں نے ہماری راہ میں جہاد کیا ضرور ہم انھیں اپنی راہیں دکھائیں گے) میں مجاہدے کا انعام مشیت الٰہی پر موقوف ہے۔ وہ حضرات جو مجاہدے کو علت قرار دیتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اس آیت پاک میں مشیت الٰہی مضمر نہیں ہے لیکن یہ حضرات بھی مجاہدے کو شرطِ علت قرار دیتے ہیں (اور کہتے ہیں کہ) اگر کوئی شخص مجاہدہ کرتا ہے اور مقصود حاصل نہیں ہوتا تو یہ محرومی مجاہدے میں کسی کمی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ اور آیت پاک اُدْعُونِیْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ [2] (مجھ سے دعا کرو میں (ضرور) قبول کروں گا) میں بھی مشیت الٰہی شامل ہے اور يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ [3] (اللہ اپنی رحمت کے ساتھ خاص کر لیتا ہے جسے چاہے) کو بھی اس پر محمول کرتے ہیں کہ مجاہدہ اور طلب کو (اللہ تعالیٰ کے انعام کی) علت قرار نہیں دیا جاسکتا، خاص طور پر اس اعتبار سے کہ یہ امور ازلی ہیں، پس معلوم ہوا کہ طلب ومجاہدہ علت نہیں ہیں۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ یہ اختصاص وخصوصیت شاید نبوت سے متعلق ہے یعنی حق

---

[1] پارہ ۲۱۔ سورہ العنکبوت، آیت ۶۹

[2] پارہ ۲۴۔ سورہ المومن، آیت ۶۰

[3] پارہ ۱۔ سورہ البقرہ، آیت ۱۰۵

تعالیٰ جسے چاہے نبوت کے لیے منتخب کرے تو یہ تاویل سلف کے (عقیدے کے) خلاف ہوگی۔ رباعی[1]

با قبولِ تو اے زعلت پاک
چہ بود خوب وزشت مشتے خاک
اے یکے خدمت آستانت را
گرگِ یوسف نگار خانت را

ترجمہ: اے اللہ! تو تمام علتوں سے پاک ہے۔ تیری قبولیت کے آگے انسان کا نیک و بد ہیچ ہے۔ اے اللہ! ایک شخص تیرے آستانے کا خدمت گزار ہے دوسرا تیرے نگار خانے کے لیے یوسفؑ کا بھیڑیا ہے۔

اصحابِ مجلس اللہ تعالیٰ کے بے نیازی اور استغنا کا بیان سن کر رونے لگے اور عرض کی کہ جب طلب مجاہدے کی حقیقت یہ ہے تو ہماری ساری تگ ودو بے کار ہے۔

حضرتؒ نے فرمایا کہ بات اس طرح نہیں ہے بلکہ مجاہدے اور ریاضت کی شرط انتہائی درجے تک پوری کرو اور اپنی محنت پر نظر نہ رکھو اور اسے وصول کی علت گمان نہ کرو۔ حضرتؒ نے غالبًا یہ جملہ کئی بار دہرایا کہ مجاہدہ دیکھنے کی چیز نہیں ہے بلکہ کرنے کی چیز ہے۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ تمام دینی احکام ان اصول پر مبنی ہیں۔ اول یہ کہ تمہیں یقین ہو کہ کفر وایمان اور طاعت وگناہ تقدیر الٰہی سے وابستہ ہیں، البتہ دل میں تہیہ کرلو اور حجت میں نہ پڑو ان احکام کو بجالاؤ لیکن اصول اوّل کو مقدم رکھو۔ ابیات:

عقل فرماں کشیدنی باشد
عشق ایماں چشیدنی باشد
عاشقاں سوئے حضرتش سرمست
عقل در آستین وجاں دردست

ترجمہ: عقل کا کام حکم کی کھینچ تان (تاویل) کرنا ہے۔ عشق ایمان کی حلاوت چکھنا ہے۔ عاشق محبوب کی بارگاہ میں بے خودی ومستی کی حالت میں جاتے ہیں۔ ان کی عقل آستین میں اور جان ہتھیلی پر ہوتی ہے۔

(اللہ تعالیٰ کے حکم سے) جی چرانے والے چند لوگوں نے طاعت وعبادت کو ترک کردیا ہے اور اہل حال بزرگوں کے اس قول کو پکڑ لیا ہے کہ مستیِ حال کی کیفیت میں زہد وعبادت بے سود ہے، کام تو اللہ تعالیٰ کی عنایت ہی سے بنتا ہے۔ اس طرح انھوں نے حرام کو حلال کرلیا ہے۔ یہ زندیقوں اور ملحدوں کا طریقہ ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ زہد وعبادت بے کار ہیں بلکہ مراد اس سے یہ ہے کہ افعال (طاعت وعبادت) پر غرور نہ کرو، جیسے کہ امام شبلی قدس اللہ سرہ العزیز نے فرمایا ہے، لیس

---

[1] یہ اشعار رباعی کے معروف وزن وبحر میں نہیں ہیں۔

الزھد فی الدنیا الحقیقۃ یعنی زہد حقیقی دنیا میں نہیں ہے۔ اس قول میں زہد کا انکار نہیں ہے بلکہ اس سے مراد زہد پر غرور نہ کرنا ہے۔

حضرت قدوۃ الکبریٰ فرماتے تھے کہ اس پر (یعنی عنایت حق پر) سب کا عقیدہ ہے اور اس سے تجاوز کرنا ممکن نہیں ہے اس کے باوجود متقدمین سے متاخرین تک تمام بزرگ مجاہدہ کرتے رہے ہیں اور کرتے رہیں گے۔ بیت:

تا تخمِ مجاہدہ نکارد
کس بارِ مشاہدہ نکارد

ترجمہ: جب تک کوئی شخص مجاہدے کا بیج نہ بوئے گا تو اسے مشاہدے کا پھل بھی نہیں ملے گا۔

پس طالب صادق اور سالک واثق پر لازم ہے کہ مجاہدات و ریاضات کی ادائیگی میں ذرہ بھر فروگزاشت نہ کرے اور نہ چوکے کیوں کہ کسی شخص پر مجاہدے کی کنجی کے بغیر مشاہدے کا دروازہ نہیں کھلا ہے اور سلوک کے راستے کو طے کیے بغیر وصول کی نعمت میسر نہیں ہوئی ہے۔ قطعہ:

بیا اے سالکِ جانباز دلگیر
بنہ پائے طلب درراہِ اعمال
کہ بے زادِ رہ وبے پاے حذاہل
نیارد دیدروئے کعبۂ حال

ترجمہ: اے جاں باز دلگیر سالک آ اور اعمال کے راستے میں پائے طلب رکھ اچھی طرح جان لے کہ راستے کے سامان کے بغیر اور ننگے پاؤں چل کر کسی نے کعبۂ حال کی زیارت نہیں کی۔

سید الطائفہ [۱] (جنید بغدادیؒ) نے فرمایا ہے کہ ان کے اصول پانچ خصلتوں پر مبنی ہیں۔ اوّل، دن کو روزہ رکھنا دوم، رات میں نماز پڑھنا، سوم اخلاصِ عمل، چہارم تمام تر رعایت کے ساتھ عمل کرنا، پنجم ہر حال میں اللہ پر توکل کرنا، اور سہیل تستری نے فرمایا کہ ہمارے اصول سات ہیں۔ اوّل اللہ کی کتاب کو مضبوطی سے تھامنا، دوم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنا سوم کسی کو اذیت دینے سے نفس کو روکنا، چہارم گناہوں سے پرہیز کرنا، پنجم توبہ کرنا، ششم حقوق ادا کرنا۔ [۲]

حضرت قدوۃ الکبریٰ فرماتے تھے کہ جو ریاضتیں مشائخ صوفیہ سے متعلق بیان کی گئی ہیں انھیں خود پر لازم کرنا مناسب نہیں ہے کیوں کہ ریاضت کی اُس مقدار سے جو بزرگوں نے اپنے لیے مقرر کی تھیں، اُس مقدار سے طالب کی ریاضت سوئی

---

[۱] یہاں سے ایک طویل عربی عبارت فارسی ترجمے کے ساتھ نقل کی گئی ہے۔ مترجم نے عربی عبارت نقل کرنے کے بجائے فارسی ترجمے کا اردو ترجمہ کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں مطبوعہ نسخہ ص ۲۴۹۔

[۲] سہیل تستریؒ کا ساتواں اصول مطبوعہ اور خطی دونوں نسخوں میں نقل نہیں کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔

کی نوک برابر بھی بڑھ جائے، تو ایسی ریاضت سے منع کیا گیا ہے اس لیے کہ راہ حق میں ایسی ریاضت طالب کے مرکبِ جسم کو تھکا دیتی ہے اور وہ گنہگار رہتا ہے بلکہ نفس اگر دائیں بائیں مائل ہوتو شریعت کے مطابق، مجاہدے کے کوڑے لگا کر اسے راہ راست پر لائے اور بدعت سے پرہیز کرے۔ خلافِ معمول کھانا پینا کلی یا جزوی طور پر یا اس طرح کی اور باتیں ترک نہ کرے۔ روایت میں آیا ہے کہ رسول علیہ السلام کے عہد مبارکہ میں ایک صالحہ عورت نے جاگنے کی خاطر اپنے گلے میں رسی باندھ کر لٹکا دی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سنا تو منع فرمایا۔

حضرت قدوۃ الکبرا فرماتے تھے کہ کوئی شخص ازراہِ ہوس پہلے چند ریاضتیں اختیار کرے اور پھر چھوڑ دے تو یہ اچھی بات نہیں ہے بلکہ جو ریاضت یا وظیفہ وہ خود پر لازم کرے اُن پر جمار ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ رات اور دن میں چوبیس ساعتیں ہیں۔ بزرگوں نے ان ساعتوں کو تقسیم کر دیا تھا کہ کچھ گھنٹے عبادت میں مشغول رہیں گے کچھ گھنٹے سوئیں گے۔ ان چوبیس گھنٹوں میں آٹھ گھنٹے سونے کے لیے رکھے تھے اور ان آٹھ گھنٹوں کو بھی تقسیم کر دیا تھا کہ چند گھنٹے دن میں اور چند گھنٹے رات میں سوتے تھے۔ دو گھنٹے دن میں سونے کے لیے اور چھ گھنٹے رات میں سونے کے لیے مقرر تھے لیکن دن میں سونے کا وقت معین کر دیا تھا کہ بس اُسی وقت سوئیں گے دوسرے وقت نہیں۔ (عام طور پر) دن میں سونے کا وقت چاشت کے بعد اور زوال سے پہلے تک مقرر تھا۔ اس امر کا خیال رکھا جاتا تھا کہ ہرصورت میں زوال سے پہلے اٹھ جائیں تاکہ ظہر سے پہلے نماز کی تیاری کر کے ظہر کی نماز پڑھنے کے لیے بیٹھ جائیں کیوں کہ مشائخ (ادائے نماز کے لیے) وقت سے پہلے تیار ہوجاتے ہیں۔ اگر زوال کے بعد سونے سے اٹھیں گے تو پھر اتنا ہی وقت ضایع ہوگا۔ مشائخ رات کو سونے کا وقت بھی معین کر لیتے ہیں۔ نماز عشاء سے فارغ ہونے کے بعد چھ گھنٹے تک سوتے ہیں۔ اس سے زیادہ نیند کریں تو وقت ضایع ہوجاتا ہے۔ مشائخ نے صبح کی دو قسمیں بتائی ہیں۔ ایک صبح تو یہی ہے کہ جب سونے سے جاگتے ہیں، دوسری صبح اسے کہتے ہیں جب دن میں (زوال سے پہلے) نیند سے بیدار ہوتے ہیں اور نماز ظہر کی تیاری کرتے ہیں۔ ظہر ادا کرنے کے بعد وہ وظائف پڑھتے ہیں جو ظہر کی نماز کے بعد پڑھے جاتے ہیں۔

حضرت قدوۃ الکبرا فرماتے تھے کہ مشائخ نے مجاہدے کو تربیت کے لیے مقرر کیا ہے۔ طالب صادق اور سالک واثق کی تربیت ان کی طاقت کے مطابق کرتے ہیں یعنی اگر طالب تنہا (غیر شادی شدہ) ہے تو اسے مجردانہ مجاہدے کا حکم دیتے ہیں اگر طالب صاحب اہل وعیال ہے تو اس سے اس کی حالت کے مطابق مجاہدہ کراتے ہیں۔

اگر ایک چلے کے قابل ہے تو ایک چلہ کراتے ہیں۔ ایک چلے سے کام نہ بنا تو دوسرے چلے کا حکم دیتے ہیں۔

حضرت قدوۃ الکبرا فرماتے تھے کہ ریاضتوں اور مجاہدوں کے فوائد وانعامات حدِ بیان سے باہر ہیں، حتیٰ کہ کافر بھی ریاضت کے باعث بزرگ ہوجاتا ہے جیسا کہ راہبوں کے قصوں میں بیان کیا جاتا ہے کہ ایک راہب تھا جس نے تقریباً اسی سال تک ریاضت کی تھی۔ اس زمانے میں کافر کی مدت ریاضت چالیس سال تھی۔ جب خواجہ ابراہیم

خواص[1] نے اُس راہب کی ریاضتوں کی خبر سنی تو فرمایا کہ اس راہب نے چالیس سال سے زیادہ ریاضت کی ہے شاید اسے کمال حاصل ہوگیا ہوگا اور حقیقت منکشف ہوگئی ہوگی۔ میں جا کر دیکھتا ہوں۔ جب ابراہیم خواص اس راہب کی خانقاہ کے دروازے پر پہنچے تو اس نے اپنا سر باہر نکال کر کہا، ''مجھے کوئی بزرگی حاصل نہیں ہوئی ہے'' آپ نے اس سے دریافت کیا کہ پھر اتنی مدت سے کیوں گوشہ نشین ہو؟ اس راہب نے جواب دیا کہ میں نے نفس کے کتے کو قید کر رکھا ہے اس کی نگہبانی کے لیے بیٹھا ہوا ہوں۔ جب ابراہیم خواصؒ نے اس راہب کی یہ باتیں سنیں تو اپنے دل میں مناجات کی کہ اے اللہ! تیرے دست قدرت میں ہے کہ نا شناس بیگانے کو اپنا شناسا بنالے راہب نے کہا، آپ کیسی فضول بات کررہے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے جسے چاہے بیگانہ رکھے جسے چاہے آشنا بنائے۔ حضرت ابراہیم خواصؒ اپنے دل میں شرمندہ ہوے اور کہا، اللہ کی شان ہے کہ ایک راہب کو ایسا شرف بخشتا ہے کہ اس قسم کی باتیں کررہا ہے۔ غالبًا اسی سلسلے میں حضرت قدوۃ الکبراؒ نے نے فرمایا کہ ایک راہب تھا جس نے بہت سے سال اپنے سلوک کی سیر میں صرف کیے تھے۔ جب اس ناقص نے ابراہیم خواصؒ کے کمال کا شہرہ سنا تو ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت ابراہیم خواصؒ ہمیشہ سفر میں رہتے تھے۔ جب ملاقات ہوئی تو اُس راہب نے عرض کیا کہ میں اس سفر میں آپ کے ہمراہ رہوں گا۔ آپ نے فرمایا کہ تم ہمارے ساتھ نہ رہ سکو گے کیوں کہ ہمارا گزارا توکل پر ہے۔اس نے عرض کیا یہ تو بہت اچھی بات ہے شاید مجھے بھی توکل کا کچھ حصہ نصیب ہوجائے۔ (بہر حال) دونوں نے ایک وادی طے کی اور ایک بیابان میں داخل ہوے تو رات ہوگئی۔ دونوں نے ایک پہاڑ کے دامن میں قیام کیا۔ جب رات زیادہ ہوگئی تو اُس راہب نے کہا۔ اے شیخ آپ چند برسوں سے ملکِ ولایت میں نقارۂ مشیخت بجا رہے ہیں۔ اب خدائے تعالیٰ سے کھانے کی کوئی چیز حاصل کر کے بتاؤ۔ حضرت ابراہیم خواصؒ شرمندہ ہوے اور باری تعالیٰ کی بار گاہ میں عاجزی اور انکسار سے عرض کیا کہ اے باری تعالیٰ اپنے آشنا کو ایک غیر کے سامنے رسوا نہ کر۔ چند لمحے نہ گزرے تھے کہ دو پیالے پانی کے اور دو روٹیاں غیب سے نازل ہوے۔ دونوں نے رزق غیبی تناول کیا۔ دوسرے دن سفر کرنے کے بعد رات ہوئی تو خواجہ ابراہیم نے راہب سے کہا آج تمھاری باری ہے۔ راہب نے عرض کی الٰہی اگر ابراہیم کی تیرے نزدیک قربت ہے تو مجھے ان کے سامنے شرمندہ نہ کر۔ ابھی چند ہی لمحے گزرے تھے کہ چار پیالے پانی کے اور چار گرم گرم روٹیاں نازل ہوئیں۔ دونوں نے رغبت کے ساتھ کھانا کھایا۔ اس کے بعد خواجہ ابراہیمؒ نے فرمایا اے راہب سچ کہنا کہ تم نے کیا کہا تھا۔ اس نے کہا میں نے کچھ بھی عرض نہیں کیا تھا، بس آپ کو پیر تصور کر کے اپنا شفیع بنایا تھا۔ اب میں اسلام لاتا ہوں آپ مجھے کلمہ تلقین فرمائیں (کلمہ پڑھ کر) وہ مسلمان ہوگیا۔

حضرت قدوۃ الکبراؒ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں مجاہدات وریاضات میں عجیب اسرار ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ توفیق عطا

---

(۱) خواجہ ابراہیم خواصؒ۔ آپ کا پورا نام ابو اسحٰق ابراہیم بن احمد الخواص آملی تھا۔ ۲۹۱ھ میں وفات پائی۔ یہ واقعہ خواجہ فرید الدین عطارؒ نے ''تذکرۃ الاولیا'' میں بیان کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں، تذکرۃ الاولیا جلد دوم تہران، چاپ پنجم صص ۱۲۷۔۱۲۸۔

فرمائے تو سعادت ازلی وابدی ہر شخص کے باطن میں ہے لیکن بغیر اللہ تعالیٰ کی عنایت کے کچھ نہیں ہوسکتا۔ رباعی: [۱]

کسے را کہ عادت سعادت بود
سہ عادت درو از عبادت بود
سخا وصفا وارادت نکو
اگر از الٰہی ارادت بود

ترجمہ: جس شخص کی خصلت سعادت ہوجائے اس میں عبادت کی تین عادتیں پیدا ہوجائیں گی۔(وہ تین عادتیں یہ ہیں) سخاوت، اخلاص اور نیک نیتی (لیکن سعادت) صرف اللہ تعالیٰ کے فضل سے حاصل ہوتی ہے۔

حضرت قدوۃ الکبرا کسی کتاب کے حوالے سے نقل فرماتے تھے کہ سعادت بندگی اور عبادت کا نتیجہ نہیں ہے جیسے شقاوت گناہ کا نتیجہ نہیں ہے اور یہ امر خلافِ حقیقت نہیں ہے کہ سعادت ہو یا شقاوت دونوں کی علت صرف اللہ تعالیٰ کی مشیت ہے۔ بہت سے اصلاح یافتہ لوگوں پر موت کے وقت شقاوت کی علامتیں ظاہر ہوئی ہیں اور اس کے برعکس گنہگاروں سے سعادت کی علامتیں ظاہر ہوئی ہیں۔ اگر چہ حقیقت یہی ہے (کہ صالح شخص سعید اور عاصی شقی ہوتا ہے) لیکن حکم تو (موت کے وقت) علامات پر دیا جاتا ہے۔ جس وقت اللہ تعالیٰ کی بے نیازی کا پرچم بلند ہوتا ہے تو طاعت وعبادت کے لشکر دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں اور شرابی مے خور کو اتنا کچھ عطا کرتے ہیں کہ ہزاراں ہزار زاہدِ زمانہ حیران ہوجاتے ہیں اور زاہدانِ وقت ایسی بری حالت میں پیش کیے جاتے ہیں کہ کسی شرابی اور جواری کی ایسی تذلیل نہیں ہوتی۔ قطعہ: [۲]

زہے بادشاہے جہاں کز علم
فرازد دراں عرصۂ بے نیاز
جنانِ سعادت بہم برزند
شقی را دہد آں ہمہ برگ وساز

ترجمہ: سبحان اللہ جب وہ بادشاہِ جہاں بے نیازی کے میدان میں اپنا علم بے نیاز بلند کرتا ہے تو سعادت کی جنت درہم برہم ہوجاتی ہے اور شقی کو (عیش آخرت کے) تمام اسباب عطا کردیتا ہے۔

کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ (قابل نفرت) الّو کو اللہ تعالیٰ شکر چبانے والے طوطی کی خاصیت سے نوازتا ہے اور کالے کوے کو ہمائے سعادت کے بال وپر عنایت فرماتا ہے۔ زنّار باندھنے والے کافر کو اس قدر فراز کرتا ہے کہ ہزاروں دستار فضیلت باندھنے والے حیران ہوجاتے ہیں۔ سبب یہی ہے کہ اس کی ذات پاک کمال بے نیازی کی حامل ہے۔ بیت:

---

[۱] یہ اشعار رباعی کی معروف وزن وبحر میں نہیں ہیں۔

[۲] مطبوعہ نسخے (ص ۲۵۱) میں سہو کتابت کے باعث صحیح نقل نہیں ہوا ہے۔ یہاں مترجم نے اسے خطی نسخے سے نقل کیا ہے۔

از صومعہ براندو بے گانہ خواندش
وزبت کدہ بخواند و گوید کہ آشناست

ترجمہ: ایک کو عبادت خانے سے یہ کہہ کر نکال دیتا ہے کہ بیگانہ ہے دوسرے کو بت کدے سے بلاتا ہے اور فرماتا ہے کہ ہمارا آشنا ہے۔

نقل ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل علیہ السلام سے دریافت کیا کہ تم کس حال میں ہو، عرض کیا کہ خوف وخطر کی کیفیت میں رہتا ہوں۔ مجھے معلوم نہیں کہ میرے حق میں کیا فیصلہ ہو، کہیں وہی فیصلہ نہ ہو جو ایک راندے گئے (ابلیس) کے حق میں ہوا۔

اصحاب معرفت میں سے ایک بزرگ کا قول ہے، فرمایا کہ سب کو فردائے قیامت کا خوف لگا ہوا ہے اور میں حق تعالیٰ سے خوف کرتا ہوں۔ قطعہ:

خوف ہمہ مردماں زفرداست
مائیم زحکمِ دینہ داریم
ہرچند کہ خوف او طپاند
اما بہ امیدِ دینہ داریم

ترجمہ: سب لوگوں کو آنے والے کل کا خوف ہے لیکن ہم گزرے ہوئے کل سے خوف زدہ ہیں ہر چند کہ یہ خوف (شب وروز) بے چین رکھتا ہے لیکن ہم گزرے ہوئے کل کے بارے میں پرامید ہیں۔

اسی سبب سے ارباب معرفت کا جگر خون ہوتا ہے۔ ہر چند کہ اصحابِ بصیرت اور اربابِ خبر اس بارے میں تھوڑا سا علم رکھتے ہیں اور اس (خوف) سے محفوظ ہیں لیکن جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کا خیال آتا ہے۔[1] احتمال ہے کہ مقولہ **یا لیت محمد لم یخلق محمد** (یعنی اے محمد کے رب کاش محمد کو پیدا نہ کرتا) شاید ہی اس پہلو سے متعلق ہو کیوں کہ اکثر عارفین نے اس قول کو دوسری روایت پر حمل کیا ہے۔ رباعی:[2]

دل وعقل از جلالِ او تیرہ
تن وجاں از کمالِ او خیرہ
ہر کہ آں جارسید سربہ نہد
عقل کاں جارسید پر بہ نہد

---

[1] مطبوعہ نسخے (صص ۲۵۱۔۲۵۲۔) اور خطی نسخے میں یہ عبارت اس طرح نقل کی گئی ہے "اما یاد جلال آنحضرت چوں می آید ہمہ در جب وے کلاشی ست" لغات میں کوئی لفظ "کلاشی" نہیں ملتا اس لیے عبارت کا ترجمہ جس میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک ہے، عبارت کے واضح نہ ہونے کے باعث احتیاطاً چھوڑ دیا ہے۔ [2] یہ بھی رباعی نہیں قطعہ ہے۔

ترجمہ: اس کی عظمت سے دل اور عقل تاریک ہیں۔ اس کے کمال سے جسم وجان چکا چوند ہو گئے ہیں۔ جو اس بارگاہ میں پہنچتا ہی سر نیاز جھکاتا ہے۔ عقل پہنچتی ہے تو پروں کو سمیٹ لیتی ہے۔

جس وقت حق تعالیٰ کے کرم کا شامیانہ پھیل جاتا ہے تو لاکھوں امیدیں پوری ہوجاتی ہیں۔ بیان کیا گیا ہے کہ ابراہیم خلیل اللہ (علیہ السلام) جب اپنی ذلت یاد کرتے تو اس قدر مضطرب ہوجاتے کہ ایک میل دور تک لوگ ان کی صدائے اضطراب سن لیتے۔ اسی حالتِ اضطراب میں ایک مرتبہ جبریل علیہ السلام آئے اور کہا **ھل رایت خلیلا مخاف الخلیل** یعنی دوست نے کیا دیکھا کہ اپنے دوست سے خوف کھاتا ہے۔ خلیل علیہ السلام نے کہا ہاں بات ایسی ہی ہے لیکن جس وقت مجھے اپنی ذلت یاد آتی ہے تو دوستی فراموش ہوجاتی ہے۔ قطعہ:

گر برو جودِ عاشقِ صادق نہند تیغ
بیند گناہِ خویش نہ بیند عطائے یار
ہر چند در جفا والم امتحاں کند
ہر گز جفائے یار نہ گوید وفائے یار

ترجمہ: اگر عاشق صادق کے جسم پر تلوار ماریں تو وہ عاشق اسے اپنی خطا گردانتا ہے دوست کی عطا نہیں سمجھتا دوست کبھی ظلم کر کے کبھی دکھ پہنچا کر عاشق کا امتحان لیتا ہے لیکن عاشق امتحان کو دوست کی جفا کہتا ہے اور اسے کرمِ دوست نہیں کہتا۔

لطیفہ ۴۵

رسم ورواج، خوشگوار مزاج اور معاملات کا بیان

قال الاشرفؒ

الرسوم ھوالرسوم۔ سید اشرف جہاں گیرؒ نے فرمایا کہ رسوم چند باتوں کا رواج پا جانا ہے۔

قوت القلوب میں بیان کیا گیا ہے کہ ہمارے زمانے میں کچھ باتیں رواج پا گئی ہیں جنھیں اسلامی رسوم کہا جاتا ہے لیکن اُن کا اس اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے جو پہلے زمانے میں تھا بلکہ ان رسموں میں اسلام کی بوتک نہیں پائی جاتی۔ بیت:

صحبتِ نیکاں زجہاں دور شد
خوانِ عسل خانۂ زنبور شد

ترجمہ: نیکوں کی صحبت میں بیٹھنا تو دنیا سے رخصت ہو چکا ہے بس کھانے چاٹنے کو شہد کی مکھی کا چھتا رہ گیا ہے۔

اب سے پہلے جب لوگ ایک دوسرے سے ملتے تھے تو دریافت کرتے تھے، **کیف حالک** (آپ کا کیا حال ہے؟) اس پرسش سے ان کی مراد یہ نہ ہوتی تھی کہ آپ کے مزاج کیسے ہیں بلکہ مراد یہ ہوتی تھی کہ آپ کا حال اپنے مولا (اللہ تعالیٰ) کے ساتھ کیسا ہے یا اسی طرح کی باتیں دریافت کرتے تھے۔ جو کچھ ایک دوسرے سے دریافت کرتے تھے اس کا تعلق دین مذہب سے ہوتا تھا یا ان میں اضافے سے متعلق ہوتا تھا۔ گھریلو حالات نہیں پوچھتے تھے کہ ان کا تجسس منع ہے۔

کسی صحابی کے بارے میں بیان کیا گیا ہے کہ وہ اپنے کسی دوست سے ملنے کے لیے ان کے گھر گئے اور تردد کے سبب کسی کو اندر نہ بھیجا، یہاں تک کہ رات ہوگئی۔ رات گھر کے دروازے پر گزار دی۔ جب صبح ہوئی تو وہ گھر سے باہر نکلے اور آنے کی وجہ دریافت کی تو انھوں نے کہا کہ مقصود اس آیت پاک پر عمل کرنا تھا، **وَلَوْاَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ** [1] (اگر وہ صبر کرتے یہاں تک کہ آپ (خود) ان کی طرف باہر تشریف لاتے تو ضرور ان کے لیے بہت

---

[1] پارہ ۲۶۔ سورہ الحجرات، آیت ۵۔
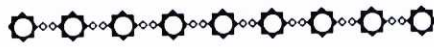
اچھا ہوتا) جب دو مسلمان بھائی راستے میں ایک دوسرے سے ملیں تو خوش ہونا چاہیے۔ اسی طرح ایک دوسرے کے ہاں آنے اور جانے میں (خوش ہونا چاہیے)۔ **اذا التقی مسلمان تنزل علیھما مایة رحمة تسعون منھا لا کثرھما بشرو عشرة لا قلھما**، یعنی جب دو مسلمان ملاقات کریں تو ان دونوں پر سو رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔ نوے رحمتیں اس پر جو زیادہ خوش ہوتا ہے اور دس رحمتیں اس پر جو کم خوش ہوتا ہے۔

حضرت قدوۃ الکبراؒ فرماتے تھے کہ بری رسم فی الحقیقت شریعت کے اصولوں کے مطابق نہیں ہوتی اس لیے ناپسندیدہ اور نامقبول ہوتی ہے۔

اسی اثنا میں خوش طبعی کا ذکر ہوا۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ نیک لوگوں کے درمیان جو خوش طبعی ہوتی ہے وہ بھی اصول کے مطابق ہوتی ہے۔ رسول علیہ السلام کے صحابہ سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ حضرت رسول علیہ السلام، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں تشریف لائے اور حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ آؤ ہم تم دوڑ لگاتے ہیں۔ جب دوڑے تو حضرت عائشہ آگے نکل گئیں کچھ دنوں کے بعد حضرت رسول علیہ السلام نے پھر دوڑ لگانے کے لیے کہا۔ اس مرتبہ رسول علیہ السلام آگے رہے۔ حضرت علیہ السلام نے فرمایا یہ اُس کا بدلہ ہے۔

اسی طرح ایک روز رسول صلی اللہ علیہ وسلم حجرے میں تشریف فرما تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک جانب حضرت عائشہؓ اور دوسری جانب حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیٹھی تھیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سامنے ایک پیالے میں خربوزہ تھا۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سودہؓ سے فرمایا کہ خربوزہ کھاؤ۔ وہ رک گئیں، چند بار کھانے کے لیے فرمایا۔ لیکن حضرت سودہؓ کھانے سے رکی رہیں۔ آخر میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر نہ کھاؤ گی تو خربوزہ تمھارے چہرے پر ماروں گا یا مل دوں گا۔ حضرت عائشہؓ نے خربوزہ ہاتھ میں لے کر حضرت سودہؓ کے منھ پر مل دیا۔ رسول علیہ السلام کو ہنسی آ گئی اور حضرت سودہؓ سے فرمایا کہ تم بھی اسی طرح خربوزہ حضرت عائشہؓ کے منھ پر ملو، انھوں نے حکم کی تعمیل کی۔ دونوں کے چہرے آلودہ ہوگئے۔ اسی اثنا میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آ گئے۔ مجلس برطرف ہوگئی۔ رسول علیہ السلام نے فرمایا جلدی سے اپنے اپنے منھ دھو ڈالو۔ انھوں نے جلدی سے اپنے منھ دھو کر صاف کر لیے۔ حضرت علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ ابوبکرؓ کی عظمت ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک روز مجھ سے امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ چلو پانی میں غوطہ لگاتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ کون دیر تک غوطے میں رہتا ہے۔ وہ دن محرم کے مہینے کا تھا۔

اسی طرح حضرت ابوبکر صدیقؓ فرماتے تھے، **صحابة الرسول یتما زحون بالبطیخ** (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی باہم خوش طبعی کرتے تھے، ایک دوسرے پر بطور مزاح خربوزہ ملتے تھے) یعنی ایک دوسرے پر خربوزے کے چھلکے مار کر ہنسی مذاق کرتے تھے۔

صوفیہ کے اخلاق وعادات بھی رسول علیہ السلام اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے اخلاق کے مطابق تھے اور اُن کا اظہار عام لوگوں کے مزاج اور طبیعت کے مطابق ہوتا تھا البتہ اُن کی توجہ شیخ رحمتہ اللہ علیہ (کے عمل) کی جانب رہتی تھی۔ اخلاق برتنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہے سوائے اس شخص کے جو پہلے ہی سے مخصوص ہو چکا ہو۔ اخلاق کا اعتدال سے برتنا بہت دشوار ہے لیکن چونکہ صوفیہ کی نظر، تمام امور میں، اللہ تعالیٰ پر ہوتی ہے اور وہ عام لوگوں کی نفسیات سے باخبر ہوتے ہیں اس لیے افراط وتفریط سے بچتے ہوئے راہِ اعتدال پر قائم رہتے ہیں لیکن مبتدی مرید کے لیے لازم ہے کہ وہ خوش طبعی کی زیادتی سے پرہیز کرے۔ مزاح میں کمی کرنے کا علم اس روایت سے حاصل ہوتا ہے کہ سعید بن عاصؓ اپنے فرزند کو نصیحت کرتے تھے کہ اپنی خوش طبعی میں کمی کرو کیوں کہ خوش طبعی کی کوئی حد نہیں ہے اور نہ انتہا ہے۔ (اس کی زیادتی) اُنس رکھنے والوں کو بے باک اور اہل صحبت [1] کو وحشت میں ڈالتی ہے۔ پس یہ روایت افراط وتفریط پر (واضح) دلیل ہے کہ دونوں رویے ناپسندیدہ ہیں۔

فقیہہ سمرقندی [2] فرماتے ہیں کہ یہ بات بے خوف کہی جاسکتی ہے کہ خوش طبعی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے۔ (امت کے لیے) یہ شرط ہے کہ مزاح میں گناہ کی بات نہ کہی جائے اور نہ کہنے والے کا مقصد محض لوگوں کو ہنسانا ہو کیوں کہ دونوں باتیں ناپسندیدہ ہیں۔ انی امزح ولا اقول الا الحق یعنی میں مزاح کرتا ہوں اور نہیں کہتا ہوں مگر حق بات (الحدیث)۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ اُن کا ایک بھائی تھا۔ حضرت علیہ السلام جب بھی اس سے ملتے تو اس سے فرماتے، **یا ابا عمیر مافعل نغیر** یعنی اے ابوعمیر نغیر کو کیا ہوا۔ نغیر ایک چڑیا کا نام تھا جسے عمیرؓ پالتے تھے۔

روایت ہے کہ ایک بڑھیا حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا، یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے لیے دعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے بہشت عطا فرمائے۔ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ کوئی بڑھیا جنت میں نہیں جائے گی۔ وہ بڑھیا رونے لگی۔ حضرت عائشہؓ نے عرض کیا کہ یارسول (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ نے اسے غمگین کر دیا۔ حضور علیہ السلام نے یہ آیات تلاوت فرمائیں، **اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَاراً، عُرُباً اَتْرَاباً، لِّاَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ** [3] (بے شک ہم نے اُن عورتوں کو خاص پیدائش پر بنایا، تو ہم نے انھیں باکرہ بنایا۔ اپنے شوہروں سے محبت کرنے والی (آپس میں) ہم عمر (بیویاں) دائیں طرف والوں (نیک بخت لوگوں) کے لیے) وہ بڑھیا خاتون خوش ہو گئیں۔

---

[1] مطبوعہ نسخے (۲۵۳) میں اہل صحیفہ نقل ہوا ہے اور خطی نسخے میں صرف ''اصحبہ'' ہے۔ یہ زیادہ قرین قیاس ہے۔ مترجم نے خطی نسخے کے مطابق ترجمہ کیا ہے۔

[2] فقیہہ سمرقندی سے غالبًا ابو اللیث نصر بن محمد سمرقندی مراد ہیں۔ انھیں ''امام الہدیٰ'' بھی کہتے ہیں۔ ۳۷۳ھ میں وفات پائی۔ ملاحظہ فرمائیں تاریخ فقہ اسلامی (اردو ترجمہ) ص ۴۴۸۔

[3] پارہ ۲۷۔ سورہ الواقعہ، آیات ۳۵ تا ۳۸۔

مروی ہے کہ ایک شخص جن کی کنیت ابا عمر تھی، اُن سے ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے ام عمران مرد خود عورت پر غلبہ پاتا ہے۔ انھوں نے عرض کیا یا رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) میں تو مرد ہوں آپ نے کس وجہ سے عورت فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے تمھیں جہاد فی سبیل اللہ میں کبھی نہیں دیکھا اس بنا پر عورت مخاطب کیا۔ انھوں نے عرض کیا کہ حضرت آپ پر اللہ تعالیٰ کا سلام ہو، آپ مجھے اس کنیت سے نہ پکاریں کہ میرا نام عورتوں میں شامل ہو جائے کیوں کہ جو کچھ آپ کی زبان مبارک پر آتا ہے وہی ہو کر رہتا ہے۔ شکر ہے اس وقت عورت نہ بنا۔ حضور علیہ السلام نے تبسم فرمایا اور زبان مبارک سے فرمایا، اے ابو عمر۔

حضرت قدوۃ الکبراؒ فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طرح کے مزاح کی مثالیں روایتوں میں کثرت سے بیان کی گئی ہیں لیکن حقیقت یہی ہے کہ ایسا مزاح جس سے جرم اور گناہ آلود لہو ولعب پیدا ہونے کا اندیشہ ہو پرہیز کرنا چاہیے کہ بہت سی ہنسی مذاق کی باتیں جنگ وجدال کا موجب ہوتی ہیں۔

لطیفہ ۴۶

حسن اخلاق، غصہ، شفقت اور معاملات سے متعلق وعظ و نصیحت

قال اللّٰہ تعالیٰ، وَّذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ۔[1] (ترجمہ) اور آپ سمجھاتے رہیں اس لیے کہ سمجھانا یقیناً ایمان والوں کے لیے مفید ہے۔

حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ایک حدیث روایت کی گئی ہے، **اذامررتم بریاض الجنة فارتعوھا، قیل وما ریاض الجنة فارتعوھا قال مجالس الذکر** یعنی جب تم جنت کے باغوں کی طرف گزر کرو تو چرنے کے لیے قیام کرو۔ عرض کیا گیا کہ جنت کے باغ کیا ہیں، فرمایا ذکر کی مجلسیں۔

حضرت قدوۃ الکبرأ فرماتے تھے کہ واعظوں کی باتیں سننا اور نصیحت کرنے والوں کی نصیحتوں کا علم حاصل کرنا خوشگوار نعمت ہے۔ یہ نعمت کسی کسی کو حاصل ہوتی ہے، ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ[2] (یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے دیتا ہے)۔ عالم کے رتبے سے سننے والے کا رتبہ کم تر ہے۔ **الناس عالم ومتعلم وسائر الناس کاملح** یعنی لوگوں میں بہترین لوگ عالم دین اور متعلم ہیں، ان کے علاوہ جو لوگ ہیں وہ موٹے جانور کی مانند ہے۔

فرماتے تھے کہ واعظ جب کچھ بیان کرتا ہے تو اس کی توجہ اللہ تعالیٰ پر ہوتی ہے اور اس کی نفس میں کوئی آرزو نہیں ہوتی۔ وعظ بیان کرتے وقت وہ اپنی ذات کو تمام چیزوں سے خالی کرلیتا ہے۔ اپنی زبان کو جاہل کی زبان سمجھتا ہے۔ معارف اور عوارف کا پاک چشمہ جو اس کی زبان سے جاری ہوتا ہے اس کے بارے میں یقین کرتا ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ نے جاری کیا ہے۔ وعظ کہنے کے لیے ایک خاص کیفیت درکار ہے۔ واعظ میں جب تک وہ کیفیت پیدا نہ ہو، وہ وعظ نہیں کہتا کیونکہ اس خاص کیفیت کے بغیر نہ وعظ میں ذوق پیدا ہوگا نہ سننے والوں میں شوق بالیدہ ہوگا۔

حضرت خواجہ عطار قدس سرہ کا قول ہے کہ وعظ کی ایک مجلس لہو ولعب کی ستّر مجلسوں کا کفارہ ہے، اُس زمانے میں امید بڑھانے والی باتوں کے بجائے خوف آمیز باتیں کہنا زیادہ بہتر ہے۔

---

[1] پارہ ۲۷۔ سورہ الذاریٰت، آیت ۵۵۔

[2] پارہ ۶۔ سورہ المائدہ، آیت ۵۴۔

حضرت علیؓ کا بھی قول ہے کہ لوگوں سے نا امیدی کی باتیں کہنے میں حد سے زیادہ نہ بڑھیں اسی طرح امید کی باتیں بھی اس زور وشور سے بیان نہ کی جائیں کہ لوگوں کے دل میں خدا کا خوف نہ رہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے اُدْعُ اِلیٰ سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ [1] (اپنے رب کے راستے کی طرف بلایئے حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ)۔ اللہ کے راستے کی طرف بلانا (یہ ہے) کہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی بندگی پر آمادہ کیا جائے اور اس کی نافرمانی سے روکا جائے۔ حکمت کے ساتھ دعوت دینے کا نفع یہ ہے کہ لوگوں میں ضد اور مخالفت کا جذبہ پیدا نہیں ہوتا۔ اب تم جو یہ دیکھتے ہو کہ لوگوں میں اچھی نصیحت کا اثر ہوتا ہے تو اس کا تعلق علم وصواب سے ہے (نیکی کا علم حاصل ہوتا ہے) لیکن رقّت، نرمی اور درد پیدا نہیں ہوتے نہ کوئی خاص تبدیلی اور احتیاط حاصل ہوتی ہے۔ (جب قلب اچھی نصیحت قبول کر لیتا ہے تو زندگی بدل جاتی ہے)۔

بزرگوں نے کہا ہے کہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی بندگی کی طرف بلانا نبوت کی نیابت ہے۔ اکابر صوفیہ جو وعظ کہتے ہیں۔ وہ پہلے سے ترتیب کردہ مضامین کے مطابق تقریر نہیں کرتے بلکہ بے اختیار جو خیال دل میں آتا ہے بے ساختہ کہہ دیتے ہیں۔

نقل ہے کہ شیخ عثمان خیر آبادیؒ [2] ایک مدت تک مخلوق سے دور رہے اور بیابانوں میں رہے۔ ایک مدت کے بعد انہیں الہام ہوا کہ آبادی میں جا کر رہو اور لوگوں کو ہدایت کرو لیکن شرط یہ ہے کہ پہلے ہزار مصیبتیں برداشت کرو، چنانچہ شیخ عثمانؒ فرمانِ الٰہی کے بموجب بستی میں آ گئے۔ جب شہر میں داخل ہوئے تو اس قدر بلائیں درپیش ہوئیں کہ اُن کا بیان کرنا تقریباً ناممکن ہے۔ کوئی تھپڑ لگاتا تھا، کوئی اینٹ مارتا تھا۔ شیخ ہر مصیبت کو شمار کرتے رہے۔ جب ہزار بلائیں پوری ہوگئیں تو منبر پر جا بیٹھے اور وعظ ونصیحت کہنا شروع کر دیا۔ جب وعظ ختم کر کے منبر سے اُترے تو عرض کیا۔ اے اللہ! تیرے علم میں ہے کہ نہ میں علم رکھتا ہوں اور نہ کچھ فضل وکمال ہی مجھ میں ہے غیب سے ندا آئی کہ منبر پر بیٹھنا تمہارا کام ہے اور بیان کرنا میرا کام ہے بلکہ تم اپنی زبان کو موسیٰؑ کے شجر کی زبان سمجھو۔ ابیات:

اے برادر گرز آئی در سخن
کن تہی خود رازبارِ ما ومن

ترجمہ: اے بھائی اگر تو (نصیحت کی) باتیں کہنا چاہتا ہے تو خود کو غرور کے بوجھ سے ہلکا کر لے۔

گر شوی خالی زخود اندر کلام
آید ازراہِ زبانت صد پیام

---

[1] پارہ ۱۴۔ سورہ النحل، آیت ۱۲۵۔ (مطبوعہ نسخے میں الحسنة کے بعد یہ عربی عبارت، الدعاء الیٰ سبیل اللّٰہ بھی نقل کی گئی ہے لیکن یہ عبارت قرآن شریف میں نہیں ہے۔ مترجم نے متن میں اسے نقل نہیں کیا بلکہ اُردو ترجمہ تحریر کیا ہے۔)

[2] شیخ عثمان کے حالات کسی تذکرے میں نہیں ملتے اس لیے آپ کے زمانے کا تعین دشوار ہے۔ فوائد الفواد مصنفہ حسن علی سجزیؒ میں آپ کو خیر آبادی کے بجائے حرب آبادی کہا گیا ہے۔ یہ واقعہ جو آپ کے تعلق سے اس لطیفے میں بیان ہوا ہے۔ فوائد الفواد کی جلد دوم۔ مجلس ۳۴ میں بیان کیا گیا ہے۔

ترجمہ: کلام کے وقت اگر تو اپنی ذات کے احساس سے خالی ہو جائے تو تیری زبان کے راستے سے سو طرح کے پیام باہر آئیں۔

اندریں حالت اگر ریزی گہر
گوش بہرِ دل کند آں رامقر

ترجمہ: اس کیفیت میں اگر تو نصیحتوں کے موتی برسائے گا تو کان اُن موتیوں کو دِل تک پہنچانے کے لیے جگہ دیں گے۔

گرنباشی زیں صفت از خود تہی
گرنہ گوئی تو سخن باشد بہی

ترجمہ: جب تک تو اپنے نفس سے بری نہیں ہوتا اس خوبی سے بہرہ مند نہیں ہوسکتا، اس صورت میں تیرے حق میں یہی بہتر ہے کہ تو کلام نہ کرے۔

واعظے کو ایں چنیں گوینده شد
کوسِ معنی برسخن کو بنده شد

ترجمہ: وہ واعظ جو اس صفت کے ساتھ کلام کرتا ہے وہ معنی کے نقارے کو کلام پر کوٹنے والا ہوتا ہے۔

ورنہ ہم چو گوش خالی از دماغ
کم و را بے ہوده در بازی ولاغ

ترجمہ: ورنہ اس کان کی مانند ہے جو سننے سے عاری ہوتا ہے۔ اس کی باتوں سے عالَم کو کم نفع ہوتا ہے کیونکہ وہ باتیں سراسر بے ہودہ، کھیل اور ٹھٹھول کی ہوتی ہیں۔

مجرئی او در زبانِ اشرف است
داند آں کس کو سخن را عارف ست

ترجمہ: وہ باتیں جو اشرفؒ کی زبان سے جاری ہوئیں صرف وہی شخص جانتا ہے جو عارف ہے۔

حضرت نوریؒ [1] کے بارے میں بیان کیا گیا ہے، لوگوں نے ان سے پوچھا کہ آدمی کب بات کہنے کے لائق ہوتا ہے؟ اور کب وعظ سننے کے قابل ہوتا ہے؟ فرمایا، اُس وقت جب اللہ تعالیٰ کے اسرار سمجھ سکے اور اللہ تعالیٰ کے اسرار سمجھنا مشکلات سے خالی نہیں ہے بلکہ ہزاروں مشکلات واقع ہوتی ہیں اور کلام جملوں کی گردان میں صرف ہوتا ہے واعظ کے لیے ضروری کہ وہ سننے والوں کی لیاقت کے مطابق وعظ کہے۔ ہر شخص کو یہ ادراک حاصل نہیں ہوتا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اسرار کی علّتوں اور

---

[1] حضرت نوریؒ۔ پورا نام ابوالحسین نوریؒ تھا۔ ۲۹۵ھ میں وفات پائی۔ ملاحظہ فرمائیں، ''تاریخ تصوف در ایران'' ص ۶۰۔

اس کے کلام کے آثار کی رمزوں کو سمجھ سکے۔قطعہ:

ہر کسے را نیست ادراکِ سخن
تا بفہمد غامضِ اسرارِ دل
اہلِ دل باید کہ گیرد ذوقِ او
کاو گوہر کے بربیند زیرِ گِل

ترجمہ: ہر شخص کو بات کی سمجھ نہیں ہوتی کہ وہ دل کے اسرار کی حقیقت کو سمجھ سکے۔ صاحبِ دل ہی ذوق حاصل کرتا ہے۔ مٹی کھودنے والے کو لعل و گوہر نصیب نہیں ہوتے۔

وعظ نصیحت کی باتیں سننے کے لیے بھی لیاقت درکار ہے نہ وہ علم جو تم رکھتے ہو بلکہ وہ علم جو وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا [1] (اور ہم نے اسے اپنا علم لدنی سکھایا۔) کی لوح سے پیدا ہوتا ہے اور وہ فہم جو لا الٰہ الا اللہ کے معارف سے فیض پہنچاتی ہے۔ قطعہ:

جملہ تاریک است ایں محنت سرائے
علم دروے چوں جواہر رہنمائے
رہبرے جانت دریں تاریک جائے
علم و فہمت، فہم و علم جاں فزائے

ترجمہ: یہ محنت سرائے (دنیا) تمام کی تمام تاریک ہے۔ اس تاریکی میں علم رہنما جوہر کی مانند ہے۔اس تاریک جگہ میں تیری روح کے رہبر ہیں تیرا علم اور تیری فہم (لیکن ایسے) فہم و علم جو جانفزا ہوتے ہیں۔

حضرت قدوۃ الکبراؒ نے جامع مسجد بغداد میں خلیفہ اور وہاں کے اہل معرفت و مکرمت کے بے حد اصرار پر وعظ فرمایا۔ اُس مجمع میں تقریباً پانچ ہزار اربابِ فضل اور سرکاری امیر و سردار موجود تھے۔ قاری صاحب نے سورۂ یوسف تلاوت کی تو حضرتؒ پر ایک خاص کیفیت طاری ہوگئی۔ اسی کیفیت میں آپ نے تقریر شروع کی اور اُس وعظ میں معرفت و عرفان کے اس قدر نکات بیان فرمائے کہ سارے مجمع پر وجد کی کیفیت طاری ہوگئی اور لوگ گریہ و زاری کرنے لگے۔ خاص طور پر آپ نے آیتِ پاک، لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ [2] (اگر اپنے رب کی پختہ دلیل نہ دیکھ لیتے۔) کی تفسیر میں ایسی ایسی عاشقانہ باتیں بیان کیں کہ سارے مجمع پر اُن کا اثر ہوا یہاں تک کہ اکثر لوگ اپنے گھروں کی طرف دوڑے یا جنگل کی جانب نکل

---

[1] پارہ ۱۵۔ سورہ الکہف، آیت ۶۵۔ مطبوعہ نسخے (ص ۲۵۴) میں سہو کتابت کے باعث اتیناہ نقل کیا گیا ہے لیکن قرآن حکیم میں مندرجہ بالا آیت میں علمناہ آیا ہے۔

[2] پارہ ۱۲۔ سورہ یوسف، آیت ۲۴

گئے۔

ایک بزرگ نے جنہیں لوگ شیخ قطب متقی کہتے تھے، فرمایا کہ میری عمر سو سال کے لگ بھگ ہے، بہت سے واعظین مختلف ملکوں اور اطراف کے یہاں آئے اور وعظ کی مجلس میں تقریریں کیں لیکن کسی نے ایسی خوبی و لطافت سے لبریز تقریر نہیں کی جیسی حضرت نے کی۔

خلیفۂ بغداد بھی ایک ہزار اشرفی اور ایک گھوڑا جس کی زین اور لگام سونے کی تھیں لے کر حاضر ہوا لیکن آپ نے قبول نہیں فرمایا۔ دوسرے دن خلیفہ پھر حاضرِ خدمت ہوا اور بے حد اصرار کیا تو آپ نے قبول کیا۔ ابیات:

چناں دُر ریخت از دریائے اسرار
کہ گوشِ جاں پُر از دُرّ و گہر شد

ترجمہ: (آپ نے) دریائے اسرار کے اس قدر موتی بکھیرے کہ روح کے کان موتیوں اور گوہروں سے بھر گئے۔

چہ خوش می ریخت مے از ساقیِ فیض
کہ ہر کس جرعہ زد زد بے خبر شد

ترجمہ: (آپ نے) ساقیِ فیض کے سبو سے ایسی اچھی شراب نثار کی کہ جس شخص نے ایک گھونٹ پی مست ہوگیا۔

زبادِ فیض آبِ معرفت ریخت
نہالِ عیش راشیریں ثمر شد

ترجمہ: فیض کی پُروا ہوا سے معرفت کی بارش ہوئی۔ عیش کے درخت میں شیریں پھل لگے۔

جس زمانے میں حضرت قدوۃ الکبرا مدینہ طیبہ میں روضہ منورہ پر حاضر تھے، حضرت شیخ احمد یسوی کے سلسلۂ یسویہ میں داخل ترکوں کی ایک جماعت بھی وہاں حاضر تھی۔ انہوں نے آپ کی تعریف کی اور ان کے مشائخ نے آپ سے وعظ کہنے کے لیے اصرار کیا اور عاجزی کا اظہار کیا اور کامیاب ہوئے۔ اُس زمانے میں حضرت ترکی زبان جانتے تھے لیکن زیادہ مہارت نہ تھی۔ چونکہ یہ مجلس ترکوں نے منعقد کی تھی یہ بھی لازم ہوا کہ ترکی زبان میں تقریر کی جائے حضرت نے اسی کے مطابق ترکی زبان میں تقریر کی اور ایسے فصیح لہجے میں حقائق و معارف بیان فرمائے کہ اہل زبان کو رشک ہونے لگا۔ جتنے مشائخ اس مجلسِ وعظ میں موجود تھے سب کو ذوقِ باطنی حاصل ہوا اور ہر شخص ترکی میں کہتا ہوا آیا۔ [1]

تقریباً سو ترک حضرت کے ہمراہ روانہ ہوئے اور خدمت و ملازمت پر کمربستہ ہوئے۔ یہ لوگ ایسی محنت سے خدمت بجالاتے جیسی برگزیدہ خلفا اور نہایت عاقل حضرات کرتے تھے، چنانچہ انہوں نے تھوڑی سی مدت میں اپنی اپنی ہمت کے

---

[1] (اس کے بعد یہ عبارت ہے "پی حیف فیلندسی بوسید و انداق مجلی اتیت مگر ہیچکس کور مادی را" یہ عبارت مترجم کے لیے ناقابل فہم ہے اس لیے اس کا ترجمہ شامل متن نہیں ہے۔)

مطابق مقصد حاصل کرلیا اور چہرۂ مقصود اُن پر ظاہر ہوگیا۔قطعہ:

ہر کہ او دربزمِ رنداں زدقدم
درخورِ ہمت دہندش جامِ مے
ایں یکے از بادۂ خُم دم نزد
واں یکے از ہم شدہ ز آوازِ نے

ترجمہ: جس شخص نے رندوں کی محفل میں قدم رکھا اسے اس کے حوصلے کے مطابق جامِ شراب دیا گیا ایک شخص گھڑے کی شراب پی کر بے خود ہوگیا دوسرا شخص بانسری کا ہم نوا ہوگیا۔

ایک روز ایسا ہوا کہ حرم شریف کے شیوخ اصرار کرنے لگے کہ حضرتؒ شیخِ حرم حضرت نجم الدین اصفہانی کی موجودگی میں وعظ کہیں۔ آپ مجبور ہوگئے کیونکہ شیخِ حرم کے حکم کو بجا لانے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا چنانچہ مجلس ترتیب دی گئی۔ آپ نے عربی زبان میں تقریر کی۔ اہلِ مجلس کو اس قدر ذوق وشوق حاصل ہوا کہ اسے بیان نہیں کیا جاسکتا۔حتیٰ کہ بعض عرب جو صحرا اور بستی سے آئے تھے، شریکِ مجلس ہوئے۔ اُن پر اس قدر وجد و حال طاری ہوا کہ لوگ تعجب کرتے تھے کہ یہ نہایت عجیب واقعہ ہے کہ صحرا میں رہنے والے تقریر سے اس قدر متاثر ہوئے، ابیات:

زورِ بازوئے کہ سخت انداز شد
ہر کرازد تیر پرّاں در گزشت

ترجمہ: جس کامل تیرانداز نے اپنے زورِ بازو سے جس کسی کو تیز رفتار تیر مارا وہ (دل کے) پار ہوگیا۔

بود پیکاں زا ہن پولاد رنگ
از مجن و ہفت جوشن برگزشت

ترجمہ: وہ تیر چونکہ فولاد کی مانند لوہے سے بنایا گیا تھا اس لیے ڈھال اور سات زرہوں کو چھیدتا ہوا نکل گیا۔

سرگزشت از پائے دل خیزداگر
ہم چو سیل آمد رواں وز سر گزشت

ترجمہ: حال اگر دل کی گہرائی سے اٹھے تو سیلاب کی مانند رواں ہو اور سر سے گزر جائے۔

حضرت قدوۃ الکبراؒ فرماتے تھے کہ حسنِ خلق اس بلند پایہ گروہ یعنی صوفیہ کی خاص خصلت ہے جو انہیں ہی زیب دیتی ہے کہ یہ حق کے زیور اور کلام کے لباس سے روشن ہوتے ہیں۔ تمام اقوال و افعال میں صوفی کی نظر چوں کہ حق تعالیٰ پر ہوتی ہے اس لیے لازم آتا ہے کہ وہ تمام مخلوق سے خوش اخلاقی کا برتاؤ کرے۔ اگر شریعت کے مطابق کسی محل پر سختی درکار ہے تو سختی کرے، لیکن باطن کے مطابق اسی وقت اللہ سے مغفرت طلب کرے۔
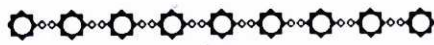
حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس میں اخلاق مرتبۂ کمال تک پہنچے ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں آیۂ کریمہ اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ [1] (بے شک ضرور آپ بہت بڑی شان والے خلق پر ہیں) نازل ہوئی۔

حضرت قدوۃ الکبریٰ فرماتے تھے کہ غصہ بدترین خصلت و علامت ہے جس سے وصول کی نعمت میں زوال ہونے لگتا ہے اور حصول میں کمی واقع ہوتی ہے۔ گروہِ صوفیہ کو ہر حال میں اس عادت سے گریز کرنا چاہیے۔ اللہ کی پناہ! اگر کسی طالب سے یہ فعل کسی بھی نوعیت سے سرزد ہوجائے تو اسے فوراً استغفار کرنا چاہیے۔ (یہ حقیقت ہے کہ) کوئی شے اس قدر خانۂ دل کو خالی اور بے نور نہیں کرتی جس قدر غصہ کرتا ہے۔ قطعہ:

مکن خشم اے یار، درکارِ دیں
کہ اوی کند ظرف باطن تہی
اگر بایدت، باطن انور بود
مکن خشم، اے سرو باغ بہی

ترجمہ: اے دوست! دین کے کام میں غصہ نہ کر کیوں کہ غصہ کرنے سے باطن کھوکھلا ہوجاتا ہے۔ اگر تو چاہتا ہے کہ تیرا باطن روشن ہوجائے تو اے گلستانِ خیر خواہی کے سرو! غصے سے پرہیز کر۔

حضرت قدوۃ الکبریٰ فرماتے تھے کہ مخلوق میں، انسانوں کے تعلق سے پسندیدہ اور بہترین صفت، شفقت کرنا ہے جسے یہ نعمت کلی طور پر حاصل ہوجائے اسے ثمرۂ حقیقی بھی بخشا جاتا ہے۔ (حقیقی ثمرہ یہی ہے کہ) اُس شخص کی ذات میں شفقت و مہربانی کی صفات پیدا ہوجاتی ہیں۔ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ [2] (یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے دیتا ہے) یہ بات بھی اچھی طرح سے جان لینا چاہیے کہ جب کسی شخص پر شفقت و مہربانی کی جائے تو اپنی خودی کو درمیان سے اٹھالیا جائے تاکہ شفقت کرنے والا اس صفت سے منسوب کیا جائے کہ یہ نسبت سعادت و عنایت کا بلند ترین مقام ہے۔ مثنوی:

ہر کار کہ پیش گیری اے یار
خود را زمیانِ کار بردار
بردار راہِ کار یارا
تایابی زباغِ کام بررا [3]

ترجمہ: اے دوست تو جو کام بھی انجام دے تو اپنی خودی کو درمیان سے اٹھالے۔ (یہی نہیں بلکہ) اے دوست کام کے

---

[1] پارہ ۲۹۔ سورہ القلم، آیت ۴۔ [2] پارہ ۶۔ سورہ المائدہ، آیت ۵۴۔

[3] مطبوعہ نسخے (ص ۲۵۶) میں چوتھا مصرع اس طرح نقل کیا گیا ہے "تایابی زباغِ کام بردار" یہ مصرع مثنوی کے معروف قاعدے کے خلاف ہے۔ مثنوی کا ہر شعر ہم قافیہ ہوتا ہے یہاں ایسا نہیں ہے۔ اس لیے قیاسی تصحیح کر کے تیسرے اور چوتھے مصرعوں کو ہم قافیہ کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔

راستے سے اٹھ جاتا کہ تجھے مقصد کے باغ سے ثمرۂ حقیقی حاصل ہوجائے۔

حضرت قدوۃ الکبریٰؒ فرماتے تھے کہ شریعت کے معاملات اور طریقت کے کام چوں کہ شریعت کے اصول پر مبنی ہیں اس لیے انہیں ظاہرِ شرع کے مطابق انجام دیا جائے لیکن حقیقت میں اُن سے خبردار رہنا چاہیے۔ مثلاً اگر کسی شخص کے بارے میں شریعت کے مطابق فتویٰ طلب کریں کہ اسے قتل کر دینا چاہیے تو اگر وہ خود یہ منصب رکھتا ہے تو راضی ہوجائے اور اگر وہ فتویٰ دینے کا منصب نہیں رکھتا تو اُس شخص کے قتل پر اصرار نہیں کرنا چاہیے اور (اپنے اصرار نہ کرنے کو) ظاہرِ شرع کے مطابق جانے۔ دونوں صورتوں میں نیت اللہ تعالیٰ پر رکھنی چاہیے۔ قطعہ:

اے برادر پائے در راہِ یقیں
نہ، زروئے صدق و از معنی برو
باہمہ کس نسبتِ ظاہر بہ بیں
باطن از ظاہر بہ معنی درگرو

ترجمہ: اے بھائی! یقین کے راستے میں سچائی کے ساتھ قدم رکھ اور قصد کی ہوئی جگہ سے گزر جا۔ سب لوگوں کو ظاہر کے تعلق سے دیکھ۔ ظاہر سے باطن کو معنی کے ساتھ رہن رکھ دے۔

حضرت قدوۃ الکبریٰؒ فرماتے تھے کہ رندوں کا مشرب اور عارفوں کا مذہب یہ ہے کہ ہر مرتبے کو اُس کے تقاضوں کے مطابق طے کرے اور اُس مرتبے کی مشکلات میں سے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کرے۔ ابیات:

ہر کہ او در بزمِ رنداں بر نشست
بایدش بر حسب رندی کرد کار

ترجمہ: جو شخص کہ رندوں کی محفل میں آ کر بیٹھ گیا، اُس پر لازم ہے کہ رندی کے دستور کے مطابق کام کرے۔

اقتضائے بزم باید کردنش
ورنہ از رندیش باید بست بار

ترجمہ: اسے اُس بزم کے تقاضوں کے مطابق زندگی بسر کرنی ہے ورنہ وہ رندی کے مقام سے بستر بوریا سمیٹ لے۔

رندِ کامل در جہاں آں کس بود
کز مرادِ بزمِ رنداں بردبار

ترجمہ: دنیا میں کامل رند وہ شخص ہوتا ہے جو رندوں کی بزم کے منشا کے مطابق بارِ حیات اٹھاتا ہے۔

لطیفہ ۴۷

مومن و مسلم کے بیان میں

قال الاشرفؒ:

المومن هو الموقن فی کل حال بمبدائه سیّد اشرف جہانگیرؒ نے فرمایا، مومن وہ شخص ہے جو ہر حال میں اپنے مبدا پر یقین کرنے والا ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گہر بار حدیث میں آیا ہے، **المسلم من سلم المسلمون من یده و لسانه** یعنی مسلمان وہ شخص ہے کہ اس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان محفوظ رہیں۔

بعض مشائخ نے مومن اور مسلم کے درمیان کوئی فرق روا نہیں رکھا ہے۔ ان کے نزدیک دونوں لفظ ہم معنی ہیں۔ انہوں نے ادراک اور فہم میں کمی کے باعث ایسا خیال کیا تھا اور انہیں ذوق و وجدان کا اس قدر علم بھی نہ تھا۔ الفاظ کے ظاہر تک محدود رہے اور ان کے رموز وحقائق پر غور نہیں کیا۔ عرض کو جوہر سمجھ بیٹھے۔ اس فقیر کو علمِ مکاشفہ سے جو فرق معلوم ہوا، اس کا ایک شمہ یہاں بیان کیا جاتا ہے۔ ایمان وہ درخت ہے جو نہ شرقی ہے نہ غربی ہے۔ اس کی اصل روح کے باغیچے میں استوار ہوئی ہے اس کی شاخ ازل سے اور جڑ ابد سے متصل ہے۔ مصرع:

شاخِ او اندر ازل شد بیخ او اندر ابد

(اس کی شاخ ازل میں اور جڑ ابد میں ہے)

اس درخت کا سہارا پتوں اور شاخ کی بجائے عرش پر ہے۔ تحقیق یہ ہے کہ وہ نورِ جمال کا پرتو ہے جو دل کے گوشے میں عکس ریز ہوتا ہے۔ مشائخ نے جو یہ فرمایا ہے کہ **اذا تم الفقر فهو الله**(جب فقر کامل ہوتا ہے تو وصول الی اللہ حاصل ہوتا ہے) اس رمز کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اس معرفت کے توسل سے لوگ اپنے وجود کو، نبوت و ولایت کے نور اور وحدانیت کو پہچانتے ہیں اور جانتے ہیں کہ یہ نور عرض ہے جو جوہر جان کے ساتھ قائم ہے۔

جس وقت روح اس حیوانی عالم سے گزر جاتی ہے اور جبلّت کے اندھیرے سے باہر آتی ہے تو دل کی صفت اختیار

کرلیتی ہے اور جس وقت دل جبلت کے مرض سے رہائی پاتا ہے تو طفولیت کی حالت جو اس پر چھائی رہتی ہے دور ہوجاتی ہے اور کامل بلوغت ظہور میں آتی ہے (یعنی معرفت سے بے خبری کی حالت زائل ہوجاتی ہے اور شعورِ معرفت بالیدہ ہوجاتا ہے)۔ اس وقت ایمان کا پورا مرتبہ کمال پر پہنچتا ہے۔

صفاتِ الٰہیہ کا ثمر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق ہیں، جن کے اپنانے سے صفتِ روح حاصل ہوتی ہے (پھر) روح ربوبیت کی توفیق اور جذبہ الٰہی کی بدولت عالمِ ہدایت سے (عروج کرکے) سبحانی بلندی پر پہنچ جاتی ہے۔ ابتدائے حال میں سالک خاموش التجائیں کرتا اور جواب سنتا ہے۔ رب العالمین کے جوارِ قرب سے محبت کرتا ہے اور (اس کی) محبت حاصل کرلیتا ہے۔

اسلام، باری عزاسمہ، کی ذات و صفات کی حقیقتوں اور کیفیتوں سے عبارت ہے اور اسلام سے انبیا کے احوال (پر یقین) اور ان کے طریق اور آداب کی پیروی بھی مراد لی جاتی ہے۔ یہ (تعریف) عام اور خاص ہے، جیسے (کہا جاتا ہے) **کل انسان حیوان ولکن بعض الحیوان لیس بانسان** یعنی ہر انسان حیوان ہے لیکن بعض حیوان انسان نہیں ہیں۔ (اس تعریف کے مطابق) ہر مومن مسلمان ہوتا ہے لیکن ہر مسلمان مومن نہیں ہوتا۔ افراد انسانی سے جو فرد، ابتدائے حال میں وحدت اور وحدانیت کا قائل ہوجائے، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو تسلیم کرے، آسمانی کتابوں، حشر ونشر، صراط سے گزرنے، ثواب وعذاب اور اللہ تعالیٰ کے قضا وقدر کا اقرار کرے اسے مجازاً مسلمان کہہ سکتے ہیں۔

اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی کسان ایک وقت کھیت میں بیج ڈالے اور ربیع کی فصل کی امید رکھے لیکن اسے ان بلندیوں تک رسائی اور ثمرات کا حصول اس وقت میسّر ہوگا جب عالمِ مشیّت سے لگاتار بارش ہو، اللہ کے فیض کی بخشش اور بارش کا بہاؤ زمین کی تہہ تک پہنچے اور زمین بہت زیادہ سیراب ہو۔ (اسی کے ساتھ) آسمانی آفتوں مثلاً ٹڈیوں کی یلغار سے کھیتی محفوظ ومصئون رہے، زمین کی مدد حاصل ہو اور ہوا موافقت کرے تب پھل پیدا ہوگا۔ جب پھل آئے گا تو بہت سے بیج، جڑیں، شاخیں، بار، شگوفے اور دیگر فائدے بھی حاصل ہوں گے۔ اگر کسان کی عدم توجہ یا بارش میں کمی یا دیگر موانع کے سبب کھیتی درجہ کمال تک نہ پہنچے تو اس میں ڈالا ہوا بیج کبھی بالیدہ نہ ہوگا اور خود ہی گل سڑ جائے گا۔

کیا تم نہیں دیکھتے کہ بہت سے لوگ ایمان لائے ہیں لیکن اُن کے اقوال وافعال سراسر جھوٹ، ایذا رسانی اور غیبت پر مبنی ہوتے ہیں۔ صادق القول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، **انا و اتقیاء امتی براء من التکلیف** یعنی میں اور میری امت کے متقی ایذا رسانی سے بری ہیں۔ یہ ظاہری مسلمان مجلسوں اور محفلوں میں سامنے اور پیٹھ پیچھے دوسروں کی برائی اور غیبت کرتے رہتے ہیں۔ قرآنِ حکیم کی آیتِ پاک اس پر واضح دلیل ہے۔ **اَیُحِبُّ اَحَدُ کُم اَنْ یَّاْکُلَ لَحْمَ اَخِیْہِ مَیْتًا فَکَرِہْتُمُوْہُ**[۱] (ترجمہ: کیا تم میں کوئی پسند کرے گا کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے تو تم اس سے (انتہائی) کراہت

---

[۱] پارہ ۲۶۔ سورہ الحجرات، آیت ۱۲۔
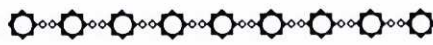
محسوس کرتے ہو۔) اور شارع علیہ السلام فرماتے ہیں **الغیبة اشد من الزنا** یعنی غیبت زنا سے زیادہ بڑا گناہ ہے۔ انہوں نے تکبر کی جملہ صورتوں اور حالتوں کو اپنی زندگی کا شعار اور لبادہ بنالیا ہے۔ ہر وقت اقتدار اور منصب کی ترقی کی دُھن میں لگے رہتے ہیں اور کبر و غرور کا اظہار کرتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے، **لایدخل الجنة من کان فی قلبه مثقال ذرة من الکبر**، یعنی وہ شخص جس کے دل میں ایک ذرّے کے برابر غرور ہوگا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

دراصل شریعت عبارت ہے انصاف، راستی اور کم آزاری سے۔ جب لوگوں سے ہر لحظہ ہزار طرح کے گناہ اور آزارِ عمل میں آتے ہیں تو خدا اور رسول ان سے آزردہ ہوجاتے ہیں، پس جو شخص اس مقام پر ہو اس سے کس طرح بھلائی کی اُمید کی جاسکتی ہے اور کس طرح اس کی پیروی کی جاسکتی ہے۔ شعر:

گر مسلمانی تو بیدا دے چراست
چوں کہ بیدادی مسلمانی کجاست

ترجمہ: اگر تو مسلمان ہے تو ناانصافی کیوں کرتا ہے۔ چوں کہ تو ظالم ہے اس مسلمانی کا دعویٰ بے جا ہے۔

حضور علیہ السلام کا ارشادگرامی ہے، **من اذی مومناً فکان اذی الله ومن اذی الله فھو ملعون فی التوراة والانجیل والزبور والفرقان** یعنی جس شخص نے کسی مسلمان کو ناحق تکلیف پہنچائی اس نے خدا کو تکلیف پہنچائی پس وہ ازروئے تورات، انجیل، زبور اور قرآنِ حکیم ملعون ہے۔

ایک شخص کا ذکر جس نے حضرت قدوة الکبراؒ کی غیبت کی

حضرت قدوة الکبراؒ روم مادخلہ المعصوم [1] میں قیام پذیر تھے۔ ایک رومی آپ سے عداوت رکھتا تھا اور پیٹھ پیچھے آپ کی غیبت کرتا تھا۔ جب وہ حاضرِ مجلس ہوا تو حضرت شیخ قطب الدین رومی نے اس کی نسبت یہ حکایت بیان کی:
''مجھے واقعے میں (خواب میں) یہ دکھایا گیا کہ تمام فرشتے جن کے ہاتھوں میں نیزے اور بیلچے تھے، عجمی سختی اور حیوانی رعب کے ساتھ زمین پر اتر رہے ہیں۔ میں نے دریافت کیا کہ تم کون ہو اور کہاں جارہے ہو انہوں نے کہا کہ ہم ملائکہ ہیں اور ایسے شخص کے مکان پر جارہے ہیں جو حضرت اشرف جہاں گیر کی غیبت کرتا ہے اور ان کی بزرگی کا انکار کرتا ہے تاکہ اس کے ایمان کی جڑ زمینِ اسلام سے اکھاڑ دیں اور اس کی زندگی کی جڑ کائنات کے تنے سے کاٹ دیں۔'' مثنوی:

گر خدا خواہد کہ پردہ کس درد
میلش اندر طعنۂ پاکاں برد

---

[1] روم مادخلہ المعصوم یعنی روم جس میں داخل ہونے والا معصوم نہیں ہے۔

ترجمہ: جب خدا یہ چاہتا ہے کہ کسی شخص کا پردہ چاک کر دے تو اس کا رجحان پاکوں کی عیب جوئی کی طرف کر دیتا ہے۔

ور خدا خواہد کہ پوشد عیبِ کس
کم زند در عیب اہلِ دل نفس

ترجمہ: اور اگر خدا چاہے کہ کسی کے عیب پوشیدہ رہیں تو وہ شخص کسی صاحبِ دل بزرگ کی برائی نہیں کرتا۔

پیشِ ایں الماس بے اسپر میا
گر بریدن تیغ رانبود حیا

ترجمہ: (اے مخاطب) بغیر ڈھال کے اس الماس کے سامنے نہ آنا۔تلوار کاٹنے سے نہیں چوکتی۔

تیغِ برّانست کانفاسِ دروں
از دروں برّاں برآید تابروں

ترجمہ: انفاس باطنی بھی تیغ برّاں کی مثل ہیں۔ یہ اندر سے کاٹتے ہوئے باہر نکل آتے ہیں۔ خدا نہ کرے کہ کوئی بندہ برائی میں مبتلا ہو۔

لطیفہ ۴۸

نیکی کا حکم دینے اور برائی سے منع کرنے کی تفصیل[1]
نیز بعض اختلافی پینے کی چیزوں کا بیان

حضرت قدوۃ الکبرأ فرماتے تھے کہ امر بالمعروف (نیکی کا حکم دینا) ہر شخص کی حیثیت کے مطابق مختلف قسم کا ہوتا ہے پہلے ہاتھ سے امر بالمعروف کرے۔ اگر یہ ممکن نہیں ہے تو زبان سے کہے اگر زبان سے نہ کہہ سکے تو دل میں برا جانے اور یہ دلی کراہیت اس طرح کی ہو کہ گناہ کرنے والا متنبہ ہوجائے کہ حکم دینے والے کو میرا فعل پسند نہیں آیا۔ اہل ظاہر کے تعلق سے یہ دلی کراہیت امر بالمعروف کا ادنیٰ ترین درجہ ہے۔ ہم اس کی مزید تفصیل بیان کرتے ہیں۔

امیروں، حاکموں اور منصب داروں کے تعلق سے امر بالمعروف یہ ہے کہ طاقت استعمال کریں جیسے کہ قاضی اور محتسب کرتے ہیں۔ علما زبان سے امر بالمعروف کرتے ہیں، اس سلسلے میں وہ آیات و احادیث کا حوالہ دیتے ہیں نیز تمثیلوں اور حکایتوں سے وضاحت کرتے ہیں چنانچہ متعلقہ شخص (اپنی غلطی پر) متنبہ ہوجاتا ہے۔ عوام الناس کا تعلق دل سے ہے۔ یہ منصب داروں اور مددگاروں سے کم تر درجے کے ہوتے ہیں۔ ان کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ دل میں برے کام کو برا خیال کریں، لیکن سچی بات یہ ہے کہ دل کے توسط سے امر بالمعروف عوام الناس کا کام نہیں ہے بلکہ یہ اُن حضرات کا کام ہے جو مرتبۂ دل پر فائز ہیں اور اپنے اسباب کو آب وگل کی پستی سے نکال کر اصل بلندی پر لے آئے ہیں۔[2]

اگر اہل دل اشارا کریں تو امر بالمعروف کجا، سارا عالم درہم برہم ہوجائے۔ سبحان اللہ! دل کا عالم بھی کتنا وسیع عالم ہے کہ تمام عوالم پر متصرف ہے اور تمام عالم پر احکام نافذ کرنے والا حاکم ہے۔

---

[1] احقر مترجم نے آئندہ صفحات میں حکم کردہ کام کے لیے ''امر بالمعروف'' اور منع کردہ کام کے لیے ''نہی عن المنکر'' کی معروف اصطلاح استعمال کی ہے۔

[2] مطبوعہ نسخے (ص ۲۵۸) میں جملہ یہ ہے ''از حفیض آب وگل ندروہ ساحل رخت کشیدہ'' اور خطی نسخے میں ''از حضیض آب وگل برزوۂ اصل رخت کشیدہ نقل کیا گیا ہے ''ندروہ'' یا ''برزوۂ'' دونوں سے کوئی مفہوم برآمد نہیں ہوتا۔ غالبًا یہ لفظ ''ذردہ'' ہے جس کی جمع ذرٰی ہے۔ ذردہ کے معنی ہیں، اونچی چیز اور چوٹی۔ اس قیاسی تصحیح کے مطابق ترجمہ کیا گیا ہے۔

ابیات:

برتر از دل نیستِ عالم در جہاں
ہر کہ دارد عالمِ دل بادشاست

ترجمہ: دنیا میں عالمِ دل سے برتر کوئی عالم نہیں ہے۔ جو شخص عالمِ دل رکھتا ہے بادشاہِ وقت ہے۔

دردو عالم یک دلے باید کہ او
نافذِ احکام امر انتہاست

ترجمہ: دونوں جہانوں میں بس ایک دل درکار ہے۔ وہی آخر تک معروف کے احکام نافذ کرنے والا ہے۔

بادشاہے عالمِ دل را مثال
درہمہ روئے زمیں عالم رداست

ترجمہ: عالمِ دل کے بادشاہ کی مثال یہ ہے۔ جیسے عالمِ دل ایک چادر ہے جس نے تمام روئے زمین اپنے اندر لے لیا ہے۔

حضرت قدوۃ الکبرأ فرماتے تھے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لایق وہ شخص ہوتا ہے جو شریعت کی تمام باریکیوں کا عالم ہو اور اُن تمام باریکیوں پر عمل کرتا ہوتا کہ وہ اس تنبیہ کے تحت نہ آسکے۔ لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَالَا تَفْعَلُوْنَ۔ [1] (ترجمہ: کیوں کہتے ہو وہ بات جو کرتے نہیں)۔ یہ امر (علم اور عمل) بعضوں کے نزدیک شرط ہے اور بعضے قیاس سے استدلال کرتے ہیں اور کہتے ہیں، میرے لیے ہدایت کے علاوہ بزرگی ہے اور تیرے لیے (محض) ہدایت ہے۔ پس جب تیرا نفس ہی راہِ راست پر نہیں ہے تو تو دوسرے کا نفس کیوں کر ٹھیک کر سکے گا۔ یہ بات مشہورِ عوام ہے کہ ناپ کی لکڑی کا سایہ درست نہیں ہوتا۔ مثنوی:

اے برادر گر تو خواہی کرد امر
نہی کن اوّل تو امر خویش را

ترجمہ: اے بھائی اگر تو امر بالمعروف کرنا چاہتا ہے، تو پہلے اپنے امر (نفس) کی نفی کر

گر ترا قوتیست صافی خود بخور
بعدازاں چیزے بدہ درویش را

ترجمہ: اگر تجھے پاک غذا میسر ہے تو پہلے خود نوش کر اس کے بعد درویش کو دے (دل کو پاک کر کے ہدایت کر)۔

---

[1] پارہ ۲۸۔ سورہ الصف، آیت ۳۔

تخمِ صافی بایدت اے درنخست
تادہد بر از برائے پیش را

ترجمہ: اے شخص پہلے تجھے پاک صاف بیج فراہم کرنا ہے تا کہ تو اس سے حاصل کردہ (پاک صاف) پھل دوسرے کو پیش کرسکے۔ شعر!

فاقلموا المرء علیٰ فعله
وانت منسوب الیٰ مثله

ترجمہ: پس تم کسی شخص کے فعل پر اعتراض نہ کرو۔ تمہارا اعتراض اس وقت صحیح ہوگا جب تم سے اسی طرح کا فعل منسوب نہ کیا جائے (تم ایسے فعل سے مبرا ہوجاؤ)

حقیقت یہ ہے کہ ہدایت کرنے کے لیے معصوم ہونا شرط نہیں ہے کیونکہ اگر یہ شرط عائد کی جائے تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا دروازہ بند ہوجائے گا۔ جب صحابہؓ معصوم نہ تھے تو دوسرے لوگ کس طرح معصوم ہوسکتے ہیں۔

حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں امر بالمعروف نہیں کروں گا جب تک خود اُن پر عمل نہ کروں اور نہی عن المنکر بھی نہیں کروں گا جب تک منع کردہ کاموں سے چھٹکارا نہ پالوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، **بل مروا بالمعروف ان لم تعملوا به كله وانهوا امنه عن منكرو ان لم تجتنبوا كله**، (بلکہ دوسروں کو نیک باتوں کا امر کرو اگرچہ تم تمام پر عمل نہ کرو اور برے کاموں سے منع کرو اگرچہ تم اُن تمام برے کاموں سے پرہیز نہ کرسکے۔) اسی طرح سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ اگر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر صرف وہی شخص کرسکتا ہے جس نے گناہ نہ کیا ہو تو پھر امر بالمعروف کا فرض ادا نہیں ہوسکتا، لیکن بزرگوں نے کہا ہے کہ واعظ لوگوں کو ان کے علم کے مطابق، ان کی بدکاری کے بارے میں امر کرسکتا ہے بشرطیکہ اس نے اپنی اصلاح کرلی ہو، اور لوگوں کے دلوں پر زیادہ چڑھائی نہ کرے، اس سے زیادہ ذمے داری نہیں ہے۔

بزرگوں نے آیتِ پاک لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَالَا تَفْعَلُوْن [1] (ترجمہ: کیوں کہتے ہو وہ بات جو کرتے نہیں۔) کی تاویل کی ہے اور کہا ہے کہ اس سے مراد جھوٹا وعدہ ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لیے دو باتیں اہم ہیں ایک عام لوگوں سے میل جول کم ہوتا ہے کہ اسے زیادہ رحم نہ آئے اور دوسرے یہ کہ وہ لوگوں سے طمع نہ رکھے تا کہ ڈھیل دینے کی نوبت نہ آئے۔

منقول ہے کہ ایک بزرگ نے بلی پال رکھی تھی۔ اس کے لیے ہر روز قصائی سے جو ان کا ہمسایہ تھا گوشت کا ٹکڑا لے کر آتے تھے۔ ایک روز انہوں نے قصاب کا ایک منع کردہ عمل دیکھا۔ وہ بزرگ گھر آئے اور اس بلی کو گھر سے نکال دیا۔ اس

[1] پارہ۔۲۸، سورہ الصف آیت، ۳۔

کے بعد وہ قصّاب کے پاس گئے اور اُس برے فعل سے منع کیا۔ قصّاب نے کہا، اب میں آپ کی بلی کے لیے گوشت نہیں دوں گا۔ اُن بزرگ نے فرمایا، میں نے پہلے بلی کو گھر سے باہر کیا ہے تب تمہیں معروف کا حکم دیا ہے۔

ایسے امر بالمعروف کو جس سے وحشت اور ڈانٹ ڈپٹ کی نوبت آ جائے، ترک کرنا بہتر ہے۔ کیونکہ جب کام کے سبب قتل وخوں ریزی کی نوبت آ جائے تو امر بالمعروف کی کیا ضرورت باقی رہ جاتی ہے۔ یہ حدیث ہے کہ ایک عالم نے بادشاہ کو معروف کا حکم دیا، بادشاہ نے اسے قتل کروا دیا۔ **یکون افضل الشھداء** (افضل الشہدا ہوگیا)۔

ایک مرتبہ لوگ امیر المومنین حضرت عمرؓ کے سامنے ایک مستِ شراب کو لائے۔ آپ نے اس پر حد جاری فرما دی۔ جب حد جاری ہوئی تو اس نے آپ کو گالی دی، امیر المومنین نے حد روک دی اور فرمایا کہ خدا کے معاملے میں خودی کو کس لیے شریک کروں۔ اگر کوئی شخص گھر میں گناہ کے کام کرے تو اس سے پوچھ گچھ نہیں کرنا چاہیے کیونکہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے، **وَلَا تَجَسَّسُوْا**[1] (اور عیبوں کی جستجو نہ کرو)۔

امیر المومنین حضرت عمرؓ ہی سے متعلق یہ واقعہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ ایک شخص اپنے گھر میں دروازہ بند کر کے نامناسب افعال کا مرتکب ہوتا تھا۔ جب آپ کو اس کے نامناسب کاموں کی اطلاع ہوئی تو آپ دیوار کود کر مکان میں داخل ہوئے اور شریعت کا حکم بجا لانے پر اصرار کیا۔ مالکِ مکان آپ کے روبرو پیش ہوا اور عرض کیا کہ اگر میں نے ایک سبب سے غیر شرعی کام کیا ہے تو آپ نے کس بنا پر یہ غیر شرعی کام کیے ہیں۔ پہلا کام یہ کہ آپ نے حکم الٰہی **لاتجسسوا** کے خلاف یہ معلوم کیا کہ گھر میں گناہ کے کام ہوتے ہیں اور دوسرا کام یہ کہ آپ بند مکان کی دیوار پھاند کر اندر آئے۔ یہ فعل اس حکم الٰہی کے خلاف ہے، **وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا**۔[2] (اور آؤ گھروں میں ان کے دروازوں سے) تیسرا فعل یہ کہ بغیر اجازت مکان میں داخل ہوئے، یہ عمل بھی خلافِ حکم ہے، **لَاتَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا**۔[3] (اپنے گھروں کے سوا اور گھروں میں داخل نہ ہو جب تک اجازت نہ لے لو۔) امیر المومنین حضرت عمرؓ متنبہ ہو گئے۔

حضرت قدوۃ الکبراؒ فرماتے تھے، امر بالمعروف اور وعظ کے سلسلے میں صوفی کو خاص طور پر نرم مزاج اور نفع رساں ہونا چاہیے۔ ایک روز ایک شخص نے خلیفہ مامون (عباسی) کو سخت لہجے میں نصیحت کی۔ مامون نے اس سے کہا کہ ذرا نرمی سے بات کرو (کیا معلوم) اللہ تعالیٰ (نصیحت کرنے کے لیے) کسی ایسے شخص کو بھیج دے جو تجھ سے بہتر ہو، اور اُن کے لیے جو مجھ سے اور تجھ سے بدتر ہوں۔ اُسی اللہ نے حکم دیا ہے، **فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا**[4] (پس اس سے (فرعون سے) نرم بات کہیں)۔ اگر نصائح اور وعظ میں نرمی اور نفع رسانی کا رویہ اختیار کریں تو یہ ممکن ہے کہ جس کو نصیحت کی گئی ہے وہ برے کام کرنا چھوڑ دے۔

---

[1] پارہ ۲۶۔ سورہ الحجرات، آیت ۱۲ [2] پارہ ۲۔ سورہ البقرہ، آیت ۱۸۹

[3] پارہ ۱۸۔ سورہ نور، آیت ۲۷ [4] پارہ ۱۶۔ سورہ طٰہٰ، آیت ۴۴۔

ایک درویش کشتی میں بیٹھے ہوئے سفر کر رہے تھے۔ دوسری جانب نوجوانوں کی ایک ٹولی فسق و فجور کے آلات اور سامان کے ساتھ دوسری کشتی میں سوار ہوئے۔ جب دونوں کشتیاں آمنے سامنے ہوئیں تو درویش کے اصحاب نے عرض کیا کہ یہ لوگ فسق و فجور میں مشغول ہیں، شیخ ان کی ہلاکت کی دعا کریں۔ شیخ نے دعا کے لیے ہاتھ اُٹھائے اور بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا۔ اے اللہ! ان کو تمام وقت خوش وخرم رکھنا۔ جوں ہی درویش نے دعا کی، جوانوں کے دل پر اس کا اثر ہوا۔ شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور فسق و فجور کے آلات اور سامان دریا میں غرق کر دیئے۔ شیخ کے قدموں میں اپنے سر رکھ دیئے اور تائب ہوگئے۔

اسی سلسلے میں ایک حکایت بیان فرمائی کہ ایک درویش کا مرید تھا جو بہت سی خوبیوں اور نیکیوں سے آراستہ تھا۔ ایک روز لوگوں نے انہیں اطلاع دی کہ آپ کے اُس مرید نے توبہ توڑ دی ہے اور فسق و فجور کے مختلف کاموں میں مشغول رہتا ہے۔ درویش یہ باتیں سن کر انتہائی حلم اور خیر خواہی کے جذبے کے ساتھ گھر سے نکلے اور مرید کی طرف روانہ ہوئے۔ اتفاق سے مرید راستے ہی میں مل گیا۔ شیخ کو دیکھ کر شرم کے احساس سے اپنا منہ دیوار کی طرف کرلیا۔ اُن بزرگ نے مرید کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا، تم بازاروں میں اور نامناسب جگہوں پر، غیر شرعی کام کیوں کرتے ہو۔ میرے گھر چلو، وہاں حجرے میں ہم نے فسق و فجور کی چیزیں مہیا کر رکھی ہیں۔ مرید بے حد شرمندہ ہوا، شیخ کے قدموں میں سر رکھ دیا اور از سرنو توبہ کی۔ فرماتے تھے کہ مشائخ نے اس طرح نہایت خیرخواہی اور نرمی سے امر بالمعروف کا کام انجام دیا ہے۔ یہ بے حد مفید اور آزمودہ طریقہ ہے۔

حضرت قدوۃ الکبراؒ فرماتے تھے کہ صوفیہ اگر اپنے مریدین میں نامناسب باتیں دیکھتے ہیں تو اشارتاً اور کنایۃً وعظ و نصیحت کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں ایسی حکایتیں بیان کرتے ہیں جو مرید کے حسبِ حال ہو جسے سن کر مرید خبردار ہو جاتا ہے، اپنے برے کاموں سے رجوع کر لیتا ہے۔ توبہ کرتا ہے اور پھر برے فعل کا مرتکب نہیں ہوتا۔

پینے کی مختلف چیزوں کا بیان

مجلس میں مشروبات کا ذکر آ گیا۔ آپ نے فرمایا کہ سب لوگ اس پر متفق ہیں کہ شراب عقل پر پردہ ڈال دیتی ہے۔ کسی نے یہ بات نہیں کہی کہ شراب (عقل سے) دور کر دیتی ہے۔ اسی بنا پر فلسفی شراب پینے کو مباح قرار دیتے ہیں، (اور کہتے ہیں) کہ اگر کسی نے اس مقدار میں شراب پی ہو جس سے عقل زایل نہ ہو تو مباح ہے۔ (اسی لیے) ہم اس قدر شراب پیتے ہیں کہ عقل زایل نہیں ہوتی۔ **الخمر ما خامر الغفل** یعنی شراب فاتر عقل نہیں ہے۔ بعض اہل لغت نے کہا ہے کہ نشہ وہ ہے جو فاتر عقل ہو۔ ہم اس حکمت کے ساتھ شراب پیتے ہیں کہ عقل زایل نہیں ہوتی، لیکن اہل سنت و جماعت اس

پر متفق ہیں کہ خمر بعینہ حرام ہے۔ قرآن حکیم میں بیان کیا گیا ہے فَاِنَّهُ رِجسٌ [۱] (بیشک وہ ناپاک ہے)۔ شراب کی حرمت کا حکم اس بناء پر نہیں دیا گیا ہے کہ وہ عقل کو زائل کرتی ہے بلکہ اسے قطعی طور پر ناپاک قرار دیا ہے۔

اب ہم فلاسفہ کو جواب دیتے ہیں۔ نص میں (خمر) حرام ہونے کی علت فتورِ عقل ہے اور تم نص کے مقابلے میں (اپنی) علت بیان کرتے ہو، پس یہ باطل (فکر) ہے، البتہ علما کا اس میں اختلاف ہے۔ بعض مباح (جایز) قرار دیتے ہیں اور بعض جایز کرنے کے قائل ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جانب اشارہ فرمایا ہے **الخمر هاتین شجرتین** یعنی شراب دو درختوں (خرما اور انگور) سے ہے۔ (اگر اس کا یہ مطلب لیا جائے کہ) مذکورہ درختوں کی شراب خمر ہے اور باقی چیزوں سے حاصل کردہ شراب خمر نہیں ہے تو یہ لغو قیاس ہوگا اور یہ قیاس تو زیادہ لغو ہے کہ شراب فاترِ عقل نہیں ہوتی۔ (مختصر یہ کہ) یہ استنباط درست نہیں ہے۔

(خرما اور انگور کی) شراب پینے کی حد اسی (۸۰) دُرے ہیں۔ دوسری شرابوں پر تعزیر ہے جو دین کے ادب کے بطور دی جائے گی تاکہ لوگ گستاخ نہ ہوجائیں، الا یہ کہ مستی کی حد میں داخل نہ ہوں، مست ہوجائیں تو حد واجب ہوجائے گی جس طرح مجرد شراب پینے پر خواہ نشہ طاری ہو یا نہیں، حد واجب ہوجاتی ہے، دوسری شرابوں کے لیے مستی شرط ہے۔

دہلی کے ایک دانشمند کا قصہ

بیان کیا گیا ہے کہ دہلی میں ایک عالم تھے جو بطور دعویٰ کہتے تھے کہ میں دعوے کے ثبوت میں روایتیں پیش کرسکتا ہوں اور فتویٰ دے سکتا ہوں کہ شراب کے گھڑے سرائے کے آگے رکھیں۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ بحث میں پڑنا اچھی بات نہیں ہے لیکن مفتی کے لیے یہ بات مناسب نہیں ہے کہ ایسی باتوں کا فتویٰ دینے لگے۔ ایسے مسئلے میں جس میں دو مختلف روایتیں ہوں، ایک جائز اور دوسری حرام ظاہر کرتی ہو، مفتی کو یہ روا نہیں ہے کہ وہ حلال ہونے کا فتویٰ صادر کردے۔ بہت سے مسائل ہیں جنہیں علما پوشیدہ رکھتے ہیں اور انہیں بیان نہ کرنا ہی فرض ہے۔ اسی بناء پر فقہ کی بعض کتابوں میں تحریر ہے کہ یہ مسئلہ جاننے کے لائق ہے فتویٰ دینے کے لائق نہیں ہے۔

کافروں سے مشابہت کا ذکر

اگر کوئی مسلمان ایسا کام کرے جو کافر بھی کرتے ہیں تو کافروں سے ایسی مشابہت کو مکروہ نہیں سمجھنا چاہیئے، البتہ مکروہ اس وقت قرار دیا جائے گا جب کوئی دینی فرض کافرانہ فعل کے مشابہ ہوجائے لیکن اگر ہر وہ بات جس سے دین متاثر نہ ہوگی جائے تو اس پر مکروہ کا حکم لاگو نہ ہوگا کیونکہ محض مشابہت معتبر نہیں ہوتی۔ علاوہ ازیں ہر وہ فعل جس میں کافروں سے دینی

---

[۱] پارہ۔۷، سورہ المآئدہ آیت ۹۰۔

مشابہت پیدا ہوجائے، انجام بھی نہیں دیا جاتا، ہاں ایسی مشابہت ضرور مکروہ ہے جس میں دینی مشابہت پیدا ہوجائے، مطلق مشابہت مکروہ نہیں ہے۔

(مثال کے طور پر) کافر کھانا کھاتے ہیں ہم بھی کھانا کھاتے ہیں، کافر لباس پہنتے ہیں ہم بھی لباس پہنتے ہیں۔ یہ باہم دگر مشابہت ہے اور نہیں بھی ہے۔ ومن احب قوماً فھو منھم یعنی جو شخص کسی قوم سے محبت رکھتا ہے وہ انہی میں سے ہے یہ قول اس طرح کے امور پر صادق نہیں آتا۔

انگور کی شراب کے علاوہ جتنی شرابیں ہیں ان کے بارے میں اختلاف ہے اور ملکوں کی شراب میں بھی اختلاف ہے لیکن بھنگ مطلق حرام ہے کہ البنج والافیون حرام یعنی بھنگ اور افیون حرام ہیں۔ افیون کے بارے میں روایت ہے کہ بے ہوشی لاتی ہے اور شراب ملا کر دیتے ہیں لیکن کو کنار سے حاصل کردہ افیون حرام نہیں ہے اگرچہ ہلاک کرنے والا زہر کہا گیا ہے (اس وجہ سے) بعض علما کے نزدیک حرام ہے، اور اس کی مانند مقوی قلب ہے۔ اگر اس میں بھنگ شامل نہ ہو تو مباح ہے۔

حضرت قدوۃ الکبراؒ فرماتے تھے کہ عرب میں قہوہ ہوتا ہے۔ عرب کے سب علما، صلحا اور مشائخ قہوہ پیتے ہیں۔ اس میں بھی نشہ ہے لیکن عجیب بات یہ دیکھنے میں آئی کہ قہوے سے سب لوگ اعلیٰ و ادنیٰ رغبت رکھتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

لطیفہ ۴۹

امامت کی معرفت، تولّا اور تبرّا کی وضاحت اور ترکِ تعلقات نیز تعلقات اور موانع کا بیان

قال الاشرفؒ:

الامام هو المهتدی الذی یقتدی بهم المریدون بحصول المقاصد والمجاهد.

سید اشرف جہاں گیرؒ نے فرمایا، امام وہ ہے جو ہدایت یافتہ ہو۔ مریدین مقصود حاصل کرنے کے لیے اس کی پیروی کریں اور مجاہدین اللہ کے راستے میں اس کی اقتدا کریں۔

از روئے لغت الامام والهدایہ اور رئیس وپیشوا کے ایک ہی معنیٰ ہیں۔ **قال الاشرف، الامام یکون نایبا للنبی والولی علی سبیل المعین معینا متصلا الی جناب رسول الله وهویکون متابعا لهما بالقول والفعل** یعنی حضرت اشرفؒ نے فرمایا، امام نبی کا نائب ہوتا ہے۔ ولی راستے کا مددگار اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ سے متصل ہوتا ہے۔ اپنے قول وفعل میں نبی کا تابعدار ہوتا ہے۔ خلفا مسلمانوں کے پیشوا ہوتے ہیں جو انھیں دور کے راستے سے قرب کی خلوت کی طرف بلاتے ہیں۔

امامت دو طرح کی ہوتی ہے۔ ایک وہ امام جو دنیا اور آخرت کے معاملات کا دانا اور اُن میں تمیز کرتا ہے، لوگوں کے صلاح وفساد سے واقف اور صاحبِ کشف ہوتا ہے اور اُسے مرتبۂ ولایت حاصل ہوتا ہے، جیسے کہ امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہ نے فرمایا ہے، **سلونی عن طرف السمٰوٰات فانی اعلم بها طرف الارض** یعنی تم مجھ سے آسمان کے کنارے کے بارے میں دریافت کرو پس میں اُس سے زیادہ زمین کے کنارے کا علم رکھتا ہوں۔ امام کو علم لدنی سے واقف ہونا چاہیے۔ امت کو جاہل امام کی ضرورت نہیں ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بہت زیادہ صاحبِ علم اور صاحبِ کمال صحابی تھی اسی بنا پر اُن کی اقتدا کا حکم ہوا النایب کالمنوب یعنی نائب ایسا ہی ہے جیسے نائب کیا ہوا ہوتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ایک یہودی آیا اور حضرت ابوبکرؓ سے کہا، میں آپ سے ایسی باتیں دریافت کرر ہا ہوں جو ولی اور نبی بھی نہیں جانتے۔ آپ نے فرمایا پوچھو کیا پوچھنا چاہتے ہو۔ یہودی نے دریافت کیا۔ وہ شے جو اللہ تعالیٰ کے پاس نہیں ہے کیا ہے؟ وہ شے جو خاص اس کے لیے نہیں ہے کیا ہے؟ وہ شے جس کا اللہ تعالیٰ کو علم نہیں ہے کیا ہے؟ حضرت ابوبکرؓ سوچ میں پڑ گئے، آپ اسی سوچ میں تھے کہ حضرت علیؓ تشریف لے آئے اور تردد کا سبب دریافت کیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے یہودی کے سوالات بیان کیے۔ حضرت علیؓ نے کہا۔ وہ بات جو اللہ نہیں جانتا وہ تمہارا یہ قول ہے کہ عزیز علیہ السلام ابن اللہ ہیں۔ وہ شے جو اللہ تعالیٰ کے پاس نہیں ہے وہ ظلم ہے۔ اس کی ذات میں ظلم نہیں ہے۔ وہ شے جو خاص اللہ کے لیے نہیں ہے شرک ہے لَیْسَ کَمِثْلِهٖ شَیْءٌ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ[1] (ترجمہ: اس کی مثل کی کوئی چیز نہیں وہ (ہر بات) سننے والا (ہر چیز) دیکھنے والا ہے) یہودی نے کلمہ پڑھا اور اسلام لے آیا۔

دنیوی امام وہ ہے جو عدل اور مہربانی کی خوبیوں سے موصوف ہو۔ جملہ کائنات کو آخرت کا وسیلہ جانتا ہو، اور عادل بادشاہوں میں جو خوبیاں ہوتی ہیں ان پر عامل ہو۔

تولّا اور تبرّا کا ذکر

سید اشرف جہاں گیرؒ[2] نے فرمایا، تبرّا اور تولاّ بندے کی دو صفتیں ہیں۔ اسلام کا وجود اس صورت پر قائم ہوتا ہے جو لوگوں کے تصور میں ہوتی ہے (ان دو صفتوں پر اسلام کا وجود قائم ہے) تبرّا سے مراد امرِ باطل سے روگردانی اور تولاّ سے امرِ حق کی جانب متوجہ ہونا ہے۔ باطل پر وہ شخص ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طریق کے علم سے انکار کرتا ہے اور حق پر وہ ہے جو اللہ اور رسول پر ایمان لاتا ہے اور اوامر و نواہی سے غمگین نہیں ہوتا۔ یہ تولاّ اور تبرّا کا صحیح مفہوم ہے۔ اس کا وہ مطلب نہیں ہے جو روافض اخذ کرتے ہیں۔ وہ امیر المومنین علیؓ کو دوسرے اصحاب (رضی اللہ عنہم) پر ترجیح اور فضیلت دیتے ہیں۔ وہ حضرت علیؓ کو قبول کرتے ہیں۔ اور دوسروں سے اعراض کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ حق پر اور دوسرے باطل پر ہیں۔ یہ کھلم کھلا بڑائی جتلانا ہے حالاں کہ صحابہؓ کی شان میں آیات واحادیث موجود ہیں۔

کما قال النبی صلی الله علیه وسلم، اصحابی کالنجوم بایهم اقتدیهم اهتدیتم یعنی جیسے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، میرے اصحابؓ ستاروں کی مثل ہیں اس لیے تم ان میں سے جس کسی کی پیروی کرو گے تو ہدایت پا

---

[1] پارہ ۲۵۔ سورہ الشوریٰ، آیت ۱۱۔

[2] یہ ملفوظ عربی عبارت میں فارسی ترجمے کے ساتھ نقل کیا گیا ہے۔ مترجم نے فارسی ترجمے سے اردو ترجمہ کیا ہے عربی عبارت نقل نہیں کی۔

جاؤ گے۔

یہ فقیر بعض رافضیوں سے ملا ہے جو حضرت علیؓ کی محبت میں بہت زیادہ غلو کرتے تھے اور اپنی جہالت پر مصر تھے میں کہتا ہوں کہ اہل سنت و جماعت کہتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ افضل و اکمل تھے اور روافض ترجیح و تفضیل کے قایل ہیں لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دوسروں سے تبرا نہیں کی جیسے روافض حضرت علیؓ کی محبت میں دوسروں سے تبرا کرتے ہیں (اُن کا یہ عمل حضرت علیؓ کے خلاف ہے) میں کہتا ہوں کہ تمام علما کا اس پر اتفاق ہے کہ محبت کرنے والے کے دین کا راستہ محبوب کے تابع ہوتا ہے اور وہ کامل جب ہوتا ہے جب وہ اپنے محبوب کی صفات حمیدہ کو اپنے اندر پیدا کرلے۔ ایسا شخص خدا اور رسول کا محبوب بن جاتا ہے۔ علیہ السلام

ایک روز سلطان العارفین بایزید بسطامی قدس سرہٗ کہیں جارہے تھے۔ آپ کے ایک مرید نے آپ کے پیچھے آپ کے قدم پر قدم رکھ کر چلنا شروع کردیا۔ بایزیدؒ نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو مرید کی صورت نظر آئی۔ آپ نے فرمایا اے عزیز کیا کررہے ہو؟ اس نے عرض کی کہ آپ کے قدم پر قدم رکھ کر چل رہا ہوں تا کہ اللہ تعالیٰ مجھے بخش دے۔ آپ نے فرمایا، خدا کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے اگر تو بایزید کے عمل کی متابعت میں اس کی کھال اپنے جسم پر پیوست کرلے تو تجھے کوئی نفع نہ ہوگا۔ صحابہؓ کے بقیہ مناقب ان شاء اللہ صحابہ اور خلفائے راشدین سے متعلق لطیفے میں بیان کیے جائیں گے۔

دنیا سے تعلق اور موانع کا بیان

حضرت قدوۃ الکبراؒ فرماتے تھے کہ ہر گروہ کے دنیاوی معاملات اور اُن سے علاحدگی ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ اہل شریعت دنیاوی مال ومنال اور اسباب کے طلب گار ہوتے ہیں۔ اہل طریقت کو جاہ وصدارت اور مناصب اچھے لگتے ہیں۔ اہل معرفت جو اس راہ کے منتہی ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز کو دنیا سے تعلق اور اللہ کی یاد سے مانع خیال کرتے ہیں۔ وہ تجرید وتفرید کی راہ اختیار کرتے ہیں۔ اس گروہ کے معاملات بھی عجیب وغریب ہیں۔ ان کے درمیان وہ لوگ بھی ہیں جو جاہ ومنصب سے تعلق رکھتے ہیں۔ ایسے بھی ہیں جن کے نزدیک جاہ ومنصب کی آرزو طلبِ دنیا ہے اور وہ بھی ہیں جن کے نزدیک کمالات الٰہی کا حاصل کرنا لا انتہا مقامات کے وصول کا ذریعہ ہے۔

مقتدا کے لیے کسی قدر تجمل اور شان وشوکت بھی ضروری ہیں کہ یہ اس کے اصحاب کے دلی اطمینان کا ذریعہ ہوتے ہیں اور مریدین کی یکسوئی کا سبب بھی بنتے ہیں جیسے کہ متقدمین اولیاء واصفیا بھی صاحب تجمل تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ بعض بزرگوں کے پاس اس قدر مال ومنال اور آلات واسباب تھے کہ دنیاوی اہل دولت کو ان پر رشک آتا تھا۔

نقل ہے کہ ایک قلندر کہیں جا رہا تھا۔ راستے میں اونٹوں کی ایک قطار اس کے سامنے سے گزری۔ اس نے دریافت کیا کہ یہ اونٹ کس کے ہیں؟ جواب ملا کہ یہ اونٹ شیخ الاسلام کے ہیں۔ کچھ دیر کے بعد اونٹوں کی دوسری قطار نمودار ہوئی۔ قلندر نے دریافت کیا کہ یہ اونٹ کس کے ہیں؟ جواب ملا کہ یہ بھی شیخ الاسلام کے ہیں۔ اس طرح شان وشوکت کی بہت سی چیزیں اور بہت سے غلام اس کی نظر سے گزرے اور وہ سب شیخ الاسلام سے منسوب تھے۔ جب قلندر ان مال واسباب کے نزدیک پہنچا تو اس نے حیرت زدہ ہوکر وہ لنگی جو اس کے جسم پر تھی اتار کر پھینک دی کہ شاید یہ بھی شیخ الاسلام کی ہوگی۔ تھوڑا راستہ طے کرنے کے بعد قلندر پر نیند کا غلبہ ہوا، اس نے خواب میں دیکھا کہ وہ قیامت کے میدان میں ہے اور لوگوں کا حساب کتاب ہورہا ہے۔ اسی اثنا میں کوئی شخص اس کے پاس آیا اور اس سے دس درم طلب کیے۔ قلندر حیران ہوا کہ یہاں میدانِ قیامت میں دس درم کہاں سے حاصل کرے۔ جب وہ بہت پریشان ہوا تو اس نے دیکھا کہ میدان میں شیخ الاسلام نمودار ہوئے اور اس کی پریشانی دیکھ کر دریافت کیا کہ تم کیوں پریشان ہو؟ کیا ضرورت درپیش ہے؟ قلندر نے سارا ماجرا بیان کیا۔ شیخ الاسلام نے اپنی جیب کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ جو کچھ چاہو اس میں سے لے لو۔ قلندر نے جیب سے دس درم نکال لیے تب شیخ الاسلام نے کہا، اے درویش ہمیں مالِ دنیا سے کوئی تعلق نہیں صرف اس دن کے لیے مال جمع کیا تھا۔

حضرت قدوۃ الکبراؒ نے شیخ سعید ابوالخیر کے بارے میں فرمایا کہ اُن کے مال ودولت جمع کرنے کا حال مشہور ہے جس طرح شیخ الاسلام نے مذکورہ قلندر سے کہا تھا، حضرت ابوسعید ابوالخیر بھی فرماتے تھے کہ میں نے طویلے کی میخ زمین میں گاڑی ہے اپنے دل میں نہیں گاڑی۔ بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے ایک ہزار گھوڑے ایک درویش پر نثار کردیے تھے۔

لطیفہ ۵۰

نفس، روح اور قلب کی معرفت کا بیان نیز اس میں روحوں کے قبض ہونے، فرشتوں کے ظاہر ہونے اور موت کی تمنا کرنے کا ذکر ہے

قال الاشرفؒ :

النفس غبار ظلمانی یبعث فی القلب، والروح جوھرنورانی، والجسم حادث ظلمانی۔

یعنی سید اشرف جہاں گیرؒ نے فرمایا، نفس تاریک غبار ہے جو دل سے اٹھتا ہے، روح نورانی جوہر ہے اور جسم فانی تاریکی ہے۔

فرمایا، معرفت کی کیفیت سے متعلق ہر گروہ کی تعبیر ایک دوسرے سے مختلف ہے اور یہ فقیر بھی کہتا ہے کہ نفس ایک تاریک غبار ہے جو دل کے کان سے اٹھتا ہے۔ اس سے شیطانی وسوسے دل میں پیدا ہوتے ہیں۔ اگر نفس کے سمندر کی لہریں تموج میں آئیں تو بے جا خواہشوں کا خیال دل میں جم جاتا ہے اور گناہوں کا سودا سر میں پیدا ہوتا ہے۔ انسان برے افعال کی جانب قدم بڑھاتا ہے اور غیر اللہ سے مشغول ہوجاتا ہے بے شک نفس طالب و مطلوب کے درمیان برزخ ہے، جب تک یہ رکاوٹ دور نہ ہوجائے اس وقت تک عبد و معبود کے درمیان پڑا ہوا پردہ نہیں اٹھتا۔

اچھی طرح جان لینا چاہیے کہ دل کے دو رخ ہیں۔ اس کا ایک رخ عالم علوی کی طرف اور دوسرا رُخ عالم سفلی کی طرف ہوتا ہے۔ وہ رُخ جو لطائف ربانی کے ادراک کے قابل ہوتا ہے اور جس میں انوارِ الٰہی جلوہ گر ہوتے ہیں اُن لطائف سے ظہور میں آتا ہے جنھیں حافظہ، مدرکہ، متفکرہ، اور متخیلہ وغیرہ کہتے ہیں۔ جو ہر انسانی کی حقیقت یہی ہے۔ چونکہ ان حواسِ

باطنی میں سے ہر حاسہ لطیفۂ قلب سے ظہور میں آتا ہے، اس لیے واضح طور پر نظر آتا ہے۔ تمام حواسوں کا رجحان عالمِ علوی کی جانب ہوتا ہے اور نفس تمام اعضا و جوارح کے ساتھ دل کا تابع ہوتا ہے، کہ انّ فی جسد بنی اٰدم لمضغة اذا صلحت صلح بهاسائر الجسدو اذا فسدت فسد بهاسائر الجسد الاوهی القلب۔ یعنی بے شک بنی آدم کے جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے جب وہ درست ہوتا ہے تو تمام جسم درست ہوتا ہے اور جب اس میں فساد ہوتا ہے تو سارے جسم میں فساد ہوتا ہے۔ جان لو کہ وہ گوشت کا لوتھڑا قلب ہے۔ (الحدیث) ابیات:

دو صفت در توہست چشم کشا
یک فرش تست ودیگر عرشِ خدا [۱]

ترجمہ: اے مخاطب! تجھ میں دو صفتیں ہیں ذرا آنکھ کھول کر دیکھ ایک فرش زمین ہے اور دوسری صفت عرش الٰہی ہے۔

اہل فرش از سپہرِ جاں دور اند
عرشیاں ہمچو خور برآں نور اند

ترجمہ: پس جو لوگ پستی میں رہتے ہیں وہ روح کی بلندی سے دور ہیں، عرش والے خورشید کی مانند منور ہوتے ہیں۔

رو بعرشے کن وگراں نفسی
سوئے چاہے مرو اگر انسی

ترجمہ: اگر تو سخت جان ہے تو اپنا رخ عرش کی جانب کر۔ اگر انسان ہے تو کنویں میں مت گر۔

جب قلب کی لوح رحمان کے عرش کے مقابل ہوتی ہے تو وہاں سے ہر لحظہ فیوض حاصل کرتی ہے، پھر قلب اُن انوار کو اعضا وجوارح تک پہنچاتا ہے، جس کے نتیجے میں عالمِ باطن کی ہر شے شریعت کی قید میں مقید ہوجاتی ہے۔ اہلِ دل اگر چہ صورتاً خاکی ہوتے ہیں لیکن حقیقت کے عالم میں عرش الٰہی کے نیچے ملائکہ کے ساتھ مصروفِ پرواز رہتے ہیں۔ وہ فرشی نہیں رہتے بلکہ عرشی ہوجاتے ہیں۔

اس کے برعکس قلب کا وہ رخ جو عالم سفلی کی جانب ہوتا ہے، جسے نفس بھی کہتے ہیں، حددرجے مکدر اور کثیف ہوتا ہے۔ قلب کے اس رخ کو یعنی نفس کو کھانے پینے کی چیزوں سے رغبت رہتی ہے اور اس کا میلان طبیعت ہی کی طرف رہتا ہے کیوں کہ اس کا ظہور مشقت سے ہوا ہے اس لیے اپنے مرکز اصل کی جانب مایل رہتا ہے۔ انسانی وجود قلعے کے پانچ دروازوں (حواسِ خمسہ) میں محصور ہوکر لطائف ربانی سے محروم رہتا ہے۔ ہرحِس کو اس کی حالت کے مطابق غذا ملتی ہے۔ وہ حالت بھی اس عالم کی مثل ہے۔ بندے کا اس طرح ثابت قدم نہ رہنا اور غیر اللہ سے راضی ہوجانا بھی اس کے حجاب میں رہنے کا موجب ہے۔ حواس خمسہ اس عالم سے جو علم حاصل کرتے ہیں اس کے باعث بھی حجاب میں رہتے ہیں۔ سلطان

---

[۱] (مطبوعہ نسخہ (ص ۲۶۳)، دوسرا مصرع وزن سے گرا ہوا ہے، شاید اس طرح ہو" یک صفت فرش ست دگر عرش خدا" واللہ اعلم)

العارفین کا قول ہے، للنفس صفة لا تسکن الا بالباطل یعنی نفس کی ایک صفت یہ ہے کہ اسے باطل ہی سے سکون حاصل ہوتا ہے۔ نفس سے جو کچھ حاصل ہوتا ہے وہ باطل پر مبنی ہوتا ہے لیکن حقیقتِ عالم باطل نہیں ہے البتہ نفس کی بیشتر حرکات وسکنات بائیں پہلو سے وارد ہوتی ہیں، اعدا غدوک نفسک التی بین جنبک یعنی تیرا سخت دشمن نفس ہے جس کا مقام تیرے پہلو میں ہے۔

علما کے درمیان عالم کی تین قسموں یعنی جوہر، جسم اور عرض میں تقسیم پر بھی اختلاف ہے (اگر یہ تقسیم صحیح مان لی جائے تو پھر) روح کیا ہے؟ وہ جسم ہے یا جوہر ہے (اس سوال کے جواب میں) بعضوں نے کہا ہے کہ روح جسم ہے کیوں کہ روح جسم میں آتی جاتی ہے۔ اسی طرح وہ علما جو روح کو جوہر کہتے ہیں ان کے پاس بھی دلائل ہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ روح کی حقیقت کسی کو بھی معلوم نہیں۔ ارشاد ربانی، قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ [1] (ترجمہ: آپ فرما دیجیے روح میرے رب کے امر سے ہے۔) اسی جانب اشارہ کرتا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم، روح کی معرفت سے آگاہ نہ تھے بلکہ یہ معجزہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سائل کے سوال کی زیادہ تشریح نہ فرمائی (اور جواب کو سائل کی فہم کے دائرے میں رکھا)۔ اب رہی یہ بات کہ اہل دانش نے روح سے متعلق لاکھوں باریکیاں اور نکتے بیان کیے ہیں تو یہ روح سے متعلق ان کی تعبیرات ہیں نہ یہ کہ انھوں نے روح کی حقیقت بیان کی ہے۔

ارسطو نے الٰہیات میں تحریر کیا ہے کہ جو شخص یہ چاہتا ہے کہ الوہیت کی معرفت حاصل کرے تو اس سے کہو کہ تم (پہلے اپنی فطرت کو تبدیل کر کے) دوسری فطرت حاصل کرو۔

امام فخر الدین رازیؒ [2] نے فرمایا ہے کہ یہ بارِ وحی نبوت کے موافق ہے کہ حق تعالیٰ نے (قرآن حکیم میں) جسم کے مختلف مراتب کا ذکر کیا ہے، وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ [3] (ترجمہ: اور بے شک ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصے سے پیدا کیا۔) جب روح کا جسم کے ساتھ تعلق ہوا تو فرمایا ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ [4] (ترجمہ: پھر ہم نے (اس میں روح ڈال کر) اسے دوسری مخلوق بنا دیا) یہ آیت پاک جسم کے ساتھ روح کے تعلق کی کیفیت کے بارے میں تنبیہ ہے کہ یہ عام قانون تغیر کے مطابق ایک حالت سے دوسری حالت میں تبدیل ہونا نہیں ہے بلکہ اس تبدیلی کی نوعیت اُن نوعیتوں سے قطعی مختلف ہے جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ اسی بنا پر یہ فرمایا کہ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ [5] (پھر ہم نے (اس میں روح ڈال کر) اسے دوسری مخلوق بنا دیا۔) اہل علم جو روح کی حقیقت پر غور کرتے ہیں وہ دراصل عالم سفلی وعلوی

---

[1] پارہ ۱۵۔ سورہ بنی اسرائیل، آیت ۸۵۔

[2] امام فخر الدین رازیؒ۔ ولادت ۵۴۳ یا ۵۴۴ھ، وفات ۶۰۶ ہجری ملاحظہ فرمائیں، امام رازی مصنفہ مولانا عبدالسلام ندوی اعظم گڑھ (بھارت) ۱۹۵۰ء۔

[3] پارہ ۱۸۔ سور المومنون، آیت ۱۲۔

[4] ایضاً آیت ۱۴ [5] (ایضاً)

کے اجسام پر غور کرتے ہیں، جن کی آفرینش کا ایک معین قانون ہے۔ پس اگر وہ چاہتے ہیں کہ ربوبیت کی معرفت حاصل کریں تو اُن پر واجب ہے کہ پہلے دوسری فطرت اور دوسری عقل حاصل کریں، کیوں کہ اُن کی موجودہ فطرت وعقل کی زیادہ سے زیادہ حد جسم کی معرفت تک محدود ہے۔ (بلاشبہ) روح (کی معرفت) کے لیے دوسری نوعیت کی عقل اور فطرت درکار ہوتی ہے۔

امام محمد غزالیؒ [۱] نے اس حدیث شریف کی تاویل کی ہے، ان اللّٰہ خلق اٰدم علی صورتہ یعنی بے شک اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔ فرماتے ہیں:

"ای نسبت ذات آدم بجسمہ کنسبۃ اللہ مع العالم لا خارجا منہ ولا منفصلا عنہ وان کان موثر فیہ من حیث التصرف والتدبیر۔"

(آدم سے نسبتِ ذات کا مطلب ہے کہ آدم کے جسم سے اللہ تعالیٰ کی نسبت ویسی ہی ہے جیسی اس کی نسبت عالم سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نہ عالم سے خارج ہے نہ اس سے جدا ہے۔ اس کے باوجود بہ اعتبار تصرف وتدبیر عالم میں موثر ہے۔)

بہر حال اہل سنت وجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے ہمیں روح میں سے ایک حصہ بخشا اور اس کی کیفیت بیان نہیں فرمائی، پس جس قدر ہم روح کے بارے میں جانتے ہیں اسی قدر اس پر ایمان لانے کے مکلّف ہیں کہ روح ایک امرِ واقعہ ہے اور اس کی کیفیت کے بارے میں تجسس کی ضرورت نہیں ہے کہ وہ کیا ہے اور کیسی ہے؟ ہمیں اس پر عمل کرنا چاہیے کہ ابھموا امّا ابھم اللہ تعالیٰ یعنی اللہ تعالیٰ جس سے کو مبہم رکھا ہے اس مبہم رہنے دو۔

حضرتؒ فرماتے تھے کہ روح کے احکام اور تصرف کا مقام قلب ہے۔ اوامر ونواہی کے جملہ احکام اسی پارۂ گوشت پر نازل ہوتے ہیں جسے قلب کہتے ہیں، جہاں سے وہ اعضا وجوارح میں منتشر ہوجاتے ہیں۔ روح اور نفس کے درمیان قلب ہر آن منقلب ہوتا رہتا ہے اور جو صفت غالب ہوتی ہے، اپنا رُخ اسی جانب کرلیتا ہے۔ اگر صفتِ روح غالب ہوتی ہے اور نفس مغلوب ہوجاتا ہے تو قلب کا رخ روح کی جانب ہوجاتا ہے اور اگر نفس غالب ہوجائے اور روح مغلوب ہوجائے تو قلب کا رخ نفس کی جانب ہوجاتا ہے، اسی بنا پر اس کا نام قلب رکھا گیا ہے۔

ہر وہ شے جس کا ادراک حس کرتی ہے، اس کا تعلق ظاہری دنیا سے ہوتا ہے جسے عالم محسوسات اور وہ شے جس کا ادراک کسی حس سے نہ ہوسکے اس کا تعلق حقیقی عالم سے ہوتا ہے۔ نفس، روح اور قلب حقیقی عالم سے متعلق ہیں جن کا ادراک حس کے ذریعے نہیں ہوتا۔

اکثر حضرات کہتے ہیں کہ یہ ایک ہی لطیفہ ہے جس کے نام نفس، روح اور قلب رکھ دیے گئے ہیں اور یہ لطیفہ معلوم اور

---

[۱] (ابو حامد محمد بن غزالیؒ ۔ ۴۵۰ ہجری میں بمقام طوس پیدا ہوئے۔ تاریخ اسلام میں امام غزالی کا مقام بہت بلند ہے۔ ۵۰۵ ہجری میں وفات پائی ملاحظہ فرمائیں "ارزش میراث صوفیہ" مصنفہ عبدالحسین زریں کوب۔ تہران ۱۳۴۴ ش۔ ص ۸۵)

قابل ادراک ہے۔مثال کے طور پر نفس جان کے معنوں میں بھی آیا ہے، كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ [1] (ہر جان کو موت کا مزہ چکھنا ہے) اور حیوان کو بھی کہتے ہیں مثلاً کہتے ہیں کہ یہ حیوان سوال کرنے والا نفس رکھتا ہے۔ روح کو بھی کہتے ہیں۔

يَآ اَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُO ارْجِعِىْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةًO فَادْخُلِىْ فِىْ عِبَادِىْO وَادْخُلِىْ جَنَّتِىْO [2]

(ترجمہ: اے نفس مطمئنہ! لوٹ جا اپنے رب کی طرف اس حال میں کہ تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی پھر میرے (خاص) بندوں میں شامل ہو اور میری جنت میں داخل ہو جا) عقل کو بھی کہتے ہیں، اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا [3] (اللہ جانوں کو قبض کرتا ہے اُن کی موت کے وقت) اور شے کو کہتے ہیں وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ [4] (اور وہ دھوکا نہیں دیتے مگر اپنی جانوں کو) دوسری آیت ہے، اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ [5] (بے شک تم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا)۔

اگر اسے ذات کہیں تو اس سے ''ہستی'' مراد ہوتی ہے، جو ہر اور جسم مراد نہیں ہوتا۔ ہستی کے لیے یہ چند الفاظ مستعمل ہوتے ہیں۔ عین، شے، نفس، وجود اور ذات۔ علم طبیعیات اور ریاضی میں یہ بات دوسری طرح کہی گئی ہے کہ لفظ ''انسانیہ'' شے واحد ہے جس میں بہت سی صفات مثلاً روح، نفس، عقل، علم اور جہل مجتمع ہیں۔ ایک سے زیادہ ناموں یا اختلاف سے مسمّٰی کا مختلف ہونا لازم نہیں آتا۔

حکما اور فلاسفہ کی کتب معقولات میں جس انداز سے مسائل بیان کیے گئے وہ تین طرح کے ہیں۔ اوّل وہ باتیں جو کتاب وسنت کے موافق ہیں، انھیں قبول کر لینا چاہیے، دوم وہ باتیں جو کتاب وسنت کے خلاف ہیں۔ سوم وہ باتیں جو کتاب وسنت کے نہ موافق ہیں نہ مخالف، ان کے رد کرنے یا تسلیم کرنے میں کوئی نقصان نہیں۔ بنا بریں ان کی عقلیات میں جو کچھ ہے اسے علی الاطلاق نہ رد کرنے کی ضرورت ہے اور نہ قبول کرنے کی ضرورت ہے۔

---

[1] پارہ ۱۷۔ سورہ الانبیا، آیت ۳۵۔

[2] پارہ ۳۰۔ سورہ الفجر، آیات ۲۷ تا ۳۰۔

[3] پارہ ۲۴۔ سورہ الزمر، آیت ۴۲ [4] پارہ ۱۔ سورہ البقرہ آیت ۹

[5] ایضاً آیت ۵۴

احقر مترجم نے اس پیرے کا ترجمہ مطبوعہ نسخے کے متن کے مطابق کیا ہے، (ص ۲۶۴) لیکن اس پیرے کے نفس مضمون کو پیش نظر رکھا جائے تو بہت زیادہ سہو کتابت کا احتمال پیدا ہوتا ہے۔ آیات ۲ تا ۵ نفس اور جان سے متعلق ہیں۔ یہ ایک ساتھ نقل نہیں کی گئی ہیں۔ ہر آیت کے بعد دوسرا مضمون بیان ہوا ہے۔ جس کی وجہ سے بے ربطی پیدا ہوگئی۔ مترجم کے قیاس میں یہ چاروں آیات مبارکہ اس جملے کے بعد نقل ہوئی ہوں گی:

مثال کے طور پر نفس جان کے معنوں میں بھی آیا ہے پھر تمام آیت کے بعد یہ تحریر ہوا ہوگا کہ:

(اس لطیفے کو) حیوان، روح، عقل اور شے بھی کہتے ہیں۔ واللہ اعلم)

ارواح کی ملاقات کا ذکر

مجلس میں ارواح کی ملاقات کا ذکر آ گیا۔ آپ نے فرمایا کہ روحوں کے درمیان محبت ومعرفت اس دنیا سے زیادہ اُس دنیا میں ہوگی بلکہ محبت ومعرفت تو روحوں کا خاص حصہ ہے۔ برے لوگوں کو جہانِ آخرت میں کوئی نفع نہ ہوگا۔ البتہ ان کی روحوں کو اس قدر الفت ودوستی نصیب ہوگی، جس قدر اس دنیا میں تھی۔ نہ کم ہوگی نہ زیادہ ہوگی۔

مومن کے قلب کی خوبی

روحوں کے درمیان محبت والفت کی لطافت دوسری ہی نوعیت کی ہوتی ہے۔ مومن کا قلب اللہ تعالیٰ کا عرش ہے۔ حق تعالیٰ کے احوال واحکام بندے کے قلب پر ظاہر ہوتے ہیں وہاں سے اعضاء جوارح میں سرایت کرتے ہیں بالکل اسی طرح جس طرح ہر بات پہلے عرش پر ظاہر ہوتی ہے وہاں سے عالم ملکوت اور عالم ناسوت میں سرایت کرتی ہے۔ اسی بنا پر قلب کو عرش ثانی کہا جاتا ہے کیوں کہ اس کی وسعت اور پھیلاؤ عرش سے کم نہیں ہے۔

حدیث قدسی ہے، **لا یسعنی سمائی والارضی ولکن یسعنی قلب عبدی المومن**۔ یعنی میں اپنے آسمان اور اپنی زمین میں نہیں سما سکتا لیکن اپنے مومن بندے کے دل میں سما جاتا ہوں۔

فائدہ: یہ خصوصیت صرف مومن کے قلب کو حاصل ہے، اگر چہ کافر بھی دل رکھتا ہے لیکن مقصود کی حقیقت سے خالی ہے۔ نیز اس آیۂ کریمہ، اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَذِکۡرٰی لِمَنۡ کَانَ لَهٗ قَلۡبٌ[1] (ترجمہ: بے شک اس میں ضرور نصیحت ہے اس کے لیے جو صاحب دل ہو۔) کا اشارہ ظہورِ احکام کے بیان سے متعلق ہے۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ قلب ہی ہو۔ پھر یہ حقیقت بھی پیشِ نظر رہے کہ (کسی نہ کسی صورت میں) حیوانات میں بھی احکام کا ظہور ہوتا ہے لیکن وہ قلب سے محروم ہیں۔ اسی بنا پر کافروں کے حق میں فرمایا گیا اُولٰٓئِکَ کَالۡاَنۡعَامِ بَلۡ هُمۡ اَضَلُّ[2] (وہ لوگ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے زیادہ گمراہ)۔

خصوصیت کی دوسری جہت شرف کے لیے بھی ہوسکتی ہے، فرمایا رَبُّ الۡعَرۡشِ الۡعَظِیۡمِ[3] (وہ عرش عظیم کا مالک ہے) اگر چہ اللہ تعالیٰ تمام اشیا کا رب ہے لیکن ربِّ عرش فرمانا جسمانیات پر عرش کا شرف ظاہر کرنا ہے۔

---

[1] پارہ ۲۶۔ سورہ ق، آیت ۳۷۔

[2] پارہ ۹۔ سورہ الاعراف آیت ۱۷۹۔

[3] پارہ ۱۱۔ سورہ توبہ آیت ۱۲۹۔

موت کا ذکر

مجلس میں موت کا ذکر آ گیا۔ آپ نے فرمایا، اگر کوئی شخص ہمہ وقت موت اور عذاب کے فرشتوں کا ذکر کرتا رہے اور دوسرے کاموں میں مشغول نہ ہو تو، اس کی ہلاکت کا اندیشہ ہے کیوں کہ بعض لوگوں میں خوف وہراس سہنے کی قوت نہیں ہوتی۔ قوتِ برداشت اس وجہ سے کم ہوتی ہے کہ ان کا دل تنگ ہوتا ہے اور انہیں انشراح حاصل نہیں ہوتا۔ اگر اُن کا دل کھل جائے تو خواہ ہزار طرح کے غم ہوں سب برداشت ہوجاتے ہیں۔ قلب کی سستی اور تنگی کا سبب یہ بھی ہے کہ جو احوال لوح، کرسی اور عرش وغیرہ سے نازل ہوتے ہیں قلب اُن سے کوئی اثر نہیں لیتا۔

موت کے ذکر سے اعضا اور جوارح کی حرکت رک جاتی ہے جیسے کہ ابن سیرینؒ کے بارے میں نقل کیا جاتا ہے کہ جب ان کے سامنے موت اور عذاب کا ذکر کیا جاتا تو اُن کے اعضا کی حرکت رک جاتی تھی۔ نیز حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں بھی بیان کیا جاتا ہے کہ اگر آپ کے سامنے موت کا ذکر کیا جاتا تو آپ کے جسم سے خون کے قطرے ٹپکنے لگتے تھے۔ موت کی اس دشواری اور تکلیف کے باوجود بعض لوگ موت کے ایسے مشتاق اور خواہشمند ہوتے ہیں کہ اسی کے منتظر رہتے ہیں اور دوسرا کوئی کام نہیں کرتے۔ رباعی: [۱]

گر ترا رائے مشورہ ترکست
پر بخت ہادریں جہاں مرگست
چوں ازیں دام گاہ اہرمن
جاں برند خاک بر سر تن

ترجمہ: اگر تجھے رائے اور مشورہ قبول نہیں (تو کیا کیا جائے) موت کی ایک مدت مقرر ہے۔ جب اہرمن کے جال کی جگہ سے جان لے جاتے ہیں تو جسم مٹی ہوجاتا ہے۔

بحرحال حق تعالیٰ کی عظمت وجلال کا خیال کوئی دل برداشت نہیں کرسکتا۔ وہاں بے شعوری کی کیفیت ہے اور فنا کا تقاضا یہ ہے کہ اس عالم میں ہوش وبے ہوشی، مسلم وکافر، شاہی وفقیری، قربت وخویشی اور مذہب وشیخی کی گنجائش نہیں ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ خودفریبی ہے۔

---

[۱] یہ اشعار رباعی کے معروف وزن وبحر میں نہیں ہیں۔ مترجم کے لیے سب سے بڑی دقت سہو کتابت ہے۔ تیسرا اور چوتھا مصرع وزن سے گرا ہوا ہے۔ مترجم نے قیاسی ترجمہ کیا ہے۔

روح قبض ہونے کی تکلیف کا ذکر

حضرت قدوۃ الکبرأ فرماتے تھے کہ قبضِ ارواح کی تکلیف لوگوں کے درجات کی نسبت سے ہوتی ہے۔ **بعض بزرگوں کی روحیں اتنی آسانی سے قبض ہوتی ہیں جیسے شربت پیتے ہیں۔ یہ نصیب چند اہل نعمت کو حاصل ہوتا ہے۔** شعر:

در کوئے توعشاق چناں جاں بد ہند
کانجا ملک الموت نہ گنجد ہر گز

ترجمہ: تیرے کوچے میں عشاق اس طرح جان دیتے ہیں کہ موت کے فرشتے کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔

روحیں قبض ہونے کے وقت فرشتے بہت ہی لطیف صورت میں نمودار ہوتے ہیں۔ یہ تمام امور لوگوں کی سعادت اور شقاوت سے وابستہ ہیں۔ کسی کسی کو یہ نعمت حاصل ہوتی ہے۔ **بعض بزرگوں کے سامنے اکابر کی روحیں بطور استقبال نمودار ہوتی ہیں۔** جب اس عالم کا کشف ہوتا ہے تو اس مقام کے رہنے والے بھی دکھائی دیتے ہیں۔ رباعی:[1]

کسے راگر کشودہ چشمِ دیگر
نمایاں گرددش تمثال آتش

ترجمہ: جس کسی کی دوسری آنکھ کھولی گئی اس کے سامنے آگ کی صورت نمایاں ہوئی۔

اگر او از سعادت توشہ دارد
نماید صورت از عالی مکانش

ترجمہ: لیکن وہ شخص جس کا توشہ سعادت ہے تو اسے اس کا بلند مقام دکھادیتے ہیں۔

وگر دارد شقاوت سیرتِ زشت
کشایند ہر زہ بد صور بآتش

ترجمہ: اور اگر وہ شقاوت کی بری سیرت کا حامل ہے تو اس کے سامنے بے ہودہ آتشیں صورتیں نمایاں کرتے ہیں۔

حضرت قدوۃ الکبرأ فرماتے تھے کہ از روئے شریعت موت کی تمنا کرنا جائز نہیں ہے۔ حضرت شیخ فرید الدین گنج شکرؒ سے روایت کرتے ہیں آپ انتہائی بڑھاپے میں اکثر ہندی زبان میں فرماتے تھے، **''بھلی نگری جو دھن پاوے''** اور کیوں نہ فرماتے جب کہ یہ گھر (دنیا) کسبِ کمالات اور حصولِ مقامات کی جگہ ہے۔ **الدنیا مزرعة الآخرة یعنی دنیا آخرت کی کھیتی**

---

[1] (اول تو یہ اشعار رباعی کے معروف وزن و بحر میں نہیں ہیں، دوسرے یہ کہ اشعار چھ مصرعوں پر مشتمل ہیں جب کہ رباعی میں چار مصرعے ہوتے ہیں اسی بناپر اسے ''رباعی'' یا چار مصرعوں والی نظم کہتے ہیں۔)

ہے۔ فرماتے تھے اے بھائی دنیا کو سرسری نہ سمجھو کہ یہ حصولِ مشاہدہ اور وصولِ معرفت کا مقام ہے۔ آیۂ کریمہ ہے وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَفِي الْاٰ خِرَةِ اَعْمٰى ۱؎ (جو شخص اس دنیا میں اندھا رہے وہ آخرت میں اندھا ہوگا۔) قطعہ:

دریں جاگر نیابی صورتِ دوست
در انجا یا فتن دشوار باشد
کہ صیقل باید اوّل آئینہ را
پس آں گہ دیدن رخسار باشد

ترجمہ: اگرتو اس دنیا میں دوست کے دیدار سے محروم ہے تو آخرت میں اس نعمت کا پانا محال ہے۔ پہلے دل کے آئینے کی صیقل کرنی چاہیے اس کے بعد ہی اس میں چہرہ دیکھ سکتے ہو۔

۱؎ پارہ ۱۵۔ سورہ بنی اسرائیل، آیت ۷۲

لطیفہ ۵۱

طبل و علم اور زنبیل پھروانے کا بیان

قال الاشرف:

العلم ہو علم السالکیہ فی ملک التجرید یعنی سید اشرف جہانگیرؒ نے فرمایا علم درحقیقت سلطنتِ تجرید میں سلوک کا پرچم ہے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ علم بلند کرنا رسول علیہ السلام کی سنت اور اہلِ اسلام و اہل ایمان کے لشکروں کا طریقہ ہے۔ حیث قال علیہ السلام، آدم ومن دونہ تحت لوائی یوم القیامہ یعنی اسی باعث رسول علیہ السلام نے فرمایا کہ قیامت کے روز آدم اور ان کے علاوہ تمام بنی آدم میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔ نیز فرمایا، **تحت لوائی اٰدم ومن دونہ** یعنی آدم اور ان کے علاوہ (سب) میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کا قیام اور آپ ﷺ کے ارشادات کی تکمیل اجرِ جمیل کا سبب ہے۔ (عام مشاہدہ ہے کہ) میدانِ سلطنت و مملکت کے سلاطین صلوٰۃ اللہ جو دنیاوی بادشاہ ہیں اور جن کے ہاتھ میں رعایا کے مسائل کا حل ہے، اپنی حشمت وہیبت نیز آئین و آدابِ سلطنت کی جہت سے اپنا پرچم بلند کرتے ہیں۔ شریعت نے اسے جائز قرار دیا ہے۔ فقرا آخرت کے سلاطین ہیں، **فقراء امتی ملوک الجنۃ** (میری امت کے فقرا سلاطینِ جنت ہیں) جب فانی امور کے مجازی بادشاہوں کو علم بلند کرنا اور نصب کرنا روا ہے تو فقرا جو حقیقی بادشاہ ہیں انہیں بطریق اولیٰ روا ہونا چاہیے کیونکہ وہ قوم کو حق کی طرف بلانے اور اظہار کرنے کے لیے علم بلند کرتے ہیں۔

جس وقت رسول علیہ السلام نے اِنَّافَتَحْنَالَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا [1] ((اے حبیب) بے شک ہم نے آپ کو روشن فتح عطا فرمائی۔) کے حکم کے مطابق فتح وظفر کے پرچموں اور نصرت یافتہ لشکر کے ساتھ خیبر کی جانب روانہ ہونے کا ارادہ فرمایا تو زبانِ مبارک سے ارشاد ہوا کہ علی الصباح توفیق الٰہی جس کے شاملِ حال ہوگی، اس کے ہاتھ میں روشن علم دیا جائے گا وہی

---

[1] پارہ ۲۶۔ سورہ الفتح، آیت ۱۔

امیرِ لشکر اور فاتحِ خیبر ہوگا۔ ہر ایک اُس نعمتِ بشارت کا منتظر رہا۔ جب آفتاب طلوع ہوا اور اس کا نور کائنات کے صفحے پر ظاہر ہوا تو ہر صحابی نے اُمید بھری نظروں سے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب دیکھا۔ تھوڑی دیر بعد حضور علیہ السلام نے فرمایا، علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہ کہاں ہیں۔ حضرت علیؓ حاضر ہوئے۔ اس وقت امام علیؓ بن ابی طالب کی آنکھوں میں تکلیف تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فاتحہ پڑھی اور اپنا لعابِ مبارک اُن کی آنکھوں پر ملا فوراً ٹھیک ہوگئیں۔ حضور علیہ السلام نے روشن پرچم ان کے ہاتھ میں دیا۔ لشکر ایک ساتھ روانہ ہوا اور خیبر شاہِ مرداں علیؓ کے ہاتھ فتح ہوا۔ رسول علیہ السلام کے وجود (کی شان) یہ ہے کہ جب ملکِ سلونی [1] کے شہباز علیؓ ابن ابی طالب کو رسولِ حرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد حاصل ہوئی تو قلعہ خیبر کیوں فتح نہ ہوتا۔ قطعہ: [2]

مہر رخسار چو در دیدہ بود نور فزاے
دیدنِ روئے ترا راے دگر پیکر چیست
گرمہ برجِ رسالت بود و مہر علی
قلعہ چرخ تواں کند درِ خیبر چیست

ترجمہ: جب تیرے رخسار کے آفتاب سے (میری) آنکھیں زیادہ روشن ہوجاتی ہیں تو کسی دوسری صورت کی جانب دیکھنے کا خیال ہیچ ہے۔ جب علیؓ آسمانِ رسالت کے آفتاب و ماہتاب ہیں تو آسمان کا قلعہ اکھاڑا جاسکتا ہے دروازہ خیبر کی کیا ہستی ہے۔

حضرت علیؓ نے فرمایا، **واللہ ماقلعت باب الخیبر بقوۃ جسدانیہ ولا بحرکۃ غریز یہ ولکن ایدت بحرکۃ ملکوتیہ و بحرکۃ نور ربھا مضییۃ** یعنی میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ بخدا میں نے اپنی جسمانی قوت اور طبعی حرکت سے

---

[1] سلونی کے معنی ہیں "مجھ سے پوچھو" کنایتہً اس سے مراد علم بھی ہوسکتا ہے یعنی ملک علم کے شہباز علیؓ ابن ابی طالب۔ (مترجم) حوالے کے لیے ملاحظہ فرمائیں لطیفہ۔ ۹۴ (مطبوعہ نسخہ ص ۲۶۱ سطر ۸۔)

[2] مطبوعہ نسخے میں (ص ۲۶۶) پر یہ قطعہ اس طرح نقل ہوا ہے:

مہر رخسار چودر دیدہ بود نور فزای
دیدنِ روئے مرارای دگر پیکر جست
کرمہ برج رسالت بود و مہر علی
قلعہ چرخ تواں کند درخیبر جست

ان اشعار کا نہ کوئی مفہوم برآمد ہوتا ہے نہ ربط پیدا ہوتا ہے۔ احقر مترجم کے قیاس میں ان اشعار میں ردیف "جست" کے بجائے "چیست" ہونی چاہیے اور پہلے شعر کے دوسرے مصرعے میں "دیدنِ روی مرارای دگر" کے بجائے "دیدن روئے ترا رائے دگر" ہونا چاہیے۔ اُردو ترجمے میں یہ قطعہ قیاسی تصحیح کے مطابق تحریر کر کے ترجمہ کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔

خیبر کا دروازہ نہیں اکھاڑا بلکہ مجھے ملکوتی حرکت اور میرے رب کے نور کی حرکت سے مدد حاصل ہوئی۔

اس بنا پر ہمارے بعض بزرگوں کو علم برداری کی روایت ورثے میں ملی ہے اور بعض کو اس ورثے کے علاوہ دوسروں کی طرف سے حق دیے جانے پر بھی یہ شرف حاصل ہوا ہے۔

اس سے قبل سید اجل اور سید رضی الملت والدین نقیب تھے۔ اس کے بعد سرداری اُن کے بیٹے سیّد فاعل کو منتقل ہوئی۔ سیّد مذکور سے ان کے بھائی سیّد تاج الدین کو سرداری ملی۔ اس کے بعد سیّد شہاب الدین حلب اور سیّد محمد دلقندی نے حکم دینا شروع کیا۔ الغرض سادات مذکور نے ہمیں اجازت دی ہے اور اُن سے مجھے سند ملی ہے۔ علم برادری کا شرف (بعض صحابہ کو) ملا اور پھر اُن سے لے لیا گیا۔ غزوۂ بدر میں علیؓ بن ابی طالب کو علم دار مقرر کیا گیا تھا۔ ہمیں بطور ورثہ علم برادری کا شرف حاصل ہے، نیز بطور استحقاق سید جلال الملت والدین بخاری طاب اللہ ثراہ سے مجھے چودہ خانوادوں کی اجازت ملی ہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے مختلف طریقوں کے اشغال و اذکار جو ان کے معمولات میں تھے، مجھے عنایت کیے ہیں۔

میں نے تیس سال مسافرت کی ہے۔ ان سفروں میں میں نے بعض بزرگوں سے ان کی حیات میں ملاقات کی ہے اور بعض بزرگوں کا اُن کے انتقال کے بعد جسمانی اور روحانی حالت میں مشاہدہ کیا ہے۔ ہر خانوادے نے ہماری جانب توجہ دی ہے اور نعمت عطا فرمائی ہے کہ یہ نعمت تا قیامِ قیامت تمہارے سلسلے میں باقی رہے گی۔ قطعہ:

بزیرِ گنبدِ گردوں من از قلیل و کثیر
گرفتہ ام نعمتے از ہر صغیر و کبیر[1]

ترجمہ: اس آسمان کے گنبد کے نیچے میں نے ہر چھوٹے بڑے سے تھوڑی بہت نعمت حاصل کی ہے۔

بروزگار کس از بزرگاں نماند کہ من[2]
نرفتہ ام بسعادت درِ امیرو فقیر

ترجمہ: زمانے میں شاید ہی کوئی بزرگ باقی رہا ہوگا اور امیر یا فقیر جس کے دروازے پر میں سعادت کے ساتھ نہیں گیا۔

چو نعمتے ز بزرگاں نصیب من آمد
کنم نصیبِ دگر دوستاں قلیل و کثیر

ترجمہ: جو نعمت مجھے بزرگوں سے ملی ہے میں اسے دوسرے دوستوں میں تقسیم کرتا ہوں۔ بہر حال جس طرح اکابر نے یہ نعمت مجھ پر نثار کی ہے میں بھی دوسروں پر نثار کرتا ہوں۔ مصرع:

چو حق برتو پاشد تو برخلق پاش

---

[1] یہ مصرع وزن سے گر گیا ہے۔

[2] بُزرگاں کے بجائے بزَرگاں پڑھیں تو وزن پورا ہوتا ہے۔

(جس طرح خدا نے تجھ پر نعمت بکھیری ہے تو بھی اسے خلق پر نثار کر)

میں جس کو چاہتا ہوں بخشتا ہوں اور یہ فعل شریعت کے مطابق ہے، اس باب میں کسی کو اعتراض نہیں ہے۔

حضرتؒ نے شرح طحاویؒ [1] کے حوالے سے فرمایا کہ کتابِ وصیت میں بیان کیا گیا ہے کہ طبل (نقارے) دو طرح پر ہیں۔ ایک یہ کہ کھیل کود کے موقعے پر بجاتے ہیں۔ شریعت نے اس سے منع کیا ہے کیونکہ ہر طرح کا لہو ولعب حرام ہے۔ البتہ جنگ کرنے، گھوڑے سپرد کرنے اور سرداروں کی سفر سے آمد و روانگی کے وقت طبل بجائے جائیں تو مباح ہے شریعت نے اس کی اجازت دی ہے۔ سنتِ ابراہیمی بھی ہے۔ اس وقت تک خلیل علیہ السلام کے مزار [2] مبارک پر اُن مسافروں اور مجاوروں کے لیے جو وہاں مقیم ہیں، تقسیم طعام کے وقت نقارے بجائے جاتے ہیں۔ ہر شخص نقارے کی آواز سن کر لنگر خانے میں آتا ہے اور اپنے نصیب کا کھانا لے جاتا ہے۔ وہ حضرات جو صاحبِ منصب ہیں انہیں کھانا بھجوایا جاتا ہے یا دسترخوان بچھایا جاتا ہے۔

بعض مشائخ کی سفر سے آمد و روانگی کے وقت نقارے بجائے جاتے ہیں۔ اسے ''طبل رحیل'' کہتے ہیں۔ شیخ مرشد ابواسحاق گازرونیؒ کے روضہ متبرکہ اور مرقدِ منورہ پر کھانے کے وقت نقارہ بجانے کی رسم ادا کی جاتی ہے۔ ہم نے خلیل علیہ السلام کے مزار مبارک کے مجاوروں سے بھی سند پائی ہے اور ہمیں عطا ہوئی ہے۔ حضرت ابواسحاقؒ کے طریقے پر طبل و علم کی یہ روایت بلند رتبہ درویشوں اور مصاحبوں میں اب بھی جاری ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن تک بہت زیادہ صاحب علم نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ ﷺ کی بزرگ آل کی برکت سے جاری رکھے۔ حق تعالیٰ و تقدس جس کسی کو نعمت روزی فرمائے اور وہ اُسے بندوں پر نثار کرے، اس کے لیے روا ہے کہ اعلانِ عام کے لیے طبل بجائے۔ درویشوں کا کھانا کھانا عبادت کی مثل ہے لوگوں میں دعوت کے لیے جو عمل اختیار کیا جائے وہ مشروع ہوتا ہے۔

مجلس میں زنبیل (جھولی) پھرانے کا ذکر ہوا۔ حضرت قدوۃ الکبراؒ نے فرمایا کہ جب ابراہیم ادہم قدس سرہ، کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت اور دوستی نے سرایت کی تو اللہ تعالیٰ کی توفیق اور عنایت سے تاج و تخت چھوڑ دیا۔ گرمی سے بچنے اور ستر چھپانے کے لیے موٹے اون کا لباس پہن لیا۔ رباعی: [3]

ترکِ دنیا گیرتا سلطاں شوی
محرمِ اسرار باجاناں شوی

---

[1] طحاویؒ۔ ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامہ ازدی طحاویؒ ۲۳۰ ہجری میں پیدا ہوئے۔ پہلے امام شافعیؒ کے شاگرد مزنی سے اور بعد میں اپنے ماموں قاضی ابوجعفر احمد بن ابی عمرانی سے علم سیکھا۔ ملاحظہ فرمائیں، تاریخ فقہ اسلامی (اردو ترجمہ) ص ۳۳۰۔

[2] مطبوعہ نسخے (ص ۲۶۷) میں سہو کتابت کے باعث مزار کے بجائے ''ہزار دو ہزار خلیل'' نقل کیا گیا ہے۔ درست ''مزار خلیل'' ہے۔

[3] یہ اشعار رباعی کے معروف وزن و بحر میں نہیں ہیں۔

پاے نہ بر تخت و تاج و سلطنت
ورنہ ہمچو چرخ سرگرداں شوی

ترجمہ: اگر تو سلطان بننا چاہتا ہے تو دنیا کو چھوڑ دے اور محبوب حقیقی کے اسرار کا محرم بن جا۔ تخت، تاج اور سلطنت کو ٹھکرا دے ورنہ (دنیا کی ہوس میں) آسمان کے مانند سرگرداں رہے گا۔

ابراہیم ادہمؒ عبادتِ الٰہی میں مشغول ہوگئے۔ جب ان کی بزرگی کا اطرافِ عالم میں چرچا ہوا تو ہر طرف کے درویش اور مسافر ان کی زیارت سے برکت حاصل کرنے کے لیے حاضر ہونے لگے۔ بعض اوقات (ان کے طعام کے لیے) روٹی کے ٹکڑے بھی میسّر نہ ہوتے کہ وہی آنے والوں کی خدمت میں پیش کر دیئے جاتے۔ اس صورتِ حال کو فضیل بن عیاضؒ کی خدمت میں عرض کیا گیا۔ انہوں نے ابراہیم ادہم کو ہدایت کی کہ ہر ہفتے ایک بار زنبیل گردش کرائیں اور جو کچھ غیب سے حاصل ہوا سے باقی دنوں کے لیے بچا کر رکھیں۔ ابراہیم ادہم اس طریقے پر کار بند ہوگئے۔ آج بھی خراسان میں خاندانِ چشت قدس اللہ ارواحہم میں بعد نماز جمعہ درویش اور مجاور خواجہ مودود چشتیؒ کی درگاہ میں اس طریقے کی رعایت کرتے ہیں۔

زنبیل پھرانے کا قاعدہ یہ ہے کہ فقرا میں سے ایک بزرگ شخص حلقے کے پیشوا کی خدمت میں روٹی لاتا ہے۔ اس وقت حاضرینِ مجلس اور دوسرے درویش فاتحہ پڑھتے ہیں اور اس کے بعد زنبیل اس بزرگ شخص کی گردن میں ڈال دیتے ہیں۔ وہ مقدم درویشوں کے لیے سامانِ خورد ونوش حاصل کرنے کے لیے روانہ ہوجاتا ہے۔ پہلے تین بار لا الٰہ الا اللہ محمد الرَّسول اللہ کہتا ہے پھر لا الٰہ الا اللہ کا ذکر کرتے ہوئے روانہ ہوجاتا ہے۔ شہر کے اندر داخل ہوکر کوچہ و بازار میں پھرتا ہے۔ کسی شخص کی طرف نگاہ نہیں کرتا اس کی نظر اپنے قدموں پر ہوتی ہے۔ کسی سے بات نہیں کرتا۔ اس طرح غیب سے کھانے کی چیزیں، لباس اور قربانی وغیرہ جو کچھ حاصل ہوتا ہے لے کر پیشوا کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے۔ پکی ہوئی روٹیاں حاضرین میں تقسیم کر دیتا ہے اور خام جنس طعام خانے میں بھجوا دیتا ہے۔ یہ فعل کریم النفسی اور دوسروں کو نفع پہنچانے کے لیے کیا جاتا ہے۔ شہر سبزوار میں ایک بزرگ خواجہ علی جو خواجہ یوسف چشتی کے مرید تھے جمعے کے دن اس طریقے پر عمل کرتے تھے۔ ان کے علاوہ واحد یہ اور بایزید یہ طریقے کے حضرات ہفتے میں دوبارہ زنبیل پھراتے تھے۔ مختصر یہ ہے کہ مشائخ سلف یہ عمل کرتے تھے جس کے آثار اب بھی باقی ہیں۔ [۱]

حضرت قدوۃ الکبراؒ فرماتے تھے کہ جب میں مکہ معظمہ کے سفر سے واپس ہوا تو چشت میں شیخ الوقت حضرت خواجہ قطب

۱۔ اس کے بعد مطبوعہ نسخے کے صفحے ۲۶۷ کی سطریں ۱۲۔ ۱۳، سہو کتابت کے باعث دوبارہ نقل کر دی گئی ہیں۔ مترجم ان کا ترجمہ پہلے ہی کر چکا ہے۔ ان کا تعلق طبل بجانے سے ہے۔ اس لیے مترجم نے بے ربطی مضمون کے خیال سے اِن دو سطروں کا ترجمہ نہیں کیا اور عبارت کو زنبیل گردانی کے مضمون سے ملحق رکھا۔

الدین چشتی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت چشت کے صاحبِ سجّادہ ہیں۔ انہوں نے طرح طرح کی عنایتوں اور شفقتوں سے سرفراز فرمایا۔ چالیس روز اپنے پاس رکھا۔ جب رخصت فرمایا تو مجھے دورہ کرنے، زنبیل پھرانے، قندیلیں لٹکانے اور بلند آواز سے ذکر کرنے نیز زاویہ تعمیر کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ حق تعالیٰ نے مجھے اِن روشن اور خوشگوار نعمتوں سے بہرہ مند فرمایا ہے۔ میں بھی جسے چاہتا ہوں۔ یہ نعمتیں دیتا ہوں۔ قطعہ:

کسے را کہ یزداں کند بہرہ مند
زالوان نعمت بخوانِ جہاں

ترجمہ: اللہ تعالیٰ جس کسی کو دنیا کے دسترخوان سے طرح طرح کی نعمتیں عطا کرے۔

بباید مر اوراکہ قسمت کند
نعیمے در اندر خور ہم گناں

ترجمہ: اسے چاہیے کہ اُن نعمتوں کو اپنے یگانوں میں تقسیم کرے۔

حضرت قدوۃ الکبراؒ فرماتے تھے کہ ہم نے اپنے بعض اصحاب کو جو یہ نعمت و دولت پانے کے لائق تھے، جیسے حضرت دُر یتیم، شیخ شمس الدین اودھی، شیخ قطب الدین کرکری، شیخ معروف اور شیخ محمود، ان سب کو یہ نعمت بخشی ہے۔ اشعار:

منم دریائے پراز گوہرِ راز
کہ وقتِ موج می باشم دُر افشاں

ترجمہ: میں ایسا دریا ہوں جو راز کے موتیوں سے پر ہے۔ جب مجھ میں موجیں اٹھتی ہیں تو میں موتی بکھیرتا ہوں۔

کسے کو در خورِ دُرّ معانی
بود در گوش بحرِ دل ز احساں

ترجمہ: وہ شخص جو حقیقت کے موتی پانے کے لائق ہے تو ازراہِ احسان اس کے گوشِ دل کو اس موتی سے سجایا جاتا ہے (اس کو رازِ حقیقت بتایا جاتا ہے)۔

ہم آں گوہر از راہِ ہمت[1]
کہ ندہد دیگرے از جوہر افشاں

ترجمہ: خاص توجہ کے ذریعے وہ تمام موتی اس شخص کو عطا کر دیے جاتے ہیں۔ کسی جوہری کے پاس ایسے موتی نہیں ہیں۔

حضرت قدوۃ الکبراؒ فرماتے تھے کہ جس زمانے میں بلند رتبہ درویشوں کے علم نواحِ گجرات میں پہنچے تھے، ہم نے

---

[1] یہ مصرع وزن سے گر گیا ہے۔

برادرانِ دینی شیخ الاسلام اور شیخ مبارک کو اپنی خلافت ونعمت کے شرف سے مشرف کیا تھا۔ انہوں نے ہم سے زنبیل پھرانے، قندیل لٹکانے اور زاویہ تعمیر کرنے کی درخواست کی تھی جو منظور کرلی گئی۔ اس پر حضرت درِیتیم نے عرض کیا کہ زنبیل گردانی کی اصل اور سند کیا ہے؟ حضرتؒ نے فرمایا کہ معرکۂ ولایت کے رُستم اور جہاد ہدایت کے گستہم [۱] امیر المومنین علیؓ ابن ابی طالب اس سند کے بانی ہیں اور وہ واقعہ یوں تھا کہ ایک دن حضرت علیؓ نخلستان میں تشریف لے گئے۔ درختوں میں کثرت سے کھجوریں آئی ہوئی تھیں۔ آپ نے بہت سی کھجوریں زمین سے چنیں اور بہت سی درختوں سے توڑیں اور تمام کھجوریں لالہ زار نبوت کے سرو اور انہارِ جواں مردی کے سہی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیں۔ جس وقت یہ کھجوریں حضور علیہ السلام کو پیش کی گئیں اس وقت حضرت علیؓ نخلستان سے لوٹے تھے اور کھجوریں ایک زنبیل میں بھری ہوئی تھیں۔ (اس صورت حال میں) اتفاقاً ایک حاجت مند نے اپنی مجبوری اور بے چارگی کی کیفیت رسول علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی۔ ارشاد ہوا کہ تمام کھجوریں محتاجوں اور حاضرین مجلس میں تقسیم کردو۔ امام علیؓ نے سب کھجوریں تقسیم کردیں۔ جب حاضرین کھجوریں کھا چکے تو حضرت علیہ السلام نے فرمایا کہ ان کی گٹھلیاں جمع کرو۔ جب گٹھلیاں جمع ہوگئیں تو وہ سائل کو عطا فرمائیں تاکہ وہ انہیں کام میں لائے۔ حق تعالیٰ نے اُن گٹھلیوں کی برکت سے اُس محتاج کو بے اندازہ نعمت عطا کی۔ حاصل کلام یہ ہے کہ زنبیل گردانی کی بنا امام علی کرم اللہ وجہہ ہیں۔

حضرت قدوۃ الکبراؒ فرماتے تھے کہ میں نے اکثر مشائخ کو دیکھا ہے جو زنبیل پھرانے اور قندیل لٹکانے کی رسم ادا کرتے تھے لیکن ہندوستان میں صرف حضرت مخدومیؒ اور حضرت مخدوم زادہ قدس اللہ سرہ یہ رسم انجام دیتے تھے۔

ساداتِ سبزوار کے معمول کے مطابق روز عاشور کا ذکر

مجلس میں روزِ عاشورہ کا ذکر ہوا۔ حضرت قدوۃ الکبراؒ نے فرمایا کہ اکابرانِ زمانہ اور بزرگانِ شہر، خاص طور پر وہ حضرات جو صحیح النسب سادات اور عالی حسب نقیب ہیں محرم کے ابتدائی دس روزہ دورے پر جاتے اور زنبیل پھراتے ہیں، جیسا کہ بیان کیا جاچکا ہے کہ ملک سبزوار میں خواجہ علی [۲] جو اصحاب صوفیہ کے پیشوا اور اس گروہ کے سردار تھے، محرم کے دس دن علم کے نیچے بیٹھتے تھے اور اپنے مریدوں کو دورہ کرنے بھیجتے تھے۔ کبھی کبھی خود بھی دورے پر چلے جاتے اور رسم عزاداری ادا کرتے تھے۔ مثلاً عشرۂ محرم میں بیش قیمت لباس نہیں پہنتے تھے اور عیش وخوشی کے اسباب ترک کردیتے تھے۔

---

[۱] رستم اور گستہم دونوں ایرانی پہلوان تھے۔ فردوسی نے شاہنامے میں دونوں کے فتح مندانہ معرکوں کو بیان کیا ہے۔

[۲] مطبوعہ نسخے (ص ۲۶۸) میں ''خواجہ علی'' کے بجائے ''سیّد علی قلندر'' تحریر کیا گیا ہے۔ اس سے قبل صفحہ ۲۶۷ میں (آخری سطر سے پہلی والی سطر) ''خواجہ علی'' تحریر کیا گیا ہے۔ یہاں مترجم نے اسی کے مطابق اُردو ترجمے میں ''خواجہ علی'' تحریر کیا ہے۔ ''سیّد علی قلندر'' جیسا کہ آئندہ سطور میں ذکر آئے گا، غالباً حضرت قدوۃ الکبراؒ کے خاص مریدوں میں تھے۔

ان مقاماتِ شریفہ اور مقالاتِ لطیفہ کو تحریر کرنے والا عرض کرتا ہے کہ وہ تیس سال سفر ہو یا قیام حضرت قدوۃ الکبراؒ کے ساتھ رہا ہے، اس نے یہی دیکھا کہ حضرت قدوۃ الکبراؒ نے عاشورے کے معمولات کبھی ترک نہیں کیے کبھی بذات خود علم کے نیچے بیٹھتے اور کبھی سیّد علی قلندر کو جو آپ کے مخلص اصحاب و احباب میں تھے، اس کا حکم فرماتے تھے کہ وہ علم کے نیچے بیٹھیں۔

عشرے کے آخری دو تین روز یزید پر لعنت کرتے تھے اور آپ کے اصحاب بھی آپ کی موافقت کرتے تھے ایک مرتبہ اتفاقاً محرم کے ابتدائی دس دن شہر جونپور میں بسر ہوئے۔ آپ کا قیام مسجد عالی میں تھا۔ آپ نے اپنے مقررہ دستور کے مطابق تمام معمولاتِ عشرہ جملہ آداب کے ساتھ ادا کیے۔ دسویں محرم کو ان وظائف کو پورا کیا جو مشائخ کا معمول رہے ہیں اور ان سنتوں کو ادا کیا جنہیں علما روا سمجھتے تھے۔ اس اثنا میں شہر کے بعض اہل علم اور اربابِ فضل آپ کی زیارت کے لیے حاضر ہوئے۔ مصافحہ کیا۔ کوئی بات مصافحے کے دوران نکل آئی اس پر تھوڑی دیر مصافحے کے وقت گفتگو رہی۔ آخر یہ طے ہوا کہ مصافحے سے فارغ ہو کر گفتگو کی جائے۔ ملاقات کے لیے آنے والوں میں ایک صاحب مشہور فاضلوں میں تھے، انہوں نے سوال کیا کہ آپ اپنی مجلس شریف میں یزید پر لعنت کرتے ہیں، اس کا کیا سبب ہے؟ آپ نے فرمایا کہ (علما کے درمیان) یہ مسئلہ اختلافی ہے لیکن اکثر نامور عالموں اور فاضلوں نے لعنت تجویز کی ہے۔ خاص طور پر وہ شخص جو انصاف پسند ہو، خاندانِ مصطفوی کو دوست رکھتا ہو اور دودمانِ مرتضوی سے محبت کرتا ہو اس کے لیے اس میں کیا مضائقہ ہے؟ کیوں کہ وہ جانتا ہے کہ جس شخص نے رسول ﷺ کے جگر گوشوں پر اس قدر مظالم ڈھائے ہیں اور بتول کے نور چشموں کو مصائب میں مبتلا کیا ہے وہ قابلِ لعنت کیوں نہ ہو۔ آیۂ کریمہ اِنَّ الَّذِیۡنَ یُؤۡذُوۡنَ اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗ لَعَنَہُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنۡیَا وَ الۡاٰخِرَۃِ وَ اَعَدَّ لَہُمۡ عَذَابًا مُّہِیۡنًا [۱] (بے شک جو لوگ اذیّت دیتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو، اللہ نے ان پر لعنت فرمائی دنیا اور آخرت میں ان کے لیے خواری کا عذاب تیار کیا۔) سے بھی اہل فہم معلوم و مقرر کر سکتے ہیں۔ اس کے بعد مولانا محمود نے بحث کی اور علمی مقدمات درمیان میں لائے حضرت قدوۃ الکبراؒ نے علمی مقدمات کا جواب جچے تلے انداز میں دیا۔ جب ایک دوسرے کے مقدمات کی تشریح نے طول پکڑا اور روایات ایک دوسرے کی تاویل میں تحلیل ہو گئیں تو زیر بحث مسئلے کو قاضی شہاب کے سامنے پیش کیا گیا حضرت قاضی صاحب نے ایک دوسرے کے مقدمات توجہ سے سنے پھر اپنا پہلو حضرت قدوۃ الکبراؒ کی جانب کیا۔ آپ نے بہت قوی اور مضبوط دلائل دیئے۔ اس پر قاضی صاحب نے فیصلہ دیا کہ حضرت میر (قدوۃ الکبراؒ) درست فرماتے ہیں۔ تقریباً بیس دن فضلائے شہر نے اس مسئلے پر قاضی صاحب سے بحث کی۔ قاضی صاحب نے اسی مسئلے کے تعلق سے ''رسالہ مناقبِ سادات'' تصنیف کیا۔ حضرت قدوۃ الکبراؒ نے بھی اس بحث سے متعلق ایک رسالہ تحریر کیا ہے اور اس کا عنوان ''لعنت فسقی'' تجویز کیا ہے۔ اس کی ابتدا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت سے کی ہے اور اسے یزید کے غلبے پر ختم کیا ہے۔ یہ ایک ضخیم رسالہ ہے جسے ضرورت ہو خانقاہ سے طلب کر سکتا ہے۔ حضرت قدوۃ الکبراؒ فرماتے

---

[۱] پارہ ۲۲۔ سورۂ احزاب آیت ۵۷
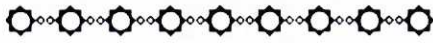
تھے کہ جس شخص کو اس خاندان عالی سے ذرا سی بھی محبت ہوگی اور اس دودمانِ متعالی سے ذرا سی بھی دوستی ہوگی وہ اس مسئلے کو سمجھ جائے گا۔ حضرت قدوۃ الکبراؒ یہ بھی فرماتے تھے کہ صوفیہ کے عالی گروہ کی راہِ سلوک میں (سالک کو) کم از کم قاضی صاحب جتنا علم تو ضرور چاہیے۔

حضرت قدوۃ الکبراؒ فرماتے تھے کہ جس زمانے میں یہ فقیر بنگال گیا اور اولیائے زمانہ کے پیشوا اور نامور اصفیا کے جوہر حضرت مخدومی علاء الملّت و الدین کی خدمت سے مشرف ہوا، اس زمانے میں بھی بنگال کے نامور عالموں میں یہ بحث جاری تھی۔ سب نے عجیب طریقے سے جمع ہوکر اس فقیر سے الٹی سیدھی بحث کی۔ اس جماعت سے ایک ماہ تک بحث رہی۔ آخر الامر علمی مقدمات اور فقہی روایات کی بناء پر دونوں اس فیصلے پر آئے کہ اس پر لعنت فسقی جائز ہے۔

حضرت قدوۃ الکبراؒ فرماتے تھے حضرت شیخؒ محرم کی پہلی تاریخ سے دس تاریخ تک گریہ و زاری کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ وہ عجیب دل ہے جو خاندانِ رسول اور جگر گوشگانِ بتول کے ماتم میں نہ روئے اور ان کی ماتم پرسی سے بے تعلق ہوجائے۔ سبحان اللہ یہی حقیقی نیازمندی ہے۔ شعر:

کسے کودر چنیں ماتم نہ گرید
دلِ آں کس مگر از سنگ باشد

ترجمہ: جو شخص اس طرح کے ماتم پر گریہ وزاری نہ کرے شاید اس کا دل پتھر کا ہوگا۔

لطیفہ ۵۲[1]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک نسب اور کسی قدر پاک سیرت کا بیان جو سترہ شرف پر مشتمل ہے

شرف اول: حضرت علیہ السلام کے نسب کا بیان۔
شرف دوم: حضرت علیہ السلام کی ولادتِ مبارکہ کا ذکر۔
شرف سوم: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادتِ مبارکہ کے بعد بعض احوال کا ذکر۔
شرف چہارم: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کافروں سے جہاد کرنے اور اُن کفار کے نام ظاہر کرنے کا ذکر جو اس غزوہ میں مارے گئے۔
شرف پنجم: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حج اور عمرے کا ذکر۔
شرف ششم: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمائے مبارکہ کا بیان۔
شرف ہفتم: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری اوصاف اور حلیہ شریف کا بیان۔
شرف ہشتم: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و اوصاف کا ذکر۔
شرف نہم: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چند معجزات کا بیان۔
شرف دہم: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کا بیان۔
شرف یازدہم: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادوں کا ذکر۔
شرف دوازدہم: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں کا ذکر۔

---

[1] یہ لطیفہ بڑی تقطیع کے باسٹھ صفحوں پر مشتمل ہے اور طویل عربی عبارات کا حامل ہے، جو انساب اور سیَر کی کتابوں سے نقل کی گئی ہیں، اسی کے ساتھ اُن کا فارسی ترجمہ ہے۔ احقر مترجم نے بے جا طوالت سے بچنے کے لیے عربی عبارات کو نقل نہیں کیا ہے بلکہ اُن کے فارسی ترجمے سے اُردو ترجمہ کیا ہے۔ تاہم قرآنی آیات اور فارسی اشعار کو مطبوعہ متن سے نقل کرکے ان کا ترجمہ شامل متن کیا ہے۔ اس کے بعد لطیفہ ۵۳ میں بھی یہی طریقہ اختیار کیا ہے۔

شرف سیزدہم: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچاؤں اور پھوپھیوں کا ذکر۔
شرف چہاردہم: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں، آزاد خادموں، سفیروں اور کاتبوں کی تفصیل
شرف پانزدہم: حضور علیہ السلام کے گھوڑے اور اونٹوں کا بیان۔
شرف شانزدہم: حضور علیہ السلام کی وفات کا ذکر۔
شرف ہفدہم: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسلحہ ولباس کا ذکر اور آپ ﷺ کی آل کے نسب کی تفصیل جو انساب کی مشہور کتابوں سے منتخب کی گئی ہے۔

حضرت قدوۃ الکبراؒ فرماتے تھے کہ سیرت کے فن میں ''خلاصۃ السیرؒ'' معتبر کتاب ہے جس میں اختصار سے کام لیا گیا ہے۔ جو شخص مستند اور تحقیق شدہ باتیں معلوم کرنا چاہتا ہے اسے مذکورہ کتاب پڑھنا چاہیے۔ اس لطیفے میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے۔ وہ مذکورہ کتاب ''خلاصۃ السیرؒ'' اور کسی قدر ''لقائے محمدیؐ'' سے ماخوذ ہے۔

پہلا شرف۔ رسول علیہ السلام کے نسب کا بیان

حضرت قدوۃ الکبراؒ فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسب ونسب کا علم حاصل کرنا شریف ترین عمل ہے اور آپ ﷺ کے اجدا میں سے چار جدوں کے نام یاد ہونا مسلمان ہونے کی شرط ہے۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ مسلمانی کے اس ضعف اور شرطِ ایمانی کے اس فتور پر حیرت ہے کہ لوگ کافروں اور ملحدوں کے لاکھوں بے ہودہ قصے کہانیاں اور بے فائدہ باتیں یاد کر لیتے اور انہیں سلوک کی مجلسوں اور محفلوں میں بیان کرتے ہیں۔ نیز امیروں کے درباروں میں انہی کی تکرار باعثِ فخر خیال کرتے ہیں۔ اگر (اتفاق سے) انبیا و مرسلین کے حالات اور قدیم مشائخ کے ملفوظات بیان کیے جا رہے ہوں تو اُن کی زبانوں پر تالے لگ جاتے ہیں اور کسی دلچسپی کا اظہار نہیں کرتے کہ مجلس میں کیا بات کہی گئی ہے۔ قطعہ:

اگر مذکور گردد از خرافات
ہزاراں باہمہ امثال گویند
وگر ذکرے رود از دین و آثار
بہم آیند و قیل و قال گویند

ترجمہ: اگر فضول اور بے ہودہ باتیں ہو رہی ہوں تو اسی طرح کی ہزاروں باتیں کہنے لگتے ہیں۔ اور اگر دین اور دینی روایات کا ذکر چل نکلے تو سب مل کر قیل وقال میں مصروف ہو جاتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب گرامی

ابوالقاسم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدالمناف بن قصی بن کلاب بن مرۃ عرف قریش بن عدس بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرک بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان بن اڈ بن اود بن ہمیع بن یخسب بن ثابت بن قیدار بن اسماعیل بن ابراہیم بن آذر،☆ بن تارخ بن شاروع بن ارغو بن فالخ بن شالخ بن عابر بن ارفخشد بن سام بن نوح بن تمک بن سوشلخ بن احزخ یعنی ادریس بن برذ بن بارد بن مہلائیل بن قینان بن انوش بن شیث بن آدم علیہ السلام۔

(تمام اربابِ سیر و انساب کا) عدنان تک صحت نسب پر اتفاق ہے، اس کے بعد اختلافات ہیں لیکن تحقیق یہ ہے کہ علمائے انساب اس امر میں متفق ہیں کہ بے شک اہل عرب کا نسب حضرت اسماعیل بن ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام سے مل جاتا ہے اور قریش کے تمام قبیلے نضر کی اولاد ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ فہر کی اولاد ہیں لیکن ان تمام اقوال میں مشہور اور صحیح ترین قول، قول اوّل ہی ہے (یعنی اہل عرب حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد ہیں)۔

حضرت نور العین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ کے نسب کے بارے میں دریافت کیا۔ حضرت نے فرمایا، آمنہ بنت وہب بن عبدمناف بن قصی بن کلب۔ حضرت کبیرؒ نے عرض کیا کہ یہ بات عجیب معلوم ہوتی ہے کہ حضور علیہ السلام کی والدہ (آبائی دین سے) نہ پھریں اور دین اسلام میں داخل نہ ہوئیں۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ بعض علما کو اس بات سے اختلاف ہے کہ حضرت آمنہ نے اپنی وفات کے بعد دین اسلام قبول کرلیا تھا۔ اس مسئلے میں اکثر علما کے درمیان اختلاف ہے۔ **قال اخبر نابذلک الشیخ الصالح ابوالحسن علی بن عبداللہ مسلسلاالی عائشۃ رضی اللہ عنہا ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نزل الجحون لیتا خربنا فاقامَ بہ ماشاء اللہ عزوجل ثم رجع مسرور قال سالت ربی عزوجل فاحیالی امی فامنت** (فرمایا ہم کو خبر دی شیخ صالح ابوالحسن علی بن عبداللہ نے متصلاً حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تک خبر دی۔ تحقیق کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مقام جحون پر اترے تا کہ ہمارے عقب میں پڑاؤ فرمائیں۔ پس وہاں قیام فرمایا جب تک اللہ بزرگ و برتر نے چاہا۔ پھر وہاں سے خوشی کی حالت میں واپس آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے اللہ بزرگ و برتر سے سفارش کی تھی پس میری ماں زندہ ہوئیں اور ایمان لائیں۔

☆ اصل نسخے میں ابراہیم بن آذر بن تارخ ہے جبکہ تفسیر خزائن العرفان میں علامہ سیّد محمد نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمہ نے سورۃ الانعام آیت ۷۴ کی تفسیر میں ''آزر'' کے متعلق قاموس اور مسالک الحنفاء للسیوطی کے حوالے سے لکھا ہے کہ ''آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چچا کا نام تھا۔'' خود اسی لطیفہ نمبر ۵۲ کے شرف اول کی آخری سطر میں قرآن مجید کی سورۃ الشعراء آیت ۲۱۹ کے حوالے سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد کے بارے میں لکھا ہے کہ ''وہ اللہ کو سجدہ کرنے والوں میں تھے'' بت فروش یا بت پرست نہ تھے۔ (ناصر الدین)

حضرت ابن جوزی نے اپنی کتاب ''موضوعات'' میں تحریر کیا ہے کہ یہ موضوع حدیث ہے۔ جس شخص نے اسے وضع کیا ہے وہ بے شک وشبہہ کم فہم اور علم سے بے بہرہ تھا کیوں کہ اگر اس کو علم ہوتا تو بے شک وہ جان لیتا کہ حالتِ کفر میں مرنے کے بعد رجوع کر کے ایمان لانے کا کوئی نفع نہیں ہوتا بلکہ اگر وہ ایمان لے بھی آئے تو از روئے تحقیق عذابِ آخرت کم نہیں ہوتا وہ کافر ہی رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے[1] ''فَیَمُتْ وھُوَ کافِر''[2] (پھر وہ کافر ہونے کی حالت میں مرجائے) البتہ اسناد کے ساتھ ایک دوسری حدیث ہے۔ صحیح حدیث میں ہے حضرت رسول علیہ السلام کا ارشاد ہے ''میں نے اپنے پروردگار سے حکم طلب کیا کہ میں خاص اپنی والدہ کی مغفرت کا طلب گار رہوں سو اللہ تعالیٰ نے حکم نہیں فرمایا۔''

(کسی دوسری مجلس میں) بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ محترمہ کا ذکر ہوا تو فرمایا کہ حدیث شریف میں آیا ہے، **ان اللہ اصطفیٰ من ولد ابراھیم اسمٰعیل، واصطفیٰ من ولد اسمٰعیل بنی کنانہ، واصطفٰی من بنی کنانہ قریشا، و اصطفیٰ من قریش بنی ھاشم** یعنی بے شک اللہ تعالیٰ نے برگزیدہ کیا ابراہیمؑ کی اولاد میں سے اسمٰعیلؑ کو، اور برگزیدہ کیا اورلادِ اسمٰعیل میں سے بنی کنانہ کو، اور بنی کنانہ میں سے قریش کو اور قریش میں سے بنی ہاشم کو۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ حق تعالیٰ کے حضور میرا نور حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے، عالمِ آخرت کے دو ہزار سال پہلے موجود تھا اور ملائکہ کے ساتھ تسبیح وتہلیل میں مصروف تھا۔ جب حق تعالیٰ نے آدم کو پیدا فرمایا تو اس نور کو آدم علیہ السلام کی پشت میں ڈال دیا پھر آدم (علیہ السلام) کی پشت سے نوح وابراہیم (علیہما السلام) کی نسل میں منتقل ہوا۔ وہاں سے وہ نور میرے بزرگوں کے صلب اور ان کی پاک بیویوں کے رحم میں منتقل ہوا۔ حتیٰ کہ اب میرے والد کے صلب اور میری والدہ کے رحم کے ذریعے وجود میں آیا۔ شعر:

صلاحِ جہاں آں شب آمد پدید
کہ از مو لدش صبحِ صادق پدید

ترجمہ: اس رات دنیا کی بھلائی نمودار ہوئی کہ آپ کی ولادت سے صبح صادق کا ظہور ہوا۔

میرے اسلاف میں سے کسی نے زنا کاری نہ کی۔ ہماری سب دادیوں نے نکاح کے ساتھ مباشرت کی ہے۔ میرے اسلاف میں غلامی اور جفتی کرنے کا رواج نہ تھا۔

امام کلبی فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت آدم (علیہ السلام) تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ماؤں کے نام، متقدمین کی تصانیف اورنسب نگاروں کی کتابوں سے تلاش کیے ہیں۔ حضرت حوا تک ہر ایک کا نام تحریر کیا ہے۔ پانچ سو نام نکلے۔ سب

---

[1] یہاں مطبوعہ نسخے (ص ۲۷۱) سطر ۷ اور ۸ میں کتابت کی شدید غلطی ہے۔ یہ عبارت نقل ہوئی ہے، ''ایں حدیث قولِ خدائے تعالیٰ فَیَمُت وَھُوَ کافِرُ ودیگر بسندست'' اس عبارت سے حدیث قدسی کا اشارہ ہوتا ہے حالاں کہ یہ قرآنِ پاک کی آیت ہے۔ اصل مخطوطے میں یہ عبارت یوں ہوگی۔ ''قولِ خدائے تعالیٰ فَیَمُت وَھُوَ کافِرُ ودیگر ایں حدیث بسند است'' اس قیاسی تصحیح کے مطابق ترجمہ کیا گیا ہے۔)

[2] پارہ ۲۔ سورہ البقرہ، آیت ۲۱۷۔

آزاد اور اشراف (خواتین) تھیں۔ سب ماؤں کا وصل شوہروں سے نکاح کے بعد ہوا تھا۔ ان میں حضرت حوا تک کوئی بھی قیدی، داغ زدہ[1] اور مسافرہ نہ تھی۔ سب پاک، باعفت اور اصل نسبت سے تھیں جیسے کہ ان کے مرتبے کے بارے میں یہ آیۂ کریمہ اشارہ کرتی ہے، وَ تَقَلُّبَکَ فِی السّٰجِدِیْنَ ۝[2] (اور (دیکھتا ہے) سجدہ کرنے والوں میں آپ کے پلٹنے کو)ایک نبی سے دوسرے نبی تک حتیٰ کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو نبی بنا کر مبعوث فرمایا۔

دوسرا شرف۔ رسول علیہ السلام کی ولادت کا بیان

حضرت قدوۃ الکبراؒ فرماتے تھے کہ حضرت رسول اللہ علیہ السلام کی ولادت (باسعادت) مکہ معظّمہ میں اصحابِ فیل کے واقعے کے سال میں ہوئی تھی۔ بعض روایتوں میں کہا گیا ہے کہ واقعۂ فیل کے تیس یا چالیس سال بعد ولادت ہوئی تھی لیکن روایت اوّل صحیح ہے۔ سرورِ انبیا وپیشوائے اصفیا بروز پیر بارہ ربیع الاوّل کو عالمِ ناسوت میں جلوہ افروز ہوئے۔ (یہ فرمانے کے بعد حضرت قدوۃ الکبراؒ پر) ذوق وشوق کی کیفیت طاری ہوگئی اور یہ غزل ارشاد فرمائی، غزل:

روزِ ظہورِ مظہر سرورِ دو عالم ست
روزِ ولادتِ خلفِ صدقِ آدم ست

(آج سرورِ دو عالم کے مظہر کے ظاہر ہونے کا دن ہے۔ آج آدم علیہ السلام کے سچے جانشین کی ولادت کا دن ہے)

امشب دریں زجاجۂ درمی نہادہ اند
نورِ یکے کہ چشم وچراغ دو عالم ست

(آج رات دروازے کے شیشے سے اُس ہستی کا نور ضوفشاں ہے جو دونوں عالم کی بینائی کا سبب ہے)

از روز و شب مراد جزایں روز وشب نبود
الحق شبِ مبارک و روزِ مکرم ست

(روز وشب کے سلسلے کو جاری رکھنے سے یہی دن اور یہی رات مقصود تھے، الحق کہ یہ رات مبارک اور دن مکرم ہے)

بگزشت از ربیعِ نخستیں دوازدہ
روزِ دو شنبۂ کہ ز ایام مکرم ست

---

[1] مطبوعہ نسخے (ص ۲۷۱) کی اصل عبارت یہ ہے ''ہیچ کدامی از ایشاں اسرادی ومرقوقہ وازعورات نازلہ نبوذ''۔ ''اسرادی'' اور ''مرقوقہ'' میں سہوِ کتابت واضح ہے۔ مترجم نے بالترتیب ''اسارٰی'' (قیدی) اور ''مرقومہ'' (داغ زدہ) قیاس کر کے ترجمہ کیا ہے۔

[2] پارہ ۱۹۔ سورہ الشعراء، آیت ۲۱۹۔ اس آیت سے متصل (ساجدین کے بعد) من نبی الیٰ نبی حتیٰ اخرجتک نبیا، عربی عبارت نقل کی گئی ہے۔ یہ قرآن شریف میں نہیں ہے مصنف کی تحریر ہے۔ اس لیے مترجم نے اسے آیۂ کریمہ سے ملا کر نقل کرنے کے بجائے اس کا ترجمہ کر دیا ہے تا کہ آیت اور عبارت کا فرق قائم رہے)۔

(ربیع الاوّل کی بارہ تاریخ ہوئی تھی، پیر کا دن تھا جو (ہفتے کے) دنوں میں سب سے زیادہ لایق تکریم دن ہے۔)

در وضعِ جملہ امّت واز بہرِ وضعِ خلق
وضعے نہا دہ خویش کہ بہ از وضعِ آدم ست

(تمام امت اور تمام انسانوں کے طرز زندگی کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طرز قائم کی جو انسانی فطرت کے مطابق ہے)۔

خورشید طلعتے بشب آمد کہ آفتاب
از دودِ شب نشستہ بریں سبز طارم ست

(ایک خورشید چہرہ ہستی رات میں نمایاں ہوئی ہے یا آفتاب رات کے دھویں سے (ہٹ کر) سبز آسمان پر بیٹھا ہے)

زاں روز کو بخیر قدم در جہاں نہاد
ذکر سپہرو دورِ زماں خیر مقدم ست

(جس روز سے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں خیر کے ساتھ قدم رکھا اسی روز سے آسمان اور زمانہ آپ کے خیر مقدم کا ذکر کر رہے ہیں)

در عام فیل نصرت اصحابِ فیل داں[1]
خاص آں کسے کہ کعبہ برایش مکرم ست

(عام الفیل میں آپ کی تشریف آوری اصحاب فیل پر اہل مکہ کی فتح ہے۔ خاص طور پر اس شخص کے لیے جو کعبے شریف کی تعظیم کرتا ہے۔)

بعض علما کہتے ہیں کہ رحمِ مادر میں نطفے کا قرار پیر کے دن ہوا تھا، ولادت پیر کے روز ہوئی تھی، وحی کا نزول اور وفات بھی پیر کے روز ہوئی۔ رسول علیہ السلام کی والدہ محترمہ کوہِ ابی طالب کی وادی میں جمرۃ الوسطیٰ[2] کے قریب حاملہ ہوئیں۔ شعر:

شد از بر نیساں صدف بار دار
پدیدار شد لولوئے شاہوار

(موسم بہار کی پہلی بارش سے صدف بار آور ہوگئی اور اس سے شاہوں کے لایق گوہر نمودار ہوا)

(حضرت آمنہ نے) فرمایا میں نے آپ ﷺ کے حمل کے وقت دیکھا کہ ایک نور میرے اندر سے نکلا، اس نے شام و بصریٰ کے محلات کو روشن کردیا۔ پھر حمل قرار پاگیا۔ خدا کی قسم میں نے دیکھا آپ ﷺ کا حمل بالکل ہلکا تھا۔ جب آپ ﷺ پیدا ہوئے تو آپ کے دونوں ہاتھ زمین پر اور سر آسمان کی جانب اٹھا ہوا تھا۔ بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ کی

---

[1] مترجم اس مصرعے کا مفہوم نہیں سمجھ سکا۔ قیاسی ترجمہ کیا گیا ہے۔

[2] حجاج کرام منیٰ میں تین مقامات پر شیطان کو کنکریاں مارتے ہیں۔ پہلے اور تیسرے کے درمیان مقام کو ''جمرۃ الوسطیٰ'' کہتے ہیں۔

ولادت (باسعادت) کی رات کسریٰ (شاہِ ایران) کے محل میں زلزلہ آ گیا اور چودہ کنگرے زمیں بوس ہو گئے۔ بیت:

چو صیتش در افواہِ دنیا فتاد
تزلزل در ایوان کسریٰ فتاد

(جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہرت کا دنیا میں چرچا ہوا تو ایوان کسریٰ میں زلزلہ آ گیا)

آتش کدۂ ایران کی آگ جو دو ہزار سال سے روشن تھی بجھ گئی اور دریائے ساوہ کا پانی خشک ہو گیا جیسے کہ (فارسی کے شاعر) سلمان ساوَجی نے کہا ہے۔ شعر[1]:

شد آتشِ کفر پارس برباد
رفت آبِ سیاہ ساوہ درخاک

(ایران کی آتشِ کفر تہس نہس ہو گئی اور دریائے ساوہ کا سیاہ پانی مٹی میں مل گیا یعنی خشک ہو گیا)

حضرت قدوۃ الکبرا فرماتے تھے کہ حضرت آمنہ جتنے عرصے رسول علیہ السلام کے حمل سے حاملہ رہیں، انھیں کسی قسم کی گرانی اور تکلیف جو عورتوں کو ہوتی ہے ہرگز نہیں ہوئی اور نہ ولادت کے وقت جو درد عورتوں کو ہوتا ہے انھیں ہوا۔ حضرت آمنہ کو مشاہدہ کرایا گیا کہ ساتوں آسمان اور زمینوں کے فرشتے میرے گھر میں نازل ہوئے ہیں اور مجھے بشارت دے رہے ہیں۔ اے بی بی! آج عالم اور اولادِ آدم میں سب سے بہتر اور خوب ترین ہستی کا تولد زمین پر ہوا ہے جس کے نورِ آفتاب سے مشرق تا مغرب (تمام عالم) جگمگائے گا۔ ابیات:

بشارت باد اے فرخندہ طالع
کہ می گرددز تو خورشید طالع

(اے مبارک نصیب والے آپ کو خوشخبری ہو کہ آپ کی ذات سے آفتاب طلوع ہوتا ہے)

چناں خورشیدِ تو پُر نور گردد
کہ از نورش جہاں منظور گردد

---

[1] مطبوعہ نسخے (ص ۲۷۲) پر یہ شعر اس طرح نقل ہوا ہے:

شد آتشِ کفر پادس برباد
رفت آب سیاہ در خاک

اس شعر میں سہو کتابت واضح ہے۔ دوسرا مصرع بے وزن ہے۔ شاید یوں ہو:

رفت آبِ سیاہ ساوہ درخاک

اسی قیاس کے مطابق ترجمہ کیا گیا ہے۔ دوسرے یہ کہ شاعر کا نام "سلیمان ساوَجی" لکھا گیا ہے۔ اس کا نام "سلمان ساوَجی" تھا۔ ملاحظہ فرمائیں "بحث در آثار وافکار واحوال حافظ" مصنفہ ڈاکٹر قاسم غنی۔ تہران، ۱۳۶۱ ہجری ص ۲۶۔ سلمان ساوَجی کا زمانہ آٹھویں صدی ہجری کا ہے۔

(آپ کی ذات کا آفتاب اس انداز سے نور فشاں ہوتا ہے کہ اس کی روشنی سے دنیا روشن ہوجاتی ہے)

زنورِ آفتابش ماہ وانجم
چو ذرہ می شود در تابِ اوگم

(آپ کے آفتاب کے نور سے چاند ستاروں کی چمک ذرے کی مانند گم ہوجاتی ہے)

اب تم پر لازم ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کام کا بیڑہ اٹھانے میں دیر نہ کرو اور آپ ﷺ کے دشمنوں سے پرہیز کرو۔

رسالہ عبہری میں بیان کیا گیا ہے کہ پہلی خاتون جنھوں نے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلایا وہ ابولہب کی کنیز ثوبیہؓ تھیں۔ اُس زمانے میں یہ رواج تھا کہ قبیلۂ بنوسعد کی دودھ پلانے والی عورتیں مکہ معظّمہ میں آتی تھیں۔ اہل مکہ سخت گرمی اور گرم ہوا سے بچاؤ کی خاطر اپنے بچے اجرت پر ان کے سپرد کردیتے تھے۔ اس سال بھی (دودھ پلانے والی) عورتیں مکہ معظّمہ میں آئیں اور آرزو کے ساتھ سرداروں کے بچے دایہ گری کے لیے حاصل کرلیے۔ حلیمہؓ بنت عبداللہ کو چوں کہ کوئی بچہ نہ ملا تھا اس لیے انھوں نے مجبوراً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو لے لیا۔ جب اپنی پستان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دہن مبارک میں رکھی تو پستان سے اس قدر دودھ جاری ہوا کہ دس بچے سیر ہوسکتے تھے، حالاں کہ اس سے قبل خود ان کے بیٹے کے لیے ان کا دودھ کافی نہ ہوتا تھا۔ حضرت حلیمہؓ کے پاس ایک اونٹنی تھی بالکل مریل اور خارش زدہ۔ اگر ہزار کوڑے لگائے جائیں تو جگہ سے نہ ہلتی تھی۔ شعر:

تواں تور چوگا نہٗ باد پاے
بصد زخم چوگاں نہ جنبدز جاے

(چوگان کے ہوا رفتار بہادر گھوڑے کا یہ حال تھا کہ خم دار لکڑی کی سیکڑوں ضرب کے باوجود ہلتا نہ تھا)

(وہ ضعیف ولاغر اونٹنی) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوار ہونے کی برکت سے از سرِ نو جوان ہوگئی، بحدّے کہ اُس روز بنو سعد کا کوئی اونٹ قوت میں اس کی برابری نہ کرسکتا تھا۔ وہ اونٹنی جو قطعی طور پر دودھ سے محروم تھی اس نے اتنا زیادہ دودھ دیا جو حضرت حلیمہؓ کے کنبے کے لیے کافی تھا۔ جب حضرت حلیمہؓ سفر میں تھیں تو قبیلۂ ہذیل کے چند بزرگ (بستی سے) باہر نکلے۔ جب ان کی نظر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑی تو دیر تک دیکھتے رہے پھر بولے کہ یہ بچہ تمام روئے زمین کا بادشاہ ہوگا۔ جب وادی سدرہ میں پہنچے تو وہاں پہلے ہی سے حبش کے عالم ٹھہرے ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو اپنی زبان میں ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ یہ بچہ پیغمبر آخر الزماں ہے۔

مختصر یہ کہ اس قسم کی باتیں، آپ ﷺ کو دیکھ کر بہت سے عالموں اور کاہنوں نے کہیں۔

جب حضرت حلیمہؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر اپنے گھر پہنچیں تو ان کے پاس صرف ایک بکری تھی، آپ ﷺ کے

قدم مبارک کی برکت سے ان کے گھر میں تین سو بکریاں جمع ہوگئیں۔ اسی طور مال واسباب بڑھتے چلے گئے۔ قطعہ:

چو آں کیواں مراتب مشتری روے
بجانش برد اقدامِ سعادت
سعادت سوئے او روئے در آورد
شدہ با دولت و فرخندہ عادت

(جب وہ مشتری چہرہ جو ستارۂ زحل کی مانند بلند مقام کا حمل ہے اپنی جان کے ساتھ سعادت کی طرف بڑھا تو خود سعادت اس کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ اسے مبارک اخلاق کی نعمت حاصل ہوئی)

جب رسول علیہ السلام تین سال کے ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حلیمہؓ اور قبیلے کے لڑکوں کے ساتھ بکریاں چرانے کے لیے جانے لگے۔ ایک روز آپ ﷺ چھوٹے بچوں کی ایک جماعت میں کھیل رہے تھے اور بڑے لڑکوں سے باتیں کررہے تھے کہ دو فرشتے آدمی کی شکل میں نمودار ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلا دیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شکم مبارک کو چاک کیا، آلائشیں باہر نکالیں اور اُس پانی سے صاف کیا جو طشت اور تھالے میں بھر کر لائے تھے اور (سینۂ مبارک کو) نورِ ایمان وعرفان سے معمور کردیا۔ قطعہ:

چوں ظرفِ سینۂ آں بحرِ اسرار
ملوث بود از الواثِ کینہ
ز آبِ معرفت شستند اورا
دگر پر کرد از نورو سکینہ

(چوں کہ اس بحرِ اسرار کے سینے کا ظرف کینے کی آلودہ سے ملوث تھا تو اسے آبِ معرفت سے پاک کیا پھر نور اور سکینت سے اسے لبریز کردیا)

اس کے بعد وہی واقعہ جو پہلے گزر چکا تھا پھر رونما ہوا۔ جب آپ کے ساتھیوں نے یہ دیکھا تو دوڑ کر حضرت حلیمہؓ کے پاس گئے اور واقعے کی اطلاع دی۔ وہ گھبرا کر جائے واقعہ پر پہنچیں تو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک خزاں رسیدہ درخت سے پیٹھ لگائے تشریف فرما تھے۔ (شکم مبارک پر) شگاف کا نشان نمایاں تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (حضرت حلیمہؓ کو) تمام حالات ایک ایک کرکے بیان فرمائے۔ وہ آپ کو لے کر گھر آگئیں اور گھر والوں سے کہا کہ یہ فرزند کسی دن ضایع ہوجائے گا۔ میں انھیں مکے لے جاتی ہوں کیوں کہ ان فرزند سے روزانہ عجیب وغریب واقعات ظاہر ہوتے ہیں۔ قطعہ:

غرایب می کند ایں نارسیدہ
کہ جائے او رسیدہ نارسیدہ

ہدایت ایں چنیں ست تا نہایت
چہ خواہد کرد ایں بر نارسیدہ

(اس نابالغ فرزند سے خلافِ عادت باتیں ظہور میں آتی۔ یہ جس مقام پر پہنچ چکا ہے اس تک رسائی ناممکن ہے اگر الٰہی فیصلہ یہی ہے تو یہ کچا پھل (نابالغ فرزند) پک جائے گا (جوان ہوگا) تو کیسے کیسے اعجاز ظاہر ہوں گے)

مورخ واقدی نے تحریر کیا ہے کہ جب رسول علیہ السلام آٹھ سال کے تھے تو (آپ ﷺ کے دادا) عبدالمطلب نے وفات پائی۔ انہوں نے اپنی وفات کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابو طالب کے سپرد کیا۔ ابو طالب کو آپ ﷺ سے بے حد محبت تھی۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش و پرداخت میں بہت زیادہ سعی کی۔ جب آپ ﷺ کی عمر شریف بارہ سال ہوئی تو ابو طالب آپ ﷺ کو اپنے ساتھ لے کر شام کے سفر پر روانہ ہوئے۔ وہ صحرا سے راستہ طے کر کے بصُری پہنچے۔ بحیرہ راہب نے جو راہبوں کا رہنما اور نبوت کی نشانیوں کا عالم تھا اور اس نے بہت سے بت پرستوں کو اپنے دین میں داخل کیا تھا، ابو طالب سے کہا کہ یہ فرزند پیغمبر آخرالزماں ہے۔ بعد ازاں اس نے ابو طالب اور تمام اہلِ قافلہ کی دعوت کی اور کھانے کے لیے بلایا۔ جب دسترخوان بچھایا تو بحیرہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو موجود نہ پایا۔ اس نے کہا جس مہمان کی میزبانی منظور تھی اُن کو بلایا ہی نہیں ہے۔ اس نے لوگوں سے دریافت کیا کیا کوئی شخص رہ گیا ہے جو دسترخوان پر نہیں آیا۔ انھوں نے جواب دیا کہ سب آ گئے ہیں البتہ ابو طالب کے بھتیجے نہیں ہیں۔ راہب نے کہا میں انھی کا طالب ہوں انھیں بلاؤ۔ جب باہر آیا (تو دیکھا کہ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم دھوپ میں تشریف فرما ہیں اور ابر کا ایک ٹکڑا آپ ﷺ پر سایہ کیے ہوئے ہے۔ بحیرہ نے کہا لوگو! دیکھو یہ نبوت کی سچی نشانی ہے اور عیسیٰ علیہ السلام نے جس آخری نبی کے آنے کی بشارت دی تھی وہ آپ ﷺ ہی ہیں۔ ابیات:

اگرچہ ابر زیرِ آفتاب ست
چہ ابرش ایں کہ بالائے سحاب ست

(اگرچہ (فطرت کے قاعدے سے) ابر آفتاب کے نیچے ہوتا ہے لیکن آپ ﷺ (کی ذات) کا سایہ بادلوں سے بلند تر ہے)۔

بہیں آں ابروُے ابرِ سیار[1]
کہ بر سری کند دُر باش سیار

---

[1] مطبوعہ نسخے (ص ۲۷۳) پر یہ شعر اس طرح نقل ہوا ہے۔

بہیں آں ابرؤ ابر فرق سیّار
کہ بر سری کند درباش سیّار

مترجم نے قیاسی تصحیح کر کے ترجمہ کیا ہے تا کہ قابلِ فہم مفہوم برآمد ہو سکے۔ مطبوعہ نسخے میں پہلا مصرعہ بے وزن ہو گیا ہے

(اس گردش کرنے والے ابر کی آبرو کو دیکھو جو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرقِ مبارک سے (دھوپ کو ہٹانے کے لیے دُور باشی کا فرض انجام دیتا ہے)

تیسرا شرف۔ ولادت مبارکہ کے بعد بعض حالات کا ذکر

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادتِ مبارکہ کے بعد واقعات کی تفصیل بیان کرنے کے لیے بہت سی تصانیف کی ضرورت ہے بلکہ دفاترِ زمانہ بھی ناکافی ہیں۔ اشعار:

چناں سر برزد آثارِ نبوت
ز بعدِ زادنِ آں بحرِ اسرار

(اس بحرِ اسرار (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ولادت کے بعد نبوت کی اتنی زیادہ نشانیاں ظاہر ہوئیں)

وگر دریا مدادو چوب اقلام
بود کاغذ ہمہ اوراقِ اشجار

(کہ اگر سمندر لکھنے کی روشنائی ہوجائیں اور تمام درختوں کی لکڑیاں قلم اور پتے کاغذ بن جائیں)

قلم زن گر بود از جنسِ اخلاق
بہ پایاں ناید آں ارقامِ آثار

(اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق تحریر کیے جائیں تو تمام وکمال ضبطِ تحریر میں نہ آسکیں)

کتاب ''خلاصۃ الا برار'' میں بیان کیا گیا ہے کہ آں حضرت علیہ السلام، حضرت خدیجہؓ سے نکاح سے قبل، ان کے غلام میسرہ کے ہمراہ بغرضِ تجارت مکے سے شام روانہ ہوئے۔ جس وقت شام میں داخل ہوئے تو آپ ﷺ نے ایک درخت کے سایے میں جو ایک راہب کے عبادت خانے کے قریب تھا قیام فرمایا۔ اس راہب نے گرجا کی کھڑکی سے میسرہ کی جانب دیکھا اور دریافت کیا کہ یہ صاحب کون ہیں؟ میسرہ نے اسے جواب دیا کہ یہ صاحب قبیلۂ قریش سے ہیں اور حرم کے رہنے والے ہیں۔ راہب نے کہا کہ اس درخت کے نیچے سوائے نبی کے کوئی قیام نہیں کرتا۔

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا مال فروخت کیا اور وہ چیزیں جو منظور تھیں وہاں سے خریدیں۔ تمام اسباب (اونٹوں پر) لادا اور مکۂ معظّمہ واپس ہوئے۔ (واپسی پر) میسرہ نے بتایا کہ جس وقت دوپہر کی سخت گرمی ہوتی تھی تو دو فرشتے نازل ہوتے تھے اور آپ پر گرمی سے بچانے کے لیے سایہ کرتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اونٹ پر سفر جاری رکھتے تھے۔ جب مکہ معظّمہ میں تشریف لائے تو حضرت خدیجہؓ نے وہ چیزیں جو آپ (شام سے) لائے تھے

فروخت کردیں، اس سے دوگنا یا اس کے قریب نفع ہوا۔

میسرہ نے حضرت خدیجہؓ کو راہب سے اپنی گفتگو اور فرشتوں کے سایہ کرنے کے بارے میں بتایا۔ جب آپ ﷺ حضرت خدیجہؓ کے پاس تشریف لائے تو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا، اے ابن عم! آپ کے بارے میں لوگوں کے نیک گمان نیز میرے قریب ہونے کے سبب مجھے آپ سے رغبت ہوگئی ہے۔ آپ کا اپنی قوم میں شریف ہونا، امین ہونا، صاحبِ خلق ہونا، اور قول میں صادق ہونا (بھی اس رغبت کا) سبب ہے۔ پھر حضرت خدیجہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنا نفس پیش کیا (نکاح کا پیغام دیا)۔ حضرت خدیجہؓ کو نسبت شریف کا یقین تھا۔ اُس عہد میں وہ بہ اعتبارِ نسبت افضل اور بہ اعتبار شرف عظیم تھیں۔ مالِ کثیر کی مالک تھیں اور اُن کی قوم کا ہر شخص ان امور کے باعث اُن کا حریص تھا۔

حضرت خدیجہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کہا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ذکر اپنے چچاؤں سے کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ خویلد بن اسد کے مکان پر گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حضرت خدیجہؓ کو پیغام نکاح دیا جسے خویلد بن اسد نے قبول کرلیا۔ اس کے بعد ابو طالب شرفائے شہر کے ساتھ آئے اور خطبۂ نکاح پڑھا:

''تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ثابت ہیں، جس نے ہمیں ابراہیمؑ واسمٰعیلؑ کی اولاد میں پیدا کیا اور ہمیں اپنے گھر کی نگہبانی اور حرم کے انتظام کا شرف بخشا۔ اس نے خانۂ کعبہ کو امن کی جگہ قرار دیا اور ہمیں لوگوں پر حاکم بنایا۔

بے شک میرے بھتیجے محمد ﷺ بن عبداللہ سب لوگوں سے وزن میں زیادہ ہیں یعنی اگرچہ محمد ﷺ تھوڑا مال رکھتے ہیں جو آتا جاتا سایہ ہے لیکن نبی خزاعہ سے تمام وکمال قرابت رکھتے ہیں۔ تحقیق کہ خدیجہ بنت خویلد نے نکاح کا پیغام دیا اور ان کے لیے، ان کے مال میں سے اتنا اور اتنا مہر مقرر کیا۔ پس خدا کی قسم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اعلیٰ خصائل اور شرف کے حامل ہیں، انھوں نے خدیجہؓ کو اپنے حبالۂ نکاح میں لیا۔''

اس وقت (نکاح کے وقت) آں حضرت علیہ السلام کی عمر شریف پچیس سال دو ماہ اور دس دن تھی اور خدیجہؓ اٹھائیس سال کی تھیں۔ روایتوں میں آیا ہے کہ تحقیق آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہؓ کو بارہ اوقیہ[1] سونا مہر ادا کیا۔ حضرت خدیجہؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نبوت سے قبل پندرہ سال اور ہجرت سے تین سال قبل تک رہیں اس کے بعد ان کی وفات ہوئی۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف انچاس سال آٹھ ماہ تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے

[1] ایک اوقیہ چالیس درم وزن کا ہوتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں فرہنگ عامرہ مصنفہ محمد عبداللہ خویشگی۔

خاص مصاحب حضرت صدیقؓ تھے۔ روایت کیا گیا ہے، تحقیق آدم علیہ السلام نے کہا کہ ''میں قیامت میں تمام انسانوں کا سردار ہوں گا لیکن میری اولاد میں سے ایک ہستی ایسی ہے جو مجھ سے افضل ہے۔ اس کی بیوی اس کے دین میں اس کی مدد گار ہوگی۔ میری بیوی نے میری خیانت کی اور اس امر میں میری مددگار بنی۔ اللہ تعالیٰ نے، اس (حضور صلی اللہ علیہ وسلم) کے شیطان پر اس کی مدد کی۔ میرا شیطان انکاری رہا۔'' روایتوں میں آیا ہے کہ عورتوں میں سب سے پہلے حضرت خدیجہؓ اسلام لائیں، مردوں میں حضرت ابوبکرؓ اور لڑکوں میں حضرت علیؓ بن ابی طالب سب سے پہلے ایمان لائے۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا مجھے اس امر کا حکم دیا گیا کہ میں خدیجہؓ کو بشارت دوں جنت کے مکانوں میں سے اس مکان کی جو نہایت وسیع بنایا گیا ہے اور جس میں نہ شور وشغب ہوگا نہ تکلیف ہوگی۔ (ایک مرتبہ) جبریلؑ نبی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضرت خدیجہؓ کو اُن کے رب کا سلام کہیں پس حضور علیہ السلام نے فرمایا، اے خدیجہ یہ جبریل علیہ السلام ہیں اور تمھیں سلام پہنچاتے ہیں۔

رسول علیہ السلام جب پینتیس سال کی عمر کو پہنچے تو کعبے کی بنیاد بلند کی گئیں اور قریش اس بات پر رضا مند ہوگئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے حکم ہوں گے۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم چالیس سال کے ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بشیر ونذیر بنا کر مبعوث کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس غارِ حرا میں جو مکے کے ایک پہاڑ میں ہے جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس غار میں چند راتیں عبادت میں بسر فرماتے تھے۔ سو جبریل علیہ السلام نے کہا، اقرا (پڑھیے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں نہیں پڑھتا۔ اس کے بعد جبریلؑ نے کہا، اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ ۚ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۚ اِقْرَاْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ ۙ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۙ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ ؕ[1] پس رسول اللہ علیہ السلام مع ان آیات کے اس حالت میں واپس آئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب، گوشت اور پیٹھ لرز رہے تھے۔ جب گھر میں داخل ہوئے تو فرمایا مجھے کپڑوں میں لپیٹ دو پس آپ کو لپیٹ دیا حتیٰ کہ آپ ﷺ کا اضطراب وخوف جاتا رہا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا اے خدیجہ! اس کے بعد آپ ﷺ نے اپنی سرگزشت انھیں سنائی اور فرمایا مجھے اپنی جان کا خوف ہے۔ حضرت خدیجہؓ نے تسلی دی اور کہا کہ آپ ﷺ کو بشارت ہو۔ تحقیق اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی رسوا نہ کرے گا۔ بے شک آپ ﷺ صلہ رحمی فرماتے ہیں، جو دوسروں کے لیے بوجھ ہیں ان کا بار اٹھاتے ہیں، یتیموں اور غریبوں کی پرورش کرتے ہیں، مفلسوں کو مال صدقہ کرتے ہیں، اپنے مہمانوں کے لیے کھانا تیار کراتے ہیں یعنی مہمان نواز ہیں اور اپنوں کی مدد فرماتے ہیں۔

پس حضرت خدیجہؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔ انھوں نے زمانہ

---

[1] پارہ ۳۰، سورہ العلق، آیات: ۱ تا ۵ (ترجمہ: اے محبوب! پڑھیے اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا۔ خون بستہ سے انسان کو بنایا۔ آپ پڑھیں اور آپ کا رب ہی سب سے زیادہ کریم ہے۔ جس نے قلم سے (لکھنا) سکھایا۔ انسان کو سکھایا جو (وہ) نہ جانتا تھا)۔

جاہلیت میں عیسائی مذہب قبول کرلیا تھا۔ وہ کافی عمر کے تھے اور نابینا تھے۔ سو حضرت خدیجہؓ نے فرمایا، اے ابن عم اپنے بھتیجے کا واقعہ سنو، چنانچہ ورقہ نے آپ ﷺ سے دریافت کیا کہ اے بھتیجے! آپ ﷺ پر کیا واقعہ گزرا؟ حضور ﷺ نے جو واقعہ گزرا تھا بیان فرمایا۔ ورقہ نے کہا کہ یہ وہی ناموس یعنی جبریل ہے جو حضرت موسیٰ (علیہ السلام) پر نازل ہوتا تھا۔ کاش میں اُس زمانۂ نبوت میں تنومند جوان ہوتا اور کاش میں اُس زمانے تک زندہ رہتا جب قوم آپ کو وطن سے نکالے گی۔ رسول علیہ السلام نے دریافت فرمایا، کیا لوگ مجھے وطن سے باہر نکالیں گے، ورقہ نے کہا ہاں۔ کوئی نبی ایسی ہدایت نہیں لایا جیسی آپ لائیں گے لیکن آپ سے دشمنی کی جائے گی۔ اگر میں اس وقت تک زندہ رہتا جب آپ نبوت کا دعویٰ فرمائیں گے تو آپ کی مدد کرتا اور مدد بھی بہت زیادہ۔ بعد ازاں ورقہ بن نوفل زیادہ عرصے زندہ نہ رہے اور انتقال کر گئے۔

(بعد ازاں) وحی کافی عرصے بند رہی، حتیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم غمگین ہوگئے۔ اس روایت میں کہ ''ہمیں غمگین ہونا حاصل ہوا'' سے مراد یہی ہے کہ غمگین ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار ارادہ فرمایا کہ خود کو پہاڑوں کی چوٹیوں سے نیچے گرادیں، چنانچہ جب کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود کو پہاڑ سے نیچے گرانے کے لیے تشریف لے جاتے تو جبریل علیہ السلام ظاہر ہوتے اور عرض کرتے یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ بے شک اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔ بہر حال وحی لمبے عرصے تک بند رہی۔

آخر وحی نازل ہوئی، چنانچہ جبریل علیہ السلام مثل سابق نمودار ہوئے اور مثل سابق وحی نازل کی۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے امر کی تکمیل کی۔ جب وحی کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم واپس ہوئے تو جس پتھر اور درخت یا خار دار جھاڑی کے پاس سے گزرتے تو وہ عرض کرتا ''السلام علیک یا رسول اللہ''۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس رات میری بعثت ہوئی میں مکے میں تھا، بے شک پتھر مجھے سلام کرتے تھے اور میں اُن پتھروں سے واقف ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ربیع الاوّل کے آٹھ یوم گزرنے کے بعد پیر کے روز مبعوث کیا گیا۔☆ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق صاف صاف رسالت کی تبلیغ کی اور نصیحت فرمائی چنانچہ (اس دعوت پر) قوم نے بہت واویلا مچایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو محصور کردیا۔ جس وقت آپ ﷺ اس حصار سے نکلے تو آپ ﷺ کی عمر شریف انچاس سال، آٹھ ماہ اکیس روز تھی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابو طالب نے وفات پائی اور تین دن کے بعد حضرت خدیجہؓ کی وفات ہوئی۔ جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پچاس سال تین ماہ کی عمر کو پہنچے تو مقام نصیبین کے جن آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا۔ بعد ازاں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف اکیاون سال نو ماہ تھی تو مقام ابراہیم سے بیت المقدس تشریف

☆مشہور احادیث صحیحہ اور آیات قرآنی سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عالمِ ارواح میں سب سے پہلے نور سے تخلیق ہونا اور نبی ورسول ہونا ثابت ہے۔ یہاں بعثت سے مراد نزولِ وحی ہے۔ (ناصر الدین)

لے گئے، جہاں آپ ﷺ کا سینۂ مبارک چاک کیا گیا اور آپ ﷺ کے قلب مبارک کو آبِ زم زم سے دھویا گیا پھر قلب مبارک کو ایمان وحکمت سے معمور کیا گیا۔ پھر براق لایا گیا چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر سوار ہوئے اور آسمان کی بلندی کی جانب روانہ ہوئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تحقیق کہ میں نے آسمان اوّل پر آدم علیہ السلام سے، آسمان دوم پر عیسیٰؑ اور ان کے بھانجے یحییٰ علیہم السلام سے، آسمانِ سوم پر یوسف علیہ السلام سے، آسمان چہارم پر ادریس علیہ السلام سے، آسمان پنجم پر ہارون علیہ السلام سے، آسمان ششم پر موسیٰ علیہ السلام سے، اور آسمان ہفتم پر ابراہیم علیہ السلام سے، جو بیت معمور سے پشت لگائے ہوئے تھے، ملاقات کی۔ (معراج شریف میں) حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ ﷺ کی امت پر پانچ وقت کی نمازیں فرض ہوئیں۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف ترپین سال ہوئی تو آپ ﷺ نے مکہ معظّمہ سے مدینہ طیبہ ہجرت فرمائی۔ یہ واقعہ ماہ ربیع الاوّل کے آٹھ یوم گزرنے کے بعد بروز پیر ہوا، اور پیر ہی کے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینۂ طیبہ میں داخل ہوئے۔ اعلانِ نبوت کے بعد (مکہ معظّمہ میں) آپ ﷺ کا قیام تیرہ سال رہا۔ (مکہ معظّمہ میں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم (دین کی تبلیغ کے لیے) لوگوں کے گھروں پر، عکاظ اور مجنہ کے بازاروں میں نیز حج وعمرے کے زمانے میں لوگوں کے پاس آتے جاتے تھے اور فرماتے تھے:

''وہ کون ہے جو میرے رب کے پیغام کو پہنچانے کے لیے میری مدد کرے اور اس کے بدلے میں جنت کا حق دار بنے۔''

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم تبلیغِ دین کے لیے لوگوں کے گھروں پر جاتے تھے تو لوگ آپ ﷺ کی جانب انگلیاں اٹھا اٹھا کر اشارہ کرتے تھے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے (مدینے کے) انصار کو آپ کی خدمت میں پہنچایا، سو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے۔ ان میں ہر وہ شخص، جو اسلام لایا تھا جب اپنے اہل وعیال میں واپس آیا تو اس کی باتیں سن کر اہل وعیال بھی اسلام لے آئے یہاں تک کہ انصار کے گھروں میں ایسا کوئی گھر باقی نہیں رہا جو مسلمان نہ ہوگیا ہو۔ انہوں نے اپنا اسلام ظاہر کردیا اُس زمانے میں بیت المقدس کی طرف رخ کرکے نماز پڑھتے تھے اور خانۂ کعبہ کو پیٹھ نہ دیتے تھے بلکہ اس کو بھی اپنے سامنے رکھ کر نماز ادا کرتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینۂ طیبہ میں تشریف لانے کے بعد سترہ یا سولہ ماہ تک بیت المقدس کی طرف رخ کرکے نماز ادا کی جاتی رہی۔

جب حضور علیہ السلام نے (مکے سے) ہجرت فرمائی تو حضرت ابوبکر صدیق ؓ اور اُن کا غلام عامر بن فہیرہ آپ ﷺ کے ہمراہ تھے اور عبداللہ بن الارتقط رہبر تھا۔ یہ عبداللہ بن الارتقط کافر تھا (تاریخ میں) اس کا اسلام لانا ثابت نہیں ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے بیان کیا کہ ہم رات سے صبح تک اور صبح سے آفتاب قائم ہونے یعنی دوپہر تک سفر کرتے تھے، پھر راستہ بند ہوجاتا اور کوئی شخص وہاں سے نہیں گزرتا تھا۔ میں نے ایک چٹان دیکھی جس کے نیچے سایہ تھا اور وہ جگہ ابھی گرم نہ ہوئی

تھی، چنانچہ میں نے رسول علیہ السلام کے لیے وہ جگہ درست اور صاف کی۔ میرے پاس ایک جھاڑو تھی۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ میں آپ ﷺ کے لیے آپ ﷺ کے گرد اگرد جھاڑو دیتا ہوں۔ پس میں باہر نکلا۔ یکا یک میری نظر ایک چرواہے پر پڑی کہ وہ سایہ دار چٹان کی طرف آ رہا ہے اس کا ارادہ بھی میرے ارادے کی طرح تھا یعنی چٹان کے سائے میں بیٹھنا۔ میں نے اس سے دریافت کیا، اے چرواہے! تمھارا تعلق کس جگہ سے ہے۔ اس نے جواب دیا کہ میں اہل مدینہ سے ہوں۔ میں نے دریافت کیا کہ کیا تمھارے گلے کی بکریوں سے دودھ حاصل ہوسکتا ہے۔ اس نے کہا ہاں۔ حضرت ابوبکرؓ نے بیان فرمایا کہ اس کے بعد وہ چرواہا ایک بکری لایا۔ میں نے بیٹھ کر اس کے تھنوں کو صاف کیا پھر چرواہے کے برتن میں دودھ دوہا۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا بعدازاں میں نے دودھ کو ٹھنڈا کرنے کے لیے پانی ملایا اور رسول علیہ السلام کو نیند سے جگانا پسند نہیں کیا حضرت ابوبکرؓ نے بیان کیا کہ میں حضور ﷺ کے بیدار ہونے تک دودھ کا برتن لیے کھڑا رہا (جب آپ ﷺ بیدار ہوئے تو) میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ نوش فرمائیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا میں نہیں پیوں گا جب تک کہ تم راضی نہ ہوجاؤ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا، جان لیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے ہجرت کو لازم کیا ہے۔

حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا جی ہاں۔ اس کے بعد ہم نے سفر کے لیے کوچ کیا۔ ہم راستے میں تھے کہ سراقہ بن مالک بن جعشم (ہمارے تعقب میں) آ گیا۔ حضرت ابوبکرؓ (سراقہ کو دیکھ کر) رونے لگے اور عرض کیا کہ سراقہ ہمیں تلاش کرنے اور گرفتار کرنے کے لیے آ گیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، وہ ہم تک ہرگز نہیں پہنچ سکتا اور سراقہ کے لیے دعا کی، سو اُس کا گھوڑا پیٹ تک زمین میں دھنس گیا۔ اس نے عرض کی بے شک آپ ﷺ نے دعا فرمائی ہے، اب دعا فرمائیں کہ میں (اس مصیبت سے) نجات پاؤں۔ اس کے بدلے میں میں کفار مکہ کو واپس لوٹا دوں گا جو آپ کو پکڑنے کے لیے میرے پیچھے آ رہے ہیں اور آپ ﷺ کے بارے میں میں کسی کو مطلع نہ کروں گا۔ پس حضور علیہ السلام اور ابوبکرؓ دونوں نے سراقہ کے لیے دعا کی اور وہ واپس لوٹ گیا اور اپنے عہد پر قائم رہا۔ اس نے لوگوں کو بھی راستے سے لوٹا دیا۔ روایتوں میں آیا ہے کہ بے شک سراقہ نے عرض کیا کہ یہ میرا ترکش ہے سو آپ ﷺ بطور نشانی اپنے پاس رکھ لیں۔ راستے میں فلاں مقام پر آپ ﷺ کو میرے اہل وعیال ملیں گے۔ آپ ﷺ انھیں یہ نشانی دکھا کر جو کچھ ضرورت ہو پوری فرمالیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہمیں اس کی کوئی حاجت نہیں ہے۔

راستے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ام معبد کے خیمے پر ہوا جو قوم خزاعہ سے تھی۔ یہ خاتون خیمے کے صحن میں بیٹھتی تھی اور مسافروں کو پانی پلاتی اور کھانا کھلاتی تھی، چنانچہ حضور علیہ السلام کھجور اور گوشت خریدنے کے لیے اس کے پاس گئے لیکن ام معبد کے پاس نہ کھجور تھی اور نہ گوشت تھا۔ وہ مشرکین میں سے تھی۔ بعدازاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے خیمے کے قریب ایک بکری دیکھی اور ام معبد سے اس کی کیفیت دریافت فرمائی، ام معبد نے جواب دیا کہ یہ وہ بکری

ہے جوضعف وناتوانی کے سبب گلے کے پیچھے رہ گئی تھی۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا، یہ دودھ دیتی ہے، ام معبد نے عرض کیا کہ یہ قوت سے زیادہ بوجھ ہوگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگرتم اجازت دوتو ہم اسے دوہیں۔ اس نے عرض کیا میرا باپ اور میری ماں آپ ﷺ پر فدا ہوں اگر دوہنا مناسب ہے تو آپ کو اجازت ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بکری کے لیے دعا کی۔ اپنے دست مبارک سے اس بکری کے تھنوں کا مسح کیا اور زبان مبارک سے بسم اللہ پڑھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ام معبد کی بکریوں کے لیے دعا فرمائی چنانچہ وہ کثرت سے شیر دار ہوگئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک برتن طلب فرمایا جو جماعت کے لیے کافی تھا۔ دوسری مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ دوہا اور جماعت کو پلایا وہ شکم سیر ہوگئی۔

پھر دوستوں کو پلایا حتیٰ کہ وہ سیر ہوگئے بعد ازاں خودنوش فرمایا۔ تیسری بار دوہا اور برتن لبالب ہوگیا تو (اسے ام معبد کے لیے چھوڑ کر) سفر پر روانہ ہوگئے۔ دوران سفر ایک آواز سنائی دی۔ آواز مکۂ معظمہ سے آرہی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے سماعت فرمارہے تھے لیکن یہ نہ جان سکے کہ کہنے والا کون ہے؟ وہ کہہ رہا تھا، شعر:[1]

جزی اللہ رب الناس خیر جزائهٗ
رفیقینِ حلاّ خیمتی اُم معبدِ

ترجمہ: اللہ جو لوگوں کا پروردگار ہے، وہ اچھا بدلہ دے ان دو دوستوں کو جو ام معبد کے خیمے میں اترے۔

هما نزلا بالبر ثم تروّحا
فا فلح من امسیٰ رفیق محمد ﷺ

ترجمہ: وہ دونوں نیکی اور بھلائی کے ساتھ وہاں اترے پھر وہاں سے چلے گئے سو کامیاب رہا جو محمد ﷺ کا دوست اور رفیق ہوا۔

لیهن بنی کعبِ مقام فنا ئهم
وَمقعدها للمومنین مرصد

ترجمہ: بنو کعب (بن لوی یعنی قریش مکہ) اپنے صحن اور مسکن میں مؤمنین کا انتظار کررہے تھے۔

فیالِ قصیً مازوی اللہ عنکم
به من فعالِ لا یجازی وسودد

ترجمہ: پس اے قصی کے خاندان والو! اللہ تم کو ایسے کام سے روکے جو سرداری اور شرافت کے ساتھ نہ چل سکے۔

---

[1] مطبوعہ نسخے کے صفحہ ۲۷۹ پر اس شعر سمیت چھ اشعار نقل کیے گئے ہیں۔ ہر مصرع غلط تحریر ہوا ہے۔ مترجم نے پروفیسر علی محسن صدیقی کی رہنمائی میں ابن ہشام کی ''السیرۃ النبویہ'' مع ''الروض الانف'' مصنفہ سھیلی سے تمام اشعار کو نقل کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں ابن ہشام ص ۵ نیز سھیلی ص ۷ مطبوعہ فاروقیہ ملتان ۱۳۸۷ھ مترجم پروفیسر علی محسن صدیقی صاحب کا بے حد ممنون ہے کہ ان کی عنایت سے صحیح متن قارئین تک پہنچا۔

سلوا اُختکم عن شاتها وانائها

فانکم ان تسئلوا الشاة تشهد

ترجمہ: تم (آلِ قصی) اپنی بہن (ام معبد) سے اس بکری اور برتن کے بارے میں پوچھو اور اگر تم بکری سے پوچھو گے تو وہ بھی گواہی دے گی۔

دعا ها بشاةٍ حائلٍ فتحلّبت

له بصریحٍ ضرة الشاة مزبد

ترجمہ: (محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے) اس (ام معبد) سے ایک جوان غیر حاملہ بکری مانگی اور اس کے تھن کو دوہا جس سے ڈھیر سا دودھ نکلا جو جھاگ مار رہا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (مکۂ معظمہ میں) تھے۔ جب آپ ﷺ مکے سے باہر نکلے (تو پہرہ داروں کی نگاہ سے) پوشیدہ ہوگئے۔ حضرت ابوبکرؓ کا بیان ہے کہ مکے کے پہاڑوں کے ایک پہاڑ میں غار ہے جسے غارِ ثور کہا جاتا ہے، میں نے مشرکین کے قدم دیکھے اور ہم غار میں تھے۔ مشرکین ہمارے سروں پر تھے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر یہ لوگ اپنے پیروں کی طرف نیچے نگاہ کریں تو ہمیں دیکھ لیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا، اے ابوبکرؓ تم کیا گمان کرتے ہو، اُن دو شخصوں کے ساتھ تیسرا اُن کا خدا ہے۔ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینۂ طیبہ میں داخل ہوئے تو انصار مدینہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام کے بارے میں آپس میں جھگڑنے لگے۔ (ہر شخص چاہتا تھا کہ آپ ﷺ اس کے گھر میں قیام فرمائیں)۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، نبی کے لیے عبدالمطلب کے بھائیوں کے ہاں قیام کرنے میں کوئی خوف نہیں ہے، جنھوں نے اس طرح تعظیم کی۔ (اس وقت یہ منظر تھا کہ) مرد اور عورتیں اپنے مکانوں کی چھتوں پر چڑھ گئے۔ بچے اور لڑکے مدینے کی گلیوں میں پھیل گئے اور سب بلند آواز سے کہہ رہے تھے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے۔

چوتھا شرف۔ آپ ﷺ کا کفار سے جہاد کرنے اور آپ کی حفاظت کرنے والوں کے ناموں کا بیان

حضرت قدوۃ الکبراؒ نے فرمایا کہ جملہ مشہور غزوات کی تعداد بائیس ہے۔ بعض دوسرے نامور عالم اس سے زیادہ بھی بتاتے ہیں۔ کشاف[1] میں سورۂ انفال کی تفسیر میں بیان کیا گیا ہے کہ قریش کے سردار ابوسفیان، عمرو عاص اور ہشام چالیس

[1] کشاف۔ یہ قرآن حکیم کی تفسیر ہے۔ اس کے مصنف جار اللہ زمخشری تھے۔ ملاحظہ فرمائیں ’’فوائد الفواد (اردو ترجمہ) از محمد سرور جامعی لاہور ۱۹۸۰ء (طبع دوم) ص ۲۳۴۔

سواروں اور پیادوں کی ایک جماعت کے ساتھ ملک شام سے واپس ہوتے ہوئے نہاوند کے نواح میں پہنچے۔ معرکۂ روزگار کے رستم اور مجادلۂ جنگ کے گستہم (صلی اللہ علیہ وسلم) کو (ان کے سفر کی) خبر ملی تو انصار اور مہاجرین کے ساتھ تجارتی قافلے پر حملہ کرنے کے لیے مدینے سے باہر نکلے۔ جب ابوجہل کو اس کی اطلاع ملی تو کعبے شریف کی چھت سے پکارا۔ اے قریش کے جنگی پہلوانو اور بے دھڑک جنگ کرنے والو! جمع ہو جاؤ اور جلدی کرو کہ اسلامی فوج کے سپہ سالار اور لشکرِ مخلوق کے سردار محمد مصطفیٰ علیہ السلام تمھارے سرداروں کے تعاقب میں ہیں۔ اسلام اور دین کے وہ سپہ سالار جو کافروں کے دین سے کینہ رکھتے ہیں اگر روکے نہ جائیں گے تو تمھیں نجات حاصل نہ ہو سکے گی۔ ایسا واقعہ دیکھنے سے تکلیف سے مرجانا بہتر ہے۔

اس واقعے سے قبل حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی بہن نے ایک خواب دیکھا تھا، گویا ایک فرشتہ تقدس اور محبت کے مقام سے زمین پر اترا ہے۔ اس کے ہاتھ میں ایک پہاڑ ہے۔ ایسا کوئی گھر نہیں بچا ہے جس پر اس پہاڑ سے پتھروں کی بارش نہ ہوئی ہو۔ حضرت عباسؓ اس خواب کی تعبیر سمجھ گئے تھے انہوں نے قتل وخوں ریزی سے منع بھی فرمایا لیکن ابوجہل نے اُن کی ایک نہ سنی اور قریش کے ڈیڑھ ہزار سوار اور پیادے جنگجویوں کا لشکر لے کر مکۂ معظّمہ سے باہر نکلا۔ تجارتی قافلے کے پیشوا نے بدر میں پڑاؤ کیا۔

جبریل علیہ السلام حضرت کرام صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور وحی لائے اور کہا، **ان الله وعدک احد الطائفتین** یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ سے ان دو گروہوں میں سے ایک کا وعدہ کیا ہے۔ خواہ آپ تجارتی قافلے پر حملہ فرمائیں، خواہ اہل قریش سے جنگ کریں کہ انھوں نے بدر میں پڑاؤ کیا ہے، بہر حال فتح آپ ﷺ کی ہے۔ حضرت رسول علیہ السلام نے چاہا کہ قافلے کو ترک کریں اور اہل قریش سے جنگ کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بارے میں صحابہؓ سے مشورہ کیا تو انہوں نے کفارِ قریش سے جنگ کرنا دشوار بتایا اور تجارتی قافلے پر حملہ کرنا پسند کیا۔ جیسے کہ آیۂ کریمہ میں آیا ہے۔ **وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ**[1] انصار سمجھ گئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد اہل قریش ہیں نہ کہ قافلہ۔ سعد بن معاذؓ خوش ہوئے اور کھڑے ہو کر عرض کیا۔ اے آقا! ہم قومِ موسیٰ علیہ السلام کی مانند نہیں ہیں جو یہ کہیں کہ **فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ**[2] (پس تم جاؤ اور تمھارا رب۔ تم دونوں (ہی) اُن سے لڑو ہم تو یہیں بیٹھے ہیں)۔ بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ آپ چلیں ہم آپ ﷺ کے ساتھ ہیں، اگر آپ ﷺ سمندر کا رخ فرمائیں گے ہم آپ کے ساتھ موجود ہوں گے اور اگر آپ ﷺ پہاڑ پر چڑھیں گے تو ہم بھی آپ ﷺ کے ساتھ چڑھیں گے۔ سیدِ عالم علیہ السلام نے یہ بات ظاہر ہونے پر اپنا رخ اہل قریش

۱۔ پارہ ۹۔ سورہ الانفال، آیت ۷۔ (ترجمہ: اے مسلمانو یاد کرو) جب اللہ نے تم سے وعدہ فرمایا کہ دو گروہوں میں سے ایک گروہ یقیناً تمھارے لیے ہے اور تم چاہتے تھے کہ غیر مسلح (کمزور) گروہ تمھارے ہاتھ لگے۔

۲۔ پارہ ٦۔ سورہ المائدہ۔ آیت ۲۴۔

(کے لشکر) کی جانب کیا اور فرمایا کہ فتح ہماری ہے تم اپنی آنکھوں سے دیکھو گے کہ بدر میں فلاں جگہ ابو جہل قتل ہوگا، فلاں جگہ شیبہ کا سر کاٹیں گے۔ فلاں مقام پر ولید عتبہ کو ٹکڑے ٹکڑے کریں گے اور دوسری جگہ عمرو ہشام اور امیہ بن خلف کو ٹھکانے لگائیں گے اور اس کا پیٹ چاک کریں گے۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ایک کے قتل ہونے کی جگہوں کی نشان دہی فرمائی۔

صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین چوں کہ تجارتی قافلے پر حملہ کرنے کے خواہش مند تھے انھیں یہ باتیں دشوار معلوم ہوئیں۔ چارو ناچار باہر نکلے۔ حضرت رسول علیہ السلام تین سو پندرہ پیدل مجاہدین اور دو سو سواروں کو لے کر بدر کی جانب روانہ ہوئے۔ ابو جہل کو یہ اطلاع ملی کہ تجارتی قافلہ سمندر کے ساحل کے ساتھ ساتھ سلامتی سے گزر گیا۔ قریش چاہتے تھے کہ اب ہم بھی مکے واپس لوٹ جائیں لیکن ابو جہل نے قسم کھائی کہ میں واپس نہیں جاؤں گا جب تک یہاں میز بانی نہ کروں، اونٹوں کو ذبح نہ کروں اور ایک ساتھ بزمِ عیش میں نہ بیٹھوں۔ ایک ساتھ رقص کا تماشا نہ دیکھ لوں یہاں تک کہ تمام عرب اور محمد علیہ السلام ہمارے باہر نکلنے کی خبر نہ سن لیں۔ کفار تو ان باتوں میں مشغول تھے اُدھر سید عالم علیہ السلام ان سے نو فرسنگ کے فاصلے پر میدان بدر میں تشریف فرما ہوئے اور میدان میں لڑائی کی ایسی جگہ منتخب فرمائی جہاں پانی نہ تھا۔ مثنوی:

بجائے گرفتند جائے نبرد
کہ گرمی زمردم بر آورد گرد

ترجمہ: (بدر کے میدان میں) لڑنے کی جگہ ایسے مقام کو حاصل کیا کہ گرمی نے لوگوں کے غم کو باہر نکال لیا۔

زمینے زگو گرد بے آب تر
ہوائے زدوزخ جگر تاب تر

ترجمہ: ایسی زمین تھی کہ گندھک سے زیادہ خشک تھی اور ہوا دوزخ سے زیادہ جگر کو جلانے والی تھی۔

نہ آبے درو سرد جز زہر ناب
نہ مہرے درو گرم جز آفتاب

ترجمہ: سوائے خالص زہر کے ٹھنڈا پانی دستیاب نہ تھا۔ آفتاب کی تپش کے سوا گرمیِ محبت ناپید تھی۔

جب[1] زمین کی خشکی اور بے آبی نظر میں آئی اور شیروں کو زہر آب کا مشاہدہ ہوا تو ناچار تیمّم کر کے نماز ادا کی اور فرضِ دین ادا کر کے شاد ماں ہوئے۔ (اُدھر) کفارِ قریش بھی اپنی کامیابی کے وہم میں مبتلا تھے۔ مثنوی:

---

[1] یہاں (ص ۲۸۱) سطر چار سے سترہ تک ضایع بدایع کی خوبیوں کے ساتھ مرصع تحریر ہے۔ کتابت کی تصحیح پر بھی کم توجہ دی گئی ہے۔ مترجم کو ترجمے میں غلطی کے امکانات کا احتمال ہے۔ لطائف اشرفی کا فوٹو اسٹیٹ نسخہ مترجم کی دسترس میں ہے اگر ترجمے میں کہیں سقم رہ گیا ہے تو مترجم معذرت خواہ ہے۔

پدیدی در آمد بہ اہلِ قریش
کہ آمد سیاہی زبیگانہ کیش

ترجمہ: اہل قریش (کے دل سے کامیابی کا بے بنیاد خیال) ایسے ظاہر ہوا جیسے بے دینوں (کے دل کی) سیاہی ظاہر ہوتی ہے۔

بدیں آمدن شادمانی شدہ
نہ شادی کہ بس کامرانی شدہ

ترجمہ: وہ اس کیفیت سے بہت شاد ماں ہوئے۔ نہ صرف شاد ماں ہوئے بلکہ خود کو کامیاب تصور کرنے لگے۔

عجب مرغے از دام من جستہ بود
خوش آورد یزداں کہ پابستہ بود

ترجمہ: عجیب پرندہ میرے جال سے چھوٹ گیا تھا۔ اچھا ہوا کہ خدا اسے لے آیا کیوں کہ پاؤں بندھا ہوا تھا۔

جب رستم آفتاب خواب گاہ مشرق سے اور گستہم عالم افروز میدانِ مشرق سے برآمد ہوا تو قریش کے لڑنے والوں نے جہاں جہاں وہ تھے پانی میں غوطے لگائے اور اُن بے دین جنگجویوں نے لڑائی کی تیاری کر لی۔

مثنوی:

چو کوہہ بر آورد گاو زمین
بروں جست شیرِ سیاہ از کمین

ترجمہ: زمین کی گائے کبڑے کی مانند نکلی اور سیاہ شیر نے اپنی گھات سے جست لگائی۔

جہاں از دلیرانِ لشکر شکن
چو انجم کشیدہ بسے انجمن

ترجمہ: دنیا نے ستاروں کی مانند لشکر شکن دلیروں سے بہت سی محفلیں سجائیں (میدان میں بہادر ستاروں کی طرح پھیل گئے)

اس اثنا میں اس شکست نصیب گمراہی کے لشکریوں اور عسکرِ جہالت کے ناموروں نے وہ قسم دہرائی کہ وہ (ابوجہل کے) خوانِ کرم اور دستر خوانِ طعام پر بیٹھیں گے اور جب تک محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کاسۂ سر سے پانی نہ پئیں گے نہیں جائیں گے (اُن سب پر اللہ کی لعنت ہو)۔ جب احباب اور صحابۂ رضوان اللہ علیہم نے یہ قسم سنی تو ان بے نصیبوں کی اس آواز سے بے حد غم زدہ ہوئے۔ اصحابؓ پانی سے محرومی کے غم، اضطراب کے وہم کے علاوہ (اس بے ہودہ قسم کے) تفکر اور تحیّر کے غم میں تھے کہ رات آ گئی اور لشکر پر نیند طاری ہوگئی۔ لشکر کے سر پر شیطانی وسوسوں اور مکر و فریب کے خوف کا ہراول

دستہ آ کھڑا ہوا۔ سب بدخوابی کی لپیٹ میں آ گئے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عمرؓ اس سے محفوظ رہے۔

جب لشکرِ فلک کے علم اور پرچم ظاہر ہوئے (یعنی صبح ہوئی) تو اصحابؓ نے اپنی حالت کے اضطراب اور خیال کی برانگیختگی کو رسول کامیاب علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ ایک جماعت جو گزشتہ شب کی بدخوابی سے پریشان ہے۔ ایسی صورت حال میں ہم کس طرح میدانِ جنگ میں اتریں گے اور کس طرح انتقام کے لیے لڑنے والوں پر غالب آئیں گے۔ میدان کی صورت یہ ہے کہ پیر زانو تک ریت میں دھنس جاتے ہیں۔

مثنوی:

زریگش امیدِ بر آب آیدم
نہ از غرق ریگ سراب آیدم

ترجمہ: میں اس کی ریت سے پانی حاصل کرنے کی امیدیں لایا تھا۔ اس لیے نہیں آیا تھا کہ ریت کے سراب میں ڈوب جاؤں۔

پیمبر ﷺ چو بشنید عرض نیاز
بدا رائے گردوں بر آورد راز

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب صحابہؓ کی عرض نیاز سنی تو آسمان کے حاکم (اللہ تعالیٰ) سے دعا کی۔

بر آورد ودست ومناجات کرد
ہمہ روئے دل سوئے حاجات کرد

ترجمہ: آپ ﷺ نے مناجات کے لیے دست دعا اٹھائے اور تمام تر توجہ قاضی الحاجات کی جانب رکھی۔

حضرت رسول ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حضور میں پانی برسانے اور صحابہؓ کے اضطراب کو دور فرمانے کے لیے دعا کی۔ ابھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک بلند تھے کہ بارانِ رحمت نے نزول فرمایا اور اللہ تعالیٰ کے کرم کا بادل برسا اور اتنا برسا کہ دردمندوں کی جان سیراب ہوگئی۔ مثنوی:

سحابِ لطف او بارید چنداں
کہ شد سیراب جانِ درد منداں

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے لطف وکرم کا بادل اتنا برسا کہ دردمندوں کی جان سیراب ہوگئی۔

چو یاراں سر بسر در آب کردند
زنارِ تشنگی سیراب خوردند

ترجمہ: تمام صحابہؓ پانی سے تر ہوگئے، تشنگی کی آگ بجھ گئی سب سیراب ہوگئے۔

اللہ تعالیٰ سے عرض نیاز کرتے ہی ابرِ کرم سے اس قدر بارش ہوئی کہ اصحابؓ نے اچھی طرح غسل کیا اور احباب کو (منھ مانگی) مراد حاصل ہوئی نیز میدان کی ریت (تری کی وجہ سے) بیٹھ گئی۔ بیت:

چو میدان لشکر بر آراستہ
شدہ ریگ از آب آراستہ

ترجمہ: بحر حال لشکر کا میدان آراستہ ہوگیا اور بارش سے میدان کی ریت بھی ہموار ہوگئی۔

ایسی صورتِ حال میں ابلیس لعین اپنے مکروفریب کی کمین گاہ سے نکلا اور سراقہ (بن جعشم) کی شکل بنا کے تین سو سواروں کے ساتھ جوزرہ پہنے ہوئے، تلوار لٹکائے ہوئے اور زہر نوش لڑنے والوں کی طرح علم اٹھائے ہوئے تھے، قریش کی مدد کے لیے نمودار ہوا۔ اس نے ابوجہل سپہ سالارِ لشکر کے زانو کا بوسہ دیا اور عرض کیا کہ میں اس روز سے آپ سے شرمندہ ہوں جس روز آپ نے مجھے حکم دیا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا تعاقب کرو مجھ سے اس معاملے میں تقصیر ہوئی۔ آج میں حاضر ہوا ہوں کہ اُس تقصیر کی معذرت اور اس حکم کی معافی طلب کروں لیکن شرط یہ ہے کہ آپ میدانِ جنگ اور لڑنے والوں کا ہراول مجھے بنائیں۔ مثنوی:

اگر سر لشکر مردانِ میداں
مرا سازید اے شیرانِ مرداں

ترجمہ: اے شیرانِ مرداں! مجھے آپ مردانِ میدان کے لشکر کا سردار مقرر کریں

بہ بینید از سرِ شمشیر تیزم
چو خونہا برسرِ میداں بریزم

ترجمہ: پھر دیکھنا کہ میں تلوار کی دھار سے زیادہ تیز ہوں اور میدان میں کس قدر خون بہاتا ہوں۔

قریش کے مغرور اور بے دین سرداروں نے سراقہ کو لشکر کے آگے رکھا اور تیز و طرار ہتھیار بند لڑنے والوں کو اس کے ہمراہ کیا۔ جب لشکر دین اور قلبِ یقین کے شیروں نے سنا کہ سراقہ کو متکبّر افواج کا پیشوا اور حراقہ کو بے ساز لشکر کا سردار مقرر کیا گیا ہے تو وہ فکر مند ہوئے کیوں کہ کفار قریش میں تلوار بازوں اور تیر اندازوں کی تعداد بے شمار تھی اور لشکرِ اسلام میں تیغ زن مجاہدین کی بے حد کمی تھی۔ اس فرق کو اندھیری رات اور چراغ یا سیاہ اندھیرے اور آنکھ کی بینائی سے تشبیہہ دی جاسکتی ہے۔ مثنوی:

سپاہاں چو شب، رومیاں چوں چراغ
کم وبیش چوں زاغ وچوں چشم زاغ

ترجمہ: فوجیں اندھیری رات اور رومی چراغ کی مانند تھیں یہ کمی اور بیشی کوّے اور کوّے کی آنکھ کی مثل تھی۔
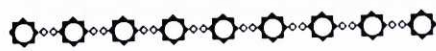
زبسیار واندک سرانِ سپاہ
بہ پروین وانجم تواں بست راہ

ترجمہ: فوجوں کی کثرت وقلت کے سبب سے پروین وانجم تک راستہ بند کیا جاسکتا تھا۔

سپاہ دین اور جنگ گاہِ یقین کے سپہ سالار نبی علیہ السلام نے جب ساتھیوں اور دل داروں کی اس فکر مندی کا مشاہدہ فرمایا تو اپنا سر مبارک گردش اور تدبیر کرنے والے آسمان کی جانب اٹھایا اور (اللہ تعالیٰ کی جناب میں) عرض کی کہ اے عاشقوں اور خستہ جانوں کے مشکل کشا! اگر آج یہ مٹھی بھر مسلمان اور قلیل اہل ایمان ہلاک ہوگئے تو ان کے بعد روئے زمین پر کوئی شخص باقی نہ رہے گا جو (خاص تیرے لیے) تیری پرستش کرے۔ مثنوی:

نماند کسی درجہاں یاد گار
کہ گوید خداوند پرور دگار

ترجمہ: دنیا میں کوئی شخص بطور یادگار باقی نہ رہے گا جو یہ کہے کہ مالک و پروردگار اللہ ہے۔

چہ مقصود داری زیں مشتِ خاک
کہ یک بار ازیناں ہر آری ہلاک

ترجمہ: اگر آپ نے ان تھوڑے سے بندوں کو ایک ہی بار ہلاک کردیا تو آپ کا مقصود کیا ہوگا۔

اسی لمحے فوجِ ملائکہ کے سالار اور رحمت نوشوں کے لشکر کے سردار یعنی جبریل، اسرافیل اور میکائیل علیہم السلام تین ہزار فرشتوں کے ساتھ آموجود ہوئے۔ ان کا لباس سفید تھا۔ وہ عمامے باندھے ہوئے تھے۔ وہ ابلق گھوڑوں اور اطلس سے مزین براقوں پر سوار تھے۔ مثنوی:

رسیدند مرغانِ لشکر شکن
نہ مرغاں کہ گُردانِ گردن شکن

ترجمہ: لشکر تہس نہس کرنے والے طائر آپہنچے۔ یہ پرندے نہ تھے گردن توڑنے والے پہلوان تھے۔

ہمائے ہوائے ظفر جبرئیل
صف آراستہ باہمہ تا دو میل

ترجمہ: جبریل علیہ السلام جو فتح مندی کی فضا کے ہما ہیں۔ وہ سب کے ساتھ دو میل تک صف آراستہ ہوگئے۔

یکے شد مقدم زسر از سپاہ
سرافیل خود شد زقلب سپاہ

ترجمہ: ایک فوج کے ہراول کا مقدم ہوگیا۔ اسرافیل علیہ السلام فوج کے درمیانی حصے میں رہے۔

جناحے بنا موس آراستہ[1]
پس از باد پیائے پیراستہ

ترجمہ: بازو کو ناموس سے سجائے ہوئے باد پیما کے پیچھے زینت بخش تھے۔

پسیں[2] از سرافیل بر پشت کوہ
بسا از سرو شان دیگر گروہ

ترجمہ: اسرافیل علیہ السلام کے پیچھے پہاڑ کی پشت پر فرشتوں کے بہت سے دوسرے گروہ تھے۔

جب ہر جانب سے فوج کے لشکر شکوہ حضرات نے ایک دوسرے کی جانب رخ کیا اور ہر طرف کے لشکر شکنوں نے اپنی مرضی کے مطابق دشمنی کے دروازے کھول دیے تو صراقہ جو آگے تھا، آیا۔ حراقہ بھی بے خودی کی کیفیت میں داخلِ میدان ہوا۔ اس طرف سے ایرانِ فلک کے رستم اور توران ملک کے گستہم جبریل علیہ السلام نکلے۔ سراقہ (یعنی شیطان لعین) نے اچھی طرح سے دیکھا تو لشکرِ اسلام کے ہراول دستے میں جبریل علیہ السلام کو پہچان لیا۔ بس ناموس اکبر (جبریل علیہ السلام) کو دیکھتے ہی میدانِ جنگ سے سرپٹ بھاگا اور کفار قریش کے قلب لشکر پر آپڑا۔ مثنوی:

علم بر زدہ آفتابِ ظفر
گریزو فتادہ بہر رہ گزر

ترجمہ: فتح مندی کا آفتاب علم اٹھائے ہوئے ہر طرف کافروں کے تعاقب میں تھا۔

چو خور شید عسکر کشید از ستیز
شدہ لشکرِ روسیاں در گریز

ترجمہ: جب آفتاب نے لڑائی کے لیے لشکر مقابل کیا تو روسیاہوں کی فوج میدان سے بھاگ گئی۔

کما قال اللہ تعالیٰ یعنی جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، فَلَمَّاتَرَآءَ تِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ[3] (پھر جب دونوں لشکروں نے ایک دوسرے کو دیکھا تو وہ (شیطان) الٹے پاؤں بھاگا)۔ لشکر کے شیاطین اور میدانِ جنگ کے لعین، بھاگتے اور تتر بتر ہوتے ہوئے لشکرِ کفار پر گرے۔ قریش کے سرداروں نے دردناک نعرہ لگایا اور بے دین سپہ سالار آہ وفغاں

---

[1] اس شعر کا مفہوم مترجم کے لیے ناقابل فہم ہے۔ جناح سے بازو اور ہراول دونوں مراد لیے جاسکتے ہیں۔ ہراول کا ذکر اس سے پہلے شعر میں آچکا ہے۔ اگر بازو ہے تو کونسا بازو؟ دایاں یا بایاں۔ باد پیاں (ہوا ناپنے والا) کنایہ ہے یا استعارہ۔ شعر سے ظاہر نہیں ہوگا۔ لفظی ترجمہ کردیا گیا ہے)۔

[2] آخری شعر کا پہلا مصرع مطبوعہ نسخے میں اس طرح ہے ''بین از سرافیل بر پشت کوہ'' اس لیے مترجم نے قیاسی تصحیح سے کام لیا ہے اور مصرعے کو اس طرح نقل کیا ہے ''پسیں از سرافیل بر پشت کوہ'')۔

[3] پارہ۔ ۱۰، سورہ الانفال۔ آیت ۴۸۔

کرنے لگے۔ کہنے لگے، اے بے شرم سراقہ اور تنگ دل حراقہ تم نے ان مٹھی بھر بے سروسامان اور معمولی رسالے سے ہماری فوج کو شکست دلوائی اور اسے درہم برہم کرادیا۔ ابوجہل نے بھی چیخ کر کہا، اے سراقہ تجھ پر کون سا خوف غالب آیا کہ تونے جنگ سے فرار اختیار کی اور ہماری مہم کو ناکام کردیا۔ سراقہ بھاگتا رہا اور اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اہل قریش کے پیغام رساں نے ان کے سینوں پر بہت زیادہ نمک چھڑکا اور کہا اے نامراد و بدروش (کافرو) اِنِّیْ بَرِیْءٌ مِّنْكُمْ اِنِّیْ اَرٰی مَالَا تَرَوْنَ[1] (بے شک میں تم سے بیزار ہوں یقیناً میں وہ دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھتے)۔ اے راستے سے ناواقف اور بینائی سے محروم لوگو! مثنوی:

دریناں سپا ہے کہ من دیدہ ام
ہر اسپے کہ در دل پسندیدہ ام

ترجمہ: اس میدان میں جو فوج میں نے دیکھی ہے (اس کے) ہر گھوڑے کو میں نے دل سے پسند کیا ہے

بہ بینید گریک ازاں صد ہزار
بدم در بر آید زجانہا دمار

ترجمہ: اگر تم اس کے صد ہزار میں سے ایک کو دیکھ لو تو تمہاری جانیں ہلاک ہو جائیں۔

قریش نے یہ بات سن کر بساطِ میدان خالی کرنا اور پہلوانوں کی صف سے بھاگنا شروع کردیا۔ فرشتوں اور تخت کے لشکر نے اہل قریش پر تلوار سے حملہ کیا اور اُن آگ بھڑکانے والے لوگوں میں سے بہتیروں کو خاک پر لٹا دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کے آنے سے قبل تلوار سے ضرب لگانے اور بے انتہا ہیبت کی آوازیں سنیں اور سفید پوش ملائکہ کا مشاہدہ فرمایا۔ جاں نثارانِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم لشکر کے عقب سے نکلے اور کافروں کے سر اڑانے لگے۔ بیت

بسر بردنِ خصم چوں پے فشرد
بسر برد تیغے کہ بر سر نہ برد

ترجمہ: متواتر قتل کرکے دشمن کا کام تمام کردیا۔ ایسی کوئی تلوار نہ تھی جس نے سر نہ کاٹا ہو۔

غیبی اور الٰہی میدان کے شیروں نے جو رسول علیہ السلام کے دائیں اور بائیں طرف تھے زیادہ تر کافروں کو قتل کیا اور ان کے سر گھاس کی طرح کاٹ کر رکھ دیے۔ (اس معرکے میں) ابوجہل اور قریش سردار جیسے ہشام، عمرو، شیبہ، عقبہ ربیعہ، ولید عتبہ، امیہ بن خلف، ابی سعیط اور عمار ولید تقریباً، ستر اشخاص قتل کیے گئے۔ ایک دوسری روایت ہے کہ ایک سو اسّی افراد اُن مقامات پر کشتہ پائے گئے جن کی نشان دہی رسول علیہ السلام نے فرمائی تھی۔ بیت

[1] پارہ۔ ۱۰، سورہ الانفال۔ آیت ۴۸۔

بنزدیک هشتاد یک بے دریغ
در آمد سرِ دشمناں زیرِ تیغ

ترجمہ: تقریباً ایک سواسی دشمنوں کے سر بے تامل تلوار کے نیچے آئے۔

فتحیاب لشکر کے سپہ سالار اور فتح ونصرت کے میدان کے سردار علیہ السلام نے فرمایا، تم میں کون ہے جو مجھے ابوجہل کے بارے میں خبر دے کہ وہ میدان سے زندہ بچ کر نکل گیا یا قتل کر دیا گیا۔ اصحابؓ میں سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے جو زخمیوں کی دیکھ بھال پر مامور تھے عرض کیا کہ میں نے ابوجہل کو مقتولوں کے درمیان بھاری زخموں کے ساتھ ایک جانب پڑا ہوا دیکھا ہے۔ وہ ریت میں دبتا جارہا تھا۔ بیت:

بریگ آں گوہرِ بحرِ تباہی
نہاں گشتہ چواندر ریگ ماہی

ترجمہ: وہ بحرِ تباہی کا گوہر ریت میں چھپ گیا جیسے ریگِ ماہی ریت میں غایب ہوجاتی ہے۔

رسول علیہ السلام کے حکم پر عبداللہؓ زخمیوں کی طرف روانہ ہوئے اور میدان میں پڑے ہوئے ابوجہل کے سینے پر بیٹھ گئے۔ ڈاڑھی کو پکڑ کر اس کا سر کاٹا اور کٹے ہوئے سر کو رسول علیہ السلام کے مبارک قدموں میں ڈال دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زبان مبارک سے اللہ تعالیٰ کا شکر اور اس کی حمد وثنا بیان کی پھر فرمایا کہ الحمدللہ آج میری امت کا فرعون قتل کر دیا گیا۔ مثنوی:

چو آورد و بنہاد پیشِ رسول
رسول از دل وجاں نمودہ قبول

ترجمہ: (جب عبداللہ بن مسعودؓ ابوجہل کا سر کاٹ کر) لائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھا تو آپ ﷺ نے دل وجان سے (یہ خدمت) قبول فرمائی۔

چو موسیٰؑ بہ منت بسر بستۂ
کہ فرعونِ امت مرا خستۂ

ترجمہ: موسیٰؑ علیہ السلام کی مانند شکرگزار ہوئے کہ میری امت کا فرعون خستہ ہوا۔

قریش کے بہتر افراد جن میں ان بے دینوں کے سردار بھی شامل تھے گرفتار ہوئے۔ ان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا عباسؓ اور حضرت علی کے بھائی عقیل اور آپ ﷺ کے داماد ابو العاص جو حضرت زینبؓ کے شوہر تھے، گرفتار ہوئے۔ سید عالم علیہ السلام نے صحابہؓ سے مشورہ کیا کہ ان سے کیا سلوک کیا جائے۔ حضرت عمرؓ اور سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ تلوار سے ان کی گردنیں اڑادی جائیں کہ انہوں نے آپ ﷺ کو جھوٹا اور جادوگر کہا تھا اور ہمیں اپنے وطن سے

نکال دیا تھا (لیکن) حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ بے شک یہ لوگ آپ ﷺ (کے خاندان) سے ہیں اور بے شک آپ ﷺ (ان کے خاندان) سے ہیں (بہتر یہ ہے کہ) ان سے فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دیا جائے۔ بیت:

زاندر زمن کوش آمادہ کن
کہ بستاں فدا بندی آزادہ کن

ترجمہ: آپ ﷺ میری عرض مان لیں اور فدیہ لے کر قیدیوں کو آزاد کر دیں۔

حضرت زینبؓ نے وہ ہار جو انھیں حضرت خدیجہؓ نے جہیز میں دیا تھا، اپنے شوہر کی رہائی کے لیے بطور فدیہ بھیجا۔ جب وہ ہار سید عالم علیہ السلام کو ملا تو آپ ﷺ نے اسے پہچان لیا۔ آپ ﷺ نے حضرت زینبؓ کو یاد کیا اور چشم مبارک نمناک ہو گئیں صحابہؓ نے ابو العاص کو فدیہ لیے بغیر رہا کر دیا۔ بیت

چو از چشمۂ چشم گوہر فشاند
اسیراں در آوردو بے فدیہ ماند

ترجمہ: جب آپ ﷺ کی چشم مبارک کے چشمے سے موتی ٹپکنے لگے تو قیدیوں کو بے فدیہ آزاد کر دیا۔

وہ ہار حضرت زینبؓ کو واپس کر دیا گیا۔ جب حضرت رسول علیہ السلام جنگ کے ارادے سے نکلے تو تین سو پندرہ پیادوں کے لیے دعا فرمائی تھی کہ بارالٰہا ان کو سوار بنا دے چناں چہ جب مالِ غنیمت ہاتھ آیا تو کوئی پیدل مجاہد ایسا نہ رہا کہ طویلے کا مالک نہ بنا ہو (سب کے پاس سواری تھی) مثنوی:

چو در دست افتاد تاراج گنج
پر ازمال گشتند بے دست ورنج

ترجمہ: جب مالِ غنیمت ہاتھ لگا تو بے محنت اور تکلیف کے سب مال دار ہو گئے۔

نماند از صحابہ کسے در سپاہ
کز اسپان وشتراں نزد پائگاہ

ترجمہ: صحابہؓ میں سے فوج میں ایک فرد بھی ایسا نہ رہا جس کے اصطبل میں گھوڑے اور اونٹ نہ ہوں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباسؓ سے فدیہ طلب فرمایا۔ انھوں نے کہا کہ میرے پاس دینے کو کچھ نہیں ہے۔ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ مال کہاں ہے جو آپ نے امّ فضل کو یہاں آتے وقت دیا تھا۔ امّ فضل حضرت عباس کی زوجہ تھیں۔ جس وقت کہ حضرت عباسؓ نے امّ فضل سے یہ بات کہی تھی تیسرا شخص موجود نہ تھا۔ انہوں نے رسول علیہ السلام سے پوچھا کہ آپ ﷺ کو کس نے خبر دی تو آپ ﷺ نے فرمایا مجھے جبریلؑ نے خبر دی۔ یہ سنتے ہی حضرت عباسؓ ایمان لے آئے۔ بیت:

پیمبر بر ایشاں چو بکشا دراز
بزودی در اسلام آورد ساز

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جونہی (حضرت عباسؓ) پر یہ راز ظاہر کیا وہ فوراً موافقت میں اسلام لے آئے۔

حضرت عمرؓ اور حضرت سعدؓ کا یہ مشورہ کہ بدر کے قیدیوں کو قتل کر دیا جائے خدائے بے نیاز کی رضا کے موافق رہا اور حضرت ابو بکرؓ کی یہ رائے کہ قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے حکم احدیت کے موافق نہ پڑی۔ جبریلؑ درگاہ بے نیاز سے آپ ﷺ کی خدمت میں پہنچے کہ اے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اس مصیبت کا انتظار کریں جس سے سوائے عمر خطابؓ اور سعدؓ کے کسی کو رستگاری نہ ملے گی۔ سید عالم علیہ السلام نہایت رنجیدہ ہوئے اور مدینے کی جانب لوٹے۔

جنگ بدر ۲ھ ہجری رمضان کے مبارک مہینے میں واقع ہوئی تھی۔ سورہ آلِ عمران کی تفسیر میں بیان کیا گیا ہے کہ جنگ احد بروز پیر ۱۷؍ شوال ۳ھ ہجری میں ہوئی تھی۔

غزوۂ احد

جب سپاہِ جہالت کا اگلا دستہ اور ضلالت کے میدانِ جنگ کا ہراول مارا گیا تو سردار قوم ابوسفیان مکے میں تھا اس نے پریشان پرچموں کی فوج سے ایک لشکر تیار کیا اور شکست کی غیرت سے متاثر ہو کر مدینۂ طیبہ کی جانب چلا۔ بیت:

زجمعے پریشاں سپاہے کشید
بسوئے مدینہ دو اسپہ دوید

ترجمہ: ایک پریشان گروہ سے ایک لشکر تیار کیا اور ایک دن میں دو منزلیں طے کرتا ہوا مدینۂ طیبہ کی جانب دوڑا۔

(ابوسفیان) تین ہزار جنگ آزما مردوں کے ساتھ اس میدان میں جس کی فضا سوگوار تھی اور جسے جنگ سے پامال ہونا تھا، کوہِ احد کے سامنے اترا۔ بیت:

فرود آمد آں جا سپاہے شگرف
کہ گردے برآرند ازاں بحرِ ژرف

ترجمہ: ایک عجیب قسم کی فوج نے وہاں پڑاؤ ڈالا، جس کا خیال تھا کہ گہرے سمندر سے مٹی نکالیں گے۔

میدانِ نبوت کے رستم اور مردانِ مردانگی کے تہمتن علیہ السلام نے معرکۂ ہمت کے بہادروں اور ہراول دستے کے دلیروں سے مشورہ کیا کہ ابوسفیان کے مقابلے اور مقاتلے کے لیے کیا کرنا چاہیے۔ وہ منافقوں کے لشکر کا سردار ہے۔ بعضے صحابہ نے رائے دی اور صورت حال کا نقشہ کھینچا کہ اس مرتبہ جنگ کے لیے باہر نہیں نکلنا چاہیے کیوں کہ قریش کے جنگلی اور

کافروں کے صحرا کے شیروں کی تعداد تین ہزار ہے اور ہم بے سبیل چند سو ہیں۔ بیت:

چہ پیکارِ کبکاں بشا ہیں بود
کہ ایں نازنیں آں پر ازکیں بود

ترجمہ: چکوروں کی شاہین سے کس طرح جنگ ہوسکتی ہے کہ یہ نازک ہیں اور وہ کینے سے پر ہے۔

امیر المسلمین حمزہؓ اور اصحاب جنھوں نے اس روز شہادت پائی تھی یہ فتح مند رائے دی کہ ہمیں باہر نکل کر حملہ کرنا چاہیے۔ رسول علیہ السلام نے یہ رائے پسند فرمائی اور ان کو شوق دلانے کے لیے زرہ زیب تن فرمائی اور دشمنی کی کمر کھولی۔ تھوڑے سے اصحاب کو اس فیصلے سے اندیشہ تھا۔ سید عالم علیہ السلام نے فرمایا، انبیا جب زرہ پہن لیتے ہیں تو جنگ کیے بغیر واپس نہیں لوٹتے۔ اب ہمیں بہر حال باہر نکلنا چاہیے۔ بیت:

چورستم بہ تن در زرہ در کشید
نہ شاید کہ بے جنگ از بر کشید

ترجمہ: جب رستم کی مانند جسم پر زرہ پہن لی تو بغیر جنگ کیے جسم سے اتارنا نہیں چاہیے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس انتظام میں تھے کہ وحی نازل ہوئی اور جبرئیل علیہ السلام نے کامیابی اور فتح مندی کی بشارت دی کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آج حق تعالیٰ نے فتح آپ کی جانب رکھی ہے۔ بیت:

ندائے رسیدہ زہاتف بسر
کہ امروز بہر تو آید ظفر

ترجمہ: (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے) قلب مبارک پر غیب سے آواز آئی کہ آج صرف آپ ﷺ کے لیے فتح مندی وقف ہے۔

فتح مندی کی[1] یہ بشارت ملنے کے بعد ایک ہزار افراد اور دوسری روایت کے مطابق نو سو اشخاص شرفِ ایمان سے مشرف ہوئے تھے کہ خالد بن ولید کو ذات النعیم میں چھپا دیا تھا اور خود[2] اس لشکر سے مقابلہ کرنے کے لیے کھڑا ہوا۔ جبریلؑ آئے اور رسول علیہ السلام کو خبر دی کہ خالد بن ولید ذات النعیم میں چھپا ہوا ہے۔

مثنوی:

---

[1] یہاں سے مطبوعہ نسخے (ص ۲۸۴) میں عبارتوں میں بے ربطی اور ژولیدگی ہے۔ مترجم نے متن کے مطابق لفظی ترجمہ کیا ہے۔ ''بوصولِ بشارت ظفر با یک ہزار نفر، براویتے نہ صد کس بشرف ایمان مشرف شدہ بود کہ ولید خالد را در ذات النعیم پنہاں کردہ وخود بمقابلۂ ایں سپاہ ستادہ''۔

[2] یہاں یہ بات بالکل واضح نہیں ہے کہ کون کس کے لشکر سے مقابلے کے لیے کھڑا ہوا۔ مترجم اس کی اہلیت نہیں رکھتا کہ ایسے نازک مقامات پر قیاسی تصحیح سے کام لے۔ البتہ ایسے مقامات پر ترجمے کی مشکلات کی نشان دہی کر سکتا ہے۔

خبر کرد طاؤس بسیار پر
کہ مر غیست پنہاں دریں شاخ تر

ترجمہ: بہت پروالے طاؤس (جبریل علیہ السلام) نے خبر دی کہ اس شاخ تر میں پرندہ چھپا ہوا ہے۔

کہ آں شاخ رانام ذات النعیم
نہادست آں باغبانِ کریم

ترجمہ: کہ باغبانِ کریم نے اس کا نام ذات النعیم رکھا ہے۔

سید عالم علیہ السلام نے عبداللہ جبیر کو تین سو مجاہدین کے ساتھ اپنے علم کے نیچے رکھا اور ان سے فرمایا کہ تم تیر اندازوں کے امیر ہو۔ (اس طرف سے) ہوشیار رہو۔ میں نہیں چاہتا کہ تم میں سے کوئی یہ جگہ چھوڑے یا اِدھر اُدھر جائے کیوں کہ ابن ولید ذات النعیم میں چھپا ہوا ہے۔ اگر وہ تم پر حملہ کرے تو تم ایک ساتھ اس پر تیروں کی بارش کردو۔ (یہ فرما کر) حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے تمام اصحابؓ کے ساتھ قلب لشکر میں تشریف فرما ہوئے۔

ستر مجاہدین نے ابوسفیان پر حملہ کیا۔ ابوسفیان نے شکست کھا کر راہِ فرار اختیار کی۔ بیت:

چناں اوفتادہ بہ لشکر شکست
کہ پورے پدر رانگیرد بدست

ترجمہ: لشکر کو ایسی زبردست شکست ہوئی (اور ایسی بھگدڑ مچی کہ) بیٹا باپ کی مدد نہ کرسکا (سب کو اپنی اپنی پڑی تھی)

لشکرِ نصرت اور عیشِ نعمت کے مالک (رسول) علیہ السلام نے اصحابؓ کے ساتھ (شکست خوردہ) لشکر کا تعاقب کیا یہاں تک کہ عبداللہ جبیرؓ کی نظر سے چھپ گئے۔ (اس تعاقب میں) چودہ مشرکوں کو ٹھکانے لگا دیا۔ وہ اصحابؓ جو عبداللہ جبیر کے ساتھ تھے انھیں مالِ غنیمت سے محرومی کا شدید احساس ہوا۔ وہ اپنی جگہ قائم رہنے پر قابو نہ پاسکے اور مالِ غنیمت لوٹنے کے لیے رسول علیہ السلام کے عقب میں چل پڑے۔ علم اپنی جگہ قائم نہ رہ سکا۔ عبداللہ جبیر تنہا وہاں کھڑے رہے۔

مدارک[۱] میں بیان کیا گیا ہے کہ نافرمانی کی شامت کے سبب وحی نازل ہوئی کہ اس وقت فتح آپ کی تھی، اب چوں کہ آپ کے اصحاب نے نافرمانی کی اس لیے اس نافرمانی کے سبب دشمنوں کو فتح ہوگئی۔ ابوسفیان بڑا سمجھدار تھا۔ وہ پیچھے سے آگے بڑھا اور میدان جنگ کی طرف پلٹا۔ خالد بن ولید پیچھے سے نکلا۔ اس کے تیرانداز جوانوں نے ہر طرف سے تیروں کی بارش کردی۔ ان کا لشکر کو منظم کرنا سود مند رہا۔ عبداللہ جبیرؓ شہید ہوگئے۔ عبداللہ بن ابی اپنے تین سو آدمیوں کو لے کر بھاگ کھڑا ہوا۔ بیت:

---

[۱] مدارک حافظ الدین عبداللہ بن احمد النسفی کی تصنیف ہے۔ پورا نام ''مدارک التنزیل وحقایق التاویل'' ہے ملاحظہ فرمائیں'' ملفوظاتِ شاہ مینا رحمۃ اللہ علیہ'' اردو ترجمہ از لطیف اللہ شایع کردہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، ۱۹۹۴ء ص ۲۵۵۔

از قضائے گنبدِ خوناب ریز
لشکر دیں رونہاد اندر گریز

ترجمہ: خوں ریز آسمان کی تقدیر کے سبب لشکرِ دین میں بھگدڑ مچ گئی۔

معرکۂ نبوت کے پہلوانوں کے سردار اور جنگ مردانگی لڑنے والوں کے پیشوا علیہ السلام سات سو لشکر شکن دلیروں اور ہیبت انگیز چھاپہ ماروں کے ساتھ جمے رہے۔ نامردوں کے لیے بال برابر جگہ خالی نہ رہی۔ بیت:

زمیدانِ مردانگی از شکوہ
بدستے زمیں رانماندہ چو کوہ

ترجمہ: شان وشوکت کے ساتھ میدان مرادنگی کی ایک ہاتھ زمین نہ چھوڑی اور پہاڑ کی مانند جمے رہے۔

اصحابؓ نے شکست کی خبر سنی تو تردد میں پڑ گئے۔ جب دشمن کے تیر انداز اور جنگی نیزہ بردار آگے پیچھے سے حملہ آور ہوئے تو تیروں اور نیزوں کی بارش بادل کی مانند پیر سے سر تک گزر گئی۔ بیت:

چودریای پیکار از آبِ تیغ
زسر بر گزشتہ در آمد دریغ

ترجمہ: افسوس جب جنگ کا دریا تلوار کے پانی کے ساتھ سر سے گزر گیا۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثاروں کے قدم حرکت میں آئے تو وہ پوری قوت کے ساتھ دشمنوں پر حملہ آور ہوئے۔ بیت:

بلے پشت یاراں پناہِ جہاں
بود چوں نماند بدشمن جہاں

ترجمہ: بے شک جب پناہِ جہاں (علیہ السلام) دوستوں کا سہارا بن جائیں تو دنیا سے دشمن فنا ہو جائیں گے۔

اسی اثنا میں ابی وقاص اور عتبہ آئے اور پہلوانِ جہاں (صلی اللہ علیہ وسلم) کو زخم لگایا اور آفتابِ عالم تاب ﷺ کے سرِ مبارک پر تلوار اٹھائی۔ بیت:

چو بر خورشیدِ گردوں تیغ آمد
عجب برقے کہ روبر میغ آمد

ترجمہ: جب آفتابِ فلک کے اوپر تلوار آئی تو ایسا لگتا تھا کہ ایک عجیب بجلی (آفتاب سے نکل کر) سیاہ بادل پر گری ہے۔

ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ عبداللہ قمی حارثی نے کانِ نبوت کے گوہر کے روئے مبارک پر پتھر مارا۔ اس سے آپ ﷺ کا چہرۂ مبارک زخمی ہو گیا اور چار موتی (دندان مبارک) موتیوں کی ڈبیہ سے نکل پڑے (شہید ہو گئے)

مثنوی:

گوہر اوچوں دل سنگے بخست
سنگ چرا گوہر اوراشکست

ترجمہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا موتی پتھر کے دل نے زخمی کیا۔ ایسا کیوں ہوا کہ پتھر نے آپ کے موتی کو توڑا؟

روئے از انجا کہ دل سنگ بود
خستگی سوداش در آہنگ بود

ترجمہ: ایسا اس لیے ہوا کہ پتھر کے دل اور ارادے میں زخمی کرنے کی خواہش تھی۔

کے شدے آں سنگ مضرح گرای
گر نہ شدے درشکنِ لعل سای

ترجمہ: وہ پتھر کس طرح فرحت بخش ہوسکتا تھا جب وہ لعل کو چکنا چور کرنے والے کی گرفت میں نہ ہوتا۔

جب اس سنگ دل نے موتی توڑ کر یہ چاہا کہ تلوار کے جوہر کو ابر کرم پر مارے تو مصعب بن عمیر جولشکرِ اسلام کے علم بردار تھے، آفتاب کا بادل بن گئے (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے آگئے)۔ تلوار کی ضرب سے علم کی میخ منتشر ہوگئی اور وہ علم جو موتی سجانے والا پرچم تھا یا شکست نما اژدھا تھا نیچے گر پڑا۔ بیت:

چو آمد اژدہای از پاے در سر
بہ یاراں آمد چوں روزِ محشر

ترجمہ: جب اژدہا (عَلَم) سر کے بل نیچے گرا تو اصحابؓ پر حشر کا دن آپڑا۔

شیطان نے لشکر کے ہر طرف صدا لگائی کہ پہلوانانِ جہاں کے سردار (صلی اللہ علیہ وسلم) نیچے آرہے اور آپ ﷺ کا جسم مبارک غرقاب خون ہوگیا۔ اصحابؓ اس خبر سے رنجیدہ اور شکستۂ دل ہوئے اور لشکر سے کٹ گئے۔

بہتر صحابۂ کبارؓ نے شربتِ شہادت نوش کیا اور وَالَّذِیْنَ قُتِلُوْافِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ[1] (ترجمہ: اور جولوگ اللہ کی راہ میں قتل کیے گئے) کے جامِ وصال سے اپنی روح کو خوش کام کیا، جیسے کہ حضرت امیر المومنین حمزہؓ ان بہتر اصحابؓ کے ساتھ جنگ میں شربتِ شہادت سے شاد کام ہوئے۔

مثنوی:

زیاراں دریں حرب ہفتاد تن
در آمد بخاک وندیدہ کفن

---

[1] پارہ ۲۶۔ سورۂ محمد، آیت ۴۔

ترجمہ: اس جنگ میں رسول علیہ السلام کے بہتر اصحاب خاک پر گرے اور بے کفن رہے

بتخصیص عمِّ جہاں پہلواں
کشیدہ شرابِ شہادت رواں

ترجمہ: خاص طور پر جہاں پہلوان (صلی اللہ علیہ وسلم) کے چچا (حمزہؓ) کی روح نے شہادت کی شراب نوش کی۔

زہے مرد میداں کہ در روز رزم
بہ یزداں رسیدہ بہ ہفتاد زخم

ترجمہ: مبارک ہے وہ مرد میدان جس نے لڑائی میں ستر زخم کھائے (اور اس حالت میں) اپنے رب کے سامنے حاضر ہوا۔ حبشی نے حضرت حمزہؓ کا پیٹ چاک کیا اور جگر نکال کر کچا ہی چبایا۔ (اس وقت) سپاہِ ملکوت کے سپہ سالار اور لشکرِ جبروت کے صفدر (جبریلؑ) نازل ہوئے کہ اے جہاں پہلواں (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ وہی مصیبت ہے جس کی خبر آپ کو دی گئی تھی اور جو (حضرت) عمرؓ اور (حضرت) سعدؓ کی رائے کے موافق تھی۔ ٹھیک اسی کے مطابق سوائے عمرؓ اور سعدؓ کے اس جنگ میں خون شہادت کے ہم رنگ ہوئے یا زخمی ہوئے۔ مثنوی:

نماند از سپاہ دلیراں تنے
کہ زخمے نخوردہ زتیغ افگنے

ترجمہ: دلیروں کی فوج میں سے ایک شخص بھی ایسا نہ بچا جس نے کسی تلوار باز سے زخم نہ کھایا ہو۔

بہ میداں رواں گشتہ دریائے خوں
ہمہ گوہراں کرد دریا بروں

ترجمہ: میدانِ جنگ میں خون کا دریا جاری ہوگیا۔ دریا نے اپنے تمام موتی ساحل پر پھینک دیے۔
اب اللہ تعالیٰ کے غضب اور فتنے کا وقت ہے (اس لیے) خود کو مردوں اور زندوں کے درمیان رکھ کر بخشنے والے سے موافقت کریں۔ مثنوی:

از ہمہ مجروحِ نساں زاں گروہ
روئے زمیں گشتہ پُر از کوہ کوہ

ترجمہ: اس گروہ کے نیزوں سے سب زخمی ہوگئے۔ پوری پہاڑی روئے زمین (خون سے) بھر گئی۔

گوہرِ خود کرد دراں کاں نہاں
گوہرِ زاں کوہ ندارد زیاں

ترجمہ: اپنے گوہر اس کان میں نہاں کردیے۔ اس پہاڑ سے گوہر کو کوئی نقصان نہ پہنچا۔

(اس) شکست سے اللہ تعالیٰ کی حکمت اور مراد یہ تھی کہ اصحاب کبار اور احباب نامدار جو لشکرِ ایمان کا ہراول اور عسکرِ ایقان کا قبلہ تھے اور جنھوں نے دین کے سرداروں کا منصب حاصل کیا تھا انھیں شہادت کی غنیمت اور سعادت کی قسمت کا زیادہ سے زیادہ حصہ ملے، جیسے کہ اس آیۂ کریمہ میں اشارہ کیا گیا ہے۔ وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَo اُولٰٓئِکَ الْمُقَرَّبُوْنَo فِیْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِo[1] (وہ آگے رہنے والے، آگے (ہی) رہنے والے ہیں۔ وہی (اللہ کے) مقرب ہیں راحت کے باغوں میں)۔ کیوں کہ موت کی حد ختم ہونے کے بعد شہادت کا مرتبہ ہے۔ ماتو اعطشاناً و الکاسُ یدارُ بینهم یعنی تشنہ لب مرگئے اور ان کے درمیان سے ساغر دور کرتے تھے۔ محفلِ فردوس کے ساقی جامِ شربت اور ساغرِ قربت گردش میں لائیں گے۔ ہر ایک دوسرے سے اشارہ کرے گا (خوب پیو) دوست شربتِ قربت پئیں گے اور وصالِ محبوب سے بہرہ مند ہوں گے۔ مثنوی:

زہے عیشے کہ وقتِ زندہ مردن
بہ پیشِ یار باشد جاں سپردن

ترجمہ: مبارک ہے وہ زندگی کہ جیتے جی مرتے وقت، محبوب کے سامنے اپنی جان سپرد کرے۔

غالباً حضرت قدوۃ الکبرأ فرماتے تھے کہ مسلمانوں میں سے جس کسی کو شکستگی پیش آئے اور اس سے ایمان میں سستی پیدا ہوتو ہرگز مایوس نہ ہو کیونکہ (اس صبر آزما) واقعے میں فتح ونصرت کی بشارت مضمر ہوتی ہے۔ مثنوی:

مشو نو مید در وقتِ شکستن
در ابرو سر کہ باید شہد خوردن

ترجمہ: احساسِ شکست کے وقت ناامید نہ ہو۔ اگر تیوری میں بل پڑیں تو اس وقت شہد کھانا چاہیے (احساسِ غم کو طاری نہ ہونے دے)۔

درست آنست کاندر ہر شکستے
شکستہ بستہ گردد ہم درستے

ترجمہ: صحیح بات یہی ہے کہ ہر شکست میں حقیر اور کم ترشے کے لیے درستی کا عنصر بھی شامل ہوتا ہے (ہر زوال کو کمال ہے)

غزوۂ بدر کے واقعے کے بعد عمر بن وہب الجر الہی اور صفوان بن امیہ باتیں کرنے لگے[2] عمر بن وہب کا باپ اور بیٹا بدر کے قیدیوں میں شامل تھے۔ صفوان نے کہا، بدر میں مارے جانے والوں کے خدانے ہماری زندگی ناخوش کردی۔ عمر نے

---

[1] پارہ ۲۷۔ سورہ الواقعہ، آیات ۱۰ تا ۱۲۔

[2] مطبوعہ نسخے (۲۸۶) پر یہ عبارت ہے۔ ''بعد از واقعۂ بدر عمیر بن وہب الجر الہی باصفوان بن امیہ وکر مضت''۔ اس عبارت سے کوئی مفہوم برآمد نہیں ہوتا۔ اسلامی تاریخوں میں یہ ہے کہ عمیر بن وہب اور صفوان بن امیہ دونوں جنگ بدر کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف باتیں کرنے لگے۔ ''وکر مضت'' سہو کتابت ہے۔ مترجم نے قاضی محمد سلیمان منصور پوری کی تصنیف ''رحمۃ للعالمین'' سے ''باتیں کرنے لگے'' اخذ کیا ہے اور شامل ترجمہ کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں جلد اوّل۔ لاہور ۱۹۷۳ء۔ ص ۱۰۷۔

کہاہاں اس کے بعد ہمارے لیے زندگی میں کوئی دلچسپی نہیں رہی۔ اگر مجھ پر لوگوں کا قرض نہ ہوتا اور اہل وعیال کے برباد ہونے کا اندیشہ نہ ہوتا تو خدا کی قسم میں محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کرنے کے لیے مدینے جاتا۔ میں نے سنا ہے کہ محمد مصطفیٰ علیہ السلام بازارِ مدینہ میں اکیلے ہی چلتے پھرتے ہیں اور (اپنی حفاظت کے لیے) جمعیت کے ساتھ نہیں بیٹھتے۔ میرے لیے وہاں جانے کا بہانہ بھی ہے کہ میرا بیٹا ان کی قید میں ہے۔ صفوان نے کہا کہ تیرے قرض کی ادائیگی اور تیرے اہل وعیال کی دیکھ بھال میرے ذمے ہے۔ بس اس کام میں دیر نہ کر۔ صفوان نے اس کے زادِ راہ کا انتظام کردیا اور اس نے (عمر بن وہب نے) اپنی تلوار تیز کی اور زہر آلود کیا۔ اس نے صفوان کو وصیت کی کہ تم اس راز کو پوشیدہ رکھنا اس کے بعد وہ مدینے کی جانب روانہ ہوگیا۔ جب مدینہ طیبہ پہنچا تو مسجد کے دروازے پر اُترا، اپنی سواری کو باندھا تلوار کو گردن میں حمائل کیا اور رسول علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوا۔

امیر المومنین حضرت عمرؓ ایک جماعت کے ساتھ (مسجد نبوی میں) بیٹھے تھے، اچانک ان کی نگاہ عمر بن وہب پر پڑی فرمایا کہ اس کتے کو پکڑو کہ یہ خدا کا دشمن ہے اور بدر کے موقعے پر اس نے کفار کو اکسایا تھا اور (مسلمانوں کی فوج کے) قلیل ہونے کی اطلاع دی تھی۔ اس جماعت نے اسے پکڑ لیا۔ پھر امیر المومنین عمرؓ نے رسول علیہ السلام کی خدمت میں تمام واقعہ عرض کیا رسول علیہ السلام نے فرمایا، اسے لے کر آؤ۔ امیر المومنین عمرؓ نے ایک ہاتھ سے اس تلوار کو جو عمر بن وہب کی گردن میں تھی مضبوطی سے پکڑا اور دوسرے ہاتھ سے تلوار کا دستہ پکڑا۔ (اس حالت میں) اسے رسول علیہ السلام کی خدمت میں لائے۔ انصار کی ایک جماعت کو رسول علیہ السلام کے آگے بٹھایا تاکہ اس کتے کے تعرض سے محفوظ رہیں۔

رسول علیہ السلام نے فرمایا، اسے چھوڑ دو اور اس سے فرمایا اے عمر آگے آؤ۔ پھر اس سے دریافت فرمایا کہ تم یہاں کس لیے آئے ہو۔ اس نے جواب دیا کہ میں اس قیدی کے لیے آیا ہوں جو آپ ﷺ کی قید میں ہے۔ رسول علیہ السلام نے دریافت فرمایا کہ تم نے تلوار کیوں لٹکائی ہے۔ اس نے جواب دیا کہ تلوار کا منھ کالا ہو جو ہرگز ہمارے کام نہ آئی۔ رسول علیہ السلام نے فرمایا سچ بتاؤ کہ اس کے بغیر تمہاری رہائی ناممکن ہے۔ اس نے کہا کہ میں سوائے اس مہم کے جو بتا چکا ہوں اور کسی کام سے نہیں آیا۔ (اس جواب پر) رسول علیہ السلام نے فرمایا، تم نے صفوان سے عہد نہ کیا تھا اور اہل قبیلہ کو یاد نہیں کیا تھا؟ کیا صفوان نے تمہارے قرض کی ادائیگی اور اہل وعیال کی کفالت کا ذمہ نہ لیا تھا؟ کیا تم محمد علیہ السلام کے قتل کے لیے نہیں آئے؟ بے شک تم اس مہم پر آئے ہو لیکن اللہ تعالیٰ تمھارے اور تمھاری مراد کے درمیان حائل ہوگیا۔ (یہ سن کر) عمر نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں۔ انتہائی نقصان کے سبب میں آپ ﷺ کی بارگاہ سے محروم رہا۔ آپ کی سچائی مجھ پر ظاہر ہوگئی، کیوں کہ یہ باتیں سوائے میرے اور صفوان کے کسی کے علم میں نہ تھیں۔ آپ کو بیشک خدائے تعالیٰ نے خبر دی ہے اور اس نے مجھے دولتِ اسلام سے مشرف فرمایا۔ رسول علیہ السلام نے صحابہؓ کو حکم دیا کہ اپنے بھائی کو اسلام کے احکام سکھاؤ اور قرآن تعلیم کرو۔ بعد ازاں (عمر بن وہبؓ نے) مکے کی واپسی کی اجازت طلب کی۔ انھوں نے

خلقِ خدا کو خدا کی طرف بلایا اور ایک بڑی جماعت ان کے واسطے سے مشرف بہ اسلام ہوئی۔

منقول ہے کہ غزوۂ احد میں (اسلامی لشکر میں) بھگدڑ مچ گئی۔ ابی بن خلف جو ایک گھوڑے پر سوار تھا رسول علیہ السلام کے سامنے آیا اور کہنے لگا کہ اگر آج آپ ﷺ میرے ہاتھ سے بچ جائیں تو مجھے نجات حاصل نہ ہو۔ اس وقت رسول علیہ السلام حارث بن وہمہؓ اور سہیل بن حنیف کا تکیہ کیے ہوئے تھے۔ ابی بن خلف نے رسول علیہ السلام پر حملہ کیا۔ مصعب بن عمیرؓ نے خود کو رسول علیہ السلام کا محافظ بنایا (یعنی سامنے آ گئے) ابی کا نیزہ مصعبؓ کو لگا اور وہ شہید ہو گئے۔ سہیلؓ کے ہاتھ میں بھی ایک نیزہ تھا۔ رسول علیہ السلام نے اُن سے وہ نیزہ لے کر بغل کی زرہ کے نیچے مارا۔ ابی وہاں سے گھوڑے پر سرپٹ بھاگا اور اپنی قوم میں پہنچا اور گائے کی آواز میں چیخنے لگا۔ ابوصفوان نے کہا، اے سردار! اس قدر کیوں چیخ رہے ہو؟ یہ نشان ایک (معمولی) خراش سے زیادہ نہیں ہے جس سے کسی طرح کا زخم نہیں ہوتا۔ ابی نے کہا، میدانِ جنگ کے سردار (علیہ السلام) نے یہ نیزہ مارا ہے (مجھے یاد ہے) وہ دن جب میں مکے میں تھا (تو حضور ﷺ نے) فرمایا تھا۔ جلدی وہ وقت آنے والا ہے جب تو میرے ہاتھ سے مارا جائے گا۔ اب مجھے معلوم ہو گیا کہ وہی میرے قاتل ہیں اور میں زندہ نہ بچ سکوں گا۔ خدا کی قسم میں اس زخم کی تکلیف کا احساس کر رہا ہوں اگر اسے تمام اہل حجاز پر تقسیم کریں تو سب ہلاک ہو جائیں۔ بہر حال اسی طرح واویلا مچاتا رہا حتیٰ کہ اپنی جان دوزخ کے مالک کے سپرد کر دی۔

امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ہے کہ جب لشکرِ اسلام رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے بھاگا تو یہ نعرہ بلند ہوا ''محمد قد قتل'' (تحقیق محمد صلی اللہ علیہ وسلم مارے گئے)۔ میں نے مقتولوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ پایا۔ میں نے کہا واللہ رسول اللہ علیہ السلام فرار نہیں ہوئے (شاید) قتل ہو گئے ہیں۔ یہ اس سبب سے کہ اللہ نے ہم پر غضب کیا ہے اور رسول علیہ السلام کو ہمارے درمیان سے اٹھا لیا ہے۔ اب یہی بہتر ہے کہ ہم مقاتلہ کریں یہاں تک کہ شہید ہو جائیں اور دنیا کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر نہ دیکھیں۔ میں نے تلوار کے نیام کو توڑ دیا اور شہید ہونے کی ٹھان لی۔ بعد ازاں میں نے مشرکوں پر جو ایک جگہ جمع تھے حملہ کر دیا۔ وہ ادھر اُدھر بکھر گئے۔ اس اثنا میں میں نے دیکھا کہ رسول علیہ السلام اپنے مقام پر رونق افروز ہیں۔

غزوۃ الرجیع میں جو ۴ھ ہجری میں ہوئی تھی، عاصم بن ثابتؓ شہید ہوئے۔ دشمنوں نے ان کا سرتن سے جدا کرنے کا قصد کیا اور بسلانہ بنت سعد کو بھیجا کہ عاصمؓ نے جنگِ احد میں میرے بیٹے کو قتل کیا اور میں نے منت مانی تھی کہ جس وقت عاصمؓ کا سر اس کے پاس لایا جائے گا تو ان کا سر لانے والے کو سو اونٹ دوں گا اور اس کے کاسۂ سر سے شراب پیوں گا۔ حق سبحانہ وتعالیٰ نے شہد کی مکھیاں بھیج دیں جو عاصمؓ کی نعش کے گرد اڑتی رہیں اور جو کوئی اُن کے نزدیک جاتا اسے ڈنک مارتیں۔ اس کا چہرہ سوج جاتا اور مرنے کے قریب پہنچ جاتا۔ کافروں نے کہا جب رات ہو گی تو زنبور اڑ جائیں گی تب ان کا سر کاٹیں گے۔ جب رات ہوئی تو بہت سخت بارش ہوئی۔ سیلاب کا بڑا ریلا آیا اور عاصمؓ کی نعش کو بہا کر لے گیا۔

امیر المومنین حضرت عمرؓ نے بیان کیا کہ عاصمؓ نے منت مانی تھی کہ کوئی مشرک انھیں نہ چھوئے اور کسی مشرک کا ہاتھ ان کے جسم تک نہ پہنچے۔ چوں کہ منت کا عہد خود کیا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی وفات کے بعد ان کی نعش کو مشرکوں کے چھونے سے محفوظ رکھا۔

غزوۂ خندق میں جب صحابہؓ خندق کھود رہے تھے تو ایک سخت پتھر آ گیا۔ سب اس کے توڑنے سے عاجز رہے۔ حضرت سلمانؓ نے رسول علیہ السلام کو (اس مشکل مرحلے کی) خبر دی۔ رسول علیہ السلام خندق پر تشریف لائے حضرت سلمانؓ بھی ساتھ تھے۔ بعض صحابہؓ کنارے پر کھڑے تھے۔ رسول علیہ السلام نے ایک دھار دار پتھر حضرت سلیمانؓ سے لیا اور چٹان پر مارا اس کے ٹکڑے ہوگئے اور اس سے ایسی بجلی کوندی کہ تمام مدینہ روشن ہوگیا۔ رسول علیہ السلام نے فتح کی تکبیر بلند کی اور فرمایا کہ سب اہل اسلام تکبیر کہیں۔ سب نے تکبیر کہی۔ پھر دوسری ضرب سے ایک بجلی کوندی۔ رسول علیہ السلام اور سب نے مل کر تکبیر بلند کی۔ پھر تیسری ضرب نے یہی منظر پیش کیا۔ حضرت سلمانؓ نے عرض کیا، یا رسول علیہ السلام میرے ماں باپ آپ ﷺ پر فدا ہوں یہ کیا منظر تھا جو میں نے دیکھا کہ کبھی ایسا منظر نگاہ میں نہیں آیا۔ رسول علیہ السلام نے قوم کی طرف دیکھا اور دریافت فرمایا کہ سلمانؓ نے جو کچھ دیکھا کیا تم نے بھی مشاہدہ کیا۔ صحابہؓ نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں کچھ نظر نہ آیا۔ تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب پہلی ضرب سے بجلی چمکی تو اس کی روشنی میں، میں نے ارضِ کسریٰ (ایران) کے محل دیکھے جیسے کتوں کی قبریں ہوں۔ جبریلؑ نے مجھے خبر دی ہے کہ یہ محلات میری امت کے قبضے میں آئیں گے۔ دوسری ضرب سے بجلی چمکی تو اس کی روشنی میں میں زمینِ روم کے سرخ محلات کو، کتوں کی قبروں کی مانند مشاہدہ کیا۔ جبریلؑ نے مجھے خبر دی کہ میری امت ان ملکوں تک آئے گی۔ تیسری ضرب سے جو بجلی چمکی اس کی روشنی میں میں نے صنعا کے محلات دیکھے۔ ان کے بارے میں جبریلؑ نے مجھے خبر دی کہ آپ ﷺ کی امت ان شہروں کو فتح کرے گی۔

واحدی[1] بیان کرتے ہیں کہ رسول علیہ السلام نے کسریٰ کے قصرِ سفید کے اوصاف بیان فرمائے تو حضرت سلمانؓ نے عرض کیا واللہ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قصرِ سفید کی صفات بیان فرمائی ہیں قصر سفید ایسا ہی ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ ﷺ خدا کے رسول ہیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا، بے شک ملک شام فتح ہوگا اور ہرقل اپنی مملکت کے اطراف سے بھاگ جائے گا اور شام پر حاکم ہوگا[2] پھر کسی کو تمھارے مقابلے کی ہمت نہ ہوگی۔ بے شک ملکِ یمن بھی فتح ہوگا اور

---

[1] واحدی۔ یہ غالباً مورخ ''واقدی'' ہے جو سہو کتابت کے باعث وحدی نقل ہوگیا ہے۔ مترجم کو تحقیقی وسائل دستیاب نہیں ہیں اس لیے متن کا تتبع کرتے ہوئے یہاں ''واحدی'' ہی تحریر کیا گیا ہے۔

[2] یہاں بھی عبارت میں غالباً سہوِ کتابت ہے۔ جب ہرقل اپنی مملکت کے اطراف سے بھاگ جائے گا تو شام کا حاکم کیسے رہے گا؟ اہل اسلام شام کے حاکم ہوں گے چنانچہ یہ جملہ کہ فرار ہونے کے بعد ہرقل حاکم شام ہوگا درست نہیں ہے۔ یہاں بھی مترجم نے اصل ماخذ دستیاب نہ ہونے کے باعث متن کی عبارت کو برقرار رکھا ہے اور اپنا احتمال پیش کر دیا ہے۔

کسریٰ بھی مارا جائے گا۔ اس کے بعد کوئی کسریٰ نہ ہوگا۔ حضرت سلمانؓ نے بیان کیا کہ جو کچھ رسول علیہ السلام نے فرمایا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ہم نے وہی مشاہدہ کیا۔

حضرت قدوۃ الکبراؒ فرماتے تھے کہ حضرت علیہ السلام اور کفار کے درمیان جو جنگیں ہوئیں۔ ان کی کل تعداد بائیس ہے۔

پہلا غزوۂ وَدّان ہے جس میں لشکر اسلام ابواتک آیا۔ یہ ۱ھ ہجری کے دو ماہ اور دس دن بعد واقع ہوا۔

دوسرا غزوۂ وعیر ہے۔ اس میں امیہ بن خلف سردارِ قریش تھا۔

تیسرا غزوہ ایک ماہ اور تین روز بعد ہوا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ کُرز بن جابر نے مدینے کے مویشی لوٹ لیے تھے۔ اس کا تعاقب کیا گیا تھا۔

چوتھا غزوہ، غزوۂ بدر ہے جو مذکورہ واقعے کے بیس دن بعد واقع ہوا۔ یہ ہجرت کے ایک سال، آٹھ ماہ اور رمضان المبارک کی سترہ راتیں گزرنے کے بعد رونما ہوا۔ اس میں صحابہؓ کی تعداد تین سو دس تھی اور مشرکین کی نوسو سے ایک ہزار تک تھی۔ اس دن کو ''یوم الفرقان'' بھی کہتے ہیں، کیوں کہ حق تعالیٰ نے اس دن حق اور باطل کو الگ الگ کردیا۔ حق تعالیٰ نے بدر میں پانچ ہزار فرشتے حضرت علیہ السلام کی نصرت کے لیے بھیجے تھے۔

پانچواں غزوہ، غزوۂ بنی قنیقاع ہے۔

چھٹا غزوۂ سویق ہے جو ابوسفیان کے تعاقب میں عرب کی ''پتھریلی'' زمینوں میں ہوا۔ وجہ تسمیہ اس کی یہ ہے کہ اکثر مشرکین اپنا زادِ سفر (ستو کے بورے) چھوڑ گئے تھے۔ مسلمانوں نے اس سامان پر قبضہ کرلیا۔

ساتواں غزوہ، غزوہ نبی سلمہ ہے یہ جنگ پانی کے سبب سے ہوئی تھی۔

آٹھواں غزوہ ذی امرو ہے جو ایک موضع کا نام ہے۔ کہا گیا ہے یہ آٹھواں غزوہ تھا اور ۲ھ ہجری کا چوتھا غزوہ ہے۔

نواں غزوۂ احد ہے جو ۳ھ ہجری میں احد میں ہوا۔ اُن کے شمال (بائیں) کی جانب جبریلؑ اور دائیں طرف رسول علیہ السلام کے میکائیلؑ تھے۔

دسواں غزوہ بنی نضیر ہے جو احد سے سات ماہ دس دن بعد ہوا۔

گیارہواں غزوہ ذات الرقاع تھا جو غزوۂ نضیر سے دو ماہ بیس دن بعد ہوا۔ وہاں صلوٰۃ الخوف ادا کی گئی تھی۔ اس نام کی وجہ یہ ہے کہ جنگ میں صحابہؓ نے جوتے نہ ہونے کے سبب پیروں میں چیتھڑے باندھے ہوئے تھے اور بعضوں نے کہا ہے کہ ذات الرقاع مدینے کے قریب ایک پہاڑ ہے جس میں سرخ، سیاہ اور سفید دھبے ہیں۔

بارھواں غزوہ دومتہ الجندل ہے جو اس سے دو ماہ چار روز بعد ہوا۔ اس میں دال پر زبر اور جدل پر پیش ہے۔ یہ ایک قبیلہ کا نام تھا جو حمص سے انیس میل کے فاصلے پر تھا اور حمص ایک مشہور موضع ہے۔

تیرھواں غزوہ، غزوہ نبی المصطلق ہے جو خزاعہ میں سے ہے۔ یہ غزوہ اس واقعے سے جسے افک کہتے ہیں پانچ ماہ تین

روز بعد واقع ہوا۔

چودھواں غزوہ خندق ہے جو ۴ھ ہجری کے دو ماہ پانچ دن بعد ہوا۔

پندرھواں غزوہ بنی قریظہ اس کے چھ روز بعد ہوا۔ قریظہ مدینۂ طیبہ کے یہودیوں کے ایک قبیلے کا نام تھا۔

سولھواں غزوہ بنی ملحیان ہے، جو ہند کا ایک قبیلہ ہے۔ یہ تین ماہ بعد واقع ہوا۔

سترھواں غزوہ، غزوۂ الغابہ ہے جو ہجرت کے چھٹے[۱] سال ہوا۔ اس میں حج ☆ وعمرہ ادا کیا گیا تھا۔ اسے غزوۂ حدیبیہ بھی کہتے ہیں۔ حدیبیہ مکہ معظّمہ کے قریب ایک موضع ہے۔

اٹھارواں غزوہ خیبر ہے جو ۷ھ ہجری کے تین مہینے دس دن بعد واقع ہوا۔ اس کے چھ ماہ اور دس دن بعد عمرہ ادا فرمایا۔

اُنیسواں غزوہ فتح مکہ ہے جو ۷ھ ہجری کے آٹھ ماہ اور گیارہویں روز واقع ہوا۔

بیسواں غزوہ غزوۂ حنین تھا۔ اس غزوے کے ایک دن بعد جنگ میں ملائکہ نازل ہوئے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی نصرت پہنچائی تھی۔

اکیسواں غزوہ، غزوۂ طائف تھا۔ اسی سال حج ☆ بھی ادا کیا۔ عتاب بن اسید کے لوگ بھی ساتھ تھے۔

بائیسواں غزوہ تبوک ہے جو ہجرت کے نویں سال میں چھ ماہ اور پانچ دن بعد ہوا۔ اسی سال زید بن ارقم اور دیگر صحابہؓ کے ساتھ حج ☆ ادا فرمایا۔

حضرت زید بن ارقمؓ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سترہ غزوات میں حصہ لیا۔ ابن اسحاق، ابومعشر، موسیٰ بن عقبہ اور اُن جیسے دس (۱۰) افراد کی مشہور رائے یہ ہے کہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے) پچیس غزوات میں بذات خود حصہ لیا اور کہا جاتا ہے کہ ستائیس غزوات میں شریک ہوئے۔ سرایا اور چھوٹی جنگیں تقریباً پچاس ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ان میں سے سات جنگوں، بدر، احد، خندق، بنوقریظہ، بنومطلق اور خیبر میں شریک ہوئے۔[۲] اور اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو فتح دی۔ غزوات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آٹھ محافظوں کا ذکر ہوا ہے۔ وہ یہ تھے:

سعد بن معاذؓ نے جنگ بدر میں حفاظت کی۔ ذکوان بن عبداللہؓ اور محمد بن میمنہؓ جنگ احد میں محافظ تھے۔ زبیر بن العوامؓ، عباد بن بشیرؓ، سعد بن وقاصؓ، ابو ایوب انصاریؓ اور بلالؓ نے وادی العری میں نگاہ داشت کی۔ آیۂ کریمہ نازل

---

[۱] مطبوعہ نسخے (ص۲۸۹) میں سہو کتابت کے باعث ''سہ سال'' (تین سال) نقل ہوا ہے۔ مترجم نے علامہ شبلی نعمانی کی تصنیف ''سیرۃ النبی'' جلد اوّل سے تصحیح کی ہے۔ لاہور طبع چہارم ۱۹۸۵ء ص ۴۱۸۔

☆ حج ۹ھ میں فرض ہوا جس کے لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو امیر حج بنایا اور خوُد اپنا پہلا اور آخری حج ۱۰ھ میں ادا فرمایا۔ (ناصر الدین) بحوالہ رحمت للعالمین ج ۱، ص: ۲۲۷ اور نبی رحمت، تیسرا ایڈیشن۔ ص: ۴۹۸

[۲] مطبوعہ نسخے (ص۲۸۹) کے متن میں چھ غزوات کے نام نقل ہوئے ہیں۔ ساتویں جنگ کا نام تحریر نہیں کیا گیا۔

ہوئی، یٰٓاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ ط وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَہٗ ط وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ ط [۱]

(اے رسول پہنچا دیجیے جو اتارا گیا آپ پر آپ کے رب کی طرف سے اور اگر آپ نے (ایسا) نہ کیا تو اپنے رب کا پیغام آپ نے نہ پہنچایا اور اللہ آپ کو لوگوں سے بچائے گا)۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حج اور عمرے کا ذکر

ہجرت کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حج ☆ ادا فرمایا۔ (اس حج میں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو رخصت کیا اور فرمایا، (وہ وقت) قریب ہے کہ اس سال کے بعد تم مجھے نہ دیکھو گے۔ اسی باعث اس حج کو ''حجۃ الوداع'' کہا گیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت سے قبل دو حج کیے تھے۔ حج ۶ھ ہجری میں فرض کیا گیا۔ اس وقت تک مکہ فتح نہیں ہوا تھا۔ مکہ ۸ھ ہجری میں فتح ہوا، چناں چہ رسول علیہ السلام نے اس سال عتاب بن اسیدؓ کو خلیفہ مقرر فرمایا کہ لوگوں کو حج کرائیں ۹ھ ہجری میں حضرت ابوبکرؓ نے لوگوں کو حج کرایا ان کے عقب میں حضرت علیؓ کو بھیجا تا کہ وہ سورۂ برأت (سورۂ توبہ) کے اس مضمون اور حکم سے اہل مکہ کو مطلع کریں کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کر سکے گا نہ برہنہ حالت میں خانہ کعبہ کا طواف کرے گا۔ ۱۰ھ ہجری میں لوگوں میں اعلان کرایا گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قصد اس سال حج ادا کرنے کا ہے۔ اس اعلان کے بعد لوگوں کی کثیر تعداد مدینہ طیبہ میں جمع ہوگئی اور ہر شخص کی یہ خواہش تھی کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں حج ادا کرے اور وہ اعمال بجالائے جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ادا فرمائیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دن کے وقت مدینے سے روانہ ہوئے۔ اس سے قبل آپ ﷺ نے، سر میں تیل ملا، کنگھی کی اور خوشبو استعمال فرمائی اور ذی الحلیفہ میں قیام فرمایا نیز ارشاد فرمایا، آج کی شب جو میرے نزدیک ہوا وہ میرے رب کے قریب ہوا۔ پھر فرمایا کہ اس مبارک وادی میں دو رکعت نماز ادا کرو اور فرمایا کہ حج کے ایام میں عمرہ کرنا جائز ہے۔ نماز ادا کرنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام باندھا اور اسی موقعے پر احرام کو واجب فرمایا جسے بے شمار لوگوں نے منجملہ ابن عباسؓ کے سنا۔ اس کے بعد آپ ﷺ سوار ہوئے۔ جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی سیدھی کھڑی ہوگئی تو آپ نے لبیک کہا۔ جس وقت صحرا کی بلند زمین پر چڑھے تو لبیک فرمایا، چناں چہ اس بنا پر کہا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (پہلے) احرام باندھا، پھر سوار ہونے کے بعد جب اونٹنی سیدھی ہوئی اور جس وقت صحرائی ٹیلوں پر چڑھے تو لبیک فرمایا۔ کبھی عمرے کے لیے کبھی حج کے لیے لبیک کہا۔ اسی بنا پر کہا گیا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فقط حج کے لیے احرام باندھا تھا۔ آں حضرت صلی اللہ

---

[۱] پارہ ۶۔ سورہ المائدہ، آیت ۶۷۔

☆ اس عبارت سے بھی واضح ہوتا ہے کہ گذشتہ صفحات میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تین بار حج ادا فرمانے سے مراد سفر عمرہ ہوسکتا ہے، حج نہیں (ناصر الدین)

علیہ وسلم کے جسم اطہر کے نیچے پرانی زین تھی جس پر کمبل پڑا ہوا تھا اور جس کی قیمت چار درم سے زیادہ نہ تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی اے اللہ ہمارے حج کو ریا اور نمائش سے خالص فرما۔ حضرت جابرؓ نے یہ حدیث روایت کی کہ میں نے اپنی حدِ نظر تک دیکھا کہ آں حضرت ﷺ کے گرد اگرد آگے پیچھے، دائیں بائیں پیادوں اور سواروں کا ہجوم تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے بیچ میں تھے۔ آپ ﷺ پر قرآن نازل ہوتا تھا جس کی تاویل آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی جانتے تھے۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (اس حج میں) جو کچھ کیا، ہم سب نے اس کی پیروی کی۔ رسول علیہ السلام اتوار کے روز صبح کے وقت مکۂ معظّمہ میں داخل ہوئے، اس راستے سے جو مکے سے بلندی کی طرف ہے اور جس کا نام بطحا تھا۔ اس کے بعد، اس حالت میں طوافِ قدوم کیا کہ صبر و سکون کے ساتھ چادر مبارک اپنے بازوؤں پر لپیٹی ہوئی تھی۔ آپ ﷺ نے ایک بہادر شخص کی مانند تین چکر تیز رفتاری (رمل) سے اور چار طواف آہستہ چل کر پورے کیے۔ پھر باہر تشریف لائے اور کوہِ صفا پر آئے اور پیادہ دوڑے۔ جب خلقت کا ہجوم ہوگیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اونٹنی پر سوار ہوئے تاکہ ہر شخص آپ ﷺ کی زیارت کر سکے۔ پھر مقام جحون کے اوپر قیام فرمایا۔

جب یوم الترویہ ہوا جو آٹھ ذی الحجہ کو ہوتا ہے تو آپ منا تشریف لائے اور وہاں نماز ظہر، عصر، مغرب، عشا اور فجر ادا فرمائی۔ بعد ازاں جب آفتاب بلند ہوا تو عرفات تشریف لے گئے۔ مقامِ نمرہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خیمہ کھڑا کر دیا گیا، سو آپ ﷺ نے وہاں آدھا دن قیام کیا۔ جب آفتاب نصف النہار سے گزر گیا تو آپ ﷺ نے خطبہ ارشاد فرمایا اور لوگوں کے ہمراہ ایک اذان اور دو تکبیر کے ساتھ نماز ظہر اور عصر ملا کر ادا فرمائی۔ پھر موقف پر تشریف لے گئے اور اپنی اونٹنی پر جس کا نام قصویٰ تھا کھڑے ہوگئے۔ دعا فرماتے رہے اور لا الہ الا اللہ اور اللہ اکبر پڑھتے رہے، حتیٰ کہ آفتاب غروب ہوگیا۔ پھر غروبِ آفتاب کے بعد مزدلفہ لوٹ آئے اور رات وہیں گزاری اور وہیں نماز فجر ادا فرمائی۔ اس کے بعد کوہ قزح پر جو مشعرِ حرام ہے کھڑے رہے اور دعا فرماتے رہے نیز اللہ اکبر اور سبحان اللہ ولا الہ الا اللہ پڑھتے رہے، یہاں تک کہ صبح کی روشنی پھیل گئی۔ پھر طلوعِ آفتاب سے قبل واپس ہوئے اور اس وادی تک تشریف لائے جسے محسر کہتے ہیں اور اپنی اونٹنی کو دوڑایا۔ اس کے بعد منا تشریف لائے اور رمی جمار کیا یعنی اس ستون پر جس کا نام جمرۃ العقبہ ہے سات بار کنکریاں ماریں۔ پھر اپنی قیام گاہ پر واپس ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت بلالؓ اور حضرت اسامہؓ تھے۔ ایک نے اونٹنی کی لگام تھامی ہوئی تھی اور دوسرے نے دھوپ سے بچاؤ کے لیے کپڑا تان رکھا تھا۔ (شان یہ تھی کہ) نہ لوگوں کو پیٹا جارہا تھا نہ آگے سے ہٹایا جارہا تھا جیسے کہ سرداروں کی سواری کے آگے کرتے ہیں۔ نہ ایک طرف ہوجاؤ یا دور ہوجاؤ کی صدا بلند تھی۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے مقام پر قربانی دی۔ آپ ﷺ کے ساتھ قربانی کے لیے ۱۰۰ سو جانور تھے، ان میں سے تریسٹھ ۶۳ آپ ﷺ نے ذبح فرمائے اور باقی جانوروں کو ذبح کرنے کے لیے حضرت علیؓ کو حکم دیا اور اپنی قربانی میں انھیں بھی شریک کیا۔ اس کے بعد آپ ﷺ خانۂ کعبہ تشریف لائے اور اس کے سات طواف کیے۔ پھر زمزم پر آئے اور

پانی نوش فرمایا اور منا واپس ہوگئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منا میں بقیہ یوم النحر اور تین روز ایام تشریق میں قیام فرمایا اور ہر روز تینوں ستونوں پر پیدل چل کر سات سات بار کنکریاں ماریں۔ آپ ﷺ اس ستون سے جو مسجد خیف سے متصل ہے رمی جمار شروع فرماتے، اس کے بعد وسطی اور آخری ستونوں پر رمی جمار فرماتے تھے۔ پہلے اور وسطی ستون کے پاس دعا فرماتے تھے۔

تیسرے روز آں حضرت ﷺ مقام محصب پر تشریف لے گئے، وہاں ظہر، عصر، مغرب اور عشا کی نمازیں ادا فرمائیں اور رات کو آرام فرمایا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اُس رات مقام تنعیم پر عمرے کے لیے احرام باندھا اور جب حضرت عائشہؓ نے عمرہ ادا کر لیا تو رسول علیہ السلام نے سامان باندھنے اور سفر کرنے کا حکم دیا۔ (پہلے) طوافِ وداع کیا پھر جانبِ مدینۂ طیبہ روانہ ہوئے۔

مکۂ معظّمہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حج کے لیے قیام دس روز تھا۔ ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حج کی صفت از اوّل تا آخر، اُن احکام وواقعات کے حوالے سے جو ہمیں دستیاب ہوئے، بیان کر دی ہے۔ اس میں مدینہ طیبہ سے روانگی اور پھر تشریف آوری کی تفصیلات سوائے اُن عمروں کے آ گئی ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ادا فرمائے۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چار عمرے ادا فرمائے اور یہ تمام کے تمام ذیقعدہ میں واقع ہوئے۔ ان میں ایک عمرۂ حدیبیہ مشرکین نے ادا کرنے سے روک دیا تھا۔ جب مشرکین نے صلح کر لی تو یہ شرط رکھی کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم آئندہ سال عمرے کے لیے تشریف لائیں۔ مشرکین مکہ تین شبانہ روز مکے سے پہاڑوں کی چوٹیوں پر چلے جائیں گے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں احرام کھول دیا اور ستّر اونٹ جو آپ ﷺ اپنے ہمراہ لائے تھے ان کی قربانی دی۔ انھیں میں ابوجہل کا اونٹ بھی شامل تھا جس کی ناک میں چاندی کی نتھ تھی۔ اس اونٹ کے ذبح کرنے کے وقت مشرکین نے بڑے غیض وغضب کا اظہار کیا۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دوسرا عمرہ، عمرۂ قضا تھا۔ آپ ﷺ نے اس کے لیے ذی الحلیفہ پر احرام باندھا اور مکہ معظّمہ میں تشریف لائے۔ جب عمرے سے فارغ ہوگئے تو آپ ﷺ نے وہاں تین روز قیام فرمایا۔ یہاں حضرت میمونہؓ جن سے آپ ﷺ نے عمرے سے قبل نکاح فرمایا تھا، اور خلوت نہ فرمائی تھی، خلوت فرمائی۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے حضرت عثمانؓ بن عفان کو مشرکین کے پاس اس پیغام کے ساتھ بھیجا کہ اگر تم اجازت دو تو میں یہاں مزید تین روز قیام کروں اور ولیمہ کروں نیز اپنی زوجہ کے ساتھ خلوت کروں۔ مشرکین نے جواب دیا کہ ہمیں آپ ﷺ کے ولیمے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ ﷺ ہمارے پاس سے چلے جائیں، چنانچہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکے سے باہر تشریف لے آئے اور مقام شرف میں جو مکے سے دس کوس کے فاصلے پر ہے اپنے اہل سے خلوت فرمائی۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تیسرا عمرہ، عمرۃ الجعرانہ ہے۔ یہ ۸ھ ہجری میں ادا فرمایا۔ جب مکہ فتح ہوا، آپ ﷺ

جعرانہ تشریف لے گئے وہاں اہل طائف آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام لائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں احرام باندھا اور مکے میں داخل ہوئے اور عمرہ ادا فرمایا۔ ماہِ ذی قعدہ سے بارہ راتیں باقی تھیں جب آپ ﷺ نے رات کو عمرہ ادا فرمایا اور پھر جعرانہ واپس ہوئے اور صبح تک جعرانہ میں رہے۔ اس کے بعد مدینۂ طیبہ روانہ ہوئے۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چوتھا عمرہ حج کے ساتھ ادا فرمایا۔

چھٹا شرف۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمائے مبارکہ کے بیان میں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں محمد ﷺ ہوں، احمد ﷺ ہوں، ماحی ﷺ ہوں کہ اللہ تعالیٰ میرے سبب سے کفر کو مٹاتا ہے۔ میں حاشر ﷺ ہوں کہ میرے بعد مخلوق اٹھ کھڑی ہوگی۔ میں عاقب ﷺ ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔

دوسری روایت میں ہے، مقفّی ہوں یعنی فیصلہ کرنے والا۔ میں نبی رحمت ﷺ ہوں اور نبی توبہ ﷺ ہوں۔ دوسری روایت میں ہے نبی جنگ یعنی جہاد (ہوں)۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں آں حضرت ﷺ کے یہ نام رکھے۔ بشیر ﷺ، نذیر ﷺ، سراج منیر ﷺ، رؤف ﷺ، رحیم ﷺ یعنی دوست اور دشمن پر بہت زیادہ مہربانی فرمانے والے۔ رحمۃ للعالمین ﷺ، محمد ﷺ، احمد ﷺ، یٰسین ﷺ، مزمل ﷺ، مدثر ﷺ، عبداللہ ﷺ، مبین ﷺ اور مذکور ﷺ۔ تحقیق کہ بہت سے نام بیان کیے گئے ہیں لیکن میں نے اُن میں سے مشہور نام بطور اختصار تحریر کیے ہیں، ان میں سے بعض یہ ہیں۔

فاتح ﷺ، متوکل ﷺ وخاتم ﷺ یعنی توکل کرنے والے اور نبوت کو کھولنے اور ختم کرنے والے۔ ضحوک (خندہ پیشانی والے) قتّال یعنی راہِ حق میں جنگ کرنے والے۔ امین ﷺ، مصطفیٰ ﷺ، رسول ﷺ، نبی الامی (مخلوق سے ناخواندہ) قاسم ﷺ یعنی بھلائی تقسیم کرنے والے۔ بہر حال اُن بہت سے ناموں میں سے چند مذکور ہوئے ہیں۔ بعض مشہور کتابوں میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف اور نام ننانوے بیان کیے گئے ہیں (لیکن) فی الحقیقت ظہورِ کائنات اور صورتیں، سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمائے مبارکہ ہیں۔ اس معنی پر مشتمل مشہور رباعی ہے: رباعی:

یارے دارم کہ جسم وجاں صورتِ اوست
چہ جسم وچہ جاں جملہ جہاں صورتِ اوست
ہر صورت خوب ومعنیِ پاکیزہ
کاندر نظر تو آید آں صورتِ اوست

ترجمہ: میرا محبوب ایسا ہے کہ جسم وجاں اس کی صورت پر ہے۔ جسم وجان کیا چیز ہیں تمام جہاں اس کی صورت ہے (بلکہ) ہر اچھی صورت اور پاکیزہ معنی جو تیرے مشاہدے میں آئے اس کی صورت ہے۔

ساتواں شرف۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیۂ مبارک اور ظاہری اوصاف کا ذکر

رسول علیہ السلام کا قد مبارک درمیانہ تھا۔ نہ زیادہ دراز قد تھے اور نہ زیادہ کوتاہ قد تھے۔ آپ ﷺ کے دونوں بازوؤں کے درمیان کم فرق تھا۔ آپ ﷺ کا رنگ سفید سرخی مائل تھا۔ کہا گیا ہے کہ آپ ﷺ کا رنگ نہایت چمکیلا تھا نہ بہت زیادہ سفید اور نہ گندم گوں۔ آپ ﷺ کے سر کے بال قدرے بل دار تھے۔ جب کہ آپ ﷺ بالوں کو بڑھائے ہوتے تو کان کی لو تک پہنچ جاتے اور جب بالوں کو چھوٹا کرتے تو آدھے کان تک نہ پہنچتے۔ آپ ﷺ کے سر اور ریش مبارک میں سفید بال بیس بھی نہ تھے۔ گردن مبارک ایسی تھی جیسی تصویر کی گردن ہوتی ہے صفائی میں چاندی جیسی خوب روشن تھی۔ آپ ﷺ کا چہرہ مبارک صبیح اور روشن تھا اور چودھویں کے چاند کی مانند چمکتا تھا۔ آپ ﷺ کا وجود مبارک حسن و اعتدال سے معمور تھا۔ آپ ﷺ صاحب علامت یعنی معجزہ تھے۔ خوبصورت اور حسین تھے۔ آنکھ کی پتلی نہایت سیاہ تھی اور آپ ﷺ کی پلکیں دراز تھیں۔ آواز نرم تھی اور آپ ﷺ کی گردن مبارک روشن اور چمک دار تھی۔ ریش مبارک کے بال گھنے اور خوب صورت معلوم ہوتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دور سے خوش وضع اور قریب سے شیریں معلوم ہوتے تھے آپ ﷺ شیریں کلام تھے۔ آپ ﷺ کے کلام میں لغویت، جھوٹ اور ٹھٹھول ہرگز نہ ہوتے تھے۔ آپ ﷺ کا کلام موتیوں کی لڑی کی مانند ہوتا تھا جس میں موتی ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ آپ ﷺ کی پیشانی مبارک کشادہ تھی۔ بھنویں باریک اور لمبی تھیں۔ دونوں بھنویں جڑی ہوئی نہ تھیں۔ دونوں کے درمیان ایک رگ تھی جو غصے کے وقت ابھر جاتی تھی۔ آپ ﷺ کی مبارک بینی دراز وبلند تھی جس پر نور نمایاں تھا۔ اگر کوئی شخص غور سے نہ دیکھتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دراز بینی والا سمجھتا۔ آپ ﷺ کے دونوں رخسار مبارک برابر اور ہموار تھے آپ کے آگے کے دندان مبارک میں ریخیں تھیں۔ (جڑے ہوئے نہ تھے) آپ ﷺ کے سینۂ مبارک سے ناف تک بالوں کی ایک باریک لکیر تھی جیسے کوئی شاخ ہو۔ آپ ﷺ کے شکم مبارک اور سینے پر سوائے اس کے کہ جو بیان کیا گیا ہے اور کچھ نہ تھا۔ دونوں بازوؤں (شانوں) پر بال تھے۔ جسم اطہر گوشت سے بھرا ہوا گٹھیلا تھا۔ سینۂ مبارک اور شکم برابر تھے۔ سینہ کشادہ تھا۔ ہڈیوں کے جوڑ اور اعضا مضبوط تھے۔ آپ ﷺ کا بدن چمک دار تھا اور کلائیاں دراز تھیں۔ ہتھیلی کشادہ تھی۔ دونوں ہتھیلیاں اور دونوں قدم پر گوشت تھے۔ ہاتھ پاؤں کی انگلیاں بلند (لمبی) تھیں۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تلوے گہرے تھے۔ برابر اور نرم تھے۔ دونوں قدم مبارک اس طرح کے تھے کہ اگر

پانی گرایا جاتا تو پانی ڈھل جاتا (میل کچیل سے پاک تھے)۔ جب چلتے تو پائے مبارک قوت سے اٹھاتے اور قدم اس طرح رکھتے کہ آگے کو جھک پڑتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آہستہ اور نرمی سے چلتے تھے۔ جب کبھی تیز تیز چلتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ بلندی سے پستی کی جانب اتر رہے ہیں۔ جب کسی شخص یا چیز کو دیکھنا چاہتے تو اچھی طرح سے دیکھتے دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت تھی جیسے چکور یا، کبوتر کا انڈا ہوتا ہے۔ اس مہر کا رنگ جسم اطہر کے رنگ کے موافق تھا اور اس پر تل تھے۔ سینۂ مبارک موتی کی مثل تھا۔ آپ کے پسینے کے خوشبو ایسی تھی جیسی خالص مشک کی خوشبو ہوتی ہے (راوی فرماتے ہیں کہ) میں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل یا بعد کوئی ایسا شخص نہیں دیکھا جس کے اس قدر اوصاف بیان کیے گئے ہوں۔

حضرت براء بن عازبؓ سے روایت ہے کہ میں نے کوئی بالوں والا سرخ لباس یعنی مخطط پہنے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ حسین نہیں دیکھا۔ حضرت انسؓ نے بیان کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتھیلی کو چھوا تو وہ دیبا اور حریر سے زیادہ نرم تھی اور کوئی ایسی خوشبو نہیں سونگھی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک سے زیادہ خوشبو دار ہو۔ انھی سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکرؓ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے تو یہ شعر پڑھتے تھے۔

امین مصطفی با لخیر یدعو

ضوء البدر زائله الظلام

ترجمہ: آپ ﷺ امین ہیں، برگزیدہ ہیں اور مخلوق کو نیکی کی طرف بلاتے ہیں۔ چودھویں کے چاند کی طرح روشن ہیں جو تاریکی دور کرتا ہے۔

آٹھواں شرف۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معنوی اوصاف کا ذکر

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا گیا کہ رسول علیہ السلام کے اخلاق کے بارے میں بتائیں، انھوں نے فرمایا کہ آپ ﷺ کا خلق قرآن تھا۔ اللہ تعالیٰ کے لیے ناخوش ہوتے تھے اور اس کی رضا کے لیے خوش ہوتے تھے۔ آپ ﷺ نے اپنے نفس کے لیے کسی سے انتقام نہیں لیا اور نہ اپنے نفس کے لیے کسی سے ناخوش ہوئے۔ جب یہ ملاحظہ فرماتے کہ کسی نے ایسی بات کی ہے جسے خدا نے حرام قرار دیا ہے تو اس سے انتقام لیتے تھے۔ تمام لوگوں سے زیادہ شجاع اور سب سے زیادہ بہادر تھے۔

حضرت علیؓ نے بیان کیا کہ جب کبھی ہم حالتِ خوف میں ہوتے تھے تو آپ کی پناہ میں آجاتے۔ سب لوگوں سے زیادہ سخی اور سب سے زیادہ فیاض تھے۔ آپ ﷺ نے کسی سے کبھی سوال نہیں کیا۔ پھر (حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مزید) فرمایا کہ آپ ﷺ رمضان کے مہینے میں دوسرے مہینوں کی بہ نسبت زیادہ سخی ہو جاتے تھے۔ ملکوں سے بے شمار درہم و دینار آتے

تھے، چناں چہ رات ہونے سے پہلے ہی آپ (اللہ کی راہ میں) خرچ فرما دیتے تھے۔ آپ ﷺ صرف ایک سال کے لیے اپنے اہل وعیال کے لیے کچھ رکھ لیتے تھے اور وہ بھی گندم۔ اگر خرما، جو، میدہ یا اسی طرح کی چیزیں پاتے تو وہ سب اللہ تعالیٰ کی راہ میں تقسیم فرما دیتے تھے۔ جو کچھ آتا تھا وہ اپنے نفس کے لیے جمع نہیں فرماتے تھے، حتیٰ کہ (وہ خوراک جو) آپ سال بھر کے لیے، اہل وعیال کی کفالت کے بطور رکھتے تھے وہ خوراک سال کے اندر اندر ختم نہ ہو جاتی تھی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر صاحب اہل وعیال سے کلام میں صادق ترین تھے۔ لوگوں سے زیادہ متحمل اور برد بار تھے۔ آپ ﷺ شرم وحیا میں اس سے بڑھ کر تھے جیسے کوئی کنواری لڑکی پردے میں ہوتی ہے۔ اپنی نگاہ مبارک نیچی رکھتے تھے۔ نظر مبارک زمین پر رہتی تھی۔ آپ ﷺ کی نظر آسمان کی طرف نہیں اٹھتی تھی۔ اگر کسی کو دیکھتے تو اکثر گوشۂ چشم سے دیکھتے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب لوگوں سے زیادہ متواضع تھے۔ ہر کوئی خواہ وہ دولت مند ہو یا مفلس، شریف ہو رذیل، ذمی ہو، آزاد ہو یا غلام، دعوت دیتا تو آپ ﷺ قبول فرما لیتے تھے۔ فتح مکہ کے دن، حضرت ابو بکرؓ اپنے والد کو قبول اسلام کے لیے، آپ کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے ابو بکر تم نے ایک ضعیف بوڑھے شخص کو یہاں لانے کی تکلیف دی۔ انھیں گھر میں رہنے دیتے، میں خود گھر چلا آتا حضرت ابو بکرؓ نے عرض کیا، محض ان کی بھلائی کے لیے، ان کے باپ اور ماں آپ پر فداں ہوں زیادہ مناسب یہی ہے کہ یہ آپ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوں۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سب لوگوں سے زیادہ نرم دل اور رحیم تھے۔ ایک روز آپ ﷺ نماز پڑھا رہے تھے۔ آپ ﷺ نے بچے کے رونے کی آواز سنی، اس کی ماں آپ ﷺ کی اقتدا میں نماز پڑھ رہی تھی۔ آپ ﷺ نے بچے اور اس کی ماں (کے اضطراب) کے خیال سے نماز مختصر کر دی۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سب لوگوں سے زیادہ صاحب عفت تھے۔ آپ نے اپنے دست مبارک سے کسی عورت کو نہ چھوا، مگر یہ کہ وہ عورت آپ کی مملوک تھی، منکوحہ تھی یا محرم تھی۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سب لوگوں سے زیادہ عظیم و معظم تھے۔ یہ عظمت وکرامت جسم کی فربہی کی وجہ سے نہ تھی (بلکہ اپنی ذات میں عظیم تھے) اگر کسی مجلس میں تشریف فرما ہوتے تو ساتھ بیٹھنے والے کو تکلیف نہ دیتے بلکہ اس کے لیے کشادگی پیدا فرماتے اور خود تنگ جگہ تشریف رکھتے۔ اگر کوئی شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دفعۃً دیکھتا تو اس پر ہیبت طاری ہو جاتی۔ جو شخص آپ سے میل جول رکھتا اور مصاحبت اختیار کرتا اس کے لیے اصحاب رفیق بن جاتے جو لوگوں کو خبر دار کرتے کہ خاموش رہو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں غور سے سنو اگر آپ ﷺ کسی کام کا حکم فرماتے تو اصحابؓ فوراً اس حکم کی تعمیل کرتے۔ اگر کوئی شخص آپ سے ملاقات کے لیے آتا تو آپ ابتدا سلام سے کرتے۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ میرا رتبہ بیان کرنے میں حد سے تجاوز نہ کرو جیسے عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے باب میں حد سے بڑھ گئے ہیں۔ بات اسی قدر ہے کہ میں اللہ کا بندہ ہوں چنانچہ میرے لیے عبدہٗ ورسولہ (اللہ کا

بندہ اور رسول) کہو۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے ہر معاملے کی خبر گیری اپنے اہل خانہ سے زیادہ کرتے تھے اور فرماتے تھے بے شک اللہ تعالیٰ اپنے اس بندے کو دوست رکھتا ہے جو اپنے بھائیوں سے اس غرض سے ملنے جاتا ہے کہ ان کی خبر گیری اور مدد کرے۔ آپ ﷺ اصحابؓ کے حالات دریافت فرماتے رہتے تھے۔ اگر کوئی بیمار ہوتا تو اس کی عیادت کے لیے تشریف لے جاتے اگر اُن میں سے کوئی موجود نہ ہوتا یعنی سفر میں ہوتا تو اس کے اہل وعیال کی خبر گیری فرماتے۔ ان میں سے اگر کوئی فوت ہوجاتا تو اِنَّالِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ[1] (بے شک ہم اللہ ہی کے ہیں اور بے شک ہم کو اسی کی طرف لوٹنا ہے) پڑھتے۔ اس کے لیے دعائے مغفرت فرماتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی بارے میں یہ محسوس فرماتے کہ اسے میری جانب سے شکایت ہے تو فرماتے کہ فلاں شخص مجھ سے رنجیدہ ہے یا اس نے میری کوئی تقصیر دیکھی ہے، مجھے اس کے پاس لے چلو، چنانچہ آپ ﷺ اس کے پاس تشریف لے جاتے، یہاں تک کہ وہ (خوش ہوکر) آپ ﷺ کے حجرہ مبارک پر حاضر ہوتا۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اصحابؓ کے باغوں میں جو آپ ﷺ کی دعوت کرتا تشریف لے جاتے اور کھانا تناول فرماتے۔ آپ ﷺ ارباب بزرگی کی تکریم فرماتے اور اہل علم وفضل کی عزت کرتے تھے۔ اپنا روئے مبارک کسی کی طرف سے نہ پھیرتے تھے۔ عذر کرنے والے کے عذر کو قبول فرما لیتے۔ آپ ﷺ کی نظر مبارک میں، امر حق میں ضعیف وقوی، قریب وبعید یکساں تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص سے علاحدہ ہوجاتے جو آپ ﷺ کے پیچھے چلتا اور فرماتے کہ میری پشت کو ملائکہ کے لیے چھوڑ دو اور اس شخص سے علاحدہ نہ ہوتے جو آپ ﷺ کے ساتھ ساتھ ہوتا حالاں کہ آپ ﷺ سوار ہوتے تو اسے بھی سوار کراتے۔ اگر وہ (سوار ہونے سے) انکار کرتا تو فرماتے کہ مجھ سے ارادہ کردہ جگہ تک علاحدہ ہوجاؤ۔

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد قبا تشریف لے گئے۔ حضرت ابو ہریرہؓ ہمراہ تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا، اے ابو ہریرہ تم بھی سوار ہوجاؤ۔ انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں سوار ہونا نہیں چاہتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر سوار ہونے کے لیے فرمایا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھاری جسم کے ساتھ، سوار ہونے پر قادر نہ ہوسکے (گرنے لگے تو) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں سنبھالنے کی کوشش فرمائی (اس کوشش میں) آپ ﷺ اور ابو ہریرہ دونوں زمین پر آرہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دوبارہ سوار ہوئے اور فرمایا، اے ابو ہریرہ میں تمھیں سوار کرتا ہوں۔ انھوں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ میں سوار ہونا نہیں چاہتا (حکم کی بجا آوری کے لیے سوار ہونے لگے) سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لٹک گئے چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو ہریرہؓ پھر دونوں زمین پر گر پڑے۔ تیسری بار فرمایا، اے ابو ہریرہ کیا میں تمھیں سوار کروں۔ انھوں نے عرض کیا ہرگز نہیں میں اس ذات پاک کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ بے شک آپ ﷺ کو حق وراستی کے

---

[1] پارہ ۲۔ سورہ البقرہ، آیت ۱۵۶۔

ساتھ بھیجا گیا ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ تیسری بار آپ ﷺ کو زمین پر گرنے کی زحمت دوں۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے غلاموں اور کنیزوں پر کھانے یا پہننے کے بارے میں ہرگز سختی نہیں فرماتے تھے (بلکہ) اپنے خادم کی خدمت فرمادیا کرتے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دس سال خدمت کی۔ میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ سفر ہو یا حضر، میں نے آپ کی اتنی خدمت نہ کی جتنی آپ نے میری خدمت کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی میرے کام کے بارے میں نہ فرمایا کہ تم نے یہ کام اس طرح کیوں کیا اگر مجھ سے تساہل ہوتا تو کبھی یہ نہیں فرمایا کہ تم نے یہ کام کیوں نہیں کیا۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم دورانِ سفر خود بکری (کا ذبیحہ) درست فرمالیتے تھے۔ (ایک مرتبہ) ایک شخص نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ (بکری کا) ذبح کرنا میرے ذمے ہے۔ دوسرے نے عرض کیا کہ صاف کرنا میرے ذمے ہے۔ تیسرے نے عرض کیا کہ پکانا میرے ذمے ہے۔ پس رسول علیہ السلام نے فرمایا کہ جلانے کی لکڑیاں جمع کرنا میرے ذمے ہے۔ اس پر سب نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ ہم اس کام کے لیے کافی ہیں (لکڑیاں بھی جمع کرلیں گے)۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں یہ بات اچھی طرح جانتا ہوں کہ اس کام کے لیے کافی ہو لیکن میں یہ بات پسند نہیں کرتا کہ اس معاملے میں میں تم سے جدا اور ممتاز نظر آؤں، کیوں کہ اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کی یہ بات پسند نہیں کرتا کہ وہ اپنے اصحاب میں خود کو سب سے جدا اور ممتاز ظاہر کرے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کھڑے ہوئے اور لکڑیاں جمع کیں۔

ایک مرتبہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں تھے۔ جب منزل پر اترے تو ادائے نماز کے لیے مصلے کی طرف آگے بڑھے۔ ادائے نماز کے بعد فرمایا کہ میں اپنی اونٹنی کو چارہ کھلانا چاہتا ہوں۔ صحابہؓ نے عرض کی کہ آپ ﷺ کے اس کام کے لیے ہم کافی ہیں۔ فرمایا اگر تم میں اتنے ہی اور لوگ شامل ہوجائیں تو اونٹنی کو چارہ نہیں کھلا سکتے۔

ایک روز آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس حالت میں تشریف فرما تھے کہ صحابہؓ کے ساتھ کھجوریں تناول فرما رہے تھے۔ اس اثنا میں حضرت صہیبؓ حاضر خدمت ہوئے۔ انھوں نے آشوبِ چشم کے سبب اپنی آنکھ کو چھپا رکھا تھا۔ ان کے دل میں خواہش پیدا ہوئی اور انھوں نے کھجور کھانا شروع کردیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے صہیبؓ تم مٹھاس کھا رہے ہو حالانکہ آنکھ کے مرض میں مبتلا ہو۔ عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، میں صرف صحت مند آنکھ کی جانب سے کھجوریں کھا رہا ہوں۔ رسول علیہ السلام نے ان کے اس جواب پر تبسم فرمایا۔

اسی طرح ایک روز آپ ﷺ تازہ تازہ کھجوریں تناول فرما رہے تھے کہ حضرت علیؓ حاضر خدمت ہوئے۔ وہ آشوبِ چشم میں مبتلا تھے۔ انھوں نے کھجوریں کھانا شروع کردیا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا، اے علیؓ تم دردِ چشم میں مبتلا ہونے کے باوجود مٹھاس کھا رہے ہو۔ حضرت علیؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر مبارک سے ایک طرف ہٹ گئے حالاں کہ آپ ﷺ انھیں دیکھ رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایک کرکے سات کھجوریں ان کے سامنے ڈالیں پھر فرمایا،

تمھیں یہ سات کھجوریں کافی ہیں، ان سے تمھیں کچھ نقصان نہ ہوگا جب کہ تم طاق عدد کھجوریں کھاؤ۔

ایک مرتبہ حضرت ام سلمہؓ نے ثرید (شوربے میں چوری ہوئی روٹی) کی ایک طشتری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تحفتاً بھیجی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہؓ کے ہاں تشریف فرما تھے۔ حضرت عائشہؓ نے ثرید کو زمین پر پھینک دیا اور طشتری توڑ دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ثرید اور طشتری کو سمیٹا اور فرمایا، تم نے اپنی ماں سے غیرت کی، تم نے اپنی ماں سے غیرت کی۔

ایک مرتبہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم رات کو ازواج مطہرات سے باتیں کررہے تھے۔ ایک ام المومنین نے کہا یہ کلام، کلامِ خرافہ ہے۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا، جانتی ہو خرافہ کیا ہے؟۔ خرافہ قبیلۂ عذرہ کا ایک شخص تھا۔ زمانۂ جاہلیت میں وہ مدتوں جن کی قید میں رہا پھر جنوں نے اسے رہا کردیا، چناں چہ یہ خرافہ تھا جو لوگوں سے جنوں کے برے قصے جو اس نے دیکھے تھے بیان کرتا تھا۔ اس بنا پر لوگ اس کی باتوں کو خرافہ کہنے لگے۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے حجرۂ مبارکہ میں تشریف لے آتے تو مدتِ قیام کو تین حصوں میں تقسیم فرماتے تھے۔ ایک حصہ اپنے نفس کے لیے اور دوسرا حصہ اپنے اہل بیت کی خبر گیری کے لیے۔ پھر اس حصے کو جو آپ اپنے نفس کے لیے مقرر فرماتے دو حصوں میں تقسیم فرماتے۔ ایک اپنے لیے اور دوسرا عام لوگوں کے لیے، چنانچہ عام وخاص آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور یہ آپ ﷺ کی سیرت پاک میں شامل تھا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے حق میں ہمیشہ روا رکھا۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم، اہل فضل کو ان کے دینی فضل کے اندازے کے مطابق پسند اور اختیار فرماتے۔ ان میں سے بعض کی ایک حاجت ہوتی اور بعض کی زیادہ حاجتیں ہوتیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے درمیان رہتے۔ ان کے ساتھ نماز پڑھانے میں مشغول ہوتے اور انھیں ہر اس بات کی خبر دیتے تھے جو ان کے لائق ہوتی۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ تمھیں چاہیے کہ میرا حکم حاضر و غایب کو پہنچاؤ اور مجھے اس شخص کی ضرورت سے آگاہ کرو جو اپنی ضرورت (مجھ تک پہنچانے) کی طاقت نہیں رکھتا۔ پس بے شک جو شخص بادشاہ کے پاس ایسے شخص کی حاجت پہنچائے جسے اپنی حاجت (بادشاہ تک) پہنچانے کی طاقت نہیں، اللہ تعالیٰ قیامت میں اس کے دونوں قدم مضبوط کرے گا۔ آپ کی مجلس مبارک میں یہی باتیں ہوتی تھیں۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب سے محبت فرماتے اور انھیں ناخوش نہ کرتے تھے۔ آپ ﷺ ہر قوم کے سردار کے جو اس قوم کا حاکم ہوتا تھا، تکریم فرماتے تھے۔ نیک کام کرنے میں جو افضل ہوتا وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب تر ہوتا۔ جو شخص تمام مسلمانوں کا خیر خواہ ہوتا وہ آپ ﷺ کی نظر مبارک میں افضل ہوتا۔ جو شخص عام لوگوں کی غم خواری کرتا وہ آپ ﷺ کے نزدیک بزرگ تر ہوتا۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب بیٹھتے یا اٹھتے تو اللہ کا ذکر فرماتے تھے۔ جب کبھی کسی مجلس میں تشریف لاتے تو جہاں

جگہ مل جاتی وہیں تشریف رکھتے اور صحابہؓ کو بھی اسی امر کی تلقین فرماتے۔ آپ ﷺ اپنے مصاحب کا پورا حق ادا فرماتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کو ناپسند کرتے تھے کہ آپ ﷺ کا مصاحب کسی دوسرے پر اپنی برتری کا اظہار کرے۔ اگر کوئی شخص آپ ﷺ کے پاس آ کر بیٹھتا تو آپ اس وقت تک نہیں اٹھتے تھے جب تک کہ آنے والا خود نہ اٹھ جائے لیکن اگر کبھی ضروری کام ہوتا تو آنے والے کو مطلع کر کے اٹھ جاتے تھے۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی خدمت گار یا عورت کو نہیں مارا (بلکہ) کسی کو بھی سوائے جہاد کے نہیں مارا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صلہ رحمی فرماتے تھے اور اسے اپنی فضیلت میں ہونا پسند نہیں فرماتے تھے (یعنی اس کا ذکر ناپسند فرماتے تھے)۔ برائی کے بدلے برائی اختیار نہ فرماتے تھے (بلکہ) بالکل معاف فرما دیتے۔ بیماروں کی عیادت فرماتے۔ مساکین سے محبت فرماتے اور ان کے ساتھ نشست و برخاست رکھتے اور ان کے جنازوں میں شریک ہوتے تھے۔ کسی شخص کو مفلسی کے باعث حقیر نہیں سمجھتے تھے نہ کسی دولت مند سے اس کی دولت مندی کے باعث مرعوب ہوتے تھے۔ نعمت کی خواہ وہ کتنی ہی کم ہو تعظیم کرتے تھے۔ کسی نعمت کی برائی ظاہر نہ فرماتے۔ اپنے پڑوسی کی نگہداشت فرماتے اور اپنے مہمان کی تکریم کرتے تھے۔ اس کے بیٹھنے کے لیے اپنی چادر مبارک بچھاتے تھے۔

(ایک مرتبہ) ایک خاتون جنھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلایا تھا آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں چنانچہ آپ نے اُن کے لیے اپنی چادر مبارک بچھائی اور خوش آمدید کہا اور انھیں اپنی چادر شریف پر بٹھایا۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے مسکرا کر اور خندہ پیشانی سے ملتے تھے حالاں کہ غمِ آخرت کے خیال سے اکثر غم زدہ اور متفکر رہتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوقات شریفہ اللہ تعالیٰ کے کام میں صرف ہوتے تھے یا اُن کاموں میں صرف ہوتے، جو لوگوں اور اپنے اہل وعیال کے لیے کرنا ضروری ہوتے۔ اگر کسی امر میں اللہ کا حکم نہ ہوتا تو آپ ﷺ دو چیزوں میں سے آسان تر چیز کو پسند فرماتے تھے۔ اگر آپ طبعاً رحیم نہ ہوتے تو لوگ آپ ﷺ کے گرد جمع نہ ہوتے، آپ ﷺ سے دور دور رہتے۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کام خود ہی انجام دیتے تھے۔ اپنے جوتے اور کپڑے خود ہی اٹھاتے تھے۔ گھر کے کاموں میں شریک ہوتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھوڑے، اونٹ اور گدھے پر سوار ہوتے تھے اور اپنے غلام وغیرہ کو اپنے پیچھے بٹھاتے تھے۔ اپنی چادر مبارک کے سرے سے گھوڑے کے منھ کو صاف کر لیتے۔ آپ ﷺ اپنے عصائے مبارک کو سرہانہ بنا لیتے اور فرماتے تھے کہ عصا کو سرہانہ بنانا انبیا علیہم السلام کے اخلاق میں سے ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بکریاں چراتے تھے۔ انبیا میں سے کوئی نبی ایسا نہیں گزرا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر اس بچے کا جو آپ ﷺ کے خاندان میں پیدا ہوا، عقیقہ ترک نہیں کیا۔ نومولود کی پیدائش کے ساتویں روز آپ ﷺ اس کے سر کے بال منڈھواتے اور بالوں کے وزن کے برابر چاندی صدقہ فرماتے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نیک کو پسند فرماتے تھے اور فالِ بد کو ناپسند کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ ہم میں کوئی شخص ایسا نہیں ہے جو خود ہی اپنے لیے تکلیف پیدا نہیں کرتا لیکن اللہ تعالیٰ اس توکل کی برکت سے جو اللہ تعالیٰ پر ہوتا ہے، اس تکلیف کو دور فرماتا ہے۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی ایسی چیز پیش کی جاتی جو آپ ﷺ کو پسند ہوتی تو آپ ﷺ **الحمدلله رب العالمین** (اللہ تعالیٰ کا شکر واحسان ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے) فرماتے اور اگر کوئی ایسی چیز جو آپ ﷺ کو پسند نہ ہوتی تو فرماتے، **الحمدلله علیٰ کل حال** (ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا شکر واحسان ہے)۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے سے کھانا ہٹایا جاتا تو فرماتے: **اَلحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِی اَطعَمنَا وَسَقَانَا وَ آوانَا وَ جَعَلَنَا مِنُ المُسْلِمِین** (اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے ہمیں کھانا کھلایا، پانی پلایا، آرام کی جگہ عطا فرمائی اور ہمیں مسلمان (پیدا) کیا)۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ یہ فرماتے، میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں بہت زیادہ شکر اس میں پاکیزہ برکت دی گئی، (اپنے) غیر سے مکتفی کیا، (اپنی ذات سے) نہ رخصت کیا، نہ بے پروا کیا، اے ہمارے پروردگار۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب چھینک آتی تو اپنی آواز کو پست رکھتے اور اپنے چہرۂ مبارک کو ہاتھ یا کسی کپڑے سے چھپا لیتے اور الحمدللہ کہتے۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکثر وبیشتر قبلے کی جانب رخ فرما کر بیٹھتے اور جب مجلس میں تشریف رکھتے تو دونوں دست مبارک دونوں زانوے مبارک پر رکھتے۔ اللہ کا ذکر کثرت سے فرماتے اور باتیں کم کرتے تھے۔ لایعنی باتیں بالکل زبانِ مبارک پر نہ لاتے۔ نماز کو زیادہ طول دیتے، اور خطبہ کو کم فرماتے۔ ایک نشست میں سو بار استغفار کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اوّل شب میں نیند فرماتے، پھر نیند سے اٹھ جاتے۔ آخر شب میں نماز وتر ادا فرماتے تھے، پھر آرام کے لیے بستر پر تشریف لاتے اور جب اذان کی آواز سمع مبارک میں آتی تو بستر سے کھڑے ہوجاتے۔ اگر غسل کی حاجت ہوتی تو غسل فرماتے ورنہ وضو کر کے نماز کے لیے حجرۂ مبارک سے باہر تشریف لے آتے اور مسجد میں بحالت قیام نماز ادا فرماتے۔ یہ بھی روایت کیا گیا ہے کہ بیٹھ کر نماز پڑھتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب میرے پاس ہوتے تو اکثر نماز نفل بیٹھ کر پڑھتے تھے۔ نماز میں بہ سبب گریہ آپ ﷺ کی آواز دیگ کی آواز کے مشابہ ہوجاتی تھی۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم، پیر اور جمعرات کو نیز ہر ماہ میں تین یوم روزہ رکھتے تھے۔ دس محرم کو بہت کم روزہ رکھتے تھے۔ جمعے کے دن روزہ نہیں رکھتے اور شعبان کے مہینے میں کثرت سے روزہ رکھتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں نیند کرتی تھیں لیکن دل وحی کے انتظار میں بیدار رہتا تھا۔ جب نیند فرماتے تو آواز نہ کرتے تھے۔ اگر خواب میں کوئی ایسی بات دیکھتے جس سے خوف پیدا ہوتا تو **ھو الله لا شریک له** کہتے۔ (اللہ وہ جس کا کوئی شریک نہیں)۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم، سوتے وقت اپنا دایاں ہاتھ رخسار مبارک کے نیچے رکھتے اور دعا فرماتے **اَللّٰھُمَّ بِاسْمِکَ**

اَمُوتُ وَاَحْیٰ (اے میرے رب مجھے حشر کے دن اپنے عذاب سے محفوظ رکھ اور فرماتے میں تیرے نام کے ساتھ نیند کرتا ہوں)۔ اور جب بیدار ہوتے تو فرماتے: اَلْحَمدُ لِلّٰہِ الَّذی اَحیَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنا وَاِلَیہ النشُورِ (اللہ تعالیٰ کا شکر واحسان ہے کہ ہمیں موت دینے کے بعد زندہ کیا۔ اور اسی کی طرف لوٹنا ہے)۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب گفتگو فرماتے وہ صاف اور واضح ہوتی تا کہ مصاحب اسے یاد کرے اور ہر بات تین بار فرماتے تا کہ سامع آپ ﷺ کے کلام کو اچھی طرح سمجھ لے۔ اپنی زبان مبارک کو دنیا کے ذکر سے خاموش رکھتے تھے۔ آپ ﷺ کی گفتگو جامع ہوتی تھی اس میں فضول قسم کا کلام نہ ہوتا، بطور مثال شعر بھی پڑھتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر مسکراتے رہتے تھے۔ ایسا بہت کم ہوتا تھا کہ آپ ﷺ مسکرائے ہوں اور آپ ﷺ کے دندان مبارک ظاہر ہوئے ہوں۔ آپ ﷺ قہقہہ نہیں لگاتے تھے۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کھانے کی برائی نہیں کی اور نہ عیب بیان کیا۔ اگر خواہش ہوتی تو تناول فرماتے، خواہش نہ ہوتی تناول نہ فرماتے۔ آپ ﷺ نے تکیے کا سہارا لے کر کھانا تناول نہیں فرمایا نہ خوان پر سجا ہوا کھانا تناول فرمایا۔ آپ ﷺ مباح چیز کھانے سے انکار نہ فرماتے تھے۔ تحفے میں آیا ہوا کھانا تناول فرماتے تھے اور اس کے بدلے میں کچھ نہ کچھ عطا فرماتے تھے۔ آپ ﷺ صدقے کا کھانا تناول نہیں فرماتے تھے۔ کھانے کو سونگھتے بھی نہ تھے۔ جو کھانا میسر ہوتا تناول فرمالیتے۔ اگر گوشت ہوتا تو گوشت، نان ہوتی تو نان اور شہد میسر ہوتا تو شہد ہی تناول فرماتے۔ اگر دودھ مہیا کیا جاتا تو اسی پر کفایت فرماتے۔ دودھ پینے کے بعد روٹی تناول نہ فرماتے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات تک (کھانے پینے کا) یہی طریقہ قائم رکھا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دنیا سے تشریف لے جانے تک جو کی روٹی پیٹ بھر نہیں کھائی۔ آپ ﷺ کے اہل وعیال پر کبھی ایک مہینہ کبھی دو مہینے ایسے گزر جاتے کہ دولت کدے میں (طعام کے لیے) آگ روشن نہ ہوتی۔ آپ کا کھانا صرف کھجور اور پانی ہوتا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھوک کی وجہ سے اپنے پیٹ پر پتھر باندھتے تھے، جب کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو زمین کے خزانے عطا فرمائے تھے لیکن آپ نے انکار کیا اور قبول نہ فرمایا اور آخرت کو دنیا پر ترجیح دی۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت عائشہؓ کے ہاں اکثر تشریف لاتے تھے اور فرماتے کہ تمہارے پاس کچھ کھانے کو ہے۔ اگر حضرت عائشہؓ عرض کرتیں کہ کچھ نہیں ہے تو فرماتے البتہ میں روزے سے ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز حضرت عائشہؓ کے حجرے میں تشریف لائے۔ حضرت عائشہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ کسی نے ہمیں تحفہ بھجوایا ہے۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کیا چیز ہے، انھوں نے عرض کیا کہ حلوہ ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا، خیر دیر ہوگئی میں نے روزے کی حالت میں صبح کی ہے (یعنی کچھ نہیں کھایا) حضرت عائشہؓ نے عرض کیا کہ تناول فرمالیجیے چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ

وسلم نے سرکے کے ساتھ روٹی تناول فرمائی اور فرمایا کہ خوب ترین کھانا سرکے کے ساتھ روٹی کھانا ہے۔ آپ ﷺ پالتو مرغیوں کا اور سرخاب کا گوشت تناول فرماتے تھے کہ وہ اچھا معلوم ہوتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بکری کے دست کا گوشت پسند فرماتے تھے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ روغنِ زیتون کھایا کرو اور اپنے سروں میں ڈالا کرو، کیوں کہ بے شک وہ مبارک درخت کا تیل ہے۔ اشعار:

یا جاعل السنن النبی شعارہ ودثارہ
متمسکا بحدیثہ مستوفیا اخبارہ

ترجمہ: اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقوں کو اپنا لباس کرنے والے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کو مضبوط پکڑنے والے سب لوگ آپ ﷺ کی سنتوں کو اختیار کرتے ہیں۔

سنن الشریعة خذ بها متو سما آثارہ
وکذا طریق فاقتبس فی سبلها انوارہ

ترجمہ: شریعت کے طریقوں کو آپ ﷺ کے آثار کی علامت یقین کر اور ایسے طریقوں پر عمل کر کے آپ کے نور سے راستے روشن کرنے کا فائدہ حاصل کر۔

هو قدوة لک فاتخذونی سنن شعارہ
قد کان یقری ضیفهٗ یحفظ جارہ

ترجمہ: وہ تمھارے پیشوا ہیں پس آپ ﷺ کی سنتوں کو اپنا لباس بناؤ۔ بے شک آپ ﷺ مہمان کی عزت فرماتے اور اپنے ہمسائے کی نگہداشت کرتے تھے۔

وتجالس المسکین یوثر قربه وجوارہ
الفقر کان ردائوہ والجوع کان شعارہ [1]

ترجمہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم مساکین کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے تھے۔ ان سے قربت اور ہمسائگی پسند فرماتے تھے۔ فقر آپ ﷺ کی چادر اور بھوک آپ ﷺ کا متصل جسم لباس تھا۔

ترجمہ شعر ۵۔ مغرور سردار قوم کے لیے جو آپ ﷺ سے ملاقات کرنے حاضر ہوتا تو آپ ﷺ اس کی عزت کرنے کے لیے اپنی چادر مبارک بچھا دیتے۔

---

[1] س قصیدے کے نو اشعار ص ۳۰۴ (مطبوعہ نسخہ) پر نقل کیے گئے ہیں۔ ان میں سے چار اوپر نقل کر کے ترجمہ کر دیا گیا ہے باقی پانچ اشعار کی کتابت میں ص ہے اور گرفت میں نہیں آتے۔ آخری دو اشعار کا فارسی ترجمہ بھی نہیں کیا گیا ہے۔ مترجم نے بوجہ نقصِ کتابت اپنی سمجھ کے مطابق ترجمہ کر دیا ہے اور ل متن کے اشعار کو اردو ترجمے کے متن میں شامل نہیں کیا ہے۔ یہاں احتیاط کا یہی تقاضہ تھا۔

ترجمہ شعر ۶۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم غرور نہ فرماتے تھے کہ اپنے پاجامے کو کھینچیں۔[1]

ترجمہ شعر ۷۔ بے شک آپ ﷺ اپنے پڑوسی کو بہ سبب تواضع سواری پر بٹھا لیتے تھے خواہ وہ ایک سال سے آپ ﷺ کا پڑوسی ہوتا یا ایک رات اور ایک دن کا پڑوسی ہوتا۔

ترجمہ شعر ۸۔ منزل پر بکری کا دودھ خریدا۔ اپنی سنت کے ڈورے میں گرہ لگادی (سنت کو مضبوط فرمایا) خواہ وہ عمل برسوں کا تھا یا ایک دن رات کا۔

ترجمہ شعر ۹۔ منزل پر بکری کا دودھ خریدا۔ دشمن کا حق ادا کیا۔ وہ کیسے اچھے مہاجر تھے جن کی انصار عزت کرتے تھے۔

نواں شرف۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کا بیان

قرآن مجید آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عظیم ترین معجزہ ہے۔ دنیا جہان کے فصیح و بلیغ انسان قرآن مجید کی مثل (کتاب) پیش کرنے سے عاجز اور حیران رہے وہ ہی نہیں بلکہ ان جیسے اور لوگ بھی ان کے مددگار ہوجائیں تب بھی قرآن کی مثل پیش نہیں کرسکتے۔ قرآن مجید کے نازل ہونے کے بعد ساحرانِ زمانہ اس کی سچائی اور ہدایت پر ایمان لائے۔ ان سے سوال کیا گیا کہ اس کی مثل دس کامل سورتیں بنا کر لائیں لیکن ناکام رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض معجزات یہ ہیں۔

ان میں سے ایک حدیث سلیمان ہے۔ یہ ایک عالم کا قول ہے جو سال میں ایک بار بیت المقدس آتا تھا (اس نے کہا) بے شک میں جانتا ہوں کہ ملک عرب میں دنیا کا سب سے بڑا عالم مبعوث ہوا ہے۔ اگر تو وہاں جائے تو اُن سے ملاقات کرے گا۔ ان میں تین خاص باتیں ہیں:

(۱) وہ تحفے کا کھانا تناول فرماتے ہیں۔

(۲) وہ صدقے کا کھانا تناول نہیں فرماتے۔

(۳) ان کے دائیں کندھے پر نرم ہڈی کے قریب ''مہر نبوت'' ہے جو کبوتر کے انڈے کی مانند اور جسم کے ہم رنگ ہے پس یہ باتیں سننے والا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے آپ ﷺ کی ذات بابرکات میں یہ علامتیں پائیں۔

اُن میں سے معراج میں تشریف لے جانے کے وقت آپ ﷺ کے سینۂ مبارک کا کھولنا ہے۔ ان میں سے بیت المقدس کے بارے میں آپ ﷺ کا خبر دینا اور حالات بیان کرنا ہے حالاں کہ آپ ﷺ اس وقت مکۂ معظمہ میں

---

[1] چھٹے شعر کا صرف مصرعِ اولیٰ نقل کیا ہے دوسرا مصرع اصل متن میں تحریر ہی نہیں کیا گیا۔ شعر نمبر ۸ اور ۹ کا مصرع اولیٰ ایک ہی ہے۔ اس سے اصل کتاب میں سہو کتابت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح شعر ۷ اور ۸ کا مصرع ثانی لفظاً لفظاً ایک ہے۔ احقر مترجم نے اپنی سی ہر کوشش کی کہ کسی کتاب میں قصیدے کے یہ اشعار مل جائیں لیکن ناکام رہا۔ لاچار از روئے احتیاط ترجمہ کیا ہے جس کے درست ہونے میں مترجم کو احتمال ہے۔

تشریف رکھتے تھے۔ ان میں سے واقعۂ شق ہے یعنی چاند کا دو ٹکڑے ہو جانا۔ ان میں سے ایک معجزہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بے شک لڑائی کے دن کافروں کی جماعت پر مٹھی بھر خاک پھینکی پس اللہ تعالیٰ نے کافروں کو شکست دی۔ ان میں سے غار کا واقعہ ہے، جب کافروں کی جماعت آپ ﷺ کو تلاش کرنے کے لیے نکلی لیکن آپ ﷺ کو دیکھنے سے معذور رہی۔ ان میں سے یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ سے خالی دونوں تھنوں پر دست مبارک سے مسح کیا اور وہ دودھ سے بھر گئے۔ آپ ﷺ نے خود دودھ پیا اور حضرت ابو بکرؓ کو بھی پلایا۔ ان میں سے یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کے حق میں دعا فرمائی (کہ وہ اسلام لے آئیں اور) اللہ تعالیٰ اسلام کو عزت بخشے۔ ان میں سے حضرت علیؓ ابن ابی طالب کے لیے دعا فرمانا ہے کہ اللہ تعالیٰ انھیں موسم کی گرمی اور سردی سے محفوظ رکھے۔ ان میں سے یہ ہے کہ ان کے لیے دعا کی جب انھوں نے بے چینی کی شکایت کی۔ ان میں سے یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا لعاب دہن حضرت علیؓ کی آنکھ میں ڈالا جب وہ مرض چشم میں مبتلا تھے۔ ان میں سے یہ ہے کہ حضرت سمرہؓ غزوۂ حنین میں زخمی ہو گئے تھے[1] ان میں سے یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کے حق میں دعا فرمائی[2] ان میں سے حضرت جابر عبد اللہؓ کے اونٹ کے لیے دعا فرمانا ہے۔ ان میں سے یہ ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت سے حضرت جابرؓ کی کھجوروں میں برکت عطا فرمائی۔ ان میں سے آں حضرت ﷺ کا حضرت انسؓ کے لیے درازی عمر اور کثرت مال کی دعا فرمانا ہے۔ ان میں سے یہ ہے کہ آپ ﷺ سے حطیم (کعبے کی دیوار) نے شکایت کی اور آپ اُس وقت منبر پر تشریف فرما تھے۔ ان میں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عتبہ بن کعب کے لیے دعا فرمانا ہے۔ ان میں سے آپ ﷺ کا سراقہ کے باب میں دعا فرمانا ہے جب وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے وقت آپ ﷺ کو تلاش کر رہا تھا۔ ان میں یہ بھی ہے کہ درخت نے دریافت کرنے پر آپ کی نبوت کی گواہی دی۔ ان میں سے یہ ہے کہ بنی عامر کے قبیلے کے ایک اعرابی نے کہا ہے بے شک ....[3] (چیزیں آپ ﷺ کا حکم مانتی تھیں)۔ ان میں سے یہ ہے کہ آپ ﷺ نے دو درختوں کو حکم دیا چنانچہ وہ (ایک جگہ) جمع ہو گئے پھر انھیں واپسی کا حکم دیا تو ایک دوسرے سے الگ

---

[1] مطبوعہ نسخے (ص ۳۰۶) پر صرف اسی قدر تحریر کیا گیا ہے۔

[2] ایضاً۔

[3] اس معجزے شریف کی عربی عبارت یہ ہے:

منھا ان اعرابیا من بنی عامر قال انک تفعل اشیا ذلک ان ادادیک۔

اس کا فارسی ترجمہ جو نقل کیا گیا ہے یہ ہے:

''وبعض از ایشاں اینست کہ یکی اعرابی بود از قبیلۂ بنی عامر گفت ہر آئینہ میگوئی چیز ہارا''

''چیز ہارا'' پر ترجمہ ختم کر دیا گیا ہے۔ عربی عبارت بھی صحیح نہیں ہے، اس لیے مترجم نے بدرجۂ مجبوری ترجمے کو ادھورا چھوڑ دیا ہے اور قارئین سے معذرت خواہ ہے۔ قیاسی مفہوم قوسین میں درج کر دیا گیا ہے۔

ہوگئے۔ ان میں سے یہ ہے کہ آپ نے انسؓ کو[1] حکم دیا کہ وہ ابی حارس رحم اللہ کے باغوں کی جانب جائیں ان میں سے یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نیند فرمارہے تھے، چناں چہ ایک درخت زمین کو شق کرتا ہوا آیا حتیٰ کہ (سایے کے لیے) آپ ﷺ کے پاس کھڑا رہا۔ ان میں سے شجر و حجر کا اس رات کو جس میں آپ ﷺ مبعوث ہوئے سلام کرنا ہے۔ ان میں سے خشک درخت کے تنے کا گریہ کرنا ہے جب آپ ﷺ خطبہ دے رہے تھے۔ ان میں سنگریزوں کا تسبیح کرنا ہے، ان میں کھانے کا تسبیح کرنا ہے۔ ان میں بکری کے دست کا یہ کلام کرنا ہے کہ مجھ میں زہر ملایا گیا ہے[2]۔

ان میں سے یہ ہے کہ اونٹوں نے شکایت کی۔ ان میں قتادہ بن نعمان کا چشمہ ہے۔ ان میں یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے دن پیش گوئی فرمائی۔ ان میں یہ ہے کہ آپ ﷺ نے امام حسینؓ کے بارے میں فرمایا کہ میرا یہ بیٹا شہید کیا جائے گا۔ ان میں یہ ہے کہ آپ ﷺ نے نخعی کذاب کے مارے جانے کی خبر دی۔ ان میں یہ ہے کہ آپ ﷺ نے چیز کے لپیٹے جانے کی خبر دی۔ فرمایا صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میرے لیے زمین لپیٹ دی گئی چنانچہ میں نے اس کے مشرقوں اور مغربوں کا مشاہدہ کیا۔ ان میں سے آپ ﷺ کا ثابت بن قیسؓ کے لیے یہ فرمانا ہے کہ وہ خیر و خوبی کے ساتھ زندہ رہیں گے ان میں یہ ہے کہ ابولہب کی بیوی نے آپ ﷺ سے بے ادبی کی تھی چنانچہ سورہ تبت یدا ابی لہب نازل ہوئی۔

ان میں سے یہ ہے کہ ایک شخص مرتد ہوگیا اور مشرکوں میں شامل ہوگیا۔ ان میں سے یہ ہے کہ ایک شخص اپنے بائیں ہاتھ سے کھانا کھاتا تھا۔ ان میں سے یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارے سے کعبے کے بت سرنگوں ہوگئے۔ ان میں سے یہ ہے کہ بازن بن المغضومہ بت کی پرستش کررہا تھا چناں چہ اس نے آواز سنی کہ وہ بت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی جانب اشارہ کررہا تھا۔ ان میں غیب سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر گواہی دینا ہے۔ ان میں سے یہ ہے کہ آپ

---

[1] مذکورہ بالا عبارات کے علاوہ مطبوعہ نسخے کے صفحہ ۳۰۶ پر مندرجہ ذیل عبارتیں فارسی ترجمے کے بغیر نقل کی گئی ہیں:

منها ان طيبه وقعت فى شبكة

منها القيا والصالحين هن الابل

منها اندراذان نجراست بذامات اوسعا

منها امة خبران الطوائف من امتى

منها قوله بعثمان انه سقه

منها قوله لا انصار لكم انكم سمترون بعدى

احقر مترجم نے بعض فاضل دوستوں سے ان عبارات کے مفہوم کے بارے میں رجوع کیا لیکن کسی مفید مطلب نتیجے تک پہنچنے میں ناکام رہا۔ مترجم نے اپنی مجبوری کے پیش نظر ان عبارات کا ترجمہ زیر نظر اردو متن میں نہیں کیا ہے۔

[2] اس معجزے شریف کی عربی عبارت یہ ہے:

منها امر انسان ان ينطلق الى نخلات ابى حارس رحم الله. لیکن فارسی ترجمے میں ''انسان'' کے بجائے ''انس'' دیا گیا ہے۔ مترجم نے اس حکم کو حضرت انسؓ پر محمول کیا ہے۔ معجزے شریف کے بارے میں بھی کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ کیا وقوع پذیر ہوا)۔

صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صاع (ساڑھے تین سیر) سے اہل خندق کو کھلایا اور وہ ہزار افراد تھے۔ ان میں یہ ہے کہ بہت قلیل کھجوریں کھلائیں۔ ان میں یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ابو ہریرہؓ دو کھجور لے آئے۔ ان میں سے یہ ہے کہ بے شک پھر ثرید کا پیالہ لایا گیا۔ ان میں سے یہ ہے کہ بے شک ایک قدح دودھ سے اہل صفہؓ سیراب ہوگئے۔ ان میں سے یہ ہے کہ آپ ﷺ کی صاحبزادیوں میں سے حضرت زینبؓ نے بہت ہی کم ثرید میں سے کھانا کھایا۔ ان میں سے یہ ہے کہ بے شک پھر ثرید کا پیالہ لایا گیا[1] ان میں سے یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مٹھی جو سے اسی افراد کو کھلایا[2] ان میں سے یہ ہے کہ جابرؓ نے کہا، حدیبیہ کے دن لوگ پیاسے تھے۔ ان میں سے ہے کہ پانی کا پیالہ لایا گیا[3] ان میں سے دو توشے دان والی کا قضیہ ہے۔ ان میں سے یہ ہے جو جنگ تبوک میں واقع ہوا۔ ان میں سے یہ ہے کہ ایک جماعت نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی۔ ان میں سے یہ ہے ابو جہل نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ طلب کی تھی۔ ان میں سے یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ طائف میں تھے۔ ان میں سے یہ ہے کہ ایک عورت بچے کو آپ ﷺ کی خدمت میں لائی تھی۔ ان میں سے تلوار کا زخم اچھا ہونا ہے۔ ان میں سے حاطب بن ابی بلتعہ کا خط وکتابت کرنا ہے۔ ان میں سے یہ ہے کہ اس جماعت کے مردوں کے دونوں پیر لمبے تھے۔ ان میں سے زہر آلودہ کھانا کھانا ہے کہ وفات پائی اور اس کا اثر ظاہر ہوا[4]

ان میں سے یہ ہے کہ ان کے لشکر میں ایک شخص تھا جو کسی چیز کو نہ چھوڑتا تھا۔ ان میں سے یہ ہے کہ جب وہ لوگ خندق میں حاضر ہوئے تو تحفہ پیش کیا۔ ان میں سے یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل حجاز کے تاجر ابی رافع سے مقاتلہ کیا جب وہ بلندی سے نیچے آیا۔

حقیقت یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری معجزات اور روشن دلیلیں بے شمار ہیں جن کا اندازہ ناممکن ہے۔

---

[1] یہ معجزہ دو مرتبہ تحریر کیا گیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں مطبوعہ نسخہ ص ۳۰۷۔ سطریں ۱۷ اور ۱۸۔

[2] اس کے بعد مندرجہ ذیل عبارتیں صفحہ ۳۰۷ پر نقل کی گئی ہیں، جن کا ترجمہ عبارتوں کے ابہام کے سبب نہیں کیا گیا۔ ان کا فارسی ترجمہ بھی مطبوعہ نسخے میں نہیں کیا گیا ہے: **منها انه عمر عمران یزود اربع مایة راکب**۔ ان میں سے یہ کہ عمر عمران نے چار سو سواروں کا زادِ راہ دیا۔

منها عن جابربن عبدالله قال صلوٰةالعصر ولیس معناها غیرفضیلت۔

ان میں سے یہ کہ حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا نماز عصر اور اس کے معنی نہیں بغیر فضیلت۔

[3] اس کے بعد "**منها انه انی یعقب فیه**" ان میں سے یہ کہ بے شک میں عاقب ہوں کی عبارت کا ترجمہ بہ سبب مبہم ہونے کے نہیں کیا گیا ہے۔ اس کا فارسی ترجمہ بھی مطبوعہ نسخے میں چھوڑ دیا گیا ہے)۔

[4] مطبوعہ نسخے کے صفحہ ۳۰۸ کی سطر ۷ اور ۸ پر نقل کیا گیا ہے:

(اصل عبارت) **منهالی سم الطعام مات الذی معه**

(فارسی ترجمہ) وبعض ازاں خوردن طعام زہر آلودیکہ وفات یافت واثر اوظاہر شد۔ اس کا ترجمہ اردو ترجمے کے متن میں کردیا گیا ہے اگر کوئی صاحب علم اس روایت کی تحقیق سے متعلق مطلع فرمائیں تو احقر مترجم بے حد ممنون ہوگا۔

آپ ﷺ پر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور سلام ہو۔

دسواں شرف۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کا ذکر

وہ پہلی خاتون جن سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح فرمایا، حضرت خدیجہؓ بنتِ خویلد بن اسد بنی عبدالعزیٰ بن قصی تھیں۔ وہ آپ ﷺ کی زوجیت میں رہیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو مبعوث فرمایا اور وہ آپ ﷺ پر ایمان لائیں۔ جب حضرت خدیجہؓ کا آپ ﷺ سے نکاح ہوا تو اس سے قبل دو اشخاص سے ان کا نکاح ہو چکا تھا۔ پھر وہ اپنی وفات تک آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہیں اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہؓ کی حیات میں کسی عورت سے نکاح نہیں فرمایا یہاں تک کہ حضرت خدیجہؓ نے وفات پائی۔

روایت ہے کہ حضرت علیہ السلام، حضرت عائشہؓ سے حضرت خدیجہؓ کی اس قدر اوصاف اور خوبیاں بیان فرماتے تھے کہ انھیں تفصیل سے بیان نہیں کیا جاسکتا۔ آپ ﷺ حضرت خدیجہؓ کی ثنا کرنے سے نہیں اکتاتے تھے حتیٰ کہ حضرت عائشہؓ غیرت کے جوش میں آ جاتیں۔ حضرت خدیجہؓ پہلی خاتون تھیں جنھیں آپ ﷺ نکاح میں لائے۔

حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سودہ بنت زمعہؓ کو اپنے نکاح میں لائے۔ یہ نکاح مکہ معظّمہ میں ہجرت سے قبل ہوا تھا۔ اس سے قبل حضرت سودہؓ، سکرانؓ بن عمرو کے نکاح میں تھیں۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں طلاق دینی چاہی لیکن انھوں نے اپنی باری حضرت عائشہؓ کو دے دی اور کہا کہ مجھے مردوں سے رغبت نہیں ہے لیکن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کا شرف چھوڑنا نہیں چاہتی۔

حضرت سودہؓ کے بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ بنت ابوبکر صدیقؓ سے نکاح کیا یہ نکاح مکۂ معظّمہ میں ہجرت سے دو سال قبل ہوا اور بعض کہتے ہیں سات سال قبل ہوا۔ حضرت عائشہؓ نے مدینہ طیبہ میں ۵۸ھ ہجری میں وفات پائی اور بعض ۵۷ھ ہجری کہتے ہیں۔ انھیں بقیع کے قبرستان میں دفن کیا گیا ان کی نماز جنازہ حضرت ابو ہریرہؓ نے پڑھائی۔ اُن کے علاوہ کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک نہ تھا۔ ان سے جنین (پیٹ کا بچہ) ساقط ہوا۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہؓ بنت عمرؓ سے نکاح کیا۔ نکاح سے پہلے وہ خنیسؓ بن خلافہ حیسب کے عقد میں تھیں۔ حضور ﷺ نے انھیں طلاق دی تھی پس جبریل علیہ السلام آئے اور ان کی بے حد تعریف کی کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان سے رجوع کریں چناں چہ ایسا ہی کیا۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام حبیبہؓ بنت ابی سفیان سے نکاح فرمایا۔ اس سے پہلے وہ عبداللہ بن جحش کے نکاح میں تھیں اور حبشہ ہجرت کر گئی تھیں۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہؓ ہند بنت ابی امیہ سے نکاح فرمایا۔ اس سے پہلے وہ ابو مسلمہ کے نکاح

میں تھیں۔ وہ رسول علیہ السلام کی آخری بیبیوں سے تھیں اور سب سے آخری بی بی حضرت میمونہؓ سے پہلے نکاح میں آئیں۔ حضرت اِم سلمہؓ بعد کی بیبیوں میں سے بھی تھیں اور ازواج مطہرات میں سب سے آخر میں ان کی وفات ہوئی۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زینب بنت جحش سے نکاح فرمایا۔ وہ یعنی حضرت زینب حضور علیہ السلام کی پھوپھی کی دختر تھیں جن کا نام امیمہ تھا۔ حضرت زینبؓ حضور علیہ السلام کے غلام زیدؓ بن حارث کے نکاح میں تھیں۔ حضرت زیدؓ نے انھیں طلاق دی جس کے بعد خدائے تعالیٰ نے آسمان میں اُن کا نکاح حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا۔ صحیح روایت میں ہے کہ حضرت زینبؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجؓ سے کہتی تھیں کہ آپ کے والدوں نے آپ کا عقد کیا ہے لیکن میرا نکاح اللہ تعالیٰ نے ساتویں آسمان کے اوپر کیا ہے۔ حضرت زینبؓ نے ۱۶ھ ہجری میں مدینہ طیبہ میں وفات پائی۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جویریہؓ بنت الحارث سے نکاح فرمایا جو غزوۂ بنی مصطلق کے مال غنیمت میں حاصل ہوئی تھیں۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہؓ بنت حیی سے نکاح فرمایا۔ یہ بی بی ۷ھ ہجری کے غزوۂ خیبر میں بطور لونڈی حاصل ہوئی تھیں۔ حضور علیہ السلام نے انھیں اپنے لیے منتخب فرمایا اور انھیں آزاد کیا۔ یہی آزادی ان کا مہر تھا۔ (اس سے قبل) وہ کنانہ بن ابی الحقیق کی زوجیت میں تھیں۔ (نکاح کے وقت) چھتیس سال کی تھیں، بعض کہتے ہیں پچاس سال کی تھیں۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہؓ بنت حارث سے نکاح فرمایا۔ یہ بی بی خالد بن ولیدؓ کی خالہ تھیں[۱] حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے موضع سرف میں نکاح پڑھایا۔ اس موضع کی بنیاد رایاد نے رکھی تھی۔ ان کی (حضرت میمونہؓ کی) وفات موضع سرف میں ہوئی اور یہیں دفن کی گئیں۔ ازواج مطہرات میں سے جس کا سب سے آخر میں انتقال ہوا وہ یہی بی بی تھیں۔ یہ پہلے سیرہ المعابری کی زوجیت میں تھیں۔ حضرت میمونہؓ نے ۶۳ھ ہجری میں انتقال فرمایا۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اِن (مذکورہ) بیبیوں سے حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد نکاح کیا تھا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینبؓ بنت خزیمہ سے نکاح فرمایا، مساکین کو کثرت سے کھانا کھلانے کے باعث انھیں ام المساکین

---

[۱] اس عبارت کے بعد مطبوعہ نسخے (ص ۳۰۹) میں یہ عبارت ہے۔

''وعبداللہ بن عباس کے نکاح اور موضع سرف، وبنا کرد آں موضع را رایا دو مردہ درو دفن کرد۔ ووی آخرین ازواج وآخرین کسی کہ مردہ ازیشاں بود۔''

اس عبارت کے پہلے جملے میں ابہام ہے۔ لفظی ترجمہ یہ ہوگا:

''اور عبداللہ بن عباس کہ نکاح ان کو موضع سرف میں''

کسی فعل کے شامل جملہ نہ ہونے کی وجہ سے عبارت مبہم ہوگئی ہے۔ شاید مراد یہ ہو کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے نکاح پڑھایا۔ واللہ اعلم بہر حال یہاں قیاسی ترجمہ کیا گیا ہے۔ اسی عبارت کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ ام المومنین حضرت میمونہؓ کی وفات تمام امہاتؓ کے آخر میں بتائی گئی ہے، جب کہ حضرت ام سلمہؓ سے متعلق بھی اسی صفحے پر یہی تحریر کیا گیا ہے، ملاحظہ ہو سطر ۵ اور ۶۔

کہا جاتا ہے۔ حضور علیہ السلام سے نکاح کرنے سے پہلے حضرت زینبؓ عبداللہ بن جحش کے عقد میں تھیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ طفیل بن الحرث کے نکاح میں تھیں۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ بنت ضحاک، اساف ہمشیرہ دحیۃ الکلبی، اور اسما بنت کعب الجونیہ عمر بن زید سے نکاح کیا اور بنی کلب ثم بنی الوحید کی ایک خاتون سے نکاح کیا لیکن ہم بستری سے قبل انھیں طلاق دے دی۔ عفا کی ایک خاتون سے نکاح فرمایا۔ جب اُن خاتون نے کپڑے اتارے تو ان کے جسم پر سفید داغ (برص کے داغ) ظاہر ہوئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم اپنے گھر والوں کے پاس چلی جاؤ۔ تہیمہ کی ایک عورت سے نکاح فرمایا، جب اس کے ساتھ داخل ہوئے تو اس نے عرض کیا میں اللہ تعالیٰ سے آپ ﷺ سے پناہ مانگتی ہوں پس آپ ﷺ نے فرمایا مجھے اللہ تعالیٰ نے منع فرمادیا تم اپنے گھر والوں کے پاس چلی جاؤ۔ آپ ﷺ نے عالیہ بنت طنبیان سے نکاح فرمایا پھر بعد میں طلاق دے دی۔ آپ ﷺ نے بنت الصلت سے نکاح فرمایا لیکن وہ آنے سے پہلے انتقال کر گئیں۔ آپ ﷺ نے ملکیہ ایکشیہ سے نکاح فرمایا، جب داخل ہوئے تو فرمایا اپنے نفس کو ہبہ کر۔ عرض کیا کہ میں اپنے نفس کو ہبہ کرتی ہوں۔ آپ ﷺ نے ایک مرمرہ عورت (نازک عورت) کے پاس پیغام بھیجا۔ اس کے والد نے کہا کہ اس کے جسم پر برص کے داغ ہیں، حالاں کہ اس کے جسم پر برص کے داغ نہ تھے چناں چہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ارادہ ترک فرمایا۔ وہ عورت واقعی مبروص ہوگئی۔ آپ ﷺ نے ایک خاتون کو نکاح کا پیغام بھیجا، پس کہا گیا کہ وہ کبھی مریض نہیں ہوئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ عورت خدا کے نزدیک کچھ بھی نہیں ہے، چناں چہ آپ ﷺ نے اس سے نکاح کا ارادہ ترک فرمالیا۔ بیان کیا گیا ہے کہ بے شک آپ ﷺ نے اُن خاتون سے نکاح کیا تھا۔ اس کے بعد جب اُن کے والد نے یہ بات کہی تو آپ ﷺ نے انھیں طلاق دے دی اور ہم بستر نہ ہوئے۔ یہ واقعہ ابو معتبہ نے کتاب ''شرف النبوۃ'' میں بیان کیا ہے۔

بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اکیس (۲۱) ازواج تھیں، ان میں سے چھ کو آپ ﷺ نے طلاق دی اور پانچ (۵) نے آپ ﷺ کی حیات مبارکہ میں وفات پائی۔ آپ ﷺ نے اپنی وفات کے بعد گیارہ (۱۱) ازواج چھوڑیں۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ایک بی بی کو ان کے مہر میں پانچ پانچ سو درم عطا فرمائے تھے۔ جو کچھ کہا گیا ہے یہی صحیح تر ہے سوائے حضرت صفیہؓ کے پس ان کو آزاد کرنا ہی بے شک ان کا مہر تھا۔ ان کے بارے میں مہر ادا کرنے کی کوئی روایت نہیں کی گئی۔ ان کے علاوہ حضرت ام حبیبہؓ کا مہر نجاشی نے ادا کیا۔

گیارھواں شرف۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادوں کا ذکر

حضرت خدیجہؓ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صاحبزادے قبل اسلام پیدا ہوئے اور بعد اسلام حضرت قاسم پیدا ہوئے۔ ان کی ولادت کی بنا پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت ''ابو القاسم ﷺ'' ہوئی۔ پھر عبداللہ پیدا ہوئے جن کا لقب

''طیب وطاہر ہوا۔ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ طیب اور طاہر دو صاحبزادے ہیں۔ ان کے بعد حضرت زینبؓ، حضرت رقیہؓ حضرت ام کلثوم اور حضرت فاطمہؓ پیدا ہوئیں۔

محمد بن اسحاق سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام اولادیں قبل اسلام پیدا ہوئیں اور صاحب زادے بھی قبل اسلام پیدا ہوئے اور قبل اسلام ہی بحالت شیر خوارگی وفات پائی۔ بعض نے کہا ہے کہ حضرت قاسم کا انتقال بعمر دوسال ہوا۔ بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت قاسم کا انتقال اس عمر میں ہوا کہ سواری پر سوار ہوجاتے تھے (یعنی سن تمیز کو پہنچ گئے تھے) لیکن صاحبزادیوں نے اسلام کا زمانہ پایا۔ انھوں نے اسلام قبول کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں ہجرت کی۔

بیان کیا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام اولادیں سوائے حضرت عبداللہ کے زمانۂ جاہلیت میں پیدا ہوئیں۔ سب سے بڑے صاحبزادے حضرت قاسم تھے پھر طیب اور طاہر کی ولادت ہوئی۔ صاحبزادیوں میں سب سے بڑی حضرت زینبؓ تھیں پھر حضرت رقیہؓ پیدا ہوئیں۔ یہ روایت بھی ہے کہ سب سے بڑی صاحبزادی حضرت رقیہؓ تھیں پھر حضرت زینبؓ، حضرت فاطمہؓ، اور حضرت کلثومؓ پیدا ہوئیں۔ کہا گیا ہے کہ حضرت فاطمہؓ سب سے چھوٹی صاحبزادی تھیں۔

یہ تمام اولادیں حضرت خدیجہؓ کے بطن سے مکۂ معظمہ میں پیدا ہوئیں اور مدینۂ طیبہ میں آپ ﷺ کی کنیز ماریہ قبطیہؓ سے حضرت ابراہیم پیدا ہوئے اور آپ ﷺ کے ساتھ ستر راتیں گزار کر وفات پائی۔ ایک روایت میں ہے کہ وفات کے وقت سات مہینے کے تھے۔ بعض روایتوں میں اٹھارہ مہینے عمر بتائی گئی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام اولادوں میں سوائے حضرت فاطمہؓ کے سب نے آپ ﷺ کی حیات مبارکہ میں وفات پائی۔ حضرت فاطمہؓ کا انتقال آپ کی وفات کے چھ ماہ بعد ہوا۔

بارھواں شرف۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں کا ذکر۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چار صاحبزادیاں تھیں۔ ایک حضرت زینبؓ جن کا نکاح ابوالعاصؓ بن ربیع سے ہوا۔ ابوالعاصؓ کی والدہ ہالہ بنت خویلد تھیں اور وہ اہل مکہ میں شمار ہوتے تھے۔ ان کا اکثر مال تجارت اور امانت میں لگا رہتا تھا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کو اسلام کی دعوت دی تو کفارِ مکہ ابوالعاصؓ کے پاس آئے اور ان سے کہا کہ تم اپنی بیوی کو طلاق دو ہم تمہارا نکاح اس عورت سے کردیں گے جسے تم پسند کروگے۔

ابوالعاصؓ نے جواب دیا کہ میں اپنی بیوی کو ہرگز طلاق نہیں دوں گا اور مجھے یہ بات بھی پسند نہیں ہے کہ قریش کی کوئی عورت میری بیوی سے افضل ہو۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ حضرت زینبؓ اور ابوالعاصؓ میں علاحدگی کی سبب اسلام تھا، جب حضرت زینبؓ اسلام لائیں۔ بے شک رسول صلی اللہ علیہ وسلم دونوں کے درمیان علاحدگی کے سلسلے میں قادر نہ تھے، آپ ﷺ مکے میں مغلوب تھے۔

جب مسلمانوں نے ابو العاصؓ کو گرفتار کیا تو انھوں نے ابو العاصؓ کی گرفتاری کی خبر بھیجی اور کہا کہ اگر فدیہ ادا کر دیں تو ہم انھیں رہا کر دیں گے، چنانچہ حضرت زینبؓ اپنے حجرے سے نکلیں اور اپنا سر نکال کر فرمایا، اے لوگو! میں زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوں، البتہ میں نے ابو العاصؓ[1] کو پناہ دی۔ پس جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فراغت حاصل ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا، اے لوگو! سنو ایک ادنیٰ مسلمان بھی پناہ دے سکتا ہے۔

عمر بن شعیب نے اپنے والد اور دادا سے روایت کی کہ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی حضرت زینبؓ کو نئے مہر اور نئے نکاح کے ساتھ ابو العاص کو لوٹا دی۔ حضرت ابو العاصؓ سے حضرت زینب کے ایک لڑکا پیدا ہوا، جن کا نام علی تھا۔ انھوں نے کم عمری میں وفات پائی۔ پھر حضرت زینبؓ سے امامہؓ پیدا ہوئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم (فرط محبت سے) انھیں نماز میں اپنی گود میں اٹھا لیتے تھے۔ حضرت امامہؓ زندہ رہیں۔ حضرت علیؓ نے ان سے حضرت فاطمہ کی وفات کے بعد نکاح کیا۔ یہ حضرت علیؓ کی شہادت تک ان کے پاس رہیں۔ حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد امامہؓ نے مغیرہ بن زید سے نکاح کیا اور اُن ہی کی زوجیت میں امامہؓ کا انتقال ہوا۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں میں ایک حضرت فاطمہؓ تھیں۔ حضور علیہ السلام نے زمانۂ اسلام میں ان کا نکاح حضرت علیؓ سے کیا۔ ان کے بطن سے حضرت حسنؓ، حسینؓ اور محسنؓ پیدا ہوئے۔ محسنؓ نے کم سنی میں وفات پائی۔ حضرت فاطمہؓ کے بطن سے صاحبزادیوں میں حضرت رقیہ، زینب اور ام کلثوم پیدا ہوئیں۔ حضرت رقیہؓ کا انتقال بلوغت سے پہلے ہوا۔ زینبؓ سے عبداللہ بن جعفر نے نکاح کیا۔ زینبؓ نے ان ہی کے ہاں وفات پائی۔ حضرت زینب سے علی بن عبداللہ بن جعفر پیدا ہوئے۔

حضرت ام کلثوم سے حضرت عمرؓ بن الخطاب نے نکاح کیا۔ ان سے زید بن عمرؓ پیدا ہوئے۔ حضرت عمرؓ کی شہادت کے بعد اُن سے عوف بن جعفر نے نکاح کیا لیکن کوئی اولاد پیدا نہیں ہوئی یہاں تک کہ عوف بن جعفر نے انتقال کیا۔ پھر حضرت ام کلثوم سے محمد بن جعفر نے نکاح کیا، ان سے ایک صاحبزادی پیدا ہوئیں۔ محمد بن جعفر کی وفات کے بعد امِ کلثوم سے عبداللہ بن جعفر نے نکاح کیا۔ ان سے بھی کوئی اولاد پیدا نہ ہوئی۔ حضرت ام کلثوم کی وفات عبداللہ بن جعفر کے ہاں ہوئی۔

ایک روایت یہ ہے کہ عبداللہ بن جعفر کی وفات ام کلثوم سے پہلے ہوئی تھی۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں میں ایک حضرت رقیہؓ تھیں۔ اُن سے حضرت عثمان بن عفان نے نکاح کیا۔ اُن سے عبداللہ پیدا ہوئے اور حضرت عثمانؓ کی کنیت ابو عبداللہ ہوئی۔ اس کے بعد انھوں نے اپنی کنیت ابو عمر کی۔ حضرت عثمان سے نکاح ہونے سے قبل حضرت رقیہؓ کا نکاح عقبہ بن ابولہب سے ہوا تھا عقبہ بن ابولہب نے حضرت رقیہؓ سے اس وقت علاحدگی اختیار کی جب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی، چنانچہ جس وقت سورہ تبت یدا ابی لھب نازل ہوئی

[1] یہاں مطبوعہ نسخے کے صفحہ ۳۱۱ پر عربی عبارت اور اس کے فارسی ترجمے میں ''عباس'' تحریر کیا گیا ہے جس کا کوئی قرینہ نہیں ہے۔ یہ حضرت ابو العاصؓ تھے جنھیں حضرت زینبؓ نے پناہ دی۔

اور حضرت رقیہؓ ایمان لائیں تو ابولہب کی بیوی نے جس کا نام ام جمیل اور لقب حمالۃ الحطب تھا اپنے بیٹے کو طلاق دینے پر مجبور کیا اور کہا کہ رقیہؓ ہمارے خاندان کے دین سے پھر گئی ہے، چنانچہ عقبہ نے حضرت رقیہ کو طلاق دے دی اور حضرت عثمانؓ بن عفان نے ان سے نکاح کرلیا۔ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ یہ نکاح زمانۂ جاہلیت میں ہوا تھا۔ حضرت عثمانؓ نے حضرت رقیہؓ کے ساتھ حبشہ ہجرت کی تھی۔ حضرت رقیہؓ کی وفات عین اس روز ہوئی جب حضرت زید بن حارثؓ غزوۂ بدر میں مسلمانوں کی فتح کی خوش خبری سنانے کے لیے مدینے آئے۔ اس وقت حضرت عثمانؓ حضرت رقیہؓ کی تجہیز و تکفین کے انتظام میں مصروف تھے۔ حضرت رقیہؓ کی بیماری کے سبب حضرت عثمانؓ غزوۂ بدر میں شریک نہیں ہوسکے تھے (لیکن) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں مالِ غنیمت میں سے حصہ عطا فرمایا۔ یہ بھی روایت کی گئی ہے کہ بے شک آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی حضرت رقیہؓ کی موت پر تعزیت کی اور فرمایا، الحمدللہ اور انھیں دفن کیا۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں میں ایک ام کلثومؓ تھیں۔ حضرت رقیہؓ کی وفات کے بعد حضرت عثمانؓ نے اُن سے نکاح کیا۔ اس سے قبل ان کا نکاح عقبہ کے بھائی عتبہ بن ابولہب سے ہوا تھا، چناں چہ جب تبت یدا ابی لھب نازل ہوئی تو ابولہب نے کہا، جب تک تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیٹیوں کو طلاق نہیں دیتے میرا سر تمھارے دو سروں پر حرام ہے۔ چنانچہ ابولہب کے بیٹوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں کو طلاق دے دی اور دونوں صاحبزادیوں کے ساتھ ہم نشینی نہیں کی۔ جس وقت عتبہ نے حضرت ام کلثومؓ سے علاحدگی اختیار کی تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور بولا میں نے آپ ﷺ کے دین سے انکار کیا اور آپ ﷺ کی صاحبزادی سے خود کو علاحدہ کرلیا نیز جھپٹا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کرتہ پھاڑ دیا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا، خبردار! میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی ہے کہ وہ اپنے کتوں میں سے ایک کتے کو تم پر غالب کردے۔

(اس کے بعد) عتبہ بن ابولہب نے تجارت کی غرض سے قریش کے قافلے کے ساتھ شام کا سفر کیا۔ دورانِ سفر ملک شام میں ایک جگہ جسے ''زورا'' کہتے تھے پڑاؤ کیا۔ رات ہوچکی تھی۔ ایک شیر نے قافلے کے گرد چکر لگانا شروع کیا۔ عتبہ (اس صورت حال سے خوف زدہ ہوا اور) بولا۔ اس کی ماں ہلاک ہو۔ یہ شیر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی دعا سے گھس آیا ہے۔ پس ابن ابوکبشہ کہاں ہے وہ مکے میں ہے اور میں ملک شام میں ہوں۔ ابولہب نے پکارا، اے گروہ قریش اس رات ہماری مدد کرو، مجھے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بددعا کا اندیشہ ہے (قریش نے کئی تدبیریں کیں) پہلے اونٹوں کو (قافلے کے آگے) جمع کیا پھر عتبہ کو ایک بلند جگہ پر سلادیا اور اس کے گرد اپنے بستر جما کر سوگئے۔ روایت میں آیا ہے کہ جب حفاظت کرنے والے سوگئے اور عتبہ ان کے درمیان محوخواب تھا تو شیر آیا اور عتبہ کو تلاش کرلیا، اس کے سر کو اپنے جبڑوں میں دبا کر جسم سے علاحدہ کردیا۔

حضرت عثمانؓ سے حضرت ام کلثومؓ کے ہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی (لیکن) یہ روایت بھی ہے کہ اولاد ہوئی تھی لیکن زندہ

نہ رہی اور نہ حضرت عثمانؓ سے حضرت رقیہ کے ہاں کوئی اولاد ہوئی۔ حضرت ام کلثومؓ نے حضرت عثمانؓ کے گھر میں شعبان ۹ ہجری میں وفات پائی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ اگر میری ایک بیٹی اور ہوتی تو میں اس کا نکاح بھی عثمانؓ سے کرتا۔ محمد بن عبدالرحمٰنؒ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام کلثومؓ کی قبر پر تشریف فرما ہوئے، آپ ﷺ کی دونوں آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آیا تم میں سے کوئی ام کلثومؓ کے اہل میں ایسا ہے جو رات کو ان سے جدا نہ ہوا ہو۔ ابوطلحہؓ نے عرض کیا یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں ہوں۔ فرمایا نیچے آؤ۔

تیرھواں شرف۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچاؤں اور پھوپیوں کا ذکر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عبدالمطلب کی اولاد سے گیارہ چچا تھے۔ اُن میں سے ایک حارث تھے۔ ان کے نام کی بنا پر حضرت عبدالمطلب کی کنیت ابو حارث تھی یا غالباً اس وجہ سے کہ حارث سب سے بڑے بیٹے تھے۔ ان کی اولاد اور اولاد کی اولاد میں سے ایک جماعت تھی جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے۔ ان بعضوں میں سے ایک ابوسفیانؓ بن حارث تھے جو فتح مکہ کے روز اسلام لائے۔ ابوسفیان غزوۂ حنین میں موجود تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں فرمایا، ابو سفیانؓ جوانانِ جنت کے سردار ہیں اور اپنے پیچھے کچھ نہ چھوڑا[1] اُن میں ایک نوفل بن حارث تھے، جنھوں نے ہجرت کی اور خندق کے روز اسلام لائے۔ نوفل بن حارث صاحب اولاد تھے، ان میں ایک عبدالشمّس تھے جن کا نام نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ رکھا تھا۔ ان کی اولاد ملک شام میں آباد ہوئی۔

(عبدالمطلب کے بیٹوں میں) ایک قثم تھا جس نے چھوٹی عمر میں وفات پائی۔ وہ حارث کے ماں جایے بھائی تھے ایک (چچا) زبیر تھے۔ ان کا شمار شرفائے قریش میں ہوتا تھا۔ ان کے فرزند عبداللہؓ بن زبیر تھے جو غزوہ حنین میں موجود تھے۔ ثابت قدم رہے اور جنگ میں بمقام اجنادین شہید ہوئے۔ روایت ہے کہ عبداللہؓ بن زبیر میں سات بہادروں کے برابر طاقت تھی۔ بے شک انھوں نے کفار کو قتل کیا اور کافروں نے اُنھیں قتل کیا۔ صبناعہ بنت زبیر صحابیہ تھیں اور ام الحکم بنت زبیر نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے۔

ایک حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب تھے، جنھیں اسد اللہ اور اسد الرسول اللہ کا لقب ملا۔ حضرت حمزہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی بھی تھے۔ وہ قدیم الاسلام تھے (یعنی ابتدا ہی میں اسلام لے آئے تھے) انھوں نے مدینۂ طیبہ ہجرت

---

[1] مطبوعہ نسخے کے صفحہ ۳۱۴ سطر ۱۰ میں یہ عبارت ہے، ''ولم یعقب ونوفل بن الحارث ہاجروا سلم''۔ غالباً یہاں ''لم'' سہو کتابت ہے جس سے مستنبط ہوتا ہے کہ ابوسفیانؓ نے کوئی اولاد نہ چھوڑی یا حارث بن عبد المطلب نے کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔ دونوں باتیں ہی صحیح نہیں ہیں۔ یہاں غالباً مراد یہ ہے کہ ابوسفیانؓ نے اولاد چھوڑی۔ لم (نہیں) سہواً تحریر ہوگیا ہے۔ واللہ اعلم۔ مترجم نے مطبوعہ متن کے مطابق ترجمہ کیا ہے۔

فرمائی۔ جنگ بدر اور جنگ احد میں شریک ہوئے اور غزوۂ احد میں شہید ہوئے۔

ان میں سے ایک ابو الفضل عباسؓ تھے۔ ان کا اسلام پختہ تھا اور انھوں نے (غزوۂ بدر کے بعد قبول اسلام کر کے) مدینے میں ہجرت فرمائی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان سے سن وسال میں بڑے تھے۔ ان کے ایک فرزند کا نام فضل تھا یہ سب بیٹوں سے بڑے تھے اور ان کے نام پر حضرت عباسؓ کی کنیت ابو الفضل تھی۔ عبداللہ، عبیداللہ اور قثم یہ تین بھی ان کے بیٹے تھے۔ سب کو صحابی ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن حضرت عباسؓ کو زمزم پلانے کی خدمت پر مامور کیا ان کی وفات مدینے میں حضرت عثمانؓ کے زمانۂ خلافت میں ۳۲ھ ہجری میں ہوئی۔ آخری عمر میں بینائی جاتی رہی تھی۔ یعنی نابینا ہو گئے تھے۔

ان میں ایک ابو طالب تھے جن کا نام عبد مناف تھا۔ وہ نبی علیہ السلام کے والد عبداللہ اور عاتکہ کے جنھوں نے واقعہ بدر خواب میں دیکھا تھا ماں جایے بھائی تھے۔ والدہ کا نام فاطمہ بنت عمرو تھا۔ ابو طالب نے حالتِ کفر میں انتقال کیا عقیل، جعفر اور علی رضی اللہ عنہم اور ام ہانی ابو طالب کی اولاد تھے اور صحبت سے مشرف ہوئے۔ ام ہانی کا نام فاختہ تھا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ہند تھا۔ ایک جماعت نے ان کی اولاد کا ذکر کیا ہے۔

اس طرح (ایک چچا) ابولہب تھا۔ اس کا نام عبدالعزیٰ تھا۔ خوبصورت ہونے کی وجہ سے (عبدالمطلب نے) اس کی کنیت ابولہب[1] رکھی۔ عتبہ اور معتب اس کے فرزند تھے۔ معتب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ حنین میں تھے اور انھیں حصہ دیا۔ ان کے لیے صحبت کا شرف بھی ہے۔ عتبہ کو زورا کے مقام پر جو شام میں ہے شیر نے مار دیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے کفر کے سبب دعا کی تھی۔

ان میں سے ایک عبدالکعبہ ہے جس کا نام مغیرہ تھا۔

ان میں سے ایک[2] حرار تھا جو حضرت عباسؓ کا ماں جایا بھائی تھا۔ ماں کا نام عراق تھا۔[3] یہ نام اس لیے رکھا گیا تھا کہ وہ قوم قریش میں غیرت مند تھا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی چھ پھوپیاں تھیں

اُن میں سے ایک صفیہ بنت عبدالمطلب تھیں۔ وہ اسلام لائیں اور انھوں نے ہجرت کی تھی۔ وہ حضرت زبیر بن عوام کی والدہ تھیں اور انھوں نے مدینۂ طیبہ میں بعہد خلافت حضرت عمرؓ بن خطاب وفات پائی۔ وہ حضرت حمزہؓ کی ماں جائی

---

[1] مطبوعہ نسخے کے صفحہ ۳۱۵ پر ''کناہ ابوملک لحسن وجھہ'' نقل کیا گیا ہے۔ ''ابوملک'' سہو کتابت ہے۔

[2] اس کا نام اضرار بھی ہے۔ المعارف تصنیف ابو محمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ۔ کراچی ۱۳۹۱ھ ص ۵۱ تا ۵۶۔

[3] اس کا نام نتیلہ بھی ہے۔ ایضاً۔

بہن تھیں۔

اُن میں ایک عاتکہ تھیں۔ کہا گیا ہے کہ وہ اسلام لائی تھیں اور انھوں نے واقعۂ بدر خواب میں دیکھا تھا ان کا نکاح ابی امیہ سے ہوا تھا۔ اس نکاح سے عبداللہ پیدا ہوئے جو اسلام لائے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے مشرف ہوئے۔

ان میں افریستہ الکبریٰ[1] اری تھیں۔ ان کا نکاح عمر بن وہب سے ہوا۔ ان سے ایک فرزند عمرو پیدا ہوئے یہ سب سے پہلے ہجرت کرنے والوں میں سے تھے اور جنگ بدر میں شریک تھے۔ یہ بمقام اجنادین شہید ہوئے۔ ان میں سے آمنہ[2] بنت عبدالمطلب تھیں، جن کا نکاح جحش سے ہوا تھا، اُن سے عبداللہؓ پیدا ہوئے جو غزوۂ احد میں شہید ہوئے۔ لیکن احمد الاعمیٰ شاعر تھا اور اس کا نام عبداللہ تھا۔[3] اور (جحش کی بیٹی) زینبؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ تھیں۔ ان سب کو شرف صحبت حاصل ہوا۔ عبیداللہ بن جحش اسلام لائے تھے پھر عیسائی ہوگئے اور سرزمین حبش میں کفر کی حالت میں وفات پائی[4]

ان میں سے ایک بُرّہ تھیں جن کا نکاح اسد بن ہلال سے ہوا تھا۔ ان سے ابوسلمہ جن کا نام عبداللہ تھا پیدا ہوئے۔ ابو سلمہ عبداللہ کا نکاح حضرت ام سلمہؓ سے ہوا تھا۔ اس کے بعد حضرت ام سلمہؓ کا نکاح نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا۔

برہّ سے عبدالاسد ابورہم بن العربی نے نکاح کیا، ان سے ابوشر بن ابی رہم پیدا ہوئے۔

ان میں سے ایک ام حلیمہ تھیں، ان کا نام رضا تھا[5] ان کا نکاح کریز بن ربیعہ سے ہوا تھا۔ کریز بن ربیعہ سے اروٰی پیدا ہوئیں جو حضرت عثمانؓ بن عفان کی والدہ تھیں۔

---

[1] ان کا نام اروٰی بھی ہے ایضاً۔

[2] ان کا نام امیمہ بنت عبدالمطلب بھی منقول ہوا ہے۔ (ایضاً)

[3] مطبوعہ نسخے کے صفحہ ۳۱۶ پر یہ عبارت ہے:

کانت عند جحش ولدت لہ عبداللہ قتل باحد شھیدا واما احمد لاحمیٰ (اعمیٰ) واسمہ عبداللہ

(ان کا نکاح جحش سے ہوا تھا، ان سے عبداللہؓ پیدا ہوئے جو غزوۂ احد میں شہید ہوئے لیکن احمد الاعمیٰ شاعر تھا اور اس کا نام عبداللہ تھا۔)

آخری جملے کا مفہوم واضح نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔ بہر حال اصل متن کے مطابق ترجمہ کردیا گیا ہے۔

[4] اگر چہ آمنہ بنت عبدالمطلب سے متعلق یہ بیان انتہائی مختصر ہے لیکن اختصار کے باوجود ساری عبارت مبہم ہے یہ بات قطعی واضح نہیں ہوتی کہ آمنہ بنت عبدالمطلب کے کتنے لڑکے لڑکیاں تھیں۔ عربی عبارت کے فارسی ترجمے کی رو سے آمنہ بنت عبدالمطلب کے ذکر میں تین عبداللہ کا ذکر ہے۔ عبداللہ شہیدؓ۔ عبداللہ احمد الاحمیٰ (اعمیٰ) عبداللہ جو عیسائی ہوگئے تھے۔ مترجم نے ان کا نام عربی عبارتوں کے مطابق ''عبیداللہ'' تحریر کیا ہے۔ بہر حال اصل متن کی تدوین اور تصحیح نہ ہونے کی باعث مترجم کے لیے غیر معمولی مشکلات پیدا ہوجاتی ہیں۔ اہل نظر اگر کہیں نقص ملاحظہ فرمائیں تو مطلع فرما کر مترجم کو ممنون فرمائیں)۔

[5] ابومحمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ نے ''المعارف'' میں ان کا نام ام الحکیم بیضا، تحریر کیا ہے ص ۵۱ تا ۵۶۔

چودھواں شرف۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں، خادموں، آزاد خدمت گزاروں، قاصدوں، کاتبوں اور رفیقوں کا ذکر

مردوں میں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اکتیس ۳۱ خادم تھے (تفصیل یہ ہے) ان میں ایک زید بن حارث بن اسامہ بن زید تھے۔

ثوبان تھے جو آپ ﷺ کے دادا کی اولاد تھے۔☆

ابو کبشہ تھے جو مکے کے باسی تھے۔ ان کے والد قیدی تھے، چناں چہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں خرید کر آزاد کر دیا۔

ان میں سے ایک رباح اسود بن ابوشقران تھے۔ ابوشقران کا نام صالح تھا۔ کہا گیا ہے کہ وہ اپنے والد یسار کے وارث ہوئے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض غزوات میں پہنچے تھے (شریک تھے)۔

ان میں سے ایک ابورافع تھے۔ ان کا نام اسلم تھا۔ بعضوں نے کہا ہے کہ ان کا نام ابراہیم تھا۔

ان میں سے ایک قبیلۂ مزنیہ کے ابوموہب تھے، جنھیں آپ ﷺ نے خرید کر آزاد کر دیا تھا۔

ان میں سے ایک فضالہ تھے، جو ملک شام میں منتقل ہو گئے تھے اور وہیں ان کی وفات ہوئی ان میں رافع ہیں جو سعید بن عاص کے غلام تھے، پھر ان کے بیٹے کے وارث ہوئے چنانچہ انھوں نے بعض کو معاف کر دیا اور بعض کو قید رکھا۔ اس کے بعد رافع نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر امداد کے طالب ہوئے چنانچہ انھیں معاف فرما دیا۔ (اسی بنا پر رافع) کہتے تھے کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام ہوں مدعم بھی انھی میں سے ایک ہیں۔

کرکرہ وہ غلام ہیں جنھیں مقوقس بادشاہ نے آپ ﷺ کی خدمت میں بطور ہدیہ بھیجا تھا۔ آپ نے عبید اور طہمان کو مقوقس سے پایا۔ ابو واقد ہشام کو قید سے چھڑایا ان میں ابوضمیر حسین اور ابوعبیدہ بھی ہیں۔ سفینہ ابو ہند ہیں۔ یہ وہی ہیں جن کے حق میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا، ابو ہند سے نکاح کرو اور اس سے نکاح کرو۔ نبی علیہ السلام نے انھیں خریدا تھا۔

ان میں ایک قبیلۂ منرنیہ کے مصرفہ ہیں۔ آپ ﷺ نے انھیں آزاد کر دیا تھا۔

ان میں ایک ابولبابہ ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض پھوپھیوں کے غلام تھے۔ حضور علیہ السلام نے انھیں ہبہ کر دیا تھا پھر آزاد کر دیا۔

ان میں ایک رویفع ہیں جن کا تعلق نبی ہوازن سے تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں آزاد کر دیا تھا۔

یہ بات تحقیق سے کہی گئی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چالیس غلام اور نو کنیزیں تھیں۔ ام سلمیٰؓ، ام رافعؓ، برکہؓ، ام ایمنؓ، ماریہؓ، ریحانہؓ، میمونہؓ، حضریہؓ اور رضویہؓ۔

☆ آپ کا پورا نام ثوبان بن بجدومہ ہے اور آپ کے نسب کے بارے میں کتب الانساب و تواریخ میں کوئی صراحت نہیں ہے۔ تفصیل کے لئے مدارج النبوۃ، ج ۲، ص ۸۷۲۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گیارہ آزاد خادم تھے۔ ایمن اور ہند نام کے دو فرد حارث کے بیٹے تھے۔ (ان کے علاوہ) ربیعہ بن کعب الاسلمیؓ، عبداللہ بن مسعودؓ عتبہؓ بن عامر جہنی ، بلالؓ بن رباح موذن اور سعدؓ، حضرت ابوبکر صدیقؓ کے غلام۔ ذوالمخار و برادر نجاشی، بکر بنؓ سراح اور کہا گیا ہے کہ ابو ذر الغفاری بھی خدمت گزار تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصدوں کا ذکر

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جن حضرات کو بطور قاصد وسفیر دوسرے ملکوں میں بھیجا وہ گیارہ ہیں۔ عمر بن امیہ، دحیہ بن خلیفۃ الکلبی ، عبداللہ بن حذافہ الاسلمی ، خاطر بن ملیہ اللخمی ، عمرو بن العاص ، سابطہ بن عمرو عامری ، شجاع بن وہب الاسدی (رضی اللہ عنہم) یہ مہاجرین میں سے تھے۔ دوسروں میں ابومسعود مخزومیؓ، القادر الحضرمیؓ اور ابوموسی اشعریؓ متعبد تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لکھنے والوں کا ذکر

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب (وحی اور خطوط لکھنے والے) تیرہ حضرات تھے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ، عمرؓ بن الخطاب، عثمانؓ بن عفان، علیؓ بن ابی طالب، عامرؓ بن فہرہ، عبداللہ بن ارقم، ابیؓ بن کعب، ثابت بن قیس، خالد بنؓ سعید، حنظلہؓ بن ربیع، زیدؓ بن ثابت، معاویہؓ بن سفیان اور شرجیلؓ بن حسنہ۔ ان میں معاویہؓ اور زید بنؓ ثابت کو لازمی اور خصوصی اہمیت حاصل تھی۔
بارہ عمدہ اوصاف کے حامل رفیق تھے۔ ابوبکرؓ، عمرؓ، علیؓ، حمزہؓ، جعفرؓ، ابوذرؓ، مقدادؓ، سلمانؓ (فارسی) حذیفہؓ، ابن مسعودؓ، عمار بن یاسر اور بلالؓ۔ حضرت علیؓ، زبیرؓ، محمد بن سلمہؓ، عاصمؓ بن افلح اور مقدادؓ گردنیں مارنے والوں میں سے تھے۔

پندرھواں شرف۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کے جانوروں اور مویشیوں کا ذکر

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دس گھوڑے تھے۔ سب سے پہلے شکیب نام کا گھوڑا آپ ﷺ کی ملکیت میں آیا۔ آپ ﷺ نے اس پر سوار ہو کر جنگیں لڑیں۔ دوسرا مرتجز، تیسرا زان، چوتھا تحیف، پانچواں طرب، چھٹا ورد، ساتواں فرفر، آٹھواں تلاوح، نواں سجہ اور دسواں تمرد تھا۔[1]

---

[1] یہاں مترجم اعلام (خاص نام) سے متعلق یہ عرض کرنا چاہتا ہے کہ اسے ترجمے کے لیے ۱۲۹۸ھ کے دہلی ایڈیشن کی فوٹو کاپی فراہم کی گئی ہے۔ اس میں جہاں تک اعلام کا تعلق ہے اکثر نام سہو کتابت کے باعث صحیح نقل نہیں ہوئے۔ مثلاً مطبوعہ نسخے کے اسی صفحہ ۳۱۸ کی پہلی سطر میں حضرت معاویہؓ کا نام ''معوینۃ'' نقل ہوا ہے۔ مترجم نے تمام اعلام لطائف اشرفی کی فوٹو کاپی کے مطابق تحریر کیے ہیں جب کہ تاریخ کی مدونہ مطبوعات میں مختلف اعلام ہیں۔ اگر کوئی صاحب علم اردو ترجمے کے ناموں کو کتب تاریخ کے ناموں سے مختلف ملاحظہ فرمائیں تو احقر مترجم کو معذور خیال فرمائیں۔ مترجم نے جہاں ضرورت محسوس کی ہے وضاحت بھی پیش کر دی ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک خچر تھا جسے دلدل کہتے تھے، دوسرے کو فضہ کہتے تھے ایک اور خچر بھی تھا جسے ابلینہ کہتے تھے۔ ایک دراز گوش تھا جس کا نام یعقور تھا اور اسی کو عقیر بھی کہتے تھے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مویشیوں کے ذکر میں منقول ہے کہ آپ ﷺ کے پاس ایک گائے تھی جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سرمایہ حاصل فرماتے تھے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیس اونٹ اور اونٹیاں تھیں کہ اُن سے ہر رات دو بڑی بستیاں ان کی اولاد سے بھر جاتیں۔ ان میں الفلح ایال دار، السمر ا، القریش، العسد یہ، النقوم، السیر ہ، الرویا، البردہ، المریہ اور القطوی تھی۔ القطوی، حضرت ابو بکرؓ نے نبی قیشر سے آٹھ سو درہم میں خریدی تھی یہ وہی اونٹنی تھی جس پر سوار ہو کر ہجرت فرمائی تھی۔ رباعیہ تھی جس پر آپ ﷺ سوار تھے تو وحی نازل ہوئی تھی اور یہ عضبا اور جدعا کے علاوہ تھی۔ اگرچہ یہ بات آئی ☆ مگر اس میں مسلمانوں پر دلیل نہیں ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ کے فیصلوں میں سے یہ ہے کہ وہ جس چیز کو دنیا سے اٹھانا چاہتا ہے اسے کم حیثیت کر دیتا ہے۔ کہا گیا ہے کہ عضبا کا نام مسوفہ بھی تھا اور یہ قصویٰ کے علاوہ تھی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سو بکریاں تھیں۔ سات بکریاں فقراء کے لیے وقف تھیں جن کا دودھ وہ پیتے تھے۔ ایک بکری آپ ﷺ کے دودھ پینے کے لیے مخصوص تھی، اسے عیش کہتے تھے۔ ایک سفید رنگ کا مرغ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھا۔

سولھواں شرف۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا بیان

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف تریسٹھ ۶۳ سال ہوئی اور ایک دوسری روایت میں ہے پینسٹھ ۶۵ سال کی ہوئی لیکن صحیح ترین روایت پہلی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعمر تریسٹھ سال بارہ ربیع الاوّل کو پیر کے دن وفات پائی اور بدھ کو رات میں سپرد خاک کئے گئے، ایک دوسری روایت میں ہے کہ منگل کے دن سپرد خاک کئے گئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری کی مدت بارہ روز تھی۔ ایک دوسری روایت ہے کہ بیماری کی مدت چودہ دن تھی۔ بیماری سر کا درد تھی۔ روایتوں میں آیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مرض سورہ اِذَا جَآءَ نَصرُ اللّٰهِ[1] نازل ہونے کے بعد شروع ہوا۔ اپنی موت کی خبر دینے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم جمعرات کے روز باہر تشریف لائے۔ آپ ﷺ نے اپنے سر مبارک کو کپڑے سے جکڑ کر عمامہ باندھا ہوا تھا۔ پھر آپ ﷺ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور حضرت بلالؓ کو طلب فرما کر حکم

---

[1] پارہ ۳۰، سورہ النصر۔ آیات ۱ تا ۳۔ (ترجمہ: جب اللہ کی مدد اور (اس کی) فتح آجائے اور آپ لوگوں کو دیکھ لیں کہ وہ اللہ کے دین میں جوق در جوق داخل ہو رہے ہیں تو اپنے رب کی تسبیح فرمائیں اس کی حمد کے ساتھ اور اس سے بخشش مانگیں، بے شک وہ بے حد رجوع برحمت ہونے والا ہے)۔

☆ یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے مویشیوں کی تعداد اور ان کے نام۔

دیا، اعلان کردو کہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت سننے کے لیے جمع ہو جائیں، بے شک یہ آخری وصیت ہے۔ چناں چہ حضرت بلالؓ نے بہ آواز بلند اعلان کیا (مدینے کے) چھوٹے بڑے سب لوگ جمع ہو گئے۔ انھوں نے اپنے گھروں کے دروازے کھلے چھوڑ دیے اور بازاروں کو ان کے حال پر چھوڑ دیا، حتیٰ کہ مسجد میں آنے والوں کی وجہ سے جگہ تنگ ہو گئی۔ اس دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے جاتے تھے، لوگوں کو جگہ دو، لوگوں کو جگہ دو۔ بعد ازاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر کھڑے ہوئے اور خطبہ دیا۔ یہ خطبہ بلاغت سے معمور اور طویل تھا۔ خطبے کے بعد آپ اپنے حجرۂ شریف میں چلے گئے۔ اس کے بعد آپ ﷺ کا مرض شدید تر ہوتا چلا گیا اور آپ ﷺ خطبہ دینے کے لیے باہر تشریف نہیں لائے۔

بعد ازاں جب موت آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی، آپ ﷺ کے قریب پانی سے بھرا ہوا ایک پیالہ رکھا تھا۔ آپ اپنا دست مبارک اس میں ڈالتے پھر اپنے چہرۂ مبارک پر اسے پھیرتے۔ اس کے بعد فرماتے یا الٰہی مجھ پر موت کی سختی آسان فرما، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی تو (یہ خبر) سن کر لوگوں کا ہجوم ہوگیا[۱] بعض صحابہؓ (کو یقین نہ آتا تھا اور انھوں) نے آپ ﷺ کے وفات پانے کا انکار کردیا، ان میں حضرت عمرؓ تھے۔ بعض تین روز تک گم سم رہے اور زبان تک نہ ہلائی، ان میں حضرت عثمانؓ تھے۔ بعض ہلے تک نہیں جم کر بیٹھ رہے، ان میں حضرت علیؓ تھے۔ ان میں حضرت عباسؓ اور حضرت ابو بکرؓ مستقل مزاج رہے۔

اس کے بعد لوگوں نے حجرے کے دروازے سے آواز سنی، آپ کو غسل نہ دو بے شک آپ پاک اور پاکیزہ ہیں۔ اس کے بعد لوگوں نے پھر ایک آواز سنی کہ آپ ﷺ کو غسل دیں۔ بے شک وہ شیطان تھا اور میں خضر ہوں (جو غسل دینے کے لیے کہہ رہا ہوں)۔ پھر خضر نے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے تعزیت کی اور فرمایا کہ بارگاہ الٰہی میں[۲] ہر مصیبت کی تعزیت ہے۔ تمام خلفائے الٰہی ہلاک ہونے کے لیے ہیں اور جو شے نہ پائی جاسکے اسی سے یافت ہوتی ہے پس تم خدا سے ڈرو اور اسی کی طرف رجوع کرو۔ درحقیقت وہی شخص مصیبت زدہ ہوتا ہے جو ثواب سے محروم ہوتا ہے۔ چناچہ صحابہؓ نے (خضر کی اس نصیحت کے بعد) کوئی اختلاف نہیں کیا۔

صحابہؓ آپس میں کہنے لگے، ہمیں معلوم نہیں کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو برہنہ کرکے غسل دیں جیسے کہ ہر میت کو غسل دیتے ہیں یا لباس مبارک کے ساتھ غسل دیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان پر نیند طاری کردی اور ان میں سے کوئی شخص ایسا باقی نہ رہا جس کی ڈاڑھی اس کے سینے سے نہ لگ گئی ہو، (سب کو نیند آ گئی) سوا ایک کہنے والے نے کہا، ہم نہیں جانتے کہ وہ

---

۱ اس جملے کے بعد عربی کی یہ عبارت ہے:

السر مدوسجی صلی الله علیه وسلم سرد حرقتل ان الملائکة سبحة

(مطبوعہ نسخہ ص ۳۱۹۔ سطر ۹۔۱۰)

اس کا فارسی ترجمہ بھی نقل نہیں کیا گیا۔ لہٰذا اس کا مفہوم یہ ہوسکتا ہے کہ ہمیشہ کے لئے رسول ﷺ نے پردہ فرمایا اور بے شک ملائکہ وہاں تسبیح کرنے آئے۔

کون تھے (جنھوں نے کہا) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کرتے کے ساتھ غسل دو۔ (غسل دینے والے) آپ ﷺ کو حرکت نہیں دیتے تھے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعضا خود بخود حرکت فرماتے تھے۔ بے شک ان کے ساتھ ہوا کی مانند (نظر نہ آنے والی ایسی ہستی) تھی جو ان سے کہتی تھی، پانی ڈالو، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بے شک آپ اپنے لیے کافی ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دینے والوں میں علیؓ ابن ابی طالب، آپ ﷺ کے چچا عباسؓ اور ان کے بیٹے فضل اور قثم نیز اسامہ بن زید اور آپؐ کے غلام شقران شامل تھے۔ ان میں اوس بن خولی انصاری بھی موجود تھے۔ جب آپ ﷺ کے شکم مبارک کو ملا گیا تو کوئی چیز خارج نہیں ہوئی، اس پر حضرت علیؓ نے کہا، آپؐ پر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور سلام ہو بے شک آپؐ پاک و پاکیزہ ہیں، حالت حیات میں بھی اور حالتِ وفات میں بھی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے مبارک لباسوں میں سے ایک سفید لباس میں کفنایا گیا۔ اس کفن میں قمیص اور عمامہ شامل نہ تھے بلکہ بغیر سلی ہوئی چادریں تھیں جن میں مشک سے مرکب خوشبو لگائی ہوئی تھی۔

اس کے بعد مسلمانوں نے گروہ در گروہ بغیر کسی امام کے کے نماز جنازہ پڑھی۔ مدینۂ طیبہ کے قرب وجوار کے لوگ آتے اور نماز جنازہ ادا کرتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر کے نیچے ایک دھاری دار کمبل بچھایا گیا تھا۔ پھر آپ ﷺ کی قبر مبارک میں شقرانؓ، عباسؓ، علیؓ اور حضرت عباسؓ کے بیٹے فضلؓ اور قثمؓ اترے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مصلے میں دفن کیا۔ بیشک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اسی مقام پر بنی جہاں آپ ﷺ نے وفات پائی تھی، آپ ﷺ کے بستر مبارک کے گرد کھود کر بغلی قبر بنائی گئی تھی۔ آپ ﷺ کے قبر مبارک پر کچی اینٹیں رکھی گئی تھیں اور مقام قبر حضرت عائشہؓ کا حجرہ تھا۔ پھر اسی حجرے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہم دفن کیے گئے۔

حضور سرور عالم محمد ﷺ، آپ ﷺ کی آل اور آپ ﷺ کے اصحاب پر رحمت کاملہ ہو۔

سترھواں شرف۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسلحے اور لباس کا ذکر۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چار نیزے تھے جو بنی قنیقاع کے ہتھیاروں میں سے آپ ﷺ کو حاصل ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک کو ''مسی'' کہتے تھے۔ یہ ایک چھوٹا نیزہ تھا جو بڑے نیزوں سے تھوڑا سا چھوٹا تھا۔ آپ کے پاس ایک چوگان تھا اور زرہ تھی جسے عرحون کہتے تھے۔ ایک کوڑا تھا جس کا نام ''ممسوق'' رکھا تھا۔ چار کمانیں تھیں جو شوحط اور نبع (درختوں کی قسمیں) سے بنائی گئی تھیں۔ ایک کمان کا نام ''کتوم'' تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک ترکش، ایک ڈھال اور نو تلواریں تھیں، ان میں سے ایک تلوار کا نام ''ذوالفقار'' تھا، جو آپ ﷺ کو جنگ بدر میں حاصل ہوئی تھی۔ یہ وہی تلوار ہے جس سے متعلق آپ ﷺ نے خواب دیکھا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں ملاحظہ فرمایا تھا کہ میری تلوار میں دندانے پڑ گئے ہیں، پس اس خواب کی تعبیر یہ تھی کہ جنگ احد میں مسلمانوں کو عارضی شکست ہوئی۔

اس سے قبل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو[1] حجار السلمی سے تین تلواریں حاصل ہوئی تھیں۔ آپ ﷺ کو بنی قینقاع سے جو اسلحہ حاصل ہوا تھا، ان میں ایک تلوار کا نام سیار، ایک کا خفف اور ایک نام مخذم تھا۔ ایک اور تلوار تھی جسے ''رسوت'' کہتے تھے۔ ایک تلوار وہ تھی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے والد کے ورثے میں ملی تھی جسے قضیب کہتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دو زرہیں تھیں ایک ''ذات الفضول'' اور دوسری ''فضہ'' بیان کیا جاتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت داؤد علیہ السلام کی زرہ تھی اور یہ وہی زرہ تھی جسے پہن کر حضرت داؤد علیہ السلام نے جالوت کو قتل کیا تھا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جائے قیام پر نصب کرنے کے لیے ایک پرچم تھا، اسے ''عقاب'' کہا گیا ہے۔ پرچم کا کپڑا کبھی سفید اور کبھی دوسرے رنگ کا ہوتا۔ آپ ﷺ پر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور سلام ہو۔

لباس[2] اور آثار کا ذکر جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات کے دن چھوڑا

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یمنی چادر اور غمانی لنگی تھی۔ دو صحاری جامے اور صحاری سحولی کرتے تھے۔ یمنی جبہ اور کرتہ تھا۔ سفید و سیاہ کمبل تھا۔ چھوٹی ٹوپی تھی۔ سر پر گھنگھریالے بال تھے۔ لنگی کی لمبائی پانچ ہاتھ ہوتی تھی۔ چادر زرد رنگ کی تھی۔ آپ ﷺ کے پاس آئینہ دان اور شانہ (کنگھی) دان بھی تھا۔ کہا گیا ہے سرمہ دان، قینچی اور مسواک آپ کے پاس تھی۔ آپ ﷺ کا بستر چمڑے کا تھا جس میں کھجور کے پتے بھرے ہوئے تھے۔ ایک کٹا ہوا پیالہ تھا۔ صحابہؓ کا بیان ہے کہ ایک پتھر کا طشت اور شیشے کا پیالہ تھا۔ تانبے کے خول کا نیام تھا چار خاص وزن کے کاسے تھے جن میں صدقۂ فطر ڈال کر عطا فرماتے تھے۔ ایک تخت اور رات کو اوڑھنے کا کمبل تھا۔ چاندی کی ایک انگشتری تھی جس پر ''محمد رسول اللہ'' (صلی اللہ علیہ

---

[1] مطبوعہ متن صفحہ ۳۲۱ پر یہ عبارت، ہے، ''وکان قبلہ ثلثہ بن الحجار السمی'' احقر مترجم کا قیاس ہے کہ بن من اور السمی السلمی ہے۔ اسی قیاس کے مطابق اردو ترجمہ کیا گیا ہے۔ اصل متن میں اس جملے کا فارسی ترجمہ نہیں کیا گیا۔ اپنے قیاس کی تصدیق کے لیے سردست احقر مترجم کے پاس سیرو مغازی کی کتابیں دستیاب نہیں ہیں۔ اس لیے ترجمے کو قیاسی خیال فرمایا جائے۔

[2] لباس وترکہ کے ضمن میں چند الفاظ منقول ہوئے ہیں جو مترجم کو عربی اور فارسی لغات میں نہیں ملے انھیں ترجمے میں اسی املا کے ساتھ تحریر کیا گیا ہے۔ الفاظ یہ ہیں۔

غمانی۔ سطر ۱۔ ص ۳۲۲۔

صحاری۔ ایضاً

سحولی۔ ایضاً

معل۔ سطر ۴ ص ۳۲۲۔ مترجم نے نعل قیاس کیا ہے جس کے ایک معنی نیام کے بھی ہیں۔ اگر ترجمہ جوتا کیا جائے تو ''روی'' یعنی تانبے کی وجہ سے دقت پیدا ہوگئی، کیوں کہ از روئے عبارت یہ جو شے بھی تھی، اس میں تانبا شامل تھا۔ اصل عبارت یوں ہے:

''وطغارہ سنگین وقدح از زجاج ومعل از روی''

اس کا مفہوم وہی ہوسکتا ہے جو احقر مترجم نے تحریر کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

وسلم) کندہ تھا۔ ایک روایت ہے کہ لوہے کی انگوٹھی تھی جس کو چاندی سے ملمع کیا تھا۔ اسے نجاشی نے آپ کی خدمت میں بھیجی تھی۔ موزے سادہ ہوتے تھے۔ سادہ لباس زیب تن فرماتے تھے۔ سیاہ عمامہ تھا جسے سحاب کہتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علیؓ ابن ابی طالب کو پہناتے تھے۔ شعر:

فربما طلع علی فیھا
فیقول اتاکم علی فی السحاب

ترجمہ: کبھی کبھی علیؓ اس (عمامے) میں نکلتے تھے سو لوگ کہتے کہ علیؓ بادل میں چمکے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دو جوڑے کپڑے کے تھے۔ ایک خاص جمعے کے روز اور دوسرا عام دنوں میں زیب تن فرماتے۔ ایک رومال تھا کہ اس سے وضو کے بعد چہرۂ مبارک خشک فرماتے یا جب کبھی مسح فرماتے تو چادر کا کنارہ چہرۂ مبارک پر پھیر لیتے۔

امام حسنؓ اور حسینؓ کی اولاد کا ذکر اور ان میں سے بعض کے سلسلۂ نسب کا بیان

جاننا چاہیے کہ مشہور قول کے مطابق حضرت امیر المومنین علیؓ کے چھتیس بیٹے بیٹیاں تھیں۔ اٹھارہ بیٹے اور اٹھارہ بیٹیاں۔ شیخ شرف الدین نسّاب نے کہا ہے کہ حضرت علیؓ کے انیس بیٹے تھے، جن میں سے چھ بیٹوں نے ان کی حیات میں وفات پائی۔ وہ محسن، یحیٰ، عبداللہ اور تین دوسرے بیٹے تھے۔ تیرہ بیٹے امیر المومنین کے بعد باقی رہے۔

(۱) حسن، (۲) حسین، (۳) محمد حنفیہ، (۴) ابوبکر، (۵) عمر، (۶) عباس، (۷) عثمان، (۸) عون، (۹) جعفر، اور (۱۰) عبداللہ۔ چھ فرزندوں نے کربلا میں شربت شہادت نوش کیا۔ ابوبکر جن کا نام محمد اصغر (۱) تھا، (۲) عثمان، (۳) عون، (۴) جعفر، (۵) عبداللہ اور (۶) عباس اور دوسرے قول کے مطابق عمر بن علی بھی اس جنگ میں شریک تھے اور شہادت سے مشرف ہوئے۔ ان کے پانچ بیٹے باقی رہے۔

(۱) حسن، (۲) حسین، (۳) محمد اکبر، (۴) محمد حنفیہ کہے جاتے ہیں (۵) عباس شہید اور (۶) عمر اطراف۔

یہاں سبطین سیّدین (امام حسن اور امام حسین) کی مشہور اولاد میں سے ایک جماعت کا ذکر کیا جاتا ہے ان کے دونوں جدوں پر سلام ہو۔ میں بطور اجمال دو شجروں کا ذکر کرتا ہوں۔

شجرۂ اوّل سبط شہید ابو بذلہ محمد حسن بن علی بن ابی طالب کی اولاد۔ یہ حضرت امیرؓ کے سب سے بڑے صاحبزادے تھے۔ ان کی سولہ اولاد تھیں جن میں گیارہ صاحبزادے تھے۔ (۱) زید، (۲) حسن مثنیٰ (۳) حسین (۴)، طلحہٰ، (۵) اسمٰعیل، (۶) عبداللہ، (۷) حمزہ، (۸) یعقوب، (۹)، عبدالرحمٰن، (۱۰) عمر، اور (۱۱) قاسم۔ ان میں عبداللہ اور قاسم اپنے بزرگوار چچا

کے ساتھ شہید ہوئے اور دار القرار تشریف لے گئے۔

ان کے پیچھے (امام حسنؑ کے پیچھے) چار صاحبزادے باقی رہے۔ (۱) زید، (۲) حسن مثنیٰ، (۳) حسین اثرم اور (۴) عمر لیکن حسین اور عمر کی اولاد جلد ہی رخصت ہوئی اور اُن کی اولاد کا کوئی فرد باقی نہیں رہا۔ امام حسن بن علیؑ کے دو صاحبزادوں یعنی زید اور حسن مثنیٰ سے سادات حسنی کو کثرت حاصل ہوئی اور ان کا اختیار و اقتدار آفتابِ نصف النہار کی مثل مشتہر ہوا۔ ان اوراق میں ان دونوں بزرگوں کی نسل سے ان اکابر کا جو دنیا میں معزز ہوئے اور جن کا ذکر مشہور ماہرین انساب نے کیا ہے، ہم بھی علاحدہ علاحدہ شعبوں میں بطور اختصار ان کا ذکر کرتے ہیں۔

شعبۂ اوّل۔ حضرت زید بن حسنؓ کا ذکر

زید بن حسن کی اولاد میں، جن کی کنیت ابوالحسن تھی، ان کے فرزند حسن بن زیدؒ ہیں۔ ان کی کنیت ابومحمد تھی۔ جعفر دوانقی کے زمانے میں انھیں امارت ملی انھوں نے اپنے پیچھے سات بیٹے چھوڑے۔ ان کے نام ابومحمد قاسم، ابوالحسن علی، ابوطاہر زید، ابواسحٰق ابراہیم، ابوزید عبداللہ، ابوالحسن اسحٰق اور ابومحمد اسمٰعیل تھے۔ ان میں چار بیٹوں کی اولادیں کم اور تین کی بہت زیادہ ہیں۔ جن کی اولادیں کم تھیں ان میں ایک اسحٰق ہیں۔ ان کی نسل سے خطیبوں کے خاندان ہیں دوسرے زید ہیں جن کی نسل سے ابوطاہر ہیں۔ اس باب میں لوگوں کے درمیان اختلاف ہے۔ تیسرے عبداللہ تھے جن کی اولاد بھی کم ہے۔ چوتھے ابراہیم تھے جن کی اولاد بے وطن ہوکر، آرمینیا، نصیبین اور بلادِ حبش میں چلی گئی۔

جن کی اولاد بہت زیادہ ہے ان میں ایک اسمٰعیل ہیں، جن کو داعی الکبیر اور داعی اوّل بھی کہتے ہیں۔ ان کی نسل کے افراد مدتوں طبرستان کے بادشاہ ہوئے۔ ان کے قبیلے بہت زیادہ ہیں۔ دوسرے علی تھے جنھیں امام عبدالعظیم کہا جاتا ہے۔ وہ رے کے نواح میں مسجد الشجر ہ میں دفن کیے گئے۔ ان کا مزار جو مخلوق کا حاجت روا ہے، ان کے فرزندوں کی تحویل میں ہے۔ بعض سادات حسنی جو رے اور سمنان کی حدود میں آباد ہیں انھی کی نسل سے ہیں۔ ان کے مکانات اور ددھیالی رشتے دار حد سے زیادہ ہیں۔ تیسرے محمد قاسم تھے۔ یہ قطعی واضح ہے کہ عبدالرحمٰن سنجری اور محمد ان کی اولاد میں سے ہیں، لیکن بطحانیان کثرت سے ہیں۔ تحقیق یہ ہے کہ سید موید ابوالحسن احمد اور ان کے بھائی سید ناطق بطحانیوں سے باہر ہیں اور رای الخلیل جو اس علاقے کے بادشاہ اور زیدیہ کے پیشواؤں میں سے تھے وہ بھی عبدالرحمٰن کی نسل سے تھے۔ بعضوں نے کہا کہ عبدالرحمٰن سنجری تھے، بطحانی نہیں تھے۔ طبرستان میں دراز گیسو سادات ہیں وہ عبدالرحمٰن کی اولاد ہیں۔ بے شک اہل سنجر بھی عظیم جماعت ہیں۔ محمد عالم، حسن زریں کمر اور ابومحمد بابا بکر بھی محمد سنجری کی نسل سے ہیں۔ بنوشکر اور بنو ادہم بھی اسی قبیل کے ہیں۔ ابوالحسن احمد جو حسن بن زید داعی الکبیر کے داماد تھے، علی سنجری کی اولاد میں سے تھے اور داعی الصغیر بھی انھیں میں سے

تھے۔

شعبۂ دوم۔ حسن مثنیٰ کی اولاد کا ذکر

حسن مثنیٰ کی اولاد پانچ صاحبزادوں سے آگے چلی۔ حسن مثنیٰ کو ابومحمد بھی کہتے تھے۔ وہ بے حد حسین اور عظیم شخص تھے۔ ان کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ اپنے چچا کی دختر سے نکاح کریں۔ حضرت امام حسین کی دو چھوٹی صاحبزادیاں تھیں ایک فاطمہ اور دوسری سکینہ۔ حسن مثنیٰ نے اپنی خواہش پیش کی۔ حضرت حسین نے فرمایا، اے بھتیجے! ان دولڑکیوں میں سے ایک کو اختیار کرلو۔ حسن مثنیٰ نے شرم کے باعث سر جھکا لیا اور خاموش کھڑے رہے۔ حضرت حسین نے فرمایا، اے بھتیجے! میں نے تمھارے لیے فاطمہ کو اختیار کیا ہے جو میری امی فاطمہؓ سے بہت زیادہ مشابہت رکھتی ہیں، چنانچہ اپنی بیٹی فاطمہ کو حسن مثنیٰ کے نکاح میں دے دیا۔

اللہ تعالیٰ نے فاطمہ بنت حسینؓ سے حسن مثنیٰ کو تین فرزند عطا فرمائے۔ ایک عبداللہ محض دوسرے ابراہیم عمر اور تیسرے حسن مثلث۔ یہ تینوں حضرات تمام سادات پر فخر کرتے تھے کہ ہماری والدہ امام حسین کی صاحب زادی ہیں۔

حسن مثنیٰ کے دولڑکے اور تھے۔ ایک داؤد اور دوسرے جعفر۔ ان کی ماں رومی کنیز تھیں۔ ابوسلیمان داؤد بن حسن کو منصور دوانقی نے قید خانے میں ڈال دیا۔ ان کی والدہ نے امام جعفر صادقؒ سے اپنے بیٹے کی رہائی کی درخواست کی۔ امام نے انھیں ایک دعا تلقین کی کہ اسے استفتاح (مدد چاہنے) کے روز پڑھنا، آپ کا فرزند قید سے رہا ہوجائے گا، چناں چہ داؤد کی والدہ نے وہ دعا مذکورہ دن میں پڑھی۔ ان کے بیٹے کو رہائی مل گئی اب بھی اکثر لوگ استفتاح کے دن یہ دعا پڑھتے ہیں، اسے ''دعائے ام داؤد'' کہتے ہیں۔

داؤد کی اولاد ان کے بیٹے سلیمان سے پھیلی۔ مصر میں تغلیب اور نصیبین کے رؤسا نیز آل طٰہٰ و یاسین کے سید زادے یہ سب سلیمان کی نسل سے ہیں۔

ابوالحسن جعفر بن حسن (مثنیٰ) مشہور بزرگ تھے۔ سادات سلیقی محمد ابن سلیق کی نسل سے ہیں جو جعفر کی اولاد تھے۔ محمد ورع، عبداللہ امر کے فرزند تھے۔ بنوالملحوس انھی کی اولاد ہیں۔ بنوالکبش جو ملک شام میں آباد ہیں، ابوسفیان محمد بن عبداللہ کی نسل سے ہیں۔

ابوعلی حسن مثلث اپنے زمانے کے اکابرین میں سے تھے۔ ابوالحسین علی عابد ان کی اولاد میں سے تھے اور علی عابد کی اولاد میں حسین بوعلی شہید صاحب فخ تھے۔ انھوں نے خلیفہ ہادی کے عہد خلافت میں خروج کیا۔ اس بغاوت میں سادات علوی کا گروہ ان کے ساتھ تھا۔ ہادی نے اپنے کسی امیر کو یہ بغاوت فرو کرنے کے لیے بھیجا۔ اس واقعے میں تمام خروج

کرنے والے شہید ہوگئے۔ امام محمد نقی سے منقول ہے کہ واقعہ کربلا کے بعد اہل بیت کے لیے کوئی واقعہ اس واقعے سے زیادہ مصیبت انگیز نہ تھا۔

بہر حال عبداللہ محض اور ابراہیم کثیر الاولاد تھے اور ان کی نسل میں بہت سے بزرگ پیدا ہوئے۔

حضرت قدوۃ الکبراؒ فرماتے تھے کہ (حسن) مثلث کی اولاد سب پر فخر کرتی تھی اور یہ فقیر اگر چہ سادات حسینی سے ہے تاہم سادات مثلث کے زمانے سے اس زمانے تک کہ پایۂ سلطنت سلطان ابراہیم کی ذات سے مزین اور بلند ہوا ہے ہمارے اور اُن کے درمیان تازہ نسبتیں اور تعلقات قدیم سے جاری ہیں۔ ہم یہاں ہر ایک کی پس ماندہ اولاد کا مختصر حال بہ عنوان شعوب بیان کرتے ہیں۔

شعبۂ سوم۔ عبداللہ محض کا ذکر

عبداللہ محض اپنے زمانے میں بنی ہاشم کے سردار تھے۔ بڑے حد تک آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم شبیہہ تھے۔ اُن کے چھ بیٹے تھے۔ محمد، ابراہیم، موسیٰ، یحییٰ، سلیمان اور ادریس۔ محمد نفس زکیہ کے حامل تھے۔ ان کی کنیت ابولقاسم تھی اس زمانے کے اکابرین نے انھیں مہدی کا لقب دیا تھا کیوں کہ ان کا نام محمد اور کنیت ابو القاسم تھی۔ عبداللہ نے انھیں ''نفس زکیہ'' کا لقب دیا تھا۔

نفس زکیہ کی اولاد میں اُن کے بیٹے ابومحمد عبداللہ اشترا لکابلی تھے جو اپنے والد کی شہادت کے بعد ولایت سندھ کی طرف فرار ہوگئے اور کابل میں شہید ہوئے۔☆

حضرت قدوۃ الکبراؒ فرماتے تھے، ہندوستان میں جہاں جہاں سادات حسنی آباد ہیں ان میں اکثر خاندان انھی کی (ابومحمد عبداللہ اشتر کابلی کی) اولاد ہیں۔ نقیب کوفہ ابوجعفر، ابوالرماحسن، ابو البرکات محمد اور ابو طالب محدث ہمدان یہ سب عبداللہ اشتر کی اولاد ہیں ان میں ابراہیم شہید باخمیری تھے۔ ان کی کنیت ابوالحسن تھی وہ بہت جسمانی قوت کے مالک تھے۔ منقول ہے کہ اگر وہ چلتے ہوئے اونٹ کی دم پکڑ لیتے تو ایک قدم آگے نہیں بڑھ سکتا تھا الا یہ کہ اس کی دم ہی اکھڑ جائے۔ وہ کبار علما میں سے تھے۔ انھوں نے عشرۂ رمضان میں پیر کی شب بصرے میں خروج کیا۔ بہت سے اکابر جیسے امام اعمش اور عباد بن منصور نے ان سے بیعت کی اور ایک صحیح روایت کی رو سے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اُن سے بیعت کی تھی۔ اس خروج میں ان کی مدد کی اور اُن کی نصرت کا فتویٰ دیا۔ اپنے بیٹے حماد کے ہاتھ انھیں چار ہزار درہم بھجوائے اور تحریر کیا۔ اس مقام پر حضرتؒ نے امام اعظم کے مکتوب کے الفاظ یاد کیے لیکن یاد نہ آئے صرف اتنا یاد آیا کہ امام رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا کہ دو چار سو

☆ مورخ سندھ مخدوم ہاشم ٹھٹھوی کے حوالے سے مولانا ابوطفیل نقشبندی نے ''تحفۃ الزائرین'' ج ۳ ص ۱۷۳ پر نقل کیا ہے کہ آپ کو لاکر کراچی کے ساحل سمندر پر سپرد خاک کیا گیا۔ ''یہاں آپ عبداللہ شاہ غازی'' کہلاتے ہیں۔ (ناصر الدین)

درہم میں نے اپنے پاس رکھ لیے ہیں جو میری ضرورت کو کافی ہیں۔ یہ حق تعالیٰ کی دوستی میں آپ کی ڈھارس بندھانے کے لیے ہیں۔

یہ مکتوب دوانقی کے ہاتھ پڑ گیا اور وہ ابوحنیفہؒ کا دشمن ہوگیا۔ انھیں ایسی سخت ایذائیں پہنچائیں جو ان کی موت کا سبب بن گئیں۔ بیان کرتے ہیں کہ اسی زمانے میں ایک بڑھیا امام اعظم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور گلہ کیا کہ آپ نے خروج کا فتویٰ دیا تو میرا بیٹا جوش میں آ کر ابراہیم کے خروج میں شامل ہوا اور مارا گیا۔ امام نے فرمایا اے کاش میں تیرا بیٹا ہوتا (اور مجھے یہ سعادت ملتی)۔

القصہ دوانقی نے ابراہیم سے جنگ کرنے کے لیے اپنا لشکر روانہ کیا، ادھر ابراہیم (اپنے ساتھیوں کے ساتھ) بصرے سے نکلے اور دوانقی کے لشکر سے جنگ کی۔ شکست کھانے کے بعد دوانقی کے لشکر کی طرف سے آنے والا ایک تیر ابراہیم کی پیشانی پر لگا اور کوفے کے قریب قریہ باخمیری میں انھوں نے شہادت پائی۔

ابراہیم کی اولاد میں ان کے فرزند حسن تھے۔ نبویس[1] الازرق اور صاحب خانم ازرق[2] جن کا لقب جذریس تھا ان کی نسل سے ہیں، البتہ موسیٰ کی کنیت ابوالحسن تھی۔ چوں کہ ان کا رنگ تھوڑا سیاہی مائل تھا ان کی والدہ نے جون لقب دیا تھا۔

ان کی اولاد میں دو بیٹے تھے۔ بڑے بیٹے کا نام عبداللہ تھا، جنھیں شیخ صالح بھی کہتے تھے۔ لوگوں نے انھیں رضا کا لقب بھی دیا تھا۔ مامون (عباسی خلیفہ) چاہتا تھا کہ انھیں ولی عہد بنائے لیکن انھیں یہ بات پسند نہ تھی اس لیے فرار اختیار کر کے ایک گاؤں کو اپنی جائے قیام بنایا اور یہیں داعی اجل کو لبیک کہا۔ چھوٹے بیٹے کا نام ابراہیم تھا۔ ابراہیم کی اولاد میں یوسف احصر تھے۔ ان کی کنیت ابی ضحاک تھی۔ حالم المایہ اور بنوحمید سب انہی کی نسل سے ہیں۔

شیخ صالح کی اولاد میں پانچ بیٹے تھے۔ موسیٰ ثانی، سلیمان، احمد، یحییٰ اور صالح۔ صالح کی اولاد میں آلِ ابی ضحاک، آلِ حسن اور آل ہذیم ہیں۔ البتہ یحییٰ کا لقب سویقی تھا اس لیے ان کی اولاد کو سوقیون کہتے ہیں۔ ابوالغنایم اور آل ابی الحمد یحییٰ کی نسل سے ہیں لیکن ان کا لقب سور ہے جو جنگ میں سواروں کے بعد نمایاں ہوتے ہیں اس لیے ان کی اولاد کو حربون کہتے ہیں۔ ان کی تعداد بہت زیادہ ہے، وہ سب اہل ریاست ہیں اور ان کی حکومت عمیق (مضبوط) ہے۔

آل المطر، آلِ خمرہ، کرامیون، آلِ عرفہ، آلِ حمار، آلِ سلمہ اور بنی السراج یہ سب احمد کی نسل سے پھیلے ہیں۔ سلیمان وجیہہ سید تھے۔ انھیں دلیر اور صاحب سطوت وسخاوت وشجاعت بیان کیا گیا ہے ان کے ایک بیٹے تھے جن کا نام داؤد تھا۔ داؤد کے پانچ بیٹے ہوئے۔ ابوالفاتک عبداللہ، حسین شاعر، حسن محترق، علی اور محمد مصفح۔

محمد مصفح کی اولاد بہت کم رہی۔ علی بن سلیمان کی اولاد میں عابد شہید تھے۔ حسن محترق صحرا میں رہتے تھے ان کی اولاد بھی

---

[1] مطبوعہ نسخہ ص ۳۲۴۔ مترجم نے کتابت شدہ لفظ کی نقل کی ہے۔ واللہ اعلم یہ کیا نام ہے۔

[2] ایضاً۔

زیادہ نہ پھیلی۔ حسین شاعر کے اولاد ہوئی تھی، ان میں سے ایک عبدالمکنی ابی الہندی تھے۔ ابو الفاتک کی اولاد کو فاتکیون کہتے ہیں۔ سادات حسنی میں انھیں صاحب ریاست ہونے کا تقدم حاصل تھا۔ ابو الفاتک ایک سو پچیس سال زندہ رہے، ان کی اولاد یمن کے علاقوں کی حاکم رہی۔ ابو الفاتک کے آٹھ صاحبزادے تھے۔ اول اسحاق جنھیں فارس بنی حسن کہتے ہیں۔ بخشش، کرم، جرأت وسطوت ان کی خصوصیات تھیں۔ ان کی اولاد میں محمد، علی، ادریس اور قاسم تھے۔ دوسرے بیٹے محمد تھے، بغداد اور طرابلس میں بنو الحجاری انہی کی نسل سے ہیں۔ تیسرے احمد تھے جن کی کنیت ابوجعفر تھی۔ انھوں نے ایک سو ستائیس سال کی عمر پائی۔ ان کی اولاد بھی بہت ہوئی۔ وہ سب نقیب اور رئیس تھے۔ ابو طالب، عباس اور قاسم ان کی اولاد تھے۔ چوتھے صالح ابی الفاتک تھے اور یہ بات درست ہے کہ ان کی اولاد باقی نہیں رہی۔ پانچویں جعفر تھے آل مقام انھی کی نسل سے ہیں۔ چھٹے قاسم نسابہ تھے۔ ان کی بھی اولادیں تھیں۔ ان کے دو بیٹے وہاج اور سراج نام کے تھے۔ ساتویں داؤد تھے۔ موسیٰ فارس اور حسین بندار ان کی اولاد میں تھے۔ آٹھویں عبدالرحمٰن ابی فاتک تھے۔ وہ ایک سو بیس برس زندہ رہے اور انھوں نے اکیس فرزند اپنی اولاد میں چھوڑے۔

ابو الطیب داؤد بن عبدالرحمٰن جن کی اولاد کو آلِ ابوالطیب کہتے ہیں۔ بنو ہاشم، بنوعلی، بنوحسان، بنو قاسم اور بنو یحییٰ یہ سب ابوالطیب کی اولاد ہیں۔ بنوشاخ اور بنومکثر ان کی اولاد ہیں۔

دباس بن ابوالطیب کے چھ بیٹے تھے۔ محمد، حازم، مکثر، مختار، صالح اور حمزہ۔

امیر تاج المعانی شکر بن ابو الفتوح کی وفات کے بعد حمزہ بن دباس مکۂ مبارکہ کے والی مقرر ہوئے۔ ان کی اولاد میں چار بیٹے تھے۔ عمارہ، محمد ابو القاسم، یحییٰ امیر المخلان اور عیسیٰ، ان عیسیٰ کے ایک بیٹے علی نام کے تھے، بضم العین وفتح لام (عین پر پیش اور لام پر زبر) وہ مکہ معظمہ کے حاکم اور صاحب اختیار تھے۔ ان کے عہد حکومت میں امام جار اللہ شکر اللہ سنعیہ نے مکے میں ایک کتاب ''کشاف'' ان کے نام پر تصنیف کی اور ان کی مدح میں بہت سے قصیدے تحریر کیے۔ انھوں نے بھی[1] زمخشری کی تعریف میں اشعار لکھے ہیں۔ ان کی اولاد بہت ہے۔

موسیٰ بن الشیخ الصالح جنھیں موسیٰ ثانی کہتے ہیں، اور جن کی کنیت ابوعمرو تھی ۲۵۶ھ ہجرۃ النبی علیہ السلام میں شہید کر دیے گئے۔ یہ عباسی خلیفہ معز کی خلافت کا زمانہ تھا۔ ان کی اولاد کو موسیون کہتے ہیں حجاز کی امارت ان کے سپرد تھی۔ ان کے اٹھارہ فرزند تھے۔ ان کی اولاد بھی زیادہ باقی نہ رہی، صرف سات افراد اپنے پیچھے چھوڑے۔ ادریس موسیٰ ابوالرقاع اور ابو السولکات ان کے بیٹے تھے۔ جدّے کے امیر اور لطاع کے نقیب ان کی نسل سے ہیں۔ آل علقہ حسن ادریس کی نسل سے ہیں۔ یحییٰ بن موسیٰ کا لقب بفینہ تھا۔ عبداللہ دیباج ان کے بیٹے تھے۔ آل ابی اللیل، احمد بن یحییٰ کی نسل سے ہیں۔ صالح

---

[1] جار اللہ شکر اللہ زمخشر کے رہنے والے تھے اس نسبت سے انھیں زمخشری کہا جاتا ہے۔

بن موسیٰ کا لقب بارق تھا۔ کہتے ہیں کہ ردت ان کے بیٹے تھے اور ان کے بھی اولاد ہوئی۔ حسن بن موسیٰ کی اولاد ربیع اور اس کے نواح میں آباد ہوئی۔ صالح امیر فارس کی اولاد کو صالحون کہا جاتا ہے، یہ محمد بن حسن کی نسل سے ہیں اور آل بدر بھی اسی نسل سے ہیں۔ علی بن موسیٰ کے ایک بیٹے تھے جن کا نام عبداللہ عالم تھا۔ امیر بن موسیٰ کی اولاد بہت تھی۔ آل الشرفی، آلِ نزار، آلِ، یحییٰ اور آل عطبہ انھی کی نسل سے ہیں۔

قطب الاقطاب، سید و شیخ الثقلین محی الدین والملت عبدالقادر قدس سرہ کی نسبت عبداللہ بن یحییٰ، بن محمد الرومی، بن داؤد الامیر، محمد اکبر بن موسیٰ الثانی ہی سے ہے۔ انھیں ثابر کہتے تھے۔

حضرت قدوۃ الکبرا فرماتے تھے کہ فرزند اعز، اشرف الآفاق سید عبدالرزاق کا نسب بھی حضرت غوث الثقلین عبدالقادر جیلانیؒ تک پہنچتا ہے۔ جس زمانے میں یہ فقیر گیلان گیا تھا تو سید عبدالغفور حسن سے سید عبدالرزاق کو لے کر بصد اعزاز واکرام اپنی فرزندی میں لیا۔ اس تقریب کی جہت سے سادات حسنی اور حسینی کے اشراف واکابر مدعو کیے گئے اور ماہرین انساب بھی فراہم کیے گئے جنھوں نے سید عبدالرزاق کے نسب کی تحقیق کی۔ نسب کی اسی جانچ پڑتال کے دوران سادات حسینی نور بخشیہ اور سادات حسنیہ کی نسبتیں ظاہر ہوئیں۔ خاص طور پر نسبت قریب یہ تھی کہ ہمشیرہ عفیفہ صائمہ کا رشتہ حضرت سید بہلول سے سیّد حسن عبدالغفور کے پدرِ کلاں کے لیے مانگا گیا تھا۔ فرزند اعز سیّد عبدالرزاق کا نسب اِن ہی صائمہ فاخرہ تک پہنچتا ہے۔ موسیٰ ثانی نے خلیفہ معز کے زمانے میں مدینے میں خروج کیا تھا۔ ان کی اولاد میں پانچ افراد تھے۔ اوّل (۱) عبداللہ اکبر اشد، اُن کی نسل سے ادہ اور حسین شدید تھے۔ دوم (۲) حسین امیر جن کی اولاد میں تین صاحبزادے ابو ہاشم، ابو جعفر اور ابوالحسن تھے۔ یحییٰ امیر، ابوالحسن کی اولاد میں سے تھے اور حسن محترف[1] ابوجعفر کی نسل سے تھے۔

وہ پہلے شخص جو بنی الجون سے ملک مکہ ہوئے، وہ یہی تھے۔ ابو ہاشم کی اولاد کو ہوشم کہتے ہیں اور انھیں امیر بھی کہا جاتا ہے۔

سوم (۳) علی تھے جن کی اولاد بنوعلی ہیں۔ (ان کی علاوہ) آلِ نھم اور آلِ معن بھی علی کی نسل ہیں۔ چہارم (۴) قاسم تھے۔ پنجم (۵) قاسم کے چھوٹے بھائی حسن تھے جن کی اولاد کو حرانی کہتے ہیں (اس خاندان نے) حران میں اعادی سے جنگ کی تھی۔ حسن کی اولاد، سلیمان اور محمد سے آگے بڑھی اور سلیمان کی اولاد ہاشم سے چلی۔ البتہ قاسم حرانی کی اولاد کثرت سے ہوئی۔ آلِ کتم، آلِ، ادریس اور آلِ الطیب انھیں میں سے ہیں۔

بنو مالک کا شجرہ یہ ہے:

مالک بن الحسن بن الحسین، بن کامل، بن احمد، بن اسمٰعیل، بن علی، بن عیسیٰ، بن خمرہ، بن باس، بن محمد بن شکر یحییٰ، بن محمد، بن ہاشم، بن قاسم الحرانی، بن محمد الثابر، بن موسیٰ الثانی، بن عبداللہ الشیخ الصالح بن موسیٰ الجون، بن عبداللہ محض، بن حسن

---

[1] مطبوعہ نسخے کے صفحہ ۳۲۵ پہلی سطر میں ان کا نام ''حسن محترق'' نقل کیا گیا ہے اور یہاں صفحہ ۳۲۶ سطر ۶ پر ''حسن محترف'' تحریر ہوا ہے۔ درست نام کون سا ہے، اس کے بارے میں مترجم کچھ عرض کرنے سے معذور ہے۔

المثنیٰ، بن الحسن بن علی ابن ابی طالب علیہم التحیۃ والسلام البتہ یحییٰ بن عبداللہ محض کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ صاحب تاج (وتخت) تھے اور انھوں نے گیلان میں خروج کیا تھا۔ ان کی اولاد بھی کثرت سے تھی۔

ابن سلیمان بن عبداللہ کے بیٹے محمد کی اولاد مغرب میں آباد ہوئی۔ اس (خاندان) کے حالات معلوم نہیں ہیں، لیکن ادریس بن عبداللہ ان کے بیٹے ادریس کی اولاد میں سے تھے۔ ان ادریس بن ادریس کے آٹھ فرزند تھے، ان میں سے ہر ایک کے پاس مغرب میں الگ الگ حکومت تھی۔ حمزہ بن ادریس، اسوس رفضی اور عمر کو مدینۂ رسول[1] (صلی اللہ علیہ وسلم) اور علی نامرانی جو سلطان مصر کی طرف سے سلطان محمود غازی کے پاس قاصد بن کر آئے وہ بھی یحییٰ بن ادریس کی نسل سے تھے۔

حضرت قدوۃ الکبرا فرماتے تھے کہ ہماری سلطنت کا سلسلہ ہمیں اپنی والدہ کی میراث سے ملا تھا کیوں کہ ہماری والدہ کے اجداد، سلاطین سامانیہ سے تھے جنھوں نے دو سو سال تک عراق وخراسان میں حکومت کی۔ سلاطین سامانیہ کی جہاں گیری اور فتوحات ملکی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ سلطان محمود غازی انار اللہ برہانہ، خاندان اصلیہ سامانیہ کے نامزد ملوک نیز خادموں اور مجازی خوانین میں سے تھے۔ ان کی ذات سے اسلام کے آثار وثمرات تمام ملکوں بالخصوص ہندوستان میں (ابھی تک) باقی ہیں۔

عیم ابراہیم عمر بن حسن المثنیٰ کی کنیت ابو اسمٰعیل تھی۔ جود وسخا کی زیادتی کی وجہ سے انھیں عیم کا لقب دیا گیا تھا۔ ان کی اولاد میں ایک بیٹے اسمٰعیل دیباج تھے۔ ان کی اولاد میں حسن تج اور ابراہیم طباطبا تھے حسن تج کی اولاد ان کے فرزند جسن سے پھیلی۔ اس کا لقب بنو تج ہے۔ ابی جعفر ان کی اولاد تھے ابی القاسم علی بن المعروف کی اولاد میں ابن معیہ حاجب تھے۔ عبدالجبار کوفی بھی آلِ معیہ میں سے تھے آل معیہ میں بہت سے اکابر گزرے ہیں۔ ان میں نقیب اور خطیب بھی تھے۔ ان سب میں تاج الدین جعفر بے حد مشہور ہوئے۔ بے حد فصیح ہونے کے باعث انھیں لسان آلِ حسن کہتے تھے۔ اب رہے ابراہیم طباطبا وہ قوم کے پیشوا تھے۔ انھوں نے اپنے پیچھے تین فرزند چھوڑے۔ ایک قاسم، دوسرے احمد اور تیسرے حسن۔ حسن طباطبا کی اولاد سے ابو محمد صوفی مصری، ابراہیم اور ابوحسن تھے، جن کا لقب جمل تھا۔ بنو المسجد اور بنو المکر کی اِن حسن کی نسل سے ہیں۔ احمد طباطبا کو ابو عبداللہ کہتے تھے، ان کی اولاد میں ابو جعفر اور ابو اسمٰعیل تھے۔ ابو البرکات اور ابو المکارم احمد (طباطبا) کی نسل سے تھے۔

قاسم رسی کی کنیت ابو محمد تھی۔ ان کی اولاد میں سات بیٹوں میں سے یحییٰ رسی والی رملہ تھے۔ ان کی اولاد وہاں آباد ہے۔ حسن رسی حاکم ورئیس بن محسن کی اولاد تھے۔ اسمٰعیل رسی کی اولاد ان کے فرزند ابوعبداللہ محمد مشعرانی سے پھیلی۔ دور مصر کے بعد اسمٰعیل کی اولاد میں سے ان کے فرزند نقابت کے منصب پر مامور رہتے ابو القاسم احمد نقیب اور تمام مصری نقبا مشعرانی کہلاتے تھے۔ سلیمان رسی، قثم اور عدل ان کی اولاد میں سے تھے۔ بصرے میں آباد بنو نورذن محمد بن ابراہیم بن سلیمان کی اولاد ہیں۔

---

[1] صفحہ ۳۲۶ سطر ۱۷ اور ۱۸ کی عبارت نامکمل ہے۔ شاید مراد ''نگرانی ملی'' ہو۔ واللہ اعلم۔

حسن رسی کریم الطبع سید تھے، لوگ انھیں عبداللہ کہتے تھے۔ ان کے فرزند ابو الحسین یحیٰ ہادی زید اماموں میں بزرگ امام تھے۔ خلیفہ معتضد کے زمانے میں انھوں نے ظہور کیا۔ ان کا لقب ہادی ابو الحق تھا۔ ان کی اولاد یمن میں بادشاہ اور امام رہی۔ حسن قیل ان کے بیٹے تھے۔

آلِ ابی العیان مرتضٰی بن یحییٰ کی نسل سے ہیں۔ احمد بن الناصر بن الہادی کا لقب ناصر الدین اللہ تھا۔ ناصریہ کی اولاد کثرت سے ہے۔ ان کی باقیات یمن اور خوزستان میں آباد ہے۔ محمد رسی اور شیراز کے نقبا اور قضاۃ ان کی اولاد میں سے تھے۔

ابن طبا طبا صاحب اہل وعیال اور مال واسباب کے مالک تھے۔ ان کی اولاد میں قاسم الرسی بن محمد تھے، اور موسیٰ رسی مصر میں تھے۔ ان کی اولاد مصر میں آباد تھی۔ ان کے آخری افراد (جو باقی رہ گئے ہیں) انھیں میں سے ہیں۔ بنی رسی ابراہیم طبا طبا کی اولاد کے آخری لوگ ہیں۔ اسی طرح بنی رسی ہی اسمٰعیل دیباج کی اولاد کے آخری افراد ہیں۔ اسمٰعیل دیباج بن ابراہیم عمرو، بن حسن بن علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ تھے۔ سبط اکبر (یعنی امام حسنؓ) کی یہ شمہ برابر تفصیل تھی (جو اوپر مذکور ہوئی)

ابی عبداللہ الحسین شہید کی اولاد کا ذکر

ان کو ام الفضل زوجہ عباسؓ بن عبدالمطلب نے دودھ پلایا تھا،[1] جو قثم بن عباسؓ کی ماں تھیں۔ حضرت حسینؓ کے چار بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں۔ علی اکبر، علی اوسط، جنھیں زین العابدین کہتے ہیں، علی اصغر اور عبداللہ۔ ایک دوسری روایت ہے کہ چھ بیٹے تھے، چار تو وہی جو مذکور ہوئے اور دو دوسرے محمد اور جعفر۔ تواریخ میں عمر کا نام بھی تحریر میں آیا ہے۔ واللہ اعلم۔ بہر صورت ان کے صاحبزادوں میں صرف امام زین العابدین باقی رہے تھے۔ منجملہ بارہ اماموں میں ان حضرت سے امام مہدی تک نو امام ہیں، بنا بریں ہم نے یہ شجرہ نو شعبوں (شاخوں) میں بیان کیا ہے۔

شعبۂ اوّل، امام زین العابدین کی اولاد

امام زین العابدین کی والدہ شاہ زناں تھیں۔ بعض نے انھیں شہر بانو کہا ہے۔ وہ بیٹی تھیں کسریٰ یزدجرد بن شہریار، بن پرویز، بن ہرمز بن نوشیروان عادل کی۔ اسی بنا پر کہا گیا ہے کہ امام زین العابدین میں نبوت وسلطنت کی خصوصیات جمع

---

[1] یہاں تک عبارت درست ہے اس کے بعد مبہم ہوگئی ہے۔ مکمل عبارت یہ ہے (ص ۳۲۷ سطر ۱۴ اور ۱۵) ''مرضعہ او ام الفضل بودہ زوجہ عباس بن عبدالمطلب بن قثم بن عباس''
یہ کس طرح ممکن ہے کہ عبدالمطلب، قثم بن عباس کے فرزند ہوں۔ مترجم کا قیاس ہے کہ عبدالمطلب کے بعد کاتب ''مادر'' کا لفظ چھوڑ گئے۔ مترجم نے اسی قیاس کے مطابق اردو ترجمہ کیا ہے۔

تھیں۔ امام زین العابدین کی بہن کا نکاح جو شہر بانو کے بطن سے تھیں حسن بن حسن سے ہوا۔ اس اعتبار سے حسن ثنیٰ کی اولاد میں بھی پیغامبری اور بادشاہی (کی خصوصیات) مجتمع ہوئیں۔

ان کے نو بیٹے اور نو بیٹیاں ہوئیں۔ ان کی اولاد چھ بیٹوں سے چلی۔ محمد باقر، عبداللہ باہر، زید شہید، عمر اشرف، حسین اصغر اور علی اصغر۔

علی اصغر کی اولاد ان کے بیٹے حسن سے تھی (لیکن) نسب دانوں کا اس بارے میں اختلاف ہے۔ ان اختلافات میں سے جعفر نساب کا ایک قطعہ ہے جس کا مصرعہ اولیٰ یہ ہے:

افطیون انتم اسکتوا لا تکتموا

حقیقت یہ ہے کہ اس بارے میں ان کے اور امام جعفر صادق کے درمیان ایک مباحثہ بھی ہوا تھا۔ (یہ مباحثہ) طعن بد کے سبب سے ہوا نہ کہ ازروئے نسب۔

ان کی اولاد میں پانچ افراد تھے۔ اوّل حرزی حسین۔ مکریم علی بن حرزی کے بیٹے تھے اور مکریم کے بھی اولاد تھی۔ تاج الدین حسن بلادِ قرابہ کے قاضی القضاۃ تھے۔ ابو الفضل ممالک طبا کے نقیب النقبا تھے۔ بنو محمد بھی حسن کی نسل سے ہیں۔ دوسرے عمر بن حسن تھے، قاضی امین الدولہ ابو جعفر نساب ان کی نسل سے تھے۔ ان کی بھی اولاد بہت تھی۔ تیسرے حسین تھے۔ بنو شکر ان، ان کی نسل سے ہیں۔ علی دینوری ان حسین افطس کے فرزند حسن کے بیٹے تھے۔ ابو ہاشم فتحی جورے کے نساب تھے، ان کی نسل سے تھے۔ سلطان بہلول کے عہد حکومت میں ابو ہاشم کا منصب نسابی سادات نور بخشیہ کے پاس تھا۔ حمزہ بن حسن مکفوف کی اولاد بنو سمان سے وابستہ ہے۔ بنور برج فہاسم کی اولاد ہیں اور بنو زیادہ جن سے بنی الافطس میں شریف ترین خاندان نہیں ہے، عبد منقود بن حسن مکفوف کی نسل سے ہیں۔ پانچویں عبداللہ شہید کی اولاد و باقیات بہت زیادہ ہیں۔ ان میں ابو طالب محمد فاخر، بنو المحترف، بنو الاعز اور ابو محمد حسن مداینی، طلحہ بن عبداللہ کی نسل سے ہیں[1] مدائنی کے جتنے بیٹے سب کا نام علی تھا ان کی باقیات نے درویشی اختیار کی تھی۔ ابو الصلاۃ، بنو ابو البقر، ابو تراب علی بن حسن مدائنی کی نسل سے ہیں۔

البتہ حسین اصغر بن زین العابدین کی اولاد میں پانچ افراد تھے۔ عبداللہ اعراج جن کی کنیت ابو علی تھی۔ ان کے پاؤں میں تھوڑا سا لنچ تھا، اس لیے ''اعراج'' (لنگڑے) کے لقب سے مشہور ہوئے۔ ان کی اولاد سے متعلق البتہ تفصیل کی

---

[1] اس کے بعد مطبوعہ نسخے کے صفحہ ۳۲۸ سطر ۵ پر یہ عبارت نقل کی گئی ہے:

''ومدانی (مداینی) ویک پسر داشتہ ہمہ را علی نام نہادہ ایتان ایشان یکنہا بودہ''

عربی و فارسی لغات میں ''ویک'' کے معنی کلمہ نفرت دیے ہیں۔ یہاں اس معنی کا کوئی قرینہ نہیں ہے۔ اس طرح دوسرا لفظ ''ریتان'' بھی مبہم ہے۔ مترجم اپنی فہم کے مطابق قیاسی ترجمہ کیا ہے۔

ضرورت ہے کیوں کہ وہ بہت سے خاندانوں، قبیلوں اور صالح اولادوں میں منقسم ہے۔

ان کی اولاد میں چار افراد تھے۔ جعفر الحجہ، علی صالح، محمد حوانی اور حمزہ۔ حمزہ کی اولاد کم تھی۔ بنو میمون حسین بن حمزہ کی نسل سے ہیں۔ محمد مفسول کی نسل سے، محمد، واسط اور ابو جعفر تھے۔ علی صالح بزرگ شخص تھے۔ ریاست عراق ان کی اولاد سے متعلق تھی۔ علی صالح کی کنیت ابوالحسن تھی اور ان کی دعائیں بارگاہِ الٰہی میں قبول ہوتی تھیں۔ ان کی اولاد عبداللہ نرا اور ان کے بیٹے ابراہیم سے پھیلی۔ کرخ کے علاقے میں بنو طفط اور بنو الحراق ابراہیم کی نسل سے ہیں۔ عبداللہ ثانی کے ایک بیٹے تھے ان کا نام علی تھا۔ علی کے بیٹے عبید اللہ ثالث تھے اور ان کے بیٹے امیر المومنین ابوالحسن محمد اشتر تھے۔ وہ ابو الطیب کے ممدوح تھے ان کے بیس فرزند تھے۔ سب بزرگ اور معزز نہ تھے۔ واسط کے نقیب ابوالعلی، ابو المعانی اور ابو الفضایل ان کی باقیات میں تھے۔ بنو مکانسہ، بنو عرام، بنو لصائم، بنو معلاج، بنو ابو الغنائم، بنو احمد، بنو طبیق نیز عراق کے نقبا اور حاجیوں کے قافلوں کے امیر غالباً اشتر کی نسل سے ہیں۔ ابو العلا مسلم امیر الحج جن کی کنیت ابوعبداللہ تھی وہ امیر الحج ابوعلی محمد بن اشتر تھے۔ عمر مختار امیر حاج ان کے بیٹے تھے۔ بنی مختار جو سادات بزرگوار کے نقیب ہیں ان کی اولاد ہیں۔ جعفر سادات بلخ کے ابو الآ با تھے۔ ان کے دو بیٹے تھے۔ حسن اور حسین بن جعفر۔ حسین کی اولاد، ابی الحسین یحییٰ بن تسلمہ سے پھیلی۔ بنو عکہ، بنو عکون، بنو فرارس، بنو غیلان اور بنو الاعرج علی بن یحییٰ کی باقیات ہیں۔ بنو جلال کلہ، بنو شقائق، بنو حرعلی اور بنو مہتا طاہر بن یحییٰ کی نسل سے ہیں۔ عبدالواحد بن مالک بن حسن مہتا کی نسل سے واجد ہیں نیز جماخرہ بھی اسی نسل سے ہیں۔

حسین اصغر کی اولاد سے دوسرے عبداللہ تھے۔ ان کے بیٹے جعفر صحیح تھے۔ ان کی اولاد میں تین بیٹے تھے محمد عففی جن کی اولاد کو عفیفون کہتے ہیں۔ بنو سوس ان کی نسل سے ہیں۔ بکر اسمٰعیل مقتدی جو مدینے میں رہتے تھے۔ ان کی اولاد بہت تھی جنھیں مقتدیون کہتے ہیں۔ علی کبار بادشاہوں سے دور رہے۔

سلسلہ ساداتِ نوربخشیہ

ساداتِ نوربخشیہ کا سلسلہ جو اس عالی خاندان سے ہے انھیں سے جا ملتا ہے۔ آل عندنان جو دمشق کے نقبا ہیں ان کی نسل سے ہیں۔ دوسرے احمد منقذی تھے۔ ان کی اولاد ابراہیم، جعفر، حسن اور حسین سب ان کی باقیات تھے۔ قاسم علی تھے، ان کی بھی اولاد بہت تھی۔ حسن عصفہ اور ان کے بیٹے حسین ککعی، موسیٰ بن علی کی اولاد تھے۔ بنو الکرش، بنو العقیل، بنو امصیر ہ، عیسیٰ کوفی بن علی کی اولاد تھے۔ چہارم ابو محمد الحسن تھے۔ ان کے بیٹے عبداللہ محمد تھے۔ ان کے دو بیٹے تھے۔ ایک محمد سلیف حسن جنکالہ ان کی اولاد تھے اور سلیف کی باقیات تھے۔ دوسرے علی مرعش، شیراز کے نقیب ان کی اولاد سے تھے۔

عبداللہ مصری بھی ان کی نسل سے تھے۔ پنجم سلیمان تھے۔ ان کی اولاد مصر میں آباد تھی جنھیں بنوم الفواطم کہتے ہیں۔ عمر الاشرف بن زین العابدین ان سے شہید[1] کے پدر مادری کے بھائی تھے۔ ان کی اولاد سے ایک بیٹے علی اصغر محدث تھے جو اپنے عم زاد جعفر صادق سے روایت کرتے تھے۔ ان علی کی اولاد میں چار بیٹے تھے۔ قاسم، عمر سنجری اور ابو محمد حسن۔ قاسم کی اولاد میں ان کے بیٹے ابو جعفر محمد صوفی تھے۔ انھوں نے خلیفہ معتصم کے زمانے میں، بمقام طالقان خروج کیا، گرفتار ہوئے اور شہید کردیے گئے۔ قم کے نقیب اور شعرانیاں عمر سنجری کی نسل سے ہیں۔ حسن کے بھی اولاد تھی۔ مکریم طبری، احمد اعرابی کی اولاد میں تھے اور احمد (اعرابی) ابو جعفر بن حسن کے بیٹے تھے۔ ابو جعفر محمد نقیب طبری بھی جعفر دشاح بن حسن کی نسل سے تھے۔ بنوز مران (بھی) اس نسل سے ہیں۔ ناصر الکبیر جو طبرستان میں دیالمہ کا بادشاہ تھا اور جس کا لقب ناصر الحق تھا وہ علی بن حسن کا بیٹا تھا۔ اس کے بھی اولادیں تھیں۔ بکیلان اور ان کی باقیات علاقے کے بادشاہ اور حاکم تھے۔

زید شہید کی کنیت ابو الحسین تھی۔ ان کے مناقب وفضائل بے حساب ہیں۔ انھوں نے کوفے میں خروج کیا۔ زید شہید کے چار بیٹے تھے۔ یحییٰ اور حسین انھیں ذوالدمعہ اور ذوالعیرہ بھی کہتے ہیں، اور عیسیٰ موتم الا شبال۔ محمد یحییٰ اپنے والد کی شہادت کے بعد خراسان میں بمقام جوزجان فرار ہوگئے تھے اور وہاں انھوں نے بڑی جمعیت فراہم کی لیکن شہید کردیے گئے۔ ان کی کوئی اولاد باقی نہ رہی۔

حسین ذوالدمعہ کے تین بیٹے تھے۔ پہلے یحییٰ جن کے سات بیٹے تھے۔ دوسرے قاسم جن کی اولاد کم تھی تیسرے حسن زاہد تھے، ان کی اولاد بھی کم تھی۔ بنی تنک اور بنی خالص ان کی نسل سے ہیں۔

حمزہ بن یحییٰ کی بہت اولاد تھی۔ بنو الامیران کی اولاد ہیں۔ محمد اصغر اقاسی سے اقاس منسوب ہیں عیسیٰ بن یحییٰ کی اولاد مختلف ملکوں اور اطراف میں منتشر ہوگئی۔ یحییٰ بن یحییٰ اور عمر بن یحییٰ کی اولادیں اپنے دوسرے بھائیوں کی بہ نسبت زیادہ تھیں۔ ان کے بیٹے یحییٰ نے مستغنی کے عہد حکومت میں خروج کیا اور مرتبۂ شہادت حاصل کیا۔ بنی الغدان، آل سبیان، مشہد کے اغرمی نقیب اور نبی اسابہ تمام کے تمام محمد عمر زید کی نسل سے ہیں۔ دوسرے حسن قعد ذوالدمعہ، اکثر سادات فارس ان کی نسل سے ہیں۔ عیسیٰ موتم الا شبال کی کنیت ابو یحییٰ تھی احمد مختفی بن عیسیٰ بزرگ اور وجیہہ شخص تھے۔ ان کے بیٹے محمد، عرب کے نسب دانوں میں اعلم العلما کی حیثیت رکھتے تھے۔ علی بن عیسیٰ کی اولاد کرمان اور خراسان میں آباد تھی۔ ان میں زید بن عیسیٰ کی اولاد بھی کثیر تھی۔ احمد، عکی، علی مصفد اور ابو تراب صابونی انھی کی اولاد میں تھے۔ بنو عفرون اور بنو جکا جک حسن عصارہ بن عیسیٰ سے منسوب ہیں۔ امام محمد بن زید شہید، زید کے سب سے چھوٹے بیٹے تھے۔ انھیں ابو جعفر کہتے تھے۔ انتہائی درجے کے کامل اور فاضل بزرگ تھے۔ انھیں خلیفہ مامون نے زہر دے کر شہید کردیا۔ ان کی اولاد میں ان کے بیٹے

---

[1] مطبوعہ نسخے کے صفحہ ۳۲۹ پہلی سطر میں شہید کا نام تحریر نہیں کیا گیا ہے۔ ویسے بھی یہ عبارت، ''اما عمر الاشرف بن زین العابدین برادر پدر مادری شہید از و'' مبہم معلوم ہوتی ہے۔ مترجم نے لفظی ترجمہ کردیا ہے۔

ابو عبداللہ جعفر شاعر تھے۔ محمد خطیب ا احمد سکین اور قاسم ان کی اولاد میں تھے اور صاحب دار الصخرہ ان کی باقیات میں ہیں۔ ان کے بیٹے بھی نقیب تھے۔ عبداللہ باہر (روشن) کے رخسارِ مبارک سے صفا ظاہر ہوتی تھی چنانچہ لقب باہر ہوگیا۔ وہ (امام) محمد باقر کے حقیقی بھائی تھے۔ ان کی اولاد میں ان کے بیٹے محمد ارقط تھے۔ ارقط کی اولاد اسمٰعیل سے چلی، ان کے دو بیٹے تھے۔ حسن نفشج اور محمد اسمٰعیل رخ حسین کی نسل سے تھے۔ ان کی اولادیں قم میں آباد تھیں محمد کوکی ان کی اولاد سے تھے۔ شام اور مصر میں بنو العریف محمد اسمٰعیل کی نسل سے ہیں۔ رے کے نقبا نیز سمنان وکرکیان کے ملوک ارقط کی نسل سے ہیں۔

شعبہ دوم۔ امام محمد باقر کی اولاد

امام محمد باقر کی والدہ ام اسداللہ فاطمہ بنت حسن بن علی تھیں۔ وہ سادات حسینی میں پہلے فرد تھے جن کی ذات کے توسط سے امام حسن اور حسین کی اولاد جمع ہوئیں اور حسنیوں میں ایسے پہلے شخص عبداللہ محض جیسا کہ مذکور ہوا۔ ان کے سات بیٹے بیٹیاں تھیں، جن میں چار بیٹے تھے۔ جعفر، عبداللہ، ابراہیم اور علی۔ ان کی (صاحب امامت) اولاد جعفر سے چلی۔

شعبہ سوم۔ امام جعفر صادق کی اولاد

امام جعفر صادق کے سات بیٹے تھے۔ اسمٰعیل، عبداللہ، موسیٰ، اسحٰق، محمد، عباس اور علی۔ ان کی اولاد پانچ بیٹوں سے تھیں۔ موسیٰ کاظم، اسمٰعیل، علی عریض، محمد مامون اور اسحٰق موتمن۔ یہ موسیٰ کاظم کے حقیقی بھائی تھے اور صورت و ہیئت میں حضرت رسالت علیہ السلام کے مشابہ تھے۔ ان کی باقیات تین بیٹے تھے، محمد، حسین اور حسن۔ بنو الفارث محمد اسحٰق کی نسل سے ہیں۔ خمرہ تجار بنی وارث سے تھے۔ حسن (بن) اسحٰق کی اولاد مصر اور نصیبین میں تھی۔ میمون بن عبداللہ انھیں میں سے تھے۔ حسین بن اسحٰق نجران چلے گئے تھے۔ ان کی اولاد رقہ اور حلب میں کثرت سے ہوئی محمد حرانی ابن احمد حجازی اور حلب کے نقیب انھیں کی اولاد ہیں۔ محمد مامون جنھیں ان کے حسن و جمال کی وجہ سے محمد دیباج بھی کہتے تھے، ان کی اولاد میں تین بیٹے تھے۔ ایک حسین جن کی اولاد مختلف علاقوں میں منتشر ہوگئی اور دوسرے قاسم تیسرے علی حارضی تھے۔ ان کی اولاد میں دو بیٹے تھے جن کے نام حسن اور حسین تھے۔ ان دو بیٹوں کی بہت اولاد تھی۔ ابولہیجا محمد الضراب بن ابی طالب اور حمزہ ضراب، حسین بن علی بن محمد دیباج کی نسل سے تھے۔ محمد بن حسین جن کا لقب جورہ تھا، حسین حارض کی اولاد میں سے تھے۔ علی[1] حریض کے جن

[1] مطبوعہ نسخے کے صفحہ ۳۳۰، سطر ۵، ۷ اور ۸ میں کاتب صاحب نے کہیں حارضی کہیں حریض اور کہیں عریض نقل کیا ہے یہاں مترجم نے عریض کو ترک کر کے حریض تحریر کیا ہے۔

کی کنیت ابوالحسن تھی، چار بیٹے تھے، جن کے نام محمد، احمد اشعرانی، حسن اور جعفر اصغر تھے۔ جعفر اصغر کی اولاد میں ان کے بیٹے علی تھے۔ بنو بہاء الدین، بنوفخار اور بنو سنجی حسن کی نسل سے ہیں۔ بنو الجدہ احمد شعرانی کی باقیات ہیں۔ صاحب السجادہ حمزہ الداعی اور ابو الغشا ان کی اولاد میں تھے محمد بن علی حریض کی اولاد بہت تھی جو مختلف شہروں میں آباد ہوئی۔ یحیٰی محدث کی باقیات، بنوثوابہ اور بنوالمختص عیسی روحی اکبر کی نسل سے ہیں جو محمد حریض کے بیٹے تھے۔

اسمٰعیل جن کی کنیت ابو محمد تھی، ان کی کنیت اعرج اکبر تھی، امام جعفر کی اولاد تھے۔[1] اسمٰعیل کی باقیات ان کے دو بیٹوں محمد اور علی سے تھی۔ محمد کی اولاد میں اسمٰعیل ثانی اور جعفر شاعر تھے۔ بنو الفیض جعفر شاعر کی اولاد ہیں، ان کی اولاد مغرب میں آباد تھی۔

شعبہ چہارم۔ امام موسیٰ کاظم کی اولاد

امام موسیٰ کاظم کے ساٹھ بیٹے بیٹیاں تھیں، جن میں اڑتیس بیٹیاں اور تیئیس لڑکے تھے۔[2] ان کی اولادوں میں سے بعض کی اولادیں باقی نہیں رہیں۔ اس کے علاوہ ان کی اولادوں کے بارے میں بھی اختلافات ہیں لیکن بہ حالت موجودہ اماموں کے نسب کے مطابق صورت حال یہ ہے کہ اُن کی اولاد میں تیرہ بیٹے تھے جن میں چار بیٹوں کی اولادیں کم تھیں باقی کی زیادہ تھیں۔ چار بیٹوں کی اولاد کا اوسط فی کس پانچ افراد سے کم بنتا ہے۔ ان کی تفصیل بہ عنوان شعوب دی جاتی ہے۔

شعب اول۔ پانچ افراد جن کی اولاد تھوڑی تھی یہ تھے۔ عباس، ہارون، اسحاق، اسمٰعیل اور حسن۔

۱۔ حسن کے ایک بیٹے جعفر نام کے تھے۔ ان کی اولاد کے بارے میں کچھ علم نہیں ہے۔ کہا جاتا ہے کہ جعفر بن حسن کے تین بیٹے تھے۔ علی عزری کی باقیات ان کی نسل سے ہیں۔

۲۔ اسمٰعیل موسیٰ کے ایک بیٹے تھے ان کا نام موسیٰ تھا۔ ان کی اولاد ان کے بیٹے جعفر سے چلی۔ بنی ابی الساف اور بنو الوارق ان کی نسل سے ہیں۔

۳۔ اسحاق بن موسیٰ کو امیر کہتے تھے۔ اُن کی اولاد میں اُن کے بیٹے عباس تھے اور اسحاق ملبوس اِن کے بیٹے تھے بنو

---

[1] صفحہ ۳۳۰ پر فارسی عبارت یہ ہے۔ ''اما اسمٰعیل کنیتش ابو محمد کنیتش اعرج اکبر اولاد امام جعفر بودہ'' اس عبارت میں سہو معلوم ہوتا ہے۔ بہر حال عبارت کے مطابق ترجمہ کیا گیا ہے۔

[2] صفحہ ۳۳۰ پر یہ عبارت ہے:

''شصت فرزند بود۔ سی وہشت دختر وبست وسہ پسر''

یہاں بھی سہو کتابت واضح ہے۔ عبارت کے اعتبار سے ''شصت ویک فرزند'' ہونا چاہیے تاکہ اڑتیس ۳۸ اور تیئیس ۲۳ کی گنتی پوری ہو۔ مترجم نے تحریر کردہ عبارت کے مطابق ترجمہ کیا ہے۔

الملبوس اِن کی باقیات سے ہیں۔ محمد کی اولاد بلخ اور طخارستان میں تھی (لیکن) بہت کم۔ ابو جعفر حسن بن اسحاق صورانی، اسحاق بن موسیٰ کی اولاد سے تھے۔ بنو الوارث صورانی کی نسل سے ہیں۔

۴۔ ہارون بن موسیٰ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ان کے کوئی اولاد نہ تھی لیکن ابن طباطبا نے کہا ہے کہ احمد بن ہارون اُن کی اولاد تھے اور امیر کا بطوس ان کی نسل سے تھے۔

۵۔ عباس بن موسیٰ کی اولاد بہت ہی کم تھی۔ قاسم عباس ان کی اولاد تھے۔

شعبہ دوم: زید کی اولاد میں متوسطین نادر ہیں۔ عبداللہ، عبید اور حمزہ۔ حمزہ کو ابوالقاسم کہتے تھے۔ ان کی اولاد بلادِ عجم میں بہت زیادہ تھی۔ وہ سب قاسم بن حمزہ کی باقیات میں تھے۔ حمزہ بن حمزہ کی اولاد بلخ اور بعض خراسان کے علاقوں میں آباد تھی۔ ابو جعفر، قاسم بن حمزہ کی اولاد میں تھے۔ ابو جعفر، بدیع ہمدانی کے ممدوح تھے۔ ان کی اولاد سے آلِ سامانیہ کے بادشاہوں کا میل جول اور قرابت داری تھی۔ احمد ان ہی کی نسل سے تھے۔

عبداللہ کی اولاد میں تین بیٹے تھے۔ محمد یمانی، قاسم اور جعفر یمانی۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ ابراہیم ان کی اولاد تھے۔ ابراہیم کی اولاد سے ابو جعفر اور احمد شعرانی تھے۔ ابو جعفر کی اولاد حجاز میں آباد تھی۔ ابو الفایز جو شیراز میں عضد الدولہ کے ساتھ تھے، ابو جعفر کی نسل سے تھے۔ احمد شعرانی بھی صاحب اولاد تھے اور قاسم بن عبداللہ کے بھی اولادیں تھیں۔ عبدالشرف انھی کی نسل میں سے تھے۔ عبداللہ بن موسیٰ کی اولاد محمد سے پھیلی۔ موسیٰ علی بن حسن الاحود، عبداللہ کی نسل سے تھے۔ جعفر اسود، موسیٰ بن عبداللہ کی اولاد تھے۔ بنو ناصران کی نسل سے ہیں۔ جس زمانے میں زید الفار بصرے کا والی تھا اس نے ابن عباس کے گھروں کو جلا ڈالا تھا اور اُن کے نخلستانوں کو بھی نذر آتش کر دیا تھا۔ اسی (ظلم کی) بنا پر اسے ''زید الفار'' کہتے ہیں۔ بعد میں انھیں گرفتار کر کے مرو لے گئے اور مامون کے زہر سے شربتِ شہادت نوش کیا۔ ان کے چار بیٹے تھے جن سے ان کی اولاد آگے چلی۔ حسن اور ان کی اولاد کا قیام قیروان میں تھا۔ حسین محدث بھی ان کی اولاد میں سے تھے۔ تفروین، جعفر بارجان، بنو صعب اور بنو مکارم، موسیٰ اصم بن عبداللہ کی نسل سے ہیں۔

شعبہ سوم۔ امام موسیٰ کاظم کے چار بیٹے کثیر الاولاد تھے۔ امام علی رضا، ابراہیم مرتضیٰ، محمد عابد اور جعفر۔

جعفر کو احراری کہتے تھے، ان کی اولاد کو حواریون اور شجریون بھی کہتے ہیں۔ موسیٰ اور حسن سے جعفر کی اولاد پھیلی۔ موسیٰ کی اولاد میں حسن الحق تھے اور حسن، محمد ملیط کے والد تھے۔ ملیط کو عددی غلبہ حاصل ہوا، گویا اہل ایران سب عرب تھے، جنھیں حجاز اور عراقِ عرب کی قوت وشوکت حاصل تھی۔ محمد عابد کی اولاد ابراہیم حجاز سے پھیلی۔ ان کے تین بیٹے تھے۔ محمد جابری، احمد مقصرین اور علی۔ سرجان اور کرمان میں آلِ ہرو، آل ابی الفائز اور بنو مزن علی کی باقیات تھے۔ آل ابی الحرث

احمد بن محمد جابری سے ہیں اور آلِ ابی الحمرا محمد کی نسل سے ہیں۔ احمد اور علی کی اولاد ایک دوسرے سے علاحدہ ہوگئیں۔ ابراہیم اصغر کے جن کا لقب مرتضیٰ تھا، دو بیٹے تھے۔ موسی ابوسبحہ اور جعفر۔ موسیٰ، محمد اور علی سے جعفر کی اولاد چلی جو بلادِ ربقاع میں منتشر ہوگئی تھی۔ (ابراہیم اصغر کے پہلے بیٹے) ابوسبحہ موسیٰ کے آٹھ بیٹے تھے۔ چار بیٹوں کی اولادیں قلیل اور چار کی کثیر تھیں۔ مقلون میں (کم اولاد والوں میں) عبیداللہ اور ان کی اولاد بصرے اور مکے میں تھی۔ عیسیٰ کی اولاد فارس میں آباد ہوئی۔ علی کی اولاد دینور اور شیراز میں تھی۔ ابوعلی صبیح اور ابوالفضل انھی کی نسل سے تھے۔ جعفر کی اولاد ترید میں تھی۔ مکثرون میں (کثیر اولاد والوں میں) ایک محمد اعرج تھے، ان کی اولاد موسیٰ ابرش سے چلی، ان کی باقیات میں ان کے تین بیٹے تھے۔ ابو طالب محسن جن کی اولاد بصرے میں تھی۔ ابومحمد حسین موسیٰ ابرش بغداد کے نقیب النقبا تھے۔ ان کے دو بیٹے تھے، محمد رضی اور علی مرتضیٰ علاّم الہدیٰ۔ علاّم الہدیٰ کا مرتبہ علوم میں نہایت بلند تھا۔ تاریخ کی بعض کتابوں میں بیان کیا گیا ہے کہ علاّم الہدیٰ کے کتب خانے میں اسی ہزار مجلد کتابیں تھیں۔ ابوعبداللہ احمدین کی اولاد بھی بہت تھی۔ شام کے نقیب ابو البرکات، نجم الشرف، اور بنی الموسون کے جدابو المظفر ہبۃ اللہ اُن کے اہل بیت تھے۔ دوسرے احمد الموسون الاکبر تھے، ان کی باقیات حسین وحی سے تھی۔ ابراہیم اور علی احول تھے۔ علی احول کی نسل سے رافع تھے۔ نبی الدرف، ابراہیم کی نسل سے تھے۔ حسین وحی کی اولاد میں ابن طلیع تھے۔ سید محمد احمد رفاعی انھی حسین کی نسل سے تھے۔ تیسرے ابراہیم عسکری تھے۔ بنوالممتع انھی کی باقیات ہیں۔ مشہد کے بنوالمحسن بھی ان کی نسل سے ہیں۔

حضرت قدوۃ الکبراؒ فرماتے تھے کہ جس زمانے میں یہ فقیر مشہد میں امام رضا علیہ السلام کے روضۂ متبرکہ کے طواف سے مشرف ہوا، اس زمانے میں سید اجل نقیب اجل واعظم تھے۔ ان سے پہلے سید رضی الملت والدین نقیب تھے، اس کے بعد نقابت منتقل ہوگئی، جن کے پیشرو سید قاضی تھے۔ پھر سید مذکور سے سید تاج الدین کے بھائیوں کو ملی، ان سے سید شہاب الملت والدین کو پہنچی۔ آخر میں سید محمد دلقندی نے اس امر کا آغاز کیا۔ مشہد کے نقیبوں نے فرزند اعز قدوۃ الآفاق سید عبدالرزاق کے نسب کے بارے میں دریافت کیا۔ ان کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ ساداتِ جبل عبدالرزاقیہ سلسلے سے ہیں۔ سید تاج الدین نقیب نے فرمایا، جی ہاں! ہماری والدۂ عفیفہ کی نسبت بھی سادات صالحون تک پہنچتی ہے پھر اس نسبت کی تفصیل بیان کی جو لطیفۂ سابق میں مذکور ہوچکی ہے۔

ابراہیم کی اولاد کے بعضے لوگ ابرقوہ میں تھے۔ چوتھے حسین قطعی تھے۔ ان کی نسل بہت تھی اور مشہور بھی تھی۔ ابی الحسن علی الدیلمی کی اولاد ابی الحارث محمد سے چلی۔ حسین اشقر، حسن برکہ، ابوبقین بجابر اور آل ابو السعادات ابی الحارث کی نسل سے ہیں۔ حسین اشقر کی نسل سے حیدر بن حسن تھے۔ ہبۃ اللہ جو دمشق میں تھے حسن برکہ کی اولاد میں سے تھے۔

شعبہ چہارم[1] امام علی رضا، رضی اللہ عنہ کی اولاد

آٹھویں امام کے جس قدر مناقب اور مراتب ہیں ان کی تفصیل بارہ اماموں کے ذکر میں وقت کی مناسبت سے آئے گی۔ بیت:

ورنہ سزا وارِ خداوندیش
کس نہ تو اند کہ بجا آورد

ترجمہ: آپ کی آقائی کے لائق جو آداب ہیں انھیں بجالانا ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔

حضرت کے پانچ بیٹے تھے۔ محمد، حسن، جعفر، ابراہیم اور حسین۔ ان بزرگوار نامدار فرزندوں میں ان کے جانشین محمد تقی تھے۔

شعبۂ پنجم۔ امام محمد تقی کی اولاد

خلیفہ مامون (عباسی) نے جب امام محمد تقی کی ذات میں علم وادب اور فضل وکرم کا کمال دیکھا تو اپنی بیٹی ام الفضل کو ان کے نکاح میں دے کر مدینۂ طیبہ بھیج دیا۔ ان کی کرامتیں اور ان کی مراتب حد بیان سے باہر ہیں۔

ان کے دو بیٹے تھے۔ علی ہادی اور موسیٰ مبرقع۔ موسیٰ مبرقع نے بمقام قُم وفات پائی۔ ان کی اولاد کو رضوی کہتے ہیں اور یہ حضرات زیادہ تر قم ہی میں آباد ہیں۔ فی زمانہ ان میں سے ایک جمعیت الگ ہوگئی ہے موسیٰ مبرقع نے کہا تھا، جب زیارت کرنے والے جمع ہوجائیں تو میری اولاد کو مشہد مقدس لے جائیں۔ اس کے باشندوں پر سلام ہو۔ احمد ان کی (موسیٰ کی) اولاد تھے۔ مشہور نساب کہتے ہیں کہ محمد بن موسیٰ بھی ان کی باقیات میں تھے۔ نبی الحساب کے نسب نامے ان ہی سے پیوستہ ہیں۔ محمد اعراج، احمد بن موسیٰ کی اولاد میں تھے اور بقیہ اولاد بھی ان کی نسل سے ہے جو سدہور کے قریوں میں آباد ہے۔

شعبۂ ششم۔ امام علی ہادی کی اولاد

حضرت امام علی ہادی کے تین بیٹے تھے۔ حسن، حسین اور جعفر، ان کی اولاد دو بیٹوں حسن اور جعفر سے آگے بڑھی۔ جعفر کی

---

[1] مطبوعہ نسخے کے صفحہ ۳۳۰، سطر ۱۴ میں شعبۂ چہارم کا عنوان امام موسی کاظم کی اولاد کے لیے قائم کیا ہے۔ یہاں صفحہ ۳۳۲ پر دوبارہ شعبۂ چہارم کا عنوان امام علی رضا کی اولاد کے لیے قائم کردیا ہے، حالاں کہ اس کا عنوان ''شعبہ پنجم ہونا چاہیے تھا۔ یہ غلطی آخری امام تک قائم رہتی ہے۔ شعبۂ اوّل امام زین العابدین سے شروع ہوتا ہے اس اعتبار سے بارہویں امام تک نو شعبے ہوں گے۔ بہر حال مترجم نے کسی ردوبدل کے بغیر اصل متن کی عبارتوں اور عنوانات کا ترجمہ کیا ہے۔

کنیت ابوعبداللہ تھی اور کذاب کے لقب سے ملقب ہوئے کیوں کہ انھوں نے اپنے بھائی کی وفات کے بعد امامت کا دعویٰ کیا تھا۔ انھیں ابوالکبرین کہتے ہیں۔ ان کے ایک سوبیس بیٹے بیٹیاں تھیں۔ ان کی اولاد چھ فرزندوں سے تھی، جن میں بعض قلیل الاولاد اور بعض کثیر الاولاد تھے۔ ان کے بیٹے اسمٰعیل حریفا، طاہر، یحییٰ صوفی، ہارون، علی اور ادریس تھے۔ ناصر اور ان کے بھائی محمد ابوالبقا، اسمٰعیل کے فرزند تھے۔ طاہر کے بیٹے ابوالغنائم دقائق اور ابوالعلی دلال تھے۔ ابوالفتح نساب، یحییٰ صوفی کی نسل سے تھے۔ ان کے پس ماندگان مصر میں تھے۔ چند سادات کے گھرانے بلاد شام میں تھے جو ہارون بن جعفر کی اولاد تھے۔ محمد نازوک جن کی اولاد کو بنی نازوک کہتے ہیں علی بن جعفر کی نسل سے ہیں۔ ادریس بن جعفر کی اولاد کو قواسم کہتے ہیں جو قاسم بن ادریس (بن جعفر) کی باقیات ہیں۔ قاسم بن ادریس ہی کی نسل سے بنوقلنات، بدروز، بنی کعب اور مواجد ہیں۔

شعبۂ ہفتم۔ امام حسن ذکی کی اولاد کا ذکر جو گیارہویں امام تھے۔

ان کے فضل وادب اور کمالات کی تشریح استعداد سے دور ہے

مصرع:

ہر چہ گویندو صفِ اودر جب او کمتر بود

(جو کچھ اس کی تعریف میں کہا جائے، اس کی ذات کے اعتبار سے کم ہی ہوگا)

تاہم ان کے فضائل بارہ اماموں کے ذکر میں بیان کیے جائیں گے، ان شاء اللہ تعالیٰ۔ ان کے ایک بیٹے محمد مہدی تھے اور حضرت قدوۃ الکبراؒ فرماتے تھے کہ جب یہ فقیر سلطان السلاطین ابراہیم خلد اللہ ملکہ، کے عہد حکومت میں جونپور اور وہاں کے اکابر واشراف نے اس فقیر کو اپنی تشریف آوری سے مشرف فرمایا تو حضرت میر صدر جہاں نے بعض سادات کے نسب سے متعلق استفسار کیا۔ وہ سادات ہند کی اکثریت کو مجہول النسب کہتے تھے اسی کے ساتھ ساتھ بعض خاندان سادات کے صحیح النسب پر بے حد اصرار کرتے تھے۔

ہندوستان میں بشمول دیگر خاندان، قصبہ کنتور کے سادات کو صحیح النسب کہتے ہیں۔ اسی طرح حضرت میر سید ماہر وجو اودھ کے خطے میں مدفون ہیں ان کی اولاد اور باقیات اودھ کے علاقے میں آباد ہے۔ علاقہ بہرائچ کے دونوں فرقے ایک سلسلے سے منسلک ہیں۔ جونپور کے نواح میں مہووہ گاؤں کے سادات معروف ہیں۔ موضع سکندر پور کے سادات کے بارے میں، جہاں حضرتؒ کبھی کبھی تشریف فرما ہوتے تھے، زیارت مزارات کے وقت فرماتے تھے کہ اس قصبے کے سیدوں کی سیادت وطہارت کی خوشبو مزار کی روحانیت سے آتی ہے۔ سادات بخاریہ کے حسب ونسب میں کسی کو کلام کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ مصرع:

نیست کسرا در لطافت او سخن

(اس کی پاکیزگی میں اعتراض کی گنجائش نہیں ہے)

حضرت میر سید علاء الدین جیوریؒ کا سلسلۂ نسب نہایت پاکیزہ اور صحیح ہے۔ سادات گردیز ہندوستان کے بعض قریوں میں آباد ہیں۔ کڑہ اور مانک پور کے سید اسی خاندان سے ہیں۔ ایک خانوادہ سرہند میں ہے۔ دیگر سادات ہندوستان کے اطراف واکناف میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی اس کی حقیقت جانتا ہے۔ البتہ سادات حسینیہ کے سلسلے سے ایک جماعت جونپور میں ہے، اللہ تعالیٰ نقصان سے اس کی حاظت کرے۔ فرزند اعزار شدعلی الاطلاق مشہور النسب سید عبدالرزاق سے متعلق یہ تحقیق معرض تحریر میں آئی۔

شعبۂ ہشتم۔ امام محمد بن الحسن کے ذکر میں

امام محمد بن الحسن بارہویں امام ہیں۔ مشہور اقوال کے مطابق ان کی کنیت ابو القاسم ہے۔ امامیہ حضرات کے واضح قول کے مطابق ان کا لقب، حجت، قایم، مہدی، منتظر اور صاحب الزماں ہے۔ ان ہی کے مذہب کے مطابق وہ بارہ اماموں کے خاتم ہیں اور سردابہ میں مستور (پوشیدہ) ہیں۔ وہ اپنے مقررہ وقت پر خروج کریں گے لیکن اہل سنت وجماعت کے ایمہ کا مذہب یہ ہے کہ مہدی آخر الزماں اپنے وقت پر سلسۂ اطہر حیدریہ سے تولد ہوں گے۔ ان کی ولادت کے زمانے میں بہت سی نشانیاں ظاہر ہوں گی جیسے حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کے باب میں ظاہر ہوئیں۔ ہر سال ان کی ہدایت کے ثمرات نمایاں ہوں گے، حتیٰ کہ ساری دنیا کے اطراف اور ملک ان برج فلک کو اٹھائیں گے اور ان کی سلطنت قائم ہوگی جس کی شرح تفصیل سے لطیفۂ اوّل میں مذکور ہوچکی ہے۔''

لطیفہ ۵۳

خلفائے راشدین، بعض صحابہ اور تابعین
نیز بارہ اماموں کے ذکر میں

تذکرہ اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مناقب

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے تمام احوال، اقوال اور افعال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی دلیل اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے شاہد ہیں اور تمام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں ہیں۔

جس وقت حضور ﷺ کو ہجرت کا حکم دیا گیا تو آپ ﷺ نے جبریلؑ سے دریافت کیا کہ میرے ساتھ کون ہجرت کرے گا تو جبریلؑ نے عرض کیا، ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ۔ اس روز سے اللہ تعالیٰ نے ان کا نام صدیقِ اکبر، کر دیا۔

ابومسعود انصاری کا قول ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کا اسلام وحی کے مشابہ ہے کیونکہ انہوں نے فرمایا کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے، ایک رات میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک عظیم روشنی آسمان سے نازل ہوئی اور مکے کا کوئی گھر ایسا نہ بچا ہوگا جس میں اس روشنی کا کوئی نہ کوئی حصہ نہ پہنچا ہو۔ پھر وہ تمام انوار یکجا ہوگئے اور جیسا کہ میں نے پہلے دیکھا تھا ایک نور کی صورت اختیار کر گئے۔ پھر وہ نور میرے گھر میں داخل ہوگیا اور میں کھڑا رہا۔ صبح میں نے یہ خواب ایک یہودی سے بیان کیا اور اس کی تعبیر چاہی۔ اس نے کہا کہ یہ پراگندہ خوابوں میں سے ہے اور ایسے خوابوں کی کوئی تعبیر نہیں ہوتی۔ اس واقعے کو ایک زمانہ گزر گیا تا آنکہ میں کسی تجارتی سفر کے دوران بحیرا راہب کے کلیسا میں پہنچا اور میں نے اس سے خواب کی تعبیر دریافت کی۔ اس نے مجھ سے پوچھا تم کون ہو۔ میں نے کہا کہ میں قبیلۂ قریش سے ہوں۔ بحیرا نے کہا کہ اللہ تعالیٰ تم لوگوں کے درمیان ایک پیغمبر مبعوث فرمائے گا اور تم اس کے ایام حیات میں اس کے وزیر رہو گے اور اس کی

وفات کے بعد تم اس کے خلیفہ بنو گے۔ اس کے بعد رسول ﷺ مبعوث ہوئے۔ آپ ﷺ نے مجھے اسلام لانے کے لیے فرمایا۔ میں نے عرض کیا کہ ہر نبی کے پاس اس کی نبوت کی دلیل ہوتی ہے۔ آپ ﷺ کے پاس کونسی دلیل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا میری دلیل وہ خواب ہے جو تم نے دیکھا تھا اور تمہیں یہ بتایا گیا تھا کہ تمہارے خواب کی کوئی تعبیر نہیں ہے۔ آخرکار بحیرا نے تمہیں بتایا کہ تمہارے خواب کی تعبیر یہ ہے اور یہ ہے۔ میں نے عرض کیا کہ اس واقعے کی خبر آپ کو کس نے دی؟ فرمایا جبریل نے۔ اس جواب پر مین نے عرض کیا کہ میں اس سے زیادہ دلیل کا طلب گار نہیں ہوں کہ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْکَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ (میں گواہی دیتا ہوں کہ کوئی ہستی لائق عبادت نہیں سوائے اللہ واحد کے جس کا کوئی شریک نہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اس کے بندے اور رسول ہیں)

رسول علیہ السلام نے فرمایا، میں نے جس شخص کو اسلام کی دعوت دی اس نے میری دعوت کو قبول کرنے میں تردد اور توقف کیا سوائے ابوبکرؓ کے۔ جونہی میں نے انہیں اسلام کی دعوت دی انہوں نے فوراً میری تصدیق کی اور کہا کہ بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم)۔ وہ صدیق اکبر ہیں۔

امیرالمومنین ابوبکرؓ نے بیان کیا کہ زمانۂ جاہلیت میں میں ایک روز، درخت کے سائے میں بیٹھا تھا۔ اچانک میں نے دیکھا کہ اس درخت کی ایک شاخ میری طرف بڑھی۔ میں نے غور سے اسے دیکھا اور اپنے دل میں کہا کہ یہ کیا معاملہ ہے میرے کان میں آواز آئی کہ اللہ تعالیٰ کے رسول فلاں وقت ظاہر ہوں گے۔ تمہیں چاہیے کہ اس وقت تم سب سے زیادہ سعادت مند لوگوں میں شامل ہوجاؤ۔ میں نے اس آواز سے کہا کہ واضح طور پر بتاؤ کہ وہ رسول کون ہے اور اس کا نام کیا ہے۔ آواز آئی کہ وہ محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم ہیں۔ میں نے کہا وہ تو میرے ساتھی، ہم نشین اور دوست ہیں۔ پھر میں نے اس درخت سے عہد کیا کہ جس وقت وہ مبعوث ہوں مجھے بشارت دینا۔ جب آپ ﷺ مبعوث ہوئے تو اس درخت سے پھر آواز آئی، اے ابوقحافہ کے بیٹے کوشش اور اہتمام کرو کہ اُن صاحب پر وحی نازل ہوچکی ہے۔ موسیٰ کے رب کی قسم! کوئی شخص اسلام میں تم پر سبقت نہ لے پائے گا۔ جب صبح ہوئی تو میں رسول علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دیکھ کر فرمایا، اے ابوبکر! میں تمہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف بلاتا ہوں۔ میں نے کہا اَشْهَدُ اَنَّکَ رَسُوْلَ اللّٰهِ بَعَثَکَ بِالْحَقِّ سِرَاجاً مُّنِيْراً (میں گواہی دیتا ہوں بے شک آپ حق کے ساتھ خدا کے رسول ہیں اور روشن چراغ ہیں) پس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا اور میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی۔

حضرت امیرالمومنین ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل میں ایک مرتبہ تجارت کی غرض سے یمن گیا۔ وہاں کے ایک قبیلے کے سردار سے میری ملاقات ہوئی جو آسمانی کتابوں کا عالم تھا اور اس کی عمر چار سو سال تھی۔ اس نے مجھے دیکھ کر کہا، میرا گمان ہے کہ تم حرم مکہ سے آئے ہو۔ میں نے جواب میں ہاں کہا۔ اس نے دریافت کیا، کیا تم قریشی ہو؟ میں نے جواب میں ہاں کہا۔ اس نے پھر دریافت کیا، کیا بنوتمیم سے ہو؟ میں نے کہا جی ہاں۔ عالم نے

کہا بس ایک علامت معلوم کرنا باقی ہے۔ میں نے کہا وہ کیا ہے۔ اس نے کہا تم اپنا پیٹ برہنہ کرو۔ میں نے کہا جب تک تم یہ نہیں بتاؤ گے کہ تمہارے سوالات کا مقصد کیا ہے میں پیٹ برہنہ نہیں کروں گا۔ اس نے کہا کہ میں نے آسمانی کتابوں میں پڑھا ہے کہ حرم میں اللہ کا ایک رسول پیدا ہوگا۔ اس کے دو مددگار ہوں گے۔ ایک جوان اور دوسرا ادھیڑ عمر کا۔ جوان کی خصوصیت یہ ہے کہ محنتوں اور مشقتوں میں زندگی گزارے گا۔ ادھیڑ عمر والے کا رنگ اجلا اور اس کے پیٹ پر سیاہ تل ہوگا۔ میں نے اپنا پیٹ کپڑا ہٹا کر دکھایا تو اسے میرے پیٹ پر سیاہ تل نظر آیا۔ اس نے کہا، کعبے کے رب کی قسم تم وہی ادھیڑ عمر کے شخص ہو۔ پھر اس نے مجھے وصیت کی کہ احتیاط کرنا، ہدایت کا راستہ اختیار کرنا اور اس افضل طریقے سے قائم رہنا جو اللہ تعالیٰ نے اس چیز میں بیان کی ہیں جو تمہیں عطا کی جائے گی۔ جب یمن میں میں اپنے کاموں سے فارغ ہوگیا تو اس سے رخصت ہونے کے لیے اس کے پاس گیا۔ اس نے چند اشعار میرے سپرد کیے کہ ان کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا دینا۔ جب میں مکے پہنچا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہو چکے تھے۔ سردارانِ قریش مجھ سے ملنے کے لیے آئے۔ میں نے ان سے دریافت کیا کہ تم لوگوں کے درمیان کوئی عجیب واقعہ تو رونما نہیں ہوا۔ انہوں نے کہا کہ اس سے زیادہ اور کون سا واقعہ عجیب ہوسکتا ہے۔ کہ یتیم ابو طالب[1] پیغمبری کا دعویٰ کرتا ہے۔ ہم تمہارے منتظر تھے۔ اب جبکہ تم آگئے ہو تو اس معاملے کو نمٹا لو گے۔ بہرنوع میں نے ان لوگوں کو روانہ کیا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں معلوم کیا انہوں نے بتایا کہ (حضرت) خدیجہؓ کے گھر میں ہیں۔ میں وہاں پہنچا اور مکان کے دروازے پر دستک دی۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے۔ میں نے عرض کیا، یا محمد! میں نے آپ کے بارے میں اہل قبیلہ کے گھروں میں دریافت کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ آپ نے اپنے آبائی دین کو چھوڑ دیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابوبکر! میں اللہ کا رسول ہوں۔ مجھے تمہاری اور سب لوگوں کی طرف بھیجا گیا ہے۔ تم اللہ تعالیٰ پر ایمان لاؤ۔ میں نے عرض کیا کہ اس پر آپ کی دلیل کیا ہے؟ فرمایا، وہ یزدی شیخ جس سے تم نے یمن میں ملاقات کی۔ میں نے عرض کیا کہ آپ کس شیخ کے بارے میں فرما رہے ہیں، میں تو وہاں کے بہت سے مشائخ سے ملا تھا۔ فرمایا، وہ شیخ جنھوں نے تمہیں چند بیت دیے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ اے میرے حبیب یہ خبر آپ کو کس نے دی؟ فرمایا، اس بزرگ فرشتے نے جو مجھ سے پہلے دوسرے نبیوں کے پاس آتا رہا ہے۔ میں نے آپ کا دستِ مبارک تھام لیا اور کہا اَشْهَدُاَنْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنْتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ (میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں ہے اور آپ اللہ کے رسول ہیں) بعدازاں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت سے واپس ہوا، اس وقت دنیا میں کوئی شخص مجھ سے زیادہ شادماں نہ ہوگا کیونکہ مجھے ایمان کی توفیق حاصل ہوئی تھی۔

---

[1] مطبوعہ نسخہ صفحہ ۳۳۵۔ سطر ۴۔ ''یتیم ابوطالب دعوئ نبوت می کند''۔ غالباً۔ ''یتیم ابوطالب'' سہوِ کتابت ہے۔ یتیمی کی نسبت والد سے ہوتی ہے، اس اعتبار سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ''یتیم عبداللہ'' کہا گیا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ یہاں ''یتیم ابوطالب'' کی ترکیب میں لفظ یتیم اس کے معروف معنوں میں استعمال نہ ہوا ہو لیکن فارسی عبارت میں ایسا کوئی قرینہ نظر نہیں آتا۔ واللہ اعلم۔

آخری بیماری میں حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا، رات میں نے خلافت تفویض کرنے کے معاملے میں کئی بار استخارہ کیا اور حق تعالیٰ سے درخواست کی کہ الٰہی جو کچھ تیری رضا کے مطابق ہو مجھے اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرما، تم جانتے ہو کہ میں جھوٹ ناپسند کرتا ہوں اور وہ کون غافل شخص ہوگا کہ حق تعالیٰ سے ملاقات کے وقت جھوٹ بات کہے گا اور جھوٹی بات کو دو مسلمان فریقوں کے لیے جائز رکھے گا۔ سب حاضرین نے کہا اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نایب! کسی کو آپ کی سچائی میں شک نہیں ہے۔ جو آپ کو فرمانا ہے (بے تکلف) فرمائیں۔ آپ نے (حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے) کہا کہ آخرِ شب مجھ پر نیند نے غلبہ کیا، میں نے رسول ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دو سفید کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ میں لباس مبارک کے چاروں طرف پھرا۔ اچانک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جامہ ہائے مبارک نے سبز اور چمک دار ہونا شروع کیا، یہاں تک کہ اس نور نے دیکھنے والے کی آنکھوں کو خیرہ کر دیا۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں جانب دو بلند قد شخص کھڑے تھے جو بے حد حسین وجمیل تھے، ان کے لباس سے نور بکھر رہا تھا اور ان کا دیدار سرمایۂ سرور تھا۔ میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سلام عرض کیا اور شرف مصافحہ سے اپنے آپ کو مشرف کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک میرے سینے پر رکھا جس سے میرے اندر جو اضطرابی اور خفقانی کیفیت تھی اسے سکون حاصل ہوگیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے ابوبکر! تم سے ملاقات کرنے کا اشتیاق ہے۔ زیادہ وقت نہ گزرے گا کہ تم مجھ سے آملو گے۔ خواب میں مجھ پر اس قدر گریہ طاری ہوا کہ میرے اہل خانہ نے میری آواز سنی پھر مجھے حالتِ گریہ کے بارے میں بتایا۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، یا رسول اللہ مجھے بھی آپ کی زیارت کا اشتیاق ہے۔ فرمایا بس تھوڑا وقت باقی ہے پھر ایسا وصال حاصل ہوگا جس میں جدائی کا وہم تک نہ ہوگا۔ اس کے بعد فرمایا کہ تفویضِ خلافت کے معاملے میں اللہ تعالیٰ نے اختیار دیا ہے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ اختیار فرمائیے۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ رعیت کا والی بہت زیادہ عاملِ صادق اور حق و باطل میں فرق کرنے والا ہے۔ آسمان و زمین میں پسندیدہ شخصیت یا یگانۂ روزگار ہستی ہے یعنی عمرؓ بن الخطاب (ان اوصاف کا حامل ہے)۔ اس کے بعد فرمایا کہ یہ دو شخص تمہارے وزیر ہیں۔ یہ دنیا اور آخرت میں تمہارے مددگار اور بہشت میں تمہارے ہمسائے ہوں گے۔ بعد ازاں اُن دونوں نے مجھے سلام کیا اور کہا۔ آپ نے مکروہ سے خلاصی پائی، آپ آسمان میں صدیق ہیں، فرشتوں کے درمیان صدیق ہیں اور زمین میں مخلوق کے درمیان صدیق ہیں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، یہ دو شخص کون ہیں کہ میں نے ان کی مثل کوئی شخص نہ دیکھا۔ فرمایا کہ یہ دو کریم فرشتے جبریل اور میکائیل ہیں۔ اس کے بعد حضور علیہ السلام تشریف لے گئے اور میں جاگ گیا۔ میرے رخسار آنسوؤں سے تر تھے اور اہل خانہ میرے سرھانے رو رہے تھے۔

حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ (حضرت ابوبکرؓ کی وفات کے بعد) بعض لوگوں نے کہا کہ ہم ابوبکرؓ کو مشہد (شہیدوں کے قبرستان) میں دفن کریں گے اور بعض نے کہا کہ بقیع لے جائیں گے، (لیکن) میں نے کہا کہ میں اپنے

حجرے میں اپنے حبیب کے سامنے انہیں دفن کروں گی۔ اس تجویز پر ہمارے درمیان اختلاف رہا کہ مجھ پر نیند نے غلبہ کیا اور اس حالت میں میں نے کسی کہنے والے سے سنا، اوصلوا الحبیب الی الحبیب (دوست کو دوست تک پہنچاؤ) جب میں جاگی (تو مجھے معلوم ہوا کہ) دوسرے لوگوں نے بھی یہی آواز سنی تھی حتیٰ کہ مسجد میں موجود لوگوں نے بھی یہ آواز سنی۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے وصیت فرمائی تھی کہ میرے جنازے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضے کے دروازے پر لے جانا اور کہنا، **السلام علیک یا رسول اللہ**، یہ ابوبکر ہے آپ کے آستانے پر حاضر ہوا ہے۔ چنانچہ اگر روضۂ پاک کا دروازہ کھل جائے تو مجھے اندر لے جا کر دفن کر دینا ورنہ میرا جنازہ بقیع کے قبرستان لے جانا۔ راوی بیان کرتے ہیں کہ لوگوں نے حضرت ابوبکرؓ کی وصیت کے مطابق عمل کیا، ابھی وصیت کردہ کلمات پوری طرح ادا نہ ہوئے تھے کہ دروازے کا پردہ خود بخود اٹھ گیا اور کانوں میں آواز آئی، دوست کو دوست کی طرف لاؤ۔

حضرت ابوبکرؓ کی مدتِ خلافت دو سال اور عمر شریف تریسٹھ سال تھی۔ آپ کی وفات ۱۸ رجب ☆۱۲ھ کو ہوئی۔ مرض الموت میں اپنی اولاد سے متعلق حضرت عائشہؓ سے سفارش کی جن میں دو لڑکے اور لڑکیاں تھیں حالانکہ سوائے حضرت عائشہؓ اور ایک دوسری بیٹی کے آپ کے تیسری بیٹی نہ تھی۔ حضرت عائشہؓ نے عرض کیا کہ میری تو صرف ایک بہن ہے دوسری کہاں سے آ گئی۔ فرمایا کہ میری بیوی حاملہ ہے اور میرا گمان ہے کہ بیٹی پیدا ہوگی، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جب وضع حمل ہوا تو بیٹی پیدا ہوئی۔

تذکرہ دوم۔ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے مناقب

رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ پچھلی امتوں میں محدث ہوتے تھے یعنی اللہ تعالیٰ ان سے کلام کرتا تھا، اگر میری امت میں ایسی صفت کا کوئی ہے تو عمرؓ بن خطاب ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی تائید میں ابن عمرؓ کا یہ قول ہے کہ نبی کریم ﷺ صحابہؓ سے مشورہ فرماتے تھے لیکن حضرت عمرؓ کی بات حکمِ الٰہی کے موافق ہوتی تھی۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں نے خواب میں دیکھا کہ لوگ کنویں میں ڈول ڈال کر پانی نکال رہے ہیں۔ سب نے اسی قدر پانی نکالا جس قدر اللہ تعالیٰ نے چاہا۔ اس کے بعد ابن ابوقحافہ (ابوبکرؓ) نے ڈول کھینچا، اُن پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو۔ انہوں نے ڈول کھینچنے میں دقّت محسوس کی پھر ابنِ خطاب (عمرؓ) نے یہ کام اپنے ہاتھ میں لیا۔ میں نے کنویں سے پانی نکالنے میں ان جیسا قوی شخص نہیں دیکھا یہاں تک کہ پانی سے تمام حوض بھر گیا اور اس پانی سے تمام لوگ سیراب ہوئے۔ یہ قول حضرت عمرؓ کی خلافت سے متعلق ہے۔

حضرت عمرؓ کے فضائل بہت ہیں اور آپ سے جو خوارق ظہور میں آئے وہ بھی بے شمار ہیں۔ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ جمعے کے دن منبر پر چڑھے اور خطبہ دینا شروع کیا۔ یکا یک آپ نے خطبہ روک دیا اور دو بار یا تین بار فرمایا، ''یَاسَارِیَةَ الْجَبَل''

☆ عالمِ اسلام میں آپ کی تاریخ وصال ۲۲ ر جمادی الثانی مشہور ہے۔ (ناصر الدین) بحوالہ تاریخ الخلفاء للسیوطی: ص ۱۴۸

(اے ساریہ! پہاڑ) یہ فرمانے کے بعد پھر خطبہ دینے لگے۔ حاضرین خطبہ آپس میں کہنے لگے شاید عمرؓ دیوانے ہو گئے ہیں۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نماز کے بعد آپ کے پاس آئے اور کہا کہ اے عمر آپ کو کیا ہو گیا تھا کہ خطبے کے درمیان آپ نے یہ بات کہی اور لوگوں کو باتیں بنانے کا موقع دیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ دورانِ خطبہ میں نے دیکھا کہ ساریہ اپنی قوم کے ساتھ کافروں سے جنگ کر رہے ہیں اور کافر آگے بڑھتے جا رہے ہیں یہ منظر مجھ سے دیکھا نہ گیا اور میں نے وہ کلمات دہرائے تاکہ پہاڑ کی طرف مڑ کر دیکھیں اور کافروں کے شر سے محفوظ ہو جائیں۔ کہتے ہیں کہ مدینہ طیبہ سے ساریہ کی لشکر گاہ ایک مہینے کے سفر پر تھی۔ فتح حاصل کر کے ساریہ مدینے لوٹے اور بیان کیا کہ جمعے کا دن تھا ہم صبح سے شام تک کافروں سے مصروف جہاد رہے۔ اچانک ہم نے ایک منادی کرنے والے کی آواز سنی یا ساریہ الجبل۔ ہم نے پہاڑ کی طرف رُخ کر کے ایسی زبردست جنگ کی کہ بہت سے کافر مارے گئے اور جو باقی بچے وہ بھاگ گئے۔ ان لوگوں نے جنہوں نے حضرت عمرؓ کو پاگل پن کا طعنہ دیا تھا یہ سُنا تو اعتراف کیا کہ عمرؓ کو اپنے حال پر چھوڑو، وہ اسی کام کے لیے بنائے گئے ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ لوگوں نے اسی جمعے کے روز یہ بات امیر المومنین علیؓ سے کہی تو انہوں نے فرمایا، عمرؓ کوئی ایسا کام نہیں کرتے یا ایسی بات نہیں کہتے کہ اسے انجام نہ دے سکیں۔

ایسے ہی واقعات میں ایک واقعہ یہ ہے کہ ایک لشکر کسی دور کے علاقے میں بھیجا تھا۔ ایک روز مدینہ طیبہ میں یہ آواز سنائی دی۔ لبیکاہ لبیکاہ (وہ حاضر ہے، وہ حاضر ہے) کسی کو پتہ نہ چلا کہ یہ کیا بات ہوئی۔ بہر حال لشکر مدینے میں واپس آیا۔ امیرِ لشکر اُن فتوحات کو گنوانے لگے جو اللہ تعالیٰ نے انہیں ارزانی فرمائی تھیں۔ امیر المومنین عمرؓ نے کہا، ان باتوں کو چھوڑو اور اس آدمی کا حال بیان کرو جسے تم نے زبردستی پانی میں بھیجا تھا کیا بنا۔ امیر لشکر نے کہا، اے امیر المومنین! واللہ میں اس کے ساتھ کوئی برائی کرنا نہیں چاہتا تھا۔ میں ایک دریا پر پہنچا، مجھے اس کی گہرائی کا پتہ نہ تھا لیکن ہمیں وہاں گزرنا ضروری تھا۔ ہم نے اسے برہنہ کر کے دریا میں اتارا۔ سرد ہوا چل رہی تھی وہ اس کے جسم میں سرایت کر گئی۔ وہ فریاد کرنے لگا واعمراہ واعمراہ۔ اس کے بعد سردی کی شدت سے ہلاک ہو گیا۔ لوگوں نے سنا اور جان لیا کہ صدائے لبیک اُس مظلوم کی فریاد کے جواب میں تھی۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے فرمایا، اس واقعے کے بعد آئندہ ایسا عمل نہیں ہوگا۔ میں بے شک تمہیں بدلے میں قتل کرواتا۔ جاؤ اور اس کے اہل خانہ کو دیت ادا کرو۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو میں دوبارہ تمہیں یہاں نہ دیکھوں۔ اس کے بعد فرمایا کہ کسی مسلمان کا قتل بہت سے کافروں کی ہلاکت سے زیادہ بڑا ہے۔

ازانجملہ ایک واقعہ یہ ہے کہ جس زمانے میں مصر فتح ہوا اور عمروؓ بن العاص وہاں کے والی بنے تو اہل مصر کے بانیوں میں سے چند اشخاص ان کے پاس آئے اور کہا کہ دریائے نیل کی ایک عادت ہے جس کے بغیر وہ جاری نہیں رہتا اور بالآخر خشک ہو جاتا ہے۔ عمروؓ بن العاص نے دریافت کیا کہ وہ کونسی عادت ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ وہ عادت یہ ہے کہ جس مہینے میں ہم آپ کے پاس آئے ہیں، اس کے بارہ دن گزرنے پر ہم کہیں سے ایک بارہ سالہ کنواری لڑکی کو تلاش کرتے

ہیں اور اس کے ماں باپ کو اس قدر مال دیتے ہیں کہ وہ اس لڑکی کو ہمارے سپرد کرنے پر راضی ہو جاتے ہیں۔ پس ہم اس لڑکی کو لباس اور زیور سے آراستہ کرکے دریائے نیل میں ڈال دیتے ہیں۔ جب حضرت عمرو بن العاص نے یہ بات سنی تو کہا کہ اسلام میں ایسی رسموں کا کوئی گزر نہیں ہے بلکہ اپنی آمد سے قبل تمام بری رسموں کو مٹاتا ہے۔ اس تاریخ سے تین ماہ گزرنے کے بعد دریائے نیل کا تمام پانی خشک ہو گیا اور لوگ وہاں سے دوسرے علاقوں میں جانے لگے۔ حضرت عمروؓ بن عاص نے جب یہ حالت دیکھی تو اس کی کیفیت لکھ کر امیر المومنین حضرت عمرؓ کی خدمت میں روانہ کی۔ جب یہ مکتوب حضرت عمرؓ کو ملا تو آپ نے اس کے ایک حصے پر یہ عبارت[1] لکھ کر واپس بھیج دیا کہ دریائے نیل میں ڈال دیا جائے۔

''یہ تحریر اللہ کے بندے عمرؓ کی طرف سے مصر کے دریائے نیل کی طرف ہے۔ پس بے شک اگر تو اپنی مرضی سے جاری رہتی ہے تو جاری نہ ہو۔ اگر تو خدائے واحد القہار کے حکم سے جاری ہوتی ہے تو میں خدائے واحد القہار سے التجا کرتا ہوں کہ وہ تجھے جاری کر دے۔''

حضرت عمروؓ بن عاص نے کاغذ کا وہ ٹکڑا دریائے نیل میں ڈال دیا۔ دوسرے روز سولہ گز پانی چڑھ گیا۔ اس زمانے سے اہل مصر سے وہ بری رسم بھی جاتی رہی۔

حضرت عمرؓ کی خلافت دس سال قائم رہی۔ آپ کی وفات ۲۶/ذی الحجہ☆ ۲۳ ہجری کو شب جمعہ میں ہوئی آپ کی قبر مبارک سلطان الانبیاء ﷺ کے روضۂ مبارکہ میں ہے۔ منقول ہے کہ جس روز آپ کو قتل کیا گیا تو تمام روئے زمین پر تاریکی چھا گئی۔ چھوٹے چھوٹے بچے (خوف سے) ماؤں سے لپٹ گئے اور کہنے لگے، شاید قیامت آ گئی ہے۔ ماؤں نے (ڈھارس دیتے ہوئے) کہا نہیں بچو قیامت نہیں آئی بلکہ عمرؓ بن خطاب شہید کر دیئے گئے ہیں۔ جس روز یہ واقعہ رونما ہوا، کوئی شخص یہ اشعار پڑھتا تھا اور لوگ اسے دیکھ نہ سکتے تھے۔

رباعی:

لبیک علی الاسلام من کان باکیا
فقد او شکوا اھلکوا وما قدم العھد
و ادبرت الدُنیا و ابردھا
وقد بلھا من کان یومن بالوعد

(جو شخص رونا چاہے وہ اسلام کے حال پر گریہ کرے۔ پس تحقیق و ہلاکت کے قریب پہنچ گئے۔ نہ زمانہ دراز ہوا نہ دنیا

---

[1] عربی عبارت کو فارسی ترجمے کے ساتھ نقل کیا گیا ہے۔ مترجم نے عربی عبارت نقل کرنے کے بجائے فارسی ترجمے کا اُردو ترجمہ کیا ہے۔ مطبوعہ نسخہ ص ۳۳۷۔

☆ عالمِ اسلام میں یکم محرم کو یومِ شہادت عمر فاروق رضی اللہ عنہ منایا جاتا ہے۔ تاریخ الخلفاء للسیوطی، ص ۲۱۵ پر آپ کا یوم تدفین یکم محرم تحریر ہے۔ (ناصر الدین)

نے پیٹھ دی۔ اس کی خیریت وخوبی سرد ہوگئی۔ بے شک اس نے دنیا کو برطرف کر دیا جو وعدے پر ایمان لایا تھا)

تذکرہ سوم۔ رافضیوں کے فرقے پر عذاب کا ذکر

روافض کی بدگوئی پر عذاب کے بارے میں روایات ہیں۔ کتاب ''دلائل النبوۃ'' میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک مرتبہ ہم تین شخص یمن کے سفر پر روانہ ہوئے۔ ہم میں ایک شخص کوفے کا رہنے والا تھا جو حضرت ابوبکر اور حضرت عمرؓ کے حق میں بدگوئی کرتا تھا۔ ہم نے ہر چند اسے نصیحت کی لیکن وہ (اپنی بدی سے) باز نہ آیا۔ جب ہم یمن پہنچے تو ایک جگہ قیام کر کے سوگئے۔ جب کوچ کرنے کا وقت ہوا تو ہم نے وضو کیا اور اُس کوفی کو جگایا۔ وہ بیدار ہوکر کہنے لگا۔ افسوس! کاش میں اس سفر میں تم سے باز رہتا۔ اس وقت جبکہ تم نے مجھے جگایا، رسول ﷺ میرے سرہانے تشریف فرما تھے اور فرمار ہے تھے، اے بدکار! اللہ تعالیٰ بدکار کو ذلیل وخوار کرتا ہے۔ اس سفر میں تیری صورت مسخ ہوجائے گی۔ تجھ پر افسوس ہے۔ اٹھ اور وضو کر۔

جب وہ شخص وضو کرنے بیٹھا اور پیر درست کیے تو اچانک ہم نے دیکھا کہ اس کے پاؤں کی انگلیوں نے مسخ ہونا شروع کر دیا۔ اس کے دونوں پاؤں بندر کی مانند ہوگئے۔ پھر یہ حالت رانوں تک پہنچی۔ پھر اس کے سینے کے نیچے تک۔ اس کے بعد اس کا سینہ مسخ ہوا۔ آخر اس کا چہرہ اور سر بالکل بندروں جیسا ہوگیا۔ ہم نے اسے پکڑ کر اونٹ کے اوپر بٹھا دیا اور روانہ ہوئے۔ غروبِ آفتاب کے وقت ہم ایک جنگل سے گزرے، وہاں چند بندر اور آ گئے۔ ان بندروں کو دیکھ کر یہ بندر بہت ہی بے تاب اور مضطرب ہوا اور رسی کو اپنے دانتوں سے کاٹ کو خود کو رہا کیا اور جنگلی بندروں میں جاملا۔ پھر اس نے ہماری جانب رُخ کیا، جنگلی بندروں نے بھی اس کی موافقت میں اپنے رُخ ہماری طرف کر لیے۔ ہم نے کہا کہ ہم مشکل میں پڑ گئے ہیں کیونکہ ایک وقت یہ بندر آدمی تھا۔ اس بدبخت نے ہمیں ایذا پہنچائی۔ اب جبکہ جنگل کے بندر اس کے دوست ہوگئے ہیں خدا جانے یہ کیا کرے گا۔ وہ بندر (رفیقِ سفر) ہمارے نزدیک آیا اور اپنی دُم پر بیٹھ گیا، پھر ہماری جانب دیکھا اور اس کی آنکھ میں آنسو آ گئے۔ کچھ دیر بعد بندوروں کی جماعت چلی تو وہ بھی ان کے تعاقب میں روانہ ہوگیا۔

شیخینؓ کی توہین کرنے والے شخص کا چہرہ مسخ ہوجانا

حضرت قدوۃ الکبراؒ فرماتے تھے کہ کوفے کا رہنے والا ایک شخص تھا جو حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ کے حق میں ناروا باتیں کہتا اور گالیاں دیتا تھا۔ وہ ہمارا ہم سفر ہوگیا۔ ہم نے اسے کئی بار نصیحت کی بالآخر صاف کہہ دیا کہ وہ ہم سے جدا ہوجائے۔ سفر سے واپسی پر اس کا غلام ہمیں ملا، ہم نے غلام سے کہا کہ تم اپنے آقا سے کہو کہ وہ ہمارے ساتھ واپسی کا سفر کرے۔ غلام نے کہا کہ میرے آقا کے ساتھ عجیب حادثہ رونما ہوا۔ اس کے ہاتھ پاؤں خنزیر کے جیسے ہوگئے ہیں ہم اس کے پاس گئے اور ساتھ سفر کرنے کی دعوت دی۔ اس نے کہا کہ میں عظیم حادثے میں مبتلا ہوں۔ پھر اپنے ہاتھ آستین سے باہر نکالے جو خنزیر کے

ہاتھوں کی مانند تھے۔ اس کے بعد وہ ہمارے ساتھ باہر نکلا اور ہم اس جگہ پہنچے جہاں بہت سے خنزیر جمع تھے۔ وہاں اس نے خود کو سواری سے گرا دیا اور خنزیر کی صورت اختیار کر لی اور انہی میں شامل ہو گیا حتیٰ کہ ہم پھر اسے پہچان بھی نہ سکے۔ ہم اس کے مال اور غلام کو کوفے میں لے آئے۔

اسی طرح بیان کرتے ہیں کہ ایک مجاہد نے کہا کہ ہم ایک لشکر کے ساتھ جہاد کے لیے جا رہے تھے۔ بنو تمیم میں سے ایک شخص جس کا نام ابواحسان تھا ہمارے ساتھ تھا۔ وہ شخص حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ کو گولیاں دیتا اور ناروا باتیں کہتا تھا ہم نے ہر چند اسے نصیحت کی لیکن ہماری نصیحت بے سود رہی۔ ہم اسے اہل اختیار میں سے ایک صاحب کے پاس جو ہمارے راہبر بھی تھے لے گئے۔ انہوں نے حکم دیا کہ اس شخص کو میرے سامنے حاضر کرو اور چلے جاؤ۔ ہم اسے حاکم کے روبرو چھوڑ کر چلے گئے۔ ایک عرصہ گزر جانے کے بعد ہم نے دیکھا کہ وہ ہمارے پیچھے آ رہا ہے۔ حاکم نے اسے پہننے کو کپڑے دیئے اور سواری کو گھوڑا دیا۔ جب ہمارے پاس پہنچا تو طنزاً خوش ہونے لگا اور کہا اے خدا کے دشمنوں تم نے کیا دیکھا ہم نے اس سے کہا کہ تم ہمارے ساتھ نہ رہو۔ وہ شخص ایک جانب چلا اور ہم دوسری جانب چل دیے۔ اچانک وہ راستے سے ہٹ کر قضائے حاجت کے لیے بیٹھا۔ ہم نے دیکھا کہ اس پر بھڑ کی مکھیوں نے حملہ کر دیا۔ وہ ہم سے مدد کا خواستگار ہوا تا کہ اسے بھڑ کی مکھیوں سے نجات دلائیں۔ بھڑوں نے ہم پر حملہ کر دیا اور ہم لوٹ آئے۔ ہم نے اس کی جانب نگاہ کی دیکھا کہ بھڑوں نے اس کا گوشت اُدھیڑ دیا تھا یہاں تک کہ گوشت کے اندر کی سفید ہڈیاں چمک رہی تھیں۔ ہم نے ندا کی کہ بنوتمیم میں سے کوئی ہے جو ابواحسان کا ترکہ حاصل کرے۔

ایک عجیب حکایت

حضرت قدوۃ الکبراؒ فرماتے تھے کہ اہل بصرہ میں سے ایک شخص نے بیان کیا ہے کہ ہم نے اہوان کے تاجروں میں سے ایک شخص کے ہاتھ کچھ سامان بیچا۔ لوگوں نے ہمیں بتایا کہ یہ شخص رافضی ہے اور شیخینؓ کو گالی دیتا ہے اور ناروا باتیں کہتا ہے۔ جب میرا اس کے پاس آنا جانا بڑھ گیا تو ایک روز میں اس کے پاس بیٹھا تھا۔ یکایک اس نے شیخینؓ (حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ) کی نسبت ناپسندیدہ باتیں کہنی شروع کر دیں۔ میں آزردگی کی حالت میں اس کے پاس سے اٹھ کر چلا آیا۔ اس رات افطار بھی افسردہ دلی کے ساتھ کیا۔ اس رات مجھے رسول ﷺ کی زیارت ہوئی۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ فلاں شخص کو دیکھتے ہیں کہ وہ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کی شان میں کیا کہتا ہے۔ حضرت ﷺ نے فرمایا، تمہیں برا لگتا ہے؟ میں نے عرض کیا ہاں اے اللہ کے رسول۔ فرمایا جاؤ اسے میرے سامنے حاضر کرو۔ میں گیا اور اسے لے کر آیا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا اسے سلاؤ، میں نے اسے سلا دیا۔ پھر حضور ﷺ نے مجھے ایک چھری عنایت فرمائی اور حکم دیا کہ اس کو مار دو۔ میں نے عرض کیا کہ میں اسے نہیں ماروں گا۔ میں نے تین بار سوال کیا کیونکہ کسی کو قتل کرنا میرے نزدیک بڑی بات تھی۔ تیسری بار حکم فرمایا،

تجھ پر افسوس اسے مار ڈال۔ میں نے اسے مار دیا۔

جب صبح ہوئی تو میں نے دل میں کہا کہ اُس خبیث کے ہاں جا کر اس کا حال معلوم کروں۔ جب میں اس کے محلے میں پہنچا تو اس کے گھر سے رونے دھونے کی آواز آ رہی تھی۔ میں نے دریافت کیا کہ یہاں کیا حادثہ ہوا ہے۔ لوگوں نے کہا کہ گزشتہ رات فلاں شخص اپنے بستر پر مقتول پایا گیا۔ میں نے کہا واللہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے حکم سے قتل کیا ہے۔ اس کے بیٹے کو علم ہوا تو مجھ سے کہا کہ آپ اپنا مال سمیٹ کر لے جائیں اور مجھے چھوڑیں تاکہ میں تجہیز و تکفین کا انتظام کروں۔ میں نے اپنا مال لیا اور وہاں سے چلا آیا۔

کتاب فتوحات میں شیخین کی کرامات کا ذکر

کتاب فتوحات[۱] میں تحریر کیا گیا ہے کہ اولیا اللہ کا ایک گروہ ہے جنہیں ''رجبیون''[۲] کہتے ہیں یہ چالیس افراد ہیں۔ نہ کم ہوتے ہیں اور نہ زیادہ ہوتے ہیں۔ ان کی کیفیت یہ ہے کہ رجب کی پہلی تاریخ سے اس قدر بوجھل ہو جاتے ہیں گویا آسمان ان کے سر پر آ پڑا ہے۔ یہ خود سے حرکت نہیں کر سکتے۔ ہاتھ پاؤں نہیں ہلا سکتے بلکہ پلک بھی نہیں جھپکا سکتے۔ ماہ رجب کے پہلے دن یہی کیفیت رہتی ہے، پھر رفتہ رفتہ ہلکے پھلکے ہوتے جاتے ہیں۔ جب ماہِ شعبان شروع ہوتا ہے تو کسی قسم کی گرانی باقی نہیں رہتی گویا نیند سے چھٹکارا پا چکے ہوں۔ ماہِ رجب میں ان پر بہت زیادہ کشف اور تجلّیات وارد ہوتی ہیں اور غیب کی باتوں پر مطلع کیا جاتا ہے۔ ماہِ شعبان میں یہ کیفیت سلب کر لی جاتی ہے اور کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ بعضوں کے احوال پورے سال اسی طرح برقرار رہتے ہیں۔

صاحب فتوحاتؒ فرماتے ہیں، میں نے اِن حضرات میں سے ایک بزرگ کو دیکھا تھا۔ انہیں رافضیوں کے بارے میں کشف ہوتا تھا۔ وہ رافضی کو خنزیر کی صورت میں دیکھتے تھے پھر وہ اسے اپنے ہاں بلاتے اور اس سے کہتے کہ تم خدائے تعالیٰ سے توبہ کرو اور رجوع کرو کیونکہ تم رافضی ہو۔ اس شخص کو بڑی حیرت ہوتی اگر توبہ کر لیتا اور اپنے رجوع کرنے میں سچا ہوتا تو انسان صورت نظر آتا۔ اس سے کہتے کہ تم اپنی توبہ میں صادق ہو۔ اگر وہ توبہ میں جھوٹا ہوتا تو اس کی صورت اسی طرح خنزیر جیسی نظر آتی تو اس سے فرماتے کہ تم جھوٹ کہتے ہو تم نے توبہ ہی نہیں کی۔

ایک مرتبہ دو شفاعت کرنے والے گواہ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ کسی کو ان کے عقیدے کے بارے میں معلوم نہ تھا اور نہ ان کا تعلق شیعہ جماعت سے تھا۔ انہوں نے خود غور و فکر کے بعد ایک مذہب اختیار کیا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ کی

---

[۱] فتوحات۔ غالبًا اس سے مراد، شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ م ۶۳۸ھ کی تصنیف ''فتوحات المکیہ'' سے ہے۔ ۱۹۲۷ء میں اس کے کچھ حصوں کا ترجمہ مولوی محمد فضل نے کیا تھا، یہ موضع بنگیال تحصیل گوجر خاں کے باشندے تھے اور وہیں سے فتوحات کے پارے شائع کرتے رہے۔

[۲] رجبیون۔ غالبًا اس سے مراد اولیا اللہ کا وہ طبقہ ہے جنہیں ابدال کہتے ہیں۔ ان کی تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں'' کشف المحجوب'' (فارسی) مرتبہ احمد ربانی لاہور ۱۹۶۸ء ص ۲۲۹ اور'' رسالہ ابدالیہ'' مصنفہ مولانا یعقوب چرخیؒ مرتبہ ڈاکٹر محمد نذیر رانجھا اسلام آباد ۱۹۷۸ء، ص ۱۲ اور ۱۳۔

نسبت ان کا اعتقاد درست نہ تھا اور حضرت علیؓ کی شان میں بہت غلو رکھتے تھے جب یہ دونوں گواہ ان کے روبرو آئے تو ان بزرگ نے فرمایا، ان دونوں کو باہر لے جاؤ۔ انہوں نے سبب دریافت کیا تو بزرگ نے فرمایا کہ میں تم کو خنزیر کی صورت میں دیکھ رہا ہوں اور یہ ہمارے اور تمہارے نیز اللہ تعالیٰ کے درمیان علامت ہے کہ وہ رافضی کو مجھے خنزیر کی صورت میں دکھا دیتا ہے۔ اُن دونوں نے اپنے باطن میں اپنے (باطل) مذہب سے توبہ کی تو اسی وقت اُن بزرگ نے فرمایا کہ تم نے ابھی ابھی توبہ کی ہے کیونکہ میں تمہیں اب بصورتِ انسان دیکھ رہا ہوں۔ دونوں گواہوں کو سخت حیرت ہوئی اور دونوں نے قطعی طور پر اپنے باطل مذہب سے توبہ کر لی۔

تذکرہ چہارم۔ حضرت امیر المومنین عثمان بن عفانؓ کے مناقب کا بیان

آپ کی کنیت ابوعبداللہ اور لقب ذوالنورین تھا، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی دو صاحبزادیاں یکے بعد دیگرے آپ کے عقد میں آئیں۔ اوّل حضرت رقیہؓ اور دوسری حضرت اُم کلثومؓ، حضرت رقیہؓ[۱] کی وفات کے بعد رسول ﷺ نے فرمایا کہ اگر میرے تیسری بیٹی ہوتی تو اسے (حضرت) عثمانؓ کے نکاح میں دیتا۔ روایتوں میں آیا ہے کہ (سوائے حضرت عثمانؓ کے) یہ نعمت کسی کو حاصل نہیں ہوئی کہ رسول ﷺ کی دو صاحبزادیاں اس کے نکاح میں آئی ہوں۔ یہ فضل و بزرگی انہی کا حصہ ہے۔

آپ کے مناقب میں سے ایک واقعہ یہ ہے کہ اصحاب میں سے ایک شخص آپ کے گھر کی طرف آ رہے تھے۔ انہوں نے راستے میں ایک نامحرم عورت کو بنظر شہوت دیکھا☆ جب وہ حضرت عثمانؓ کے مکان پر آئے تو آپ نے فرمایا، معلوم نہیں کیا معاملہ ہے آپ لوگوں میں سے ایک شخص میرے مکان پر آتا ہے اور اس کی آنکھوں سے زنا کا اثر ظاہر ہوتا ہے۔ اس شخص نے پوچھا، اے خلیفہ رسول! کیا رسول خدا ﷺ کے بعد وحی آتی ہے۔ آپ نے فرمایا یہ وحی نہیں ہے بلکہ نورِ فراست ہے۔

ان میں سے ایک یہ ہے کہ آپ نے اس رات جس کی صبح شہید ہوئے، رسول ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ فرما رہے ہیں۔ اے عثمان! تم ہمارے پاس افطار کرو گے۔ دوسرے دن حضرت عثمانؓ نے کسی شخص کو اپنے پاس نہ رکھا کہ وہ آپ کی حفاظت کی خاطر مخالفین سے مقابلہ کرے اور شہادت پائی۔

---

[۱] حضرت رقیہؓ کا اسم گرامی سہوِ کتابت کے باعث تحریر ہوا ہے۔ یہاں حضرت اِم کلثومؓ کا اسمِ گرامی تحریر ہونا چاہیے تھا۔ لطائف اشرفی کے مطبوعہ نسخے کے صفحات ۳۱۲ اور ۳۱۳ کے مندرجات کے مطابق غزوہ بدر (رمضان ۲ھ) کی فتح کے دن حضرت رقیہؓ کی وفات ہوئی (ص ۳۱۲، سطر ۲۰) حضرت ام کلثومؓ کی وفات شعبان ۹ھ میں ہوئی (ص ۳۱۳ سطر ۲۲) اس سانحے پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا کہ اگر میرے اور بیٹی ہوتی تو میں اسے (حضرت) عثمان کے نکاح میں دیتا (ص ۳۱۳، سطر ۲۲ اور ۲۳)۔ یہاں سہوِ کتابت نے صورتِ حال مختلف کر دی ہے۔

☆ اصل ترجمے میں ''نامحرم عورت سے نکاح کیا'' کے الفاظ ہیں جو ظاہر ہے زنا یا گناہ نہیں ہے۔ جبکہ یہی کرامت حجۃ اللہ علی العالمین از علامہ یوسف نبہانی ج ۳، ص ۸۶۲، طبقات از علامہ تاج الدین سبکی اور ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء مقصد ۲ ص ۲۲۷ پر ''بنظر شہوت دیکھا'' کے الفاظ سے بیان کی گئی ہے۔ (ناصر الدین)

ایک ثقہ راوی کا بیان ہے کہ طواف میں مصروف تھا۔ میں نے ایک نابینا شخص کو دیکھا جو طواف کر رہا تھا۔ وہ دورانِ طواف کہہ رہا تھا۔ اے خدا مجھے بخش دے اگرچہ میرا گمان یہی ہے کہ تو مجھے نہیں بخشے گا۔ میں نے اس سے کہا کیا خوب تم ایسے مقام پر ایسی (فضول) بات کہہ رہے ہو۔ اس نے کہا، اے شخص مجھ سے گناہِ عظیم سرزد ہوا ہے۔ میں نے دریافت کیا کہ ایسا کون سا گناہ ہے۔ اس نے کہا، جس روز حضرت عثمانؓ کا محاصرہ کیا گیا تھا میں نے اپنے ایک ساتھی سے قسم کھائی تھی کہ اگر عثمانؓ شہید ہوگئے تو میں ان کے کھلے ہوئے چہرے پر طمانچہ ماروں گا۔ جب انہیں شہید کر دیا گیا تو ہم ان کے مکان میں داخل ہوئے۔ ان کی بیوی ان کے سرہانے کے ایک طرف تھی۔ دشمنی رکھنے والے نے ان کی بیوی سے کہا کہ شہید کا چہرہ برہنہ کرو۔ ان کی بیوی نے کہا کہ چہرہ کھلوانے سے تمہارا مقصد کیا ہے۔ میں نے کہا کہ میں نے قسم کھائی ہے کہ ان کے منہ پر طمانچہ ماروں گا۔ ان کی بیوی نے کہا، تمہیں ان کی صحابیت کے حق کا کچھ پاس ولحاظ ہے یا نہیں۔ خاص طور پر یہ حقیقت کہ رسول ﷺ نے اپنی دو صاحبزادیاں ان کے نکاح میں دی تھیں۔ اس کے علاوہ بھی مقتول کے دوسرے فضائل ہیں۔ میرے شوہر سے شرم کرو اور واپس چلے جاؤ۔ میں نے ان کی بیوی کی باتوں پر توجہ نہ دی اور شہید کے منہ پر طمانچہ مارا۔ ان کی بیوی نے کہا، خدایا اس کا گناہ بخش دے اور اس کے ہاتھ کو خشک کر دے۔

خدا کی قسم ابھی میں حضرت عثمانؓ کے مکان سے باہر نہ نکلا تھا کہ میرا ہاتھ خشک ہوگیا اور میری آنکھوں کی بینائی جاتی رہی۔ (بنابریں) مجھے یہ گمان نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے معاف کردے گا۔

جب حضرت عثمان شہید کر دیے گئے تو تین دن تک مسجد نبوی کی چھت پر اہل جنت[1] نوحہ کرتے رہے اور شہید کے درجات سے متعلق اشعار کہتے رہے۔ عدی بن حاتمؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے روز میں نے سنا کہ (کوئی) کہنے والا کہتا تھا:

البشر ابن عفان
بروح و ریحان
(ابن عفان نے بشارت پائی، راحت، آرام اور خوشبو کی)
البشر ابن عفان
برب غیر غضبان
(ابن عفان نے غضب نہ کرنے والے رب سے بشارت پائی)

---

[1] مطبوعہ نسخہ ص ۳۴۰، سطر آخری۔ ''چوں عثمان را شہید کردند، سہ روز چناں بربام مسجد رسول نوحہ می کردند'' اس عبارت میں خط کشیدہ لفظ ''چناں'' سہوِ کتابت معلوم ہوتا ہے۔ غالباً صحیح لفظ ''جناح'' مراد اہل جنت ہوگا۔ اس قیاس کے مطابق ترجمہ کیا گیا ہے کیونکہ آئندہ عبارتوں میں صریحاً کہا گیا ہے کہ آواز آتی تھی بولنے والے نظر نہ آتے تھے۔ ملاحظہ فرمائیں ص ۳۴۱ سطر ۳۔

البشر ابن عفان
لغفران و رضوان
(ابن عفان نے مغفرت اور رضوان کے ساتھ بشارت پائی)

پھر کہنے والے کو غور سے دیکھا تو کوئی نظر نہ آیا۔ شہید کرنے کے بعد آپ کی نعش کو تین دن تک دفن نہیں کیا، اچانک غیب سے آواز آئی، اِدْفُنُوهُ وَلَاتُصَلُّوهُ عَلَيْهِ فَاِنَّ مَلَائِكَةَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ قَدْ صَلَّى عَلَيْهِ (یعنی اسے دفن کرو اور اس پر نماز نہ پڑھو سو بے شک اللہ تعالیٰ کے فرشتے اس پر نماز پڑھنے آئے ہیں)۔ جب آپ کا جنازہ دفن کرنے کے لیے بقیع کی طرف لے جارہے تھے تو لوگوں کے عقب میں ایک سوار نمودار ہوا، لوگ خوف زدہ ہوگئے۔ جب سوار نزدیک آیا تو لوگوں نے جنازہ اس کے سپرد کیا اور خود اِدھر اُدھر منتشر ہوگئے۔ کسی نے آواز دی مطمئن رہو اور خوف نہ کرو۔ ہم اس لیے آئے ہیں کہ تمہارے ساتھ دفنانے میں شریک ہوں۔ بعضے موجود حضرات کہتے تھے کہ خدا کی قسم وہ فرشتے تھے۔

ایاّمِ حج میں کسی دن جب قافلہ مدینے پہنچا تو اسی شخص نے بطورِ حقارت وہ راستہ اختیار کیا جو امیر المومنین عثمانؓ کے مشہد سے دور تھا۔ تمام قافلے خیریت سے گئے اور خیریت کے ساتھ واپس ہوئے (لیکن اس شخص کے) قافلے میں ایک درندہ گھس آیا اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے چنانچہ قافلے والے جان گئے کہ یہ (عذاب) حضرت عثمانؓ کی بے حرمتی کی وجہ سے تھا۔

خلفائے ثلاثہؓ کے خوارق کے سلسلے میں تھوڑا سا ذکر کیا جاتا ہے۔ حضرت ابوذر غفاریؓ کے سامنے حضرت عثمانؓ کا ذکر کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ میں عثمانؓ کے بارے میں خیر کے سوا کچھ نہ کہوں گا۔ چنانچہ ایک روز رسول ﷺ حجرۂ مبارک سے نکل کر چلے۔ میں بھی آپ ﷺ کے پیچھے پیچھے چلا، یہاں تک کہ آپ ﷺ ایک موضع میں پہنچے اور وہاں تشریف فرما ہوئے۔ میں آپ ﷺ کے سامنے آیا، سلام عرض کیا اور بیٹھ گیا۔ دریافت فرمایا تم کس لیے آئے۔ میں نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ اچانک حضرت ابوبکرؓ بھی آگئے اور رسول ﷺ کے دائیں ہاتھ کی جانب بیٹھ گئے۔ حضور ﷺ نے اُن سے دریافت فرمایا کہ تم کس لیے آئے۔ ابوبکرؓ نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں اس کے بعد عمرؓ حاضر ہوئے اور وہ ابوبکرؓ کے دائیں ہاتھ کی طرف بیٹھ گئے۔ حضور ﷺ نے حضرت عمرؓ سے بھی وہی سوال کیا ان کا جواب بھی وہی تھا (جو ہم نے عرض کیا تھا)۔ اس کے بعد حضرت عثمانؓ آئے اور دائیں جانب بیٹھ گئے۔ رسول ﷺ نے سات سات یا نو نو دانے کنکریوں کے اٹھا کر دستِ مبارک میں لیے سنگ ریزوں نے تسبیح پڑھنا شروع کر دیا۔ میں نے ان کی آواز سنی تو شہد کی مکھیوں کی آواز کی مانند تھی۔ پھر آپ ﷺ نے سنگ ریزے زمین پر رکھ دیے تو وہ خاموش ہوگئے۔ پھر رسول ﷺ نے انہیں اٹھا کر ابوبکرؓ کو دیا۔ سنگ ریزے تسبیح کرنے لگے جب انہوں نے زمین پر رکھ دیے تو خاموش ہوگئے۔ اسی طرح عمرؓ کے ہاتھ پر رکھے تو تسبیح شروع کر دی جب زمین پر ڈال دیے تو خاموش ہوگئے۔ پھر انہیں

عثمانؓ کے ہاتھ پر رکھے تو سنگ ریزے تسبیح کرنے لگے اسی طرح جب انہیں زمین پر رکھ دیا تو خاموش ہو گئے۔

حضرت عثمانؓ کا زمانۂ خلافت بارہ سال تھا اور ان کی عمر شریف بیاسی سال تھی۔ وفات ۱۸ ذی الحجہ ۳۴ھ کو ہوئی۔ قبر مبارک بقیع کے قبرستان میں ہے۔

تذکرہ پنجم۔ حضرت امیر المومنین علی مرتضیٰؓ کے مناقب

امیر المومنین علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ بارہ اماموں میں پہلے امام ہیں ان کی کنیت ابوالحسن اور ابوتراب تھی اور انہیں ابوتراب نام زیادہ پسند تھا۔ جب کوئی شخص انہیں اس نام سے بلاتا تو خوش ہوتے تھے۔

ایک روز رسول علیہ السلام حضرت فاطمہؓ کے گھر میں تشریف لائے۔ وہاں علیؓ کو نہ دیکھا تو دریافت کیا کہ میرا ابن عم کہاں ہے؟ حضرت فاطمہؓ نے جواب دیا کہ میرے اور اُن کے درمیان رنجش کی کوئی بات ہوگئی ہے اور وہ غصّے میں باہر چلے گئے ہیں۔ میرے پاس قیلولہ بھی نہیں کیا۔ رسول علیہ السلام نے فرمایا انہیں دیکھو کہ کہاں ہیں۔ ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ مسجد میں سو رہے ہیں۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے، دیکھا کہ حضرت علیؓ سو رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے کندھے سے چادر ہٹائی تو دیکھا کہ ان کے کندھے مٹی میں اٹے ہوئے ہیں۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک سے اُن کے کندھے کی مٹی صاف کی اور فرمایا، قم یا اباتراب (اے ابوتراب اٹھو)۔

حضرت علیؓ کے شمائل وفضائل اس سے کہیں زیادہ ہیں کہ انہیں تقریر یا تحریر میں بیان کیا جاسکے۔ امام احمد حنبل نے فرمایا ہے کہ ہم تک صحابہ کرامؓ میں سے کسی کے اس قدر فضائل نہیں پہنچے، جس قدر حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالبؓ کے پہنچے ہیں۔ جنید قدس سرہ کا قول ہے کہ امیر المومنین علیؓ نے کافروں سے جو جنگیں لڑی ہیں اور جن کا ذکر ہم تک پہنچا ہے اس کے بجائے علم حقائق اور تصوف سے متعلق ان کے ارشادات نقل کیے جاتے تو کسی دل کو ان کے برداشت کرنے کی تاب نہ ہوتی۔ شرح تعرف[1] میں بیان کیا گیا ہے کہ علی ابن ابی طالبؓ عارفوں کے پیشوا ہیں اور انہوں نے ایسے معارف بیان کیے ہیں کہ نہ اُن سے پہلے کسی نے ظاہر کیے اور نہ ان کے بعد کسی نے ان کی مثل بیان کیے۔ ایک دن (خاص کیفیت میں) منبر پر چڑھے اور فرمایا:

''مجھ سے عرش سے ورے کی باتیں دریافت کرو۔ پس بے شک میں انہیں خوب جانتا ہوں اس برکت کے سبب سے کہ

---

[1] تعرف۔ کتاب کا پورا نام ''التعرف لمذہب التصوف'' ہے۔ اس کے مصنف ابوبکر محمد بن ابراہیم بخاری الکلابادی ہیں، جن کی وفات ۳۸۰ھ (یا ۳۹۰ھ) میں ہوئی۔ ملاحظہ فرمائیں ''تاریخ تصوف در اسلام'' جلد دوم مصنفہ ڈاکٹر قاسم غنی۔ تہران چاپ دوم ۱۳۴۰ش۔ صفحہ ۵۳۸۔ اس کا اُردو ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسن نے کیا ہے اور لاہور سے ۱۹۷۸ء میں شائع ہو چکا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا لعابِ دہن میرے منہ میں ڈالا تھا۔ پس قسم ہے اس ذات کی جس کے دستِ قدرت میں میری جان ہے، اگر میں توریت اور انجیل کو کلام کرنے کا حکم دوں تو مجھے بھروسہ ہے کہ ان دونوں کتابوں میں جو کچھ ہے اس سے باخبر ہو جاؤں بشرطیکہ میں اس کا ارادہ کروں۔''

اس مجلس میں ایک شخص تھا جسے دعلب یمانی کہتے تھے۔ اس نے کہا کہ ان صاحب نے بہت بڑا دعویٰ کیا ہے، میں انہیں نصیحت کرتا ہوں، چنانچہ وہ کھڑا ہوا اور کہا کہ میرا آپ سے ایک سوال ہے۔ حضرت امیر نے فرمایا، تم پر افسوس ہے کہ تم علم اور دانائی کے حصول کے لیے نہیں بلکہ شخص کے علم اور ذہانت کو آزمانے کے لیے سوال کرتے ہو۔ دعلب نے کہا آپ یہی سمجھیں پھر دریافت کیا:

''آپ نے اپنے پروردگار کو دیکھا ہے؟ حضرت علیؓ نے فرمایا، میں اپنے رب کی عبادت نہیں کرتا جب تک اسے دیکھ نہ لوں۔ دعلب نے کہا آپ اسے کس طرح دیکھتے ہیں۔ حضرت علیؓ نے فرمایا، دیکھنے والے اپنے رب کو ظاہری نگاہ سے نہیں دیکھتے بلکہ دل کی آنکھوں سے اس یقین کے ساتھ دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ لاشریک اور یکتا ہے۔ اس کا کوئی بنانے والا نہیں ہے۔ وہ بے مثل ہے۔ کسی مکان نے اس کا احاطہ نہیں کیا ہے۔ زمانہ اسے گردش نہیں دیتا۔ وہ لوگوں کے حواس اور عقل سے ماورا ہے۔''

دعلب نے جب یہ باتیں سنیں تو بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ جب اپنے آپ میں آیا تو کہا کہ خدائے تعالیٰ کے قسم میں عہد کرتا ہوں کہ آئندہ کسی کے علم و ذہانت آزمانے کے لیے سوال نہ کروں گا۔ امیر المومنین نے فرمایا جہاں تک ممکن ہو کسی سے سوال نہ کرو۔

امام مستغفریؒ نے اپنی تصنیف ''دلائل النبوۃ'' میں بیان کیا ہے کہ امیر المومنین عمرؓ کے عہدِ خلافت میں بادشاہِ روم نے چند مشکل سوالات، جن کی تفصیل کتاب مذکور میں دی گئی ہیں، لکھ کر امیر المومنین عمرؓ کو بھیجے۔ حضرت عمرؓ نے انہیں پڑھا اور امیر المومنین علیؓ کے پاس لے کر آئے۔ امیر المومنین علیؓ نے انہیں پڑھا اور دوات و قلم طلب کیے اور ان کا جواب تحریر کر دیا۔ کاغذ لپیٹ کر قیصرِ روم کے قاصد کو دیا۔ قیصر نے سوالوں کے جواب پڑھ کر دریافت کیا کہ ان کا لکھنے والا کون ہے- امیر المومنین عمرؓ نے اطلاع دی کہ جواب لکھنے والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچیرے بھائی، داماد اور رفیق ہیں۔

حضرت علیؓ کی ولادت عام الفیل کے سات سال بعد مکے میں ہوئی تھی۔ بعض کہتے ہیں کہ ان کی ولادت خانہ کعبہ کے اندر ہوئی تھی۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت پندرہ سال کے تھے۔ بعض لوگ تیرہ سال، دس سال، نو سال اور سات سال بتاتے ہیں لیکن پہلی روایت سب سے زیادہ صحیح ہے۔

ابن جوزی نے اپنی کتاب ''صفوۃ الصفوۃ'' میں بیان کیا ہے کہ حضرت علیؓ کی عمر کے بارے میں چار قول ہیں۔ ۶۳ سال، ۶۵ سال، ۵۵ سال اور ۵۸ سال۔ واللہ اعلم بالصواب۔
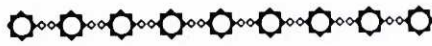
بیان کرتے ہیں کہ ایک روز لوگ ان کے گرد جمع ہوگئے اور انہیں گھیرلیا یہاں تک کہ ان کا پائے مبارک خون آلودہ کردیا۔ انہوں نے مناجات کی کہ الٰہی میں اس قوم کو ناپسند کرتا ہوں اور یہ مجھے ناپسند کرتی ہے۔ مجھے ان سے انہیں مجھ سے نجات عطا فرما۔ اسی رات کی صبح کو لوگوں نے انہیں زخمی کردیا۔ ان کی بہت سی کرامات ہیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے عجیب وغریب اعجاز ظاہر ہونے کا ذکر

ان میں سے ایک یہ ہے کہ جب حضرت علیؓ گھوڑے پر سوار ہوتے وقت اپنا پاؤں رکاب میں رکھتے تو قرآن کی تلاوت شروع کردیتے تھے۔ دوسرا پاؤں رکاب تک پہنچتا تو پورا قرآن ختم کردیتے۔ ایک دوسری روایت ہے کہ دوسرا پاؤں رکاب تک پہنچنے سے قبل قرآن ختم کردیتے۔

حضرت اسما بنت عمیسؓ نے حضرت فاطمہؓ سے روایت کی ہے کہ جس رات علی ابن ابی طالب نے مجھ سے زفاف کیا، میں ان سے خوف زدہ ہوئی اس لیے کہ میں نے زمین کو ان سے باتیں کرتے ہوئے سنا۔ صبح ہوئی تو میں نے رسول ﷺ سے یہ واقعہ بیان کیا۔ رسول ﷺ سجدے میں گر پڑے بعدہ سر اٹھایا اور فرمایا، اے فاطمہ! تمہیں نسل کی پاکیزگی کی بشارت ہو۔ تحقیق اللہ تعالیٰ نے تمہارے شوہر کو تمام مخلوق پر فضیلت دی ہے۔ پھر زمین کو حکم دیا کہ علیؓ کو اپنی خبریں سنائے اور روئے زمین پر مشرق سے مغرب تک جو کچھ ہونے والا ہے انہیں بتائے۔

منقول ہے کہ جب حضرت امیر المومنین علیؓ کوفے میں آئے تو لوگ ان کے گرد جمع ہوگئے۔ انہی میں ایک جوان تھا جو آپ کے طرفداروں میں سے تھا اور آپ کے ساتھ جنگوں میں شریک رہا تھا۔ اچانک اس نے ایک عورت سے نکاح کرلیا۔ ایک روز جبکہ حضرت امیر نماز فجر ادا کرچکے تھے، آپ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ تم فلاں موضعے میں جاؤ، وہاں ایک مسجد ہے اس مسجد کے پہلو میں ایک مکان ہے۔ اس مکان میں ایک مرد اور عورت باہم جھگڑ رہے ہیں انہیں میرے پاس لے کر آؤ وہ شخص حسب الحکم روانہ ہوا اور دونوں کو لے آیا۔ آپ نے ان کی طرف رُخ کرکے فرمایا کہ آج کی رات تمہارے جھگڑے نے بہت طول پکڑا۔ اس جوان نے عرض کیا، یا امیر المومنین، میں نے اس عورت سے نکاح کیا۔ جب میں اس کے پاس آیا تو اس سے مجھے صدمہ پہنچا۔ اگر مجھ سے ممکن ہوتا تو میں اسی لمحے اس عورت کو خود سے دور کردیتا۔ اس نے مجھ سے لڑنا جھگڑنا شروع کردیا حتیٰ کہ آپ کا فرمان ہم تک پہنچا۔ (اس جوان کے بیان کے) بعد امیر المومنین حاضرین مجلس کی جانب متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ مخاطب شخص یہ نہیں چاہتا کہ دوسرا کوئی اس کی بات سنے۔ اہل مجلس وہاں سے رخصت ہوئے اور صرف وہ جوان اور عورت موجود رہے۔ آپ نے اس عورت کی طرف رُخ کرکے فرمایا، تم اس جوان کو پہچانتی ہو؟ عورت نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا اب میں تم سے وہ باتیں کہتا ہوں جو تم جانتی ہو۔ تمہیں چاہیے کہ انکار نہ کرو۔ عورت نے کہا میں انکار نہ کروں گی۔

آپ نے فرمایا کیا تم فلا نہ بنتِ فلاں نہیں ہو؟ عورت نے اقرار کیا کہ ہوں
فرمایا تمہاری پھوپھی کے ایک بیٹا تھا اور تم دونوں ایک دوسرے کو دوست رکھتے تھے۔ عورت نے جواب دیا جی ہاں ایسا ہی تھا۔
فرمایا تمہارا باپ تمہیں اس کی بیوی بنانا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے لڑکے کو گھر سے نکال دیا۔ عورت نے کہا یہ بات درست ہے۔
فرمایا، ایک رات تم قضائے حاجت کے لیے باہر نکلیں۔ اس لڑکے نے تمہیں پکڑلیا، تمہارے ساتھ مجامعت کی اور تم حاملہ ہوگئیں۔ یہ بات تم نے اپنی ماں سے تو کہہ دی لیکن باپ سے پوشیدہ رکھی۔ جب وضع حمل کا وقت ہوا تو رات تھی۔ تمہاری ماں تمہیں گھر سے باہر لے گئی۔ جب بچہ پیدا ہوگیا تو اسے چیتھڑے میں لپیٹ کر مردوں کے قضائے حاجت کی جگہ ڈال دیا۔ اس کے بعد ایک کتا آیا اور نومولود کو سونگھنے لگا۔ تم نے ایک پتھر کتے کی طرف پھینکا جو بچے کے سر میں لگا۔ تمہاری ماں نے اپنا کمر بند پھاڑ کر بچے کے سر پر پٹی باندھی اور تم اسے وہیں چھوڑ کر چلے گئے۔ اس کے بعد کیا ہوا اس کا حال تمہیں معلوم نہیں ہے۔
عورت نے اقرار کیا کہ یہ بات میرے اور میری ماں کے سوا کوئی نہیں جانتا، یا امیر المومنین
اس کے بعد حضرت علیؓ نے فرمایا کہ جب صبح ہوئی تو فلاں قافلے کے لوگ اس بچے کو اٹھا کر لے گئے۔ پالا پوسا اور بڑا کیا۔ پھر ان کے ساتھ کوفے آیا اور تم سے نکاح کیا۔ اس کے بعد جوان سے کہا تم اپنا سر ننگا کرو۔ سر پر چوٹ کے نشان نمایاں تھے۔
اس کے بعد فرمایا اے عورت یہ دراصل تمہارا بیٹا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں فعل حرام سے محفوظ رکھا۔

حضرت مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی عجیب کرامت

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب رسول علیہ السلام حدیبیہ کے روز مکے کی جانب متوجہ ہوئے تو مسلمان سخت پیاسے تھے اور کسی جگہ پانی دستیاب نہ تھا۔ رسول علیہ السلام دربان گاہ میں تشریف لائے اور فرمایا مسلمانوں کی جماعت میں سے وہ کون سا شخص ہے جو فلاں کنویں پر جائے اور پانی سے مشکیں بھر کر لائے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بہشت میں جانے کے ضامن ہیں۔ ایک شخص نے اٹھ کر عرض کیا اے اللہ کے رسول میں جاتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں پانی بھرنے والی ایک جماعت کے ساتھ روانہ کیا۔
سلمہ بن الاکوع فرماتے ہیں کہ میں ان میں شامل تھا۔ جب میں کنوئیں کے قریب اس جگہ پہنچا، جہاں بہت سے درخت تھے تو میں نے وہاں آوازیں سنیں اور بہت سی حرکتیں نیز بے ایندھن کے آگ بھڑکی ہوئی دیکھی تو مجھ پر خوف طاری

ہوگیا اور مجھ سے یہ تک نہ ہوسکا کہ ان درختوں سے گزر جاؤں[۱] ہم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں واپس ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ جماعت جنوں میں سے تھی، جس نے تمہیں ڈرایا۔ اگر تم اسی طرح جاتے جیسے ہم نے ہدایت کی تھی تو تمہیں کوئی گزند نہ پہنچتا، رات آ پہنچی اور اصحاب پر پیاس غالب ہوگئی تو رسول علیہ السلام نے علی رضی اللہ عنہ کو طلب فرمایا کہ تم پانی بھرنے والی اس جماعت کے ساتھ جاؤ اور کنویں سے پانی حاصل کر کے لاؤ۔

سلمہ بن الاکوع فرماتے ہیں کہ ہم باہر نکلے۔ مشکیں ہمارے کندھوں پر اور تلواریں ہمارے ہاتھ میں تھیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہمارے آگے چل رہے تھے اور یہ دعا خود سے کہہ رہے تھے:

اَعُوذُبِالرَّحمٰنِ اِنَّ اَمیلاً عَنْ عَرَفٍ جِنِّ اَظهَرَتْ تهوِیلا وَاُقَدَت شَرَا بِهَا تعویلاً وَفَرَغَتْ مَعَ عَرَ فَهَا الطَّیُولاً

(میں رحمٰن سے شیطان اور جن کے شر سے پناہ لیتا ہوں اور جن کے مکر و فتنے سے پناہ لیتا ہوں اور خدا سے مخلوقاتِ جن وانس سے پناہ لیتا ہوں)۔[۲]

ہم اس مقام پر پہنچے جہاں آوازیں اور حرکتیں ظاہر ہوئی تھیں اور ہم پر خوف طاری ہوگیا تھا۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ علیؓ بھی اُن دو شخصوں کی طرح واپس ہوں گے۔ حضرت علیؓ نے ہماری طرف رُخ کر کے فرمایا کہ میرے قدم پر قدم رکھتے ہوئے چلو اور جو کچھ تمہیں نظر آئے اس سے خوف زدہ نہ ہونا، تمہارا کچھ نہ بگڑے گا۔ جب ہم درختوں کے درمیان پہنچے تو ہم نے بغیر لکڑیوں کے آگ جلتی دیکھی اور بغیر جسم کے کٹے ہوئے سر دیکھے اور ہولناک آوازیں بھی آنی شروع ہوگئیں، جس سے ہمارے ہوش جاتے رہے۔ امیر المومنین علیؓ ان سروں سے گزر گئے اور فرمایا کہ میرے پیچھے چلتے رہو اور دائیں بائیں نہ دیکھو کوئی پریشانی نہ ہوگی۔ ہم اُن کے پیچھے چلتے رہے یہاں تک کہ کنویں پر پہنچ گئے۔ اس کے لیے میرے پاس ایک ڈول تھا۔ مالک نے ایک یا دو ڈول پانی کھینچا کہ رسّی ٹوٹ گئی اور ڈول کنویں میں گر پڑا۔ کنویں کی تہہ سے آواز اور قہقہہ سنائی دیا۔ امیر المومنین علیؓ نے فرمایا کوئی ہے جو ہمارے لشکر میں جائے اور وہاں سے ڈول لے کر آئے۔ اصحاب نے کہا کہ کسی شخص میں یہ طاقت نہیں ہے کہ وہ درختوں سے گزر کر جائے۔ امیر المومنین علیؓ نے چادر کمر پر لپیٹی اور کنویں میں اترے۔ ہنسی اور قہقہے کی آواز زیادہ بلند ہوئی۔ جب آپ کنویں کے درمیان پہنچے تو آپ کا پیر پھسل گیا اور آپ گر پڑے۔ کنویں سے بہت زیادہ شور وغل سنائی دیا اور ایسی آواز بھی سنائی دی جیسے پھانسی کے وقت سننے میں آتی ہے۔ ناگاہ امیرؓ نے صدا بلند کی، اللہ اکبر! اللہ اکبر! اللہ اکبر! میں اللہ کا بندہ ہوں اور رسول اللہ ﷺ کا بھائی ہوں۔ (پھر حکم دیا) مشکیں نیچے پھینکو۔ تمام مشکیں بھر کر ان کے سرے باندھے اور ایک ایک کر کے اُوپر لے آئے۔

بعد ازاں آپ نے دو مشکیں اٹھائیں اور سب نے ایک ایک مشک اٹھائی۔ جب ہم اُن درختوں کے قریب پہنچے جہاں

---

۱ یہاں تک سلمہ بن الاکوع کا بیان واحد متکلم کے صیغے میں تھا، اس کے بعد کا بیان بصیغہ جمع متکلم ہے۔ ص ۴۴۳۔

۲ اردو ترجمہ مطبوعہ نسخے کے فارسی ترجمے سے کیا گیا ہے۔

ہم نے بہت کچھ دیکھا اور سُنا تو بات واقع نہ ہوئی البتہ ہم نے ایک سہمی ہوئی آواز ضرور سنی۔ ایک غیبی آواز نے نعتِ رسول اور منقبتِ علی پڑھنی شروع کی۔ حضرت علیؓ ہمارے آگے تھے اور دعا پڑھتے جاتے تھے۔ ہم رسول ﷺ کی خدمت میں پہنچے۔ حضرت علیؓ نے تمام واقعہ خدمت میں عرض کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ ہاتفِ غیبی عبداللہ تھے اور وہ جن تھا جس نے زرد بتوں کے شیطان کو کوہِ صفا پر مارا تھا۔

رسالہ اشرف الفوائد کے نصف حصے میں صحابہؓ اور تابعینؒ کے مناقب تحریر کیے گئے ہیں۔ ہم نے اس رسالے کے متعلق دریافت کیا تو قدوۃ الکبراؒ نے فرمایا:

''جو شخص اہل سنت و جماعت کے طریق پر خلفائے راشدین کی منقبت کرتا ہے تو اس کے ہر حرف کا ثواب ایک غلام آزاد کرنے اور حروف کی تعداد کے مطابق حج ادا کرنے کے برابر ہے، نیز سوائے ان کے مناقب کے ذکر اور مراتب کی تکرار کے کوئی اور صورت نہیں ہے جس سے اہل تعصب وحسد کے پیدا کردہ شبہات دور ہوں۔''

(حضرت علیؓ نے) اپنے خطبوں میں سے ایک خطبے میں بغداد میں رونما ہونے والے واقعے کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا، میں دیکھ رہا ہوں کہ (دشمن) بنی عباس میں ایک کو اس طرح قتل کریں گے جیسے اونٹوں کو قربانی کے لیے ذبح کیا جاتا ہے اور اس میں اتنی بھی جان نہ ہوگی کہ از خود اس شر کو دفع کر سکے۔ افسوس وہ اس قوم کے درمیان کس قدر ذلیل ہوگا۔ (اس ذلت کا) سبب صرف یہ ہے کہ آج اللہ تعالیٰ کے احکام کو چھوڑ دیا ہے اور ساری توجہ دنیا کی طرف ہوگئی ہے۔ اس کے بعد اسی خطبے میں فرمایا کہ اگر میں چاہوں تو اُن کے نام، اُن کی کنیت، ان کے حلیے اور ان کے قتل کیے جانے کے مقامات بتا سکتا ہوں۔

آپ نے ایک روز عبدالرحمٰن ملجم کو، جس نے آپ کو شہید کیا تھا، کوفے کی مسجد میں دیکھا۔ آپ اپنے نفس سے مخاطب ہوئے اور فرمایا، بیت:

اشد وصیا ویملک للموت
فان الموت لاقیک

(اے موت کے وصی تو بہت سخت ہے اور تو موت کا مالک ہے، حالانکہ موت تو تجھ سے بھی ملاقات کرے گی)

وتجزع من الموت
اوجل بوا دیک

(تو موت سے لڑ جھگڑ رہا ہے حالانکہ وہ تیری وادی میں پہنچ چکی ہے)

اس کے بعد آپ نے اسے طلب کیا اور دریافت کیا، اے ابن ملجم! ایام جاہلیت میں یا طفولیت کے زمانے میں تیرا کوئی لقب تھا۔ اس نے کہا مجھے معلوم نہیں۔ پھر دریافت کیا، کوئی یہودی عورت تیری دایہ تھی جو تجھے اے شقی اور اے ناقۂ صالح کے عاقر (کونچیں کاٹنے والے) کہتی تھی۔ اس نے کہا جی ہاں وہ یہی کہتی تھی۔ حضرت امیرؓ اس کے بعد خاموش ہوگئے۔

امیر مرداںؓ نے فرمایا کہ میں نے گزشتہ شب حضرت رسول علیہ السلام کو خواب میں دیکھا۔ میں نے عرض کیا کہ مجھے امت کی طرف بہت جھگڑے اور دشمنی ملی ہے۔ فرمایا ان کے حق میں دعا کرو۔ میں نے کہا الٰہی مجھے ان لوگوں سے بہتر بدلہ دے اور ان پر مجھ سے برتر شخص مقرر فرما۔ اُن ہی ایام میں آپ شہید ہوئے۔

جب حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ نے وفات پائی تو میں[1] نے سنا کہ ایک کہنے والا کہہ رہا ہے کہ تم لوگ باہر چلے جاؤ اور اس اللہ کے بندے کو (یہیں) چھوڑو۔ میں باہر آ گیا۔ گھر کے اندر سے آواز آئی محمد علیہ السلام نے وفات پائی اور علی شہید ہو گئے۔ اب امت کی نگہبانی کون کر سکے گا۔ (کسی) دوسرے نے کہا، وہ شخص جو ان کی سیرت اختیار کرے گا اور ان کی پیروی کرے گا۔ جب آواز خاموش ہوگئی تو ہم اندر گئے۔ ہم نے آپ کو غسل دیا ہوا اور کفن پہنا ہوا پایا۔ ہم نے آپ کی نماز جنازہ ادا کی اور دفن کر دیا۔

امیر المومنینؓ نے حسنؓ اور حسینؓ کو وصیت کی تھی کہ جب میں وفات پا جاؤں تو مجھے ایک تخت پر رکھیں، باہر لے جائیں اور ایک پاکیزہ اور کشادہ جگہ پہنچائیں۔ وہاں تم ایک سفید پتھر پاؤ گے کہ اس سے نور چمک رہا ہوگا اس پتھر کو کھودنا۔ تم وہاں کشادگی پاؤ گے بس وہیں مجھے دفن کر دینا۔

آپ کی قبر کی جگہ کو زمین کے برابر کر کے پوشیدہ کر دیا گیا تھا۔ ایک روز ہارون الرشید شکار کے پیچھے دوڑتا ہوا، اُس پاکیزہ اور کشادہ جگہ پر پہنچا۔ ہرنوں نے اس جگہ پناہ لے رکھی تھی۔ ہر چند اس نے چرخ اور شکاری باز ان کے پیچھے لگائے اور کتوں کو بھی ان کے سر پر چھوڑا، وہ از خود واپس ہو گئے اور ہرنوں پر حملہ نہیں کیا۔ ہارون الرشید نے اس جگہ رہنے والے چند بوڑھوں سے دریافت کیا کہ یہ کیا بھید ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہمارے بزرگوں سے یہ بات ہم تک پہنچی ہے کہ یہاں امیر المومنین علیؓ کی قبر ہے۔ ہارون الرشید نے ان کے انکشاف کو تسلیم کر لیا اور جب تک زندہ رہا ہر سال آپ کی زیارت کے لیے آتا رہا۔

فراس بن عمر کے بارے میں روایت ہے کہ وہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارکہ میں دردِ سر کے عارضے میں مبتلا ہوا۔ رسول علیہ السلام نے اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان کی کھال پکڑی اور اس کی انگلیوں سے ایک بال جو خار پشت (قبر کے چوہے) کے بال کے مانند تھا وہاں رکھ دیا۔ جس روز خوارج نے امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کے خلاف خروج کیا یہ فراس بن عمر بھی ان میں شامل ہو گیا۔ وہ بال اس کی پیشانی سے جھڑ گیا جس کی وجہ سے اسے بے حد بے چینی ہوئی۔ لوگوں نے اس سے کہا کہ تمہارے اندر یہ اضطراب اس وجہ سے پیدا ہوا ہے کہ تم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف خروج کیا۔

---

[1] مطبوعہ نسخہ ص ۳۴۵ پر فارسی عبارت یہ ہے "چوں حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ وفات یافت شنیدم کو قائلی می گوید" اس عبارت سے پہلے یا بعد کسی عبارت میں اس قول کے راوی کا نہ کوئی ذکر ہے اور نہ نام تحریر ہوا ہے۔ قیاس کہتا ہے کہ اس عبارت سے قبل کوئی عبارت ہوگی جو اصل متن میں سہواً شامل نہ ہو سکی اور پوری روایت مبہم ہوگئی۔

اس نے توبہ اور استغفار کی۔ (اس کے بعد) وہ بال پھر اس کی پیشانی پر اُگا۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے وہ بال جھڑنے سے پہلے، جھڑنے کے بعد اور پھر دوبارہ اُگنے پر دیکھا تھا۔

خوارج پر عذاب کا ذکر

صالحین میں سے ایک شخص کا بیان ہے کہ میں نے ایک رات قیامت کو خواب میں دیکھا۔ تمام مخلوق حشر کے میدان حساب کی جگہ حاضر تھی۔ پھر لوگ پل صراط پر پہنچے۔ میں پل سے گزر گیا۔ اچانک میں نے دیکھا کہ رسول علیہ السلام حوضِ کوثر پر تشریف فرما ہیں۔ حسنؓ اور حسینؓ لوگوں کو پانی عطا کر رہے ہیں۔ میں بھی پانی کے لیے ان کے سامنے پہنچا لیکن انہوں نے مجھے پانی عطا نہیں کیا۔ میں رسول علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ یا رسول اللہ آپ اِن سے فرمائیں کہ مجھے آبِ کوثر عنایت کریں۔ فرمایا کہ وہ تمہیں آبِ کوثر نہیں دیں گے۔ میں نے عرض کیا کہ اس کا کیا سبب ہے۔ فرمایا، تمہارے پڑوس میں ایک شخص ہے جو علیؓ کو برا بھلا کہتا ہے اور تم اسے منع نہیں کرتے۔ میں نے عرض کیا کہ (میرا ہمسایہ) بڑے مرتبے کا شخص ہے، مجھے اندیشہ ہے کہ وہ میرے قتل کا ارادہ نہ کرے۔ رسول علیہ السلام نے مجھے ایک چھری عطا فرمائی اور فرمایا جاؤ اسے قتل کردو۔ میں نے خواب ہی میں اس شخص کو مار ڈالا اور عرض کیا کہ میں نے حکم کی تعمیل کر دی ہے آپ ﷺ نے حسنؓ اور حسینؓ کو پانی دینے کے لیے فرمایا۔ میں نے پانی حاصل کیا اور نوش کیا۔ پھر جاگ گیا۔ وضو کر کے نماز ادا کی اور اوراد و وظائف میں مشغول ہوگیا۔ جب میں نے کان لگائے تو اس شخص کے گھر سے رونے اور ماتم کرنے کی آواز آرہی تھی۔ میں نے تفتیش کی تو لوگوں نے بتایا کہ فلاں شخص بستر پر مقتول پایا گیا۔ پڑوس میں رہنے والے چند لوگوں کو اس کے قتل کے الزام میں پکڑ لیا اور انہیں ایذا دی۔ میں حاکم کے پاس گیا اور بیان دیا کہ میں نے اسے مارا ہے پھر سارا ماجرا ایک ایک کرکے اسے سنایا۔ حاکم نے بھی میرے بیان کی تصدیق کی۔ بعدازاں ہمسایوں کو قید کی تکلیف سے نجات ملی۔ اس نوعیت کے بہت سے واقعات ہیں، یہاں اختصار سے کام لیا گیا۔

تذکرہ ششم۔ امام حسن رضی اللہ عنہ کے مناقب

امیر المومنین حسنؓ، بارہ اماموں میں دوسرے امام ہیں۔ آپ کی کنیت ابو محمد تھی۔ آپ کا لقب تقی اور سید تھا۔ آپ کی ولادت ۳ ہجری میں نصف رمضان کو ہوئی۔ ناموسِ اکبر، جوہر اول، روح الامین اور سروش یعنی جبریل علیہ السلام آپ کا نام ہدیۃً لے کر رسول علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حریر کے ایک ٹکڑے پر آپ کا نام لکھ کر پیش کیا۔ آپ لوگوں میں سینے سے سر تک سب سے زیادہ رسول علیہ السلام کے ہم شبیہ تھے۔ امیر المومنین ابوبکرؓ نے امیر المومنین حسنؓ کو کندھے پر بٹھایا اور قسم کھا کر کہا کہ یہ لڑکا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شبیہ ہے اور علی رضی اللہ عنہ کی شبیہ نہیں ہے۔ علی رضی اللہ عنہ بھی وہاں

کھڑے تھے (یہ بات سن کر) مسکرائے۔

آپ کے بارے میں بیان کیا گیا ہے کہ آپ نے پا پیادہ ۲۵ حج ادا فرمائے حالانکہ پیدل چلنے سے آپ کو تکلیف ہوتی تھی۔

حدیث میں آیا ہے کہ ایک روز رسول علیہ السلام منبر پر تشریف لائے اور حسن بن علی رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے ساتھ تھے۔ آپ ﷺ کبھی لوگوں کی طرف دیکھتے اور کبھی حسنؓ کو دیکھتے۔ پھر فرمایا، وہ زمانہ جلد آنے والا ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے اس سیّد بیٹے کے توسط سے، مسلمانوں کے دو گروہوں میں صلح کرائے گا۔ یہ حدیث اس واقعے کی طرف اشارہ ہے کہ معاویہؓ اچھی طرح جانتے تھے کہ لوگوں میں سب سے زیادہ حسنؓ ہی فتنہ و فساد کے دشمن ہیں۔ چنانچہ جب امیر المومنین علیؓ شہید ہوئے تو معاویہؓ نے امیر المومنین حسن اور حسین رضی اللہ عنہما سے مصالحت کی اور عہد کیا کہ اگر انہیں (معاویہؓ کو) کوئی حادثہ پیش آ جائے تو خلیفہ امیر المومنین حسنؓ ہوں گے۔ اس معاہدے کے بعد امیر المومنین حسنؓ نے خطبہ دیا اور فرمایا، لوگو! میں نے فتنہ و فساد کو ہمیشہ مکروہ جانا ہے۔ آج میں نے مصالحت کرلی ہے اور معاملہ معاویہؓ پر چھوڑ دیا ہے کہ اگر خلافت پر اُن کا حق تھا تو وہ انہیں مل گیا ہے اور اگر میرا حق تھا تو میں نے انہیں امتِ رسول کی بھلائی کی خاطر بخش دیا۔ اے معاویہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں والی بنا دیا ہے اس حدیث کے پیش نظر جو تم جانتے تھے یا اس بات کے لیے جو تم میں دیکھی گئی ہے۔ وَاِنْ اَدْرِیْ لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَمَتَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ[۱] اس کے بعد منبر سے اتر آئے۔ حاضرین میں سے ایک شخص نے آپ سے مخاطب ہوکر کہا یَامُسَوِّدُ وُجُوْهُ الْمُسْلِمِیْن (اے مسلمانوں کے چہرے سیاہ کرنے والے)۔ آپ نے معاویہؓ سے بیعت کی اور مال اس کے پاس چھوڑ دیا۔ امیر المومنین حسنؓ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے بنی امیّہ کا ملک رسول علیہ السلام کو دکھایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ملاحظہ فرمایا کہ یہ لوگ یکے بعد دیگرے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر پر چڑھ رہے ہیں۔ یہ منظر رسول علیہ السلام کو دشوار محسوس ہوا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی۔ اِنَّآ اَعْطَیْنٰكَ الْكَوْثَرَ[۲] ((اے حبیب) بے شک ہم نے آپ کو خیر کثیر عطا فرمائی) یعنی جنت میں۔ اور اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ۔ وَمَآ اَدْرٰكَ مَالَیْلَةُ الْقَدْرِ۔ لَیْلَةُ الْقَدْرِ ۔خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ[۳] (بے شک ہم نے اس (قرآن) کو شبِ قدر میں اتارا اور آپ کیا سمجھے شبِ قدر کیا ہے۔ شبِ قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔) ہزار مہینوں سے مراد بنی امیہ کی حکومت ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے ان کی

---

۱ پارہ ۱۷۔ سورہ الانبیا آیت ۱۱۱۔ ترجمہ: اور میں نہیں جانتا کہ (اس ڈھیل میں) شاید تمہاری آزمائش ہو اور ایک وقت معین تک تمہیں فائدہ پہنچانا مقصود ہو۔ مطبوعہ نسخے کے صفحہ ۳۴۶ پر یہ آیت پاک اس طرح نقل کی گئی ہے۔ وان ادری لعله فتنة و متاح الیٰ حین۔ اس میں فتنہ کے بعد لکم سہواً لکھنے سے رہ گیا ہے اور دوسرے متاع کا املا غلط ہے۔

۲ پارہ ۳۰۔ سورہ کوثر، آیت ۱۔

۳ پارہ ۳۰۔ سورہ القدر، آیات ۱۔۲۔۳۔

حکومت کی مدت کا حساب لگایا تو ہزار مہینے ہی نکلی۔ بیان کرتے ہیں کہ جب حسنؓ نے یہ کام معاویہؓ کے سپرد کیا تو معاویہؓ نے کہا، اے ابومحمد! آپ نے اس قدر جواں مردی کا اظہار کیا ہے کہ مردانِ مرد کے نفس ہرگز ایسی جواں مردی نہیں دکھا سکتے۔

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ ایک رات حسن بن علیؓ رسول علیہ السلام کے پاس تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان سے بے حد محبت فرماتے تھے۔ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ اب اپنی ماں کے پاس جاؤ۔ میں نے عرض کیا کہ میں ان کے ساتھ جاتا ہوں۔ فرمایا نہیں۔ اچانک آسمان پر بجلی چمکی اس کی روشنی میں حسنؓ اپنی والدہ کے پاس گئے۔

بعض مقامات میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت حسنؓ حج کے دنوں میں پیدل مکہ معظّمہ جاتے تھے جس کے سبب آپ کے پائے مبارک پر ورم ہوجاتا تھا۔ آپ کے مددگاروں میں سے ایک نے کہا، کاش آپ اتنی ہی دیر کے لیے سوار ہوجاتے کہ پاؤں کا ورم کم ہوجاتا۔ آپ نے اس کی تجویز قبول نہ کی۔ اس سے کہا کہ جب تم منزل پر پہنچو گے تو ایک سپاہی تمہیں ملے گا اس کے پاس کسی قدر تیل ہوگا۔ اس سے تیل خرید کر پیالے میں بھر دے۔ اس نے کہا میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں میں نے کسی منزل میں ایسا شخص نہیں دیکھا جس کے پاس یہ دوا ہو، تو اس منزل میں کہاں ہوگا۔ فرمایا تلاش کرنا مل جائے گا جب منزل پر پہنچے تو وہ سپاہی وہاں تھا۔ آپ نے مددگار سے کہا کہ میں نے جس سپاہی کے بارے میں کہا تھا وہ موجود ہے جاؤ اور پیسے دے کر اس سے روغن خرید لو۔ جب خادم اس سپاہی کے پاس آیا تو روغن طلب کیا۔ اس نے کہا اے خادم تم یہ تیل کس کے لیے خرید رہے ہو۔ خادم نے جواب دیا کہ حسن بن علیؓ کے لیے خرید رہا ہوں۔ اس نے کہا مجھے ان کے پاس لے چل کہ میں ان کا طرف دار ہوں۔ جب وہ سپاہی آپ کی خدمت میں آیا تو عرض کیا کہ میں آپ کا طرف دار ہوں، پیسے نہیں لوں گا۔ البتہ میری بیوی دردزہ میں مبتلا ہے آپ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ سالم اور تندرست بیٹا عطا فرمائے۔ آپ نے فرمایا اپنے ڈیرے پر واپس جاؤ۔ اللہ تعالیٰ تمہیں ایسا ہی بیٹا عطا فرمائے گا جیسا تم چاہتے ہو۔ وہ میرے طرف داروں میں ہوگا۔ سپاہی اپنے ڈیرے پر آیا اور اس نے ایسا ہی دیکھا جیسا آپ نے فرمایا تھا۔

حضرت قدوۃ الکبراؒ فرماتے تھے کہ حضرت حسن کے خوارق اور کرامات اس قدر زیادہ ہیں کہ ان سب کا بیان کرنا ممکن نہیں ہے۔ بیان کرتے ہیں کہ آپ کو زہر دیا گیا تھا۔ وفات کے وقت امیر المومنین حسینؓ آپ کے سرہانے موجود تھے۔ انہوں نے فرمایا، اے بھائی آپ کا گمان کس شخص پر ہے کہ اس نے آپ کو زہر دیا ہے۔ آپ نے فرمایا تم یہ بات اس لیے دریافت کر رہے ہو کہ اسے قتل کر دو۔ حضرت حسین نے کہا جی ہاں۔ آپ نے فرمایا کہ وہ شخص جس کے بارے میں میرا گمان ہے تو اس پر عذاب کا انتظار کرو اللہ تعالیٰ سخت تر ہے میں یہ بات پسند نہیں کرتا کہ کوئی بے گناہ میری وجہ سے مار دیا جائے۔ مشہور ہے کہ آپ کی بیوی نے آپ کو زہر دیا تھا۔ آپ کی وفات اوائل ربیع الاوّل ۵۰ ہجری میں ہوئی۔

تذکرہ ہفتم۔ امام حسین شہید کربلا رضی اللہ عنہ کے مناقب میں

امیر المومنین حسینؓ بارہ اماموں میں تیسرے امام تھے۔ آپ ابوالائمہ ہیں آپ کی کنیت عبداللہ تھی اور لقب شہید اور سیّد تھا۔ آپ کی ولادت مدینے میں سہ شنبے (منگل) کے روز چار شعبان ۴ ہجری میں ہوئی۔ کہتے ہیں کہ آپ کی مدتِ حمل چھ ماہ تھی۔ سوائے آپ کے کسی بچے کی مدتِ حمل چھ ماہ نہیں ہوئی۔ حضرت یحیٰؑ بن ذکریا علیہما السلام اور امیر المومنین حسن رضی اللہ عنہ کی ولادت کے درمیان کی مدت نیز فاطمہؓ کے بطن میں امیر المومنین حسینؓ کے علق کی مدت پچاس دن بتائی جاتی ہے۔ جب آپ پیدا ہوئے تو رسول علیہ السلام نے آپ کا نام حسین رکھا۔ آپ کو ایسا جمال حاصل تھا کہ اگر آپ تاریکی میں بیٹھتے تو آپ کی پیشانی اور رخسار کی تابانی سے راستہ نظر آ جاتا۔ آپ سینے سے پیروں تک رسول علیہ السلام کے مشابہ تھے جیسے کہ امیر المومنین حسن رضی اللہ عنہ سینے سے پیشانی تک رسول علیہ السلام سے مشابہت رکھتے تھے۔ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں۔ اللہ تعالیٰ اس شخص سے محبت کرتا ہے جو حسین سے محبت کرتا ہے۔ حسین نواسوں میں نواسہ ہے۔[1] بیان کرتے ہیں کہ (ایک روز) حسنؓ اور حسینؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کشتی لڑ رہے تھے رسول ﷺ نے حسنؓ سے فرمایا کہ حسینؓ کا نام لو۔ حضرتِ فاطمہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ بڑے سے فرما رہے ہیں کہ چھوٹے کا نام لو، رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اس وقت جبرئیل کہہ رہے ہیں کہ حسین بزرگ (بڑے) ہیں۔

ام الجسارت سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے کہا کہ میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے ایک خواب دیکھا ہے اور میں اس سے خوف زدہ ہوں۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم نے کیا خواب دیکھا۔ میں نے عرض کیا کہ میں نے دیکھا کہ آپ کے جسم مبارک کا ایک ٹکڑا کاٹ کر میری گود میں ڈال دیا گیا ہے۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم نے ٹھیک ہی دیکھا ہے۔ فاطمہ کے ایک بیٹا ہوگا جو تمہاری گود میں ہوگا۔ اس کے بعد امیر المومنین حسینؓ پیدا ہوئے۔

روایت ہے کہ ایک روز رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حسینؓ کو اپنی دائیں ران پر بٹھا رکھا تھا اور بائیں ران پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے ابراہیم تھے۔ جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور کہا کہ اللہ تعالیٰ ان دونوں کو آپ کے لیے یکجا نہ رکھے گا۔ ایک کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے لے لیا جائے گا۔ اب آپ اِن میں سے ایک کو اختیار کریں۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر حسین فوت ہوگا تو اس کے فراق میں میری، علیؓ اور فاطمہ کی جان جلے گی اور اگر ابراہیم جاتا ہے تو اس کا غم میری جان پر ہوگا۔ میں ان کے غم پر اپنا غم اختیار کرتا ہوں تین دن بعد حضرت ابراہیم کی وفات کا واقعہ وقوع میں

---

[1] مطبوعہ نسخہ ص ۳۴۸ پہلی سطر ''حسین سبط است از ابساط'' (حسین نواسوں میں نواسہ ہے) بظاہر اس جملے کا کوئی مفہوم نہیں نکلتا شاید جملے میں کچھ الفاظ اور بھی ہوں جو یہاں کتابت میں نہیں آ سکے یا شاید کوئی اور حقیقت ہو۔ واللہ اعلم۔

آیا۔ حضرت حسین جب بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں پیار کرتے اور فرماتے، خوش آمدید (یہ وہ ہے) جس کے لیے میرا بیٹا ابراہیم فدیہ بنا۔

ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ ایک رات رسول صلی اللہ علیہ وسلم میرے حجرے سے باہر گئے اور بہت دیر کے بعد واپس ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک بال اُلجھے ہوئے اور گرد میں اَٹے ہوئے تھے اور آپ کے ہاتھ میں کوئی چیز تھی۔ میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عجیب حال میں دیکھ رہی ہوں۔ فرمایا مجھے عراق کے ایک مقام پر لے جایا گیا جسے کربلا کہتے ہیں۔ یہ حسین کے قتل ہونے کی جگہ ہے۔ مجھے میری اولاد میں سے ایک جماعت کو دکھایا گیا۔ میں نے ان کا خون زمین سے اٹھایا جو میرے ہاتھ میں ہے۔ یہ لو اور اسے حفاظت سے رکھو۔ میں نے آپ ﷺ کے دستِ مبارک سے وہ چیز لے لی۔ وہ سرخ رنگ کی مٹی تھی۔ میں نے اسے شیشے کی بوتل میں ڈال دیا اور اس کا منہ اچھی طرح سے بند کر دیا۔ جب حسین بن علیؓ عراق کے سفر پر چلے گئے تو میں ہر روز وہ شیشی باہر نکالتی، اسے دیکھتی اور روتی تھی جب دسویں محرم ہوئی اور میں نے اسے دیکھا تو وہ اپنی حالت پر برقرار تھی۔ جب دن ڈھلے اسے دیکھا تو وہ مٹی تازہ خون ہوگئی تھی۔ (اس تبدیلی سے) میں نے جان لیا کہ حسینؓ کو قتل کر دیا گیا۔ میں بہت روئی پھر دشمنوں کے طعنوں کے خیال سے اپنی طبیعت سنبھالی۔ جب حضرت حسینؓ کی شہادت کی خبر آئی تو یہ اس دن کے عین مطابق تھی۔

آپ کی شہادت دس محرم ۶۱ ہجری میں جمعہ کے دن ہوئی تھی۔ اس وقت آپ کی عمر ستاون سال پانچ ماہ تھی۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، جبریلؑ کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ (اس اثنا میں) حسین بن علیؓ آگئے۔ جبریلؑ نے دریافت کیا کہ یہ کون ہیں؟ رسول علیہ السلام نے فرمایا، یہ میرا بیٹا ہے، پھر انہیں اپنے پہلو میں بٹھالیا۔ جبریل نے عرض کیا کہ عنقریب یہ شہید کردیئے جائیں گے۔ رسول علیہ السلام نے دریافت کیا کہ انہیں کون لوگ قتل کریں گے۔ جبریل نے عرض کیا کہ آپ ﷺ کی امت کے لوگ انہیں شہید کریں گے۔ پھر جبریلؑ نے کربلا کی جانب اشارہ کیا اور تھوڑی سی سرخ مٹی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھائی کہ یہ ان کے مقتل کی مٹی ہے۔

امام زین العابدین رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ جب ہم کوفے کے سفر پر تھے تو ہم نے کہیں پڑاؤ نہیں کیا بلکہ سفر کرتے رہے۔ امیر المومنین حسین رضی اللہ عنہ نے حضرت یحیٰی بن زکریا علیہما السلام کا ذکر نہیں کیا۔ ایک روز فرمایا کہ دنیا کی خواری اور بے اعتباری سے ایک واقعہ یہ بھی ہے کہ حضرت یحیٰی بن زکریا (علیہما السلام) کے سر مبارک کو بنی اسرائیل کی ایک نابکار عورت کے پاس بطور ہدیہ بھیجا گیا۔

سعید بن جبیر نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے، انہوں نے کہا کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی آئی کہ یحیٰی بن زکریا علیہما السلام کے قتل کے بدلے میں ہم نے ستر ہزار آدمیوں کو ہلاک کیا اور آپ کے فرزندوں کے بدلے میں دو بار اسی ہزار آدمیوں کو ہلاک کروں گا۔ صحیح اسناد سے یہ بات پہنچی ہے کہ امیر المومنین حسینؓ کے قاتلوں میں سے ایک شخص بھی ایسا نہیں بچا

کہ موت سے پہلے اس کی ذلت نہ ہوئی ہو۔ وہ قتل نہ ہوا ہو یا کسی دوسری مصیبت میں گرفتار نہ ہوا ہو۔

ثقات میں سے ایک ثقہ شخص نے بیان کیا ہے کہ جب عبید اللہ بن زیاد اور اس کے اصحاب کے سر کوفے کی مسجد میں لائے گئے اور انہیں ایک گوشے میں رکھا گیا تو میں بھی اس طرف چلا گیا۔ میں نے لوگوں کو کہتے ہوئے سنا کہ وہ کہہ رہے تھے، آ گیا آ گیا، اچانک ایک سانپ آیا اور سروں کے درمیان چلا گیا، پھر عبید اللہ بن زیاد کی ناک کے سوراخ میں داخل ہوا۔ تھوڑی دیر وہاں رہا پھر باہر نکلا اور کسی طرف جا کر غائب ہوگیا۔ اس کے بعد لوگ کہنے لگے آ گیا گیا۔ وہی سانپ پھر آیا اور اس سے قبل جو کچھ اس نے کیا تھا وہی کیا۔ اس طرح چند بار اس نے اپنے عمل کو دہرایا۔

بیان کرتے ہیں کہ شمر ذی الجوشن کو امیر المومنین حسینؓ کے سامان سے کچھ مقدار سونا ملا تھا۔ اس نے وہ سونا اپنا کسی لڑکی کو دے دیا۔ لڑکی نے اسے ایک سنار کو دیا کہ اس کے لیے زیور بنا دے۔ جب سنار نے سونے کو آگ میں ڈالا تو غبار کی طرح اڑ گیا اور ناپید ہوگیا۔ جب شمر نے یہ بات سنی تو سنار کو بلایا اور بچا ہوا سونا اسے دیا کہ اسے میرے سامنے آگ میں ڈالو۔ جب سنار نے اس کی موجودگی میں سونا آگ پر رکھا تو پہلے سونے کی طرح ناپید ہوگیا۔

بیان کرتے ہیں کہ امیر المومنین حسینؓ کے چند اونٹ باقی تھی۔ ان بدبختوں نے انہیں ذبح کر کے پکایا۔ ان کا گوشت اس قدر تلخ ہوگیا کہ کوئی شخص ایک نوالہ بھی نہ کھا سکا۔

ایک ثقہ راوی کا بیان ہے کہ میں نے قبیلہ طے کے ایک شخص سے دریافت کیا کہ مجھ تک یہ روایت پہنچی ہے کہ تم لوگوں نے جنوں کو نوحہ کرتے ہوئے سنا تھا۔ انہوں نے کہا ہاں جب حسین رضی اللہ عنہ شہید کر دیئے گئے تو ہم نے جنوں کا نوحہ سنا ہے۔ وہ یہ اشعار پڑھتے تھے اور نوحہ کرتے تھے۔ ابیات [1]

مسح الرسول جبینہ

فلہ بر توفی الحدود

(رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی پیشانی پر ہاتھ پھیرا سو اس نے (یہ ہدیہ بطور حق حاصل کیا)

ابواہ من علی قرشیا

وجدہ خیر الجدود

(اس کے باپ قریش کے بلند رتبہ لوگوں میں سے ہیں اور اس کے نانا سب ناناؤں میں بہترین ہیں)

بیان کرتے ہیں کہ ان بدبختوں میں سے ایک نے مدینے میں خطبہ دیا اور امیر المومنینؓ کے قتل کرنے کی خوشخبری سنائی تو انہوں نے رات کو مدینے میں آواز سنی اور کہنے والے کو نہ دیکھ سکے۔ وہ یہ شعر پڑھ رہا تھا۔ ابیات

---

[1] ان اشعار کا فارسی ترجمہ متن میں تحریر نہیں کیا گیا ہے۔ مترجم نے اپنے محدود علم کے مطابق ترجمہ کیا ہے، شاید درست ہو۔

ایھاالقاتلون جھلا حسینا

بشروا بالعذاب و التنکیل

(اے قاتلانِ حسین! تم جہل و نادانی کے باعث عذاب و سرزنش سے خوش وقت ہو جاؤ)

کل من فی السماء یدعو علیکم

من نبی و ملائک و قبیل

(جو شخص بھی آسمانوں میں ہے تمہیں بد دعا دے رہا ہے۔ نبی اور فرشتے کہہ رہے ہیں)

فلعن علی لسان ابن داؤد

و عیسیٰ صاحب الانجیل

(پس ان پر لعنت کی گئی۔ ابن داؤد کی زبان سے اور صاحب انجیل عیسیٰ کی زبان سے)

ایک شخص نے غزواتِ روم سے روایت کی کہ میں نے انکی کتابوں میں سے ایک کتاب میں یہ لکھا ہوا دیکھا ہے۔ بیت۔

انداجو امت قتلت حسینا

شفاعته جده یوم المعاد

(کیا وہ لوگ امید رکھتے ہیں جنہوں نے حسین کو قتل کیا، کہ ان کے نانا قیامت میں ان کی شفاعت کریں گے)

میں نے راوی سے دریافت کیا کہ یہ (شعر یا رسالہ) کس نے تحریر کیا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ میں نہیں جانتا۔

حضرت زید بن ارقمؓ کی روایت ہے کہ جب ابن زیاد کے فرمان کے مطابق امیر المومنین حسینؓ کے سر کو نیزے پر رکھ کر گلیوں میں گھمایا گیا تو میں اپنے مکان کی کھڑکی میں تھا۔ جب علم میرے برابر آیا تو میں نے آپ کے سر کو کہتے ہوئے سنا، ''اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ كَانُوْ مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا''[1] (ترجمہ: کیا آپ نے سمجھا کہ غار والے اور کتبے والے ہماری نشانیوں میں سے ایک عجیب نشانی تھے۔) اس آواز کی ہیبت سے میرے جسم کے بال کھڑے ہوگئے۔ میں نے ندا کی، اے ابن رسول اللہ! یہ آپ کا سر ہے۔ آپ کا معاملہ عجیب تر ہے۔

زبیر[2] نے کہا، مجھ تک یہ بات پہنچی ہے کہ کوئی پتھر ایسا نہیں تھا جسے اٹھایا گیا ہو اور اس کے نیچے تازہ خون نہ دیکھا گیا ہو۔ ایک دوسرے شخص سے روایت کرتے ہیں۔ اس نے کہا جب حسین شہید ہوگئے تو آسمان سے خون کی بارش ہوئی اور ہماری

---

[1] پارہ ۱۵۔ سورہ الکہف، آیت ۹۔

[2] مطبوعہ نسخے کے صفحہ ۳۴۹ پر یہ عبارت ہے ''آورده اندکه معمر و زهر چه بود، زبیر گفت چنیں بمن رسیده است که هیچ سنگے رابر نداشتند مگر آں که زیر اوخونِ تازه یافتند۔'' اس عبارت میں ابتدائی جملہ قطعی مبہم ہے۔ اس لیے مترجم نے ''آورده اندکه معمر و زهر چه بود'' کا ترجمہ چھوڑ دیا ہے، شاید یہ کسی دوسری عبارت کا جز ہے۔

ہر چیز خون سے بھر گئی۔ چند روز تک مجھے آسمان خون بستہ نظر آیا۔

تذکرہ ہشتم۔ حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کے مناقب

علی بن حسینؓ، آپ چوتھے امام ہیں۔ آپ کی کنیت ابومحمد تھی، کہتے ہیں کہ ابوالحسن اور ابوبکر بھی تھی۔ آپ کا لقب سجاد اور زین العابدین تھا آپ کی ولادت ۳۳ ہجری میں مدینے میں ہوئی۔ ایک دوسری روایت کے مطابق ۳۸ ہجری میں ہوئی۔ آپ کی والدہ شہر بانو بنت یزدجرد، نوشیروانِ عادل کی اولاد سے تھیں۔ آپ کی وفات آٹھ محرم سنہ چورانوے ہجری کو ہوئی۔

کہا گیا ہے کہ آپ کو ''زین العابدین'' لقب دینے کا سبب یہ تھا، کہ ایک رات آپ نماز تہجد ادا کر رہے تھے کہ شیطان ایک اژدھے کی صورت میں نمودار ہوا تا کہ آپ کی عبادت میں خلل پیدا کرے لیکن آپ نے کوئی توجہ نہ دی اژدھے نے (شیطان نے) آپ کے پیر کی انگلی کو اس بری طرح سے کاٹا کہ سخت تکلیف ہوئی لیکن آپ نماز میں مشغول رہے اور نیت نہ توڑی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ پر منکشف کر دیا کہ یہ اژدھا شیطان ہے آپ نے اسے ڈانٹا اور ایک تھپڑ رسید کیا اور کہا، اے ذلیل و خوار ملعون دور ہو۔ جب شیطان دفع ہوگیا تو آپ اپنا ورد پورا کرنے کے لیے اٹھے۔ آپ نے ایک آواز سنی اور کہنے والے کو نہ دیکھ سکے۔ کوئی کہہ رہا تھا ''آپ زین العابدین ہیں'' یہ جملہ غیبی آواز نے تین بار کہا۔

بیان کرتے ہیں کہ جب آپ وضو کرتے تو آپ کا چہرہ زرد ہوجاتا اور جسم پر لرزہ طاری ہوجاتا۔ آپ سے سبب دریافت کیا تو فرمایا، تم جانتے ہو کہ مجھے (اللہ تعالیٰ کے) سامنے کھڑا ہونا ہے۔

ایک روز آپ اپنے مکان میں نماز پڑھ رہے تھے کہ اچانک آگ لگ گئی۔ ہر چند کہ آگ لگنے کی پکار کی گئی لیکن آپ نے سجدے سے سر نہیں اٹھایا۔ جب آگ بجھ گئی تو لوگوں نے آپ سے دریافت کیا کہ آپ کو کس بات نے آگ سے بے پروا کر دیا، فرمایا، آتشِ آخرت کے خیال نے۔

آپ کے خوارقِ عادات و کرامات بہت ہیں۔ ایک روز آپ اپنے اصحاب کے ساتھ جنگل میں بیٹھے تھے کہ ایک ہرن آپ کے سامنے آیا اور ہاتھ پیر پٹخنے لگا۔ حاضرین نے دریافت کیا اے ابن رسول اللہ یہ کیا کہتا ہے، فرمایا یہ کہہ رہا ہے کہ فلاں قریشی نے گزشتہ روز میرے بچے کو پکڑ لیا ہے اور کل سے اسے دودھ نہیں دیا۔ بعضے اصحاب کو اس بات پر یقین نہیں آیا آپ نے ایک شخص کو بھیجا کہ اسے لے کر آئیں۔ جب وہ آیا تو اسے سارا ماجرا سنایا۔ اس نے کہا کہ ہرن سچ کہتا ہے (ہرن کا بچہ میں نے پکڑا ہے) آپ نے فرمایا کہ بچہ ہرن کو دے دو تا کہ وہ اسے دودھ پلائے۔ اس کے بعد وہ واپس تیرے حوالے کر دے گی۔ (ہرن نے) وعدہ پورا کیا تو آپ نے قریشی سے کہا کہ بچہ ہرن کو بخش دو۔ اس نے بچہ ہرن کو دے دیا۔

تذکرہ نہم۔ حضرت امام محمد باقر رضی اللہ عنہ کے مناقب

محمد بن علی بن حسین پانچویں امام ہیں۔ آپ کی کنیت ابوجعفر اور لقب باقر تھا، کیونکہ آپ بہت ہی زیادہ صاحب علم تھے اور آپ کی ذات سے علم کو وسعت حاصل ہوئی۔ آپ کی والدہ فاطمہ بنت الحسن بن علیؓ تھیں۔ آپ کی ولادت مدینے میں ۳/صفر ۵۷ ہجری میں جمعے کے روز ہوئی، یعنی امیر المومنین حسینؓ کی شہادت سے تین سال پہلے (پیدا ہوئے)۔ آپ کی وفات ۱۱۴ ہجری میں بعمر ستاون سال ہوئی اور آپ کی قبر بقیع میں اپنے والد کی قبر کے نزدیک ہے۔

آپ سے روایت ہے کہ ہم جابر بن عبداللہ کے پاس اس زمانے میں گئے جب وہ دیکھنے سے معذور ہو گئے تھے۔ ہم نے انہیں سلام کیا۔ انہوں نے سلام کا جواب دیا اور کہا کہ تم کون ہو۔ میں نے کہا میں محمد بن علی بن حسین ہوں۔ انہوں نے کہا آگے آؤ، میں آگے بڑھا تو انہوں نے میرے ہاتھ کو بوسہ دیا اور جھکے کہ میرے پاؤں کا بوسہ لیں لیکن میں ہٹ گیا۔ انہوں نے کہا، اِنَّ رَسُولَ اللّٰہِ یقربک السلام (بے شک رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم تم پر سلام بھیجتے ہیں) میں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ کی رحمت اور برکت ہو۔ پھر میں نے دریافت کیا کہ یہ کیا واقعہ ہے۔ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ تم اس وقت تک زندہ رہو گے کہ میرے فرزندوں میں سے ایک فرزند تم سے ملاقات کے لیے تمہارے پاس آئے گا۔ اس کا نام محمد بن علی بن حسین ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اسے حکمت کا نور عطا فرمائے گا۔ جب وہ تمہارے پاس آئے تو اسے میرا سلام کہنا۔

ایک دوسری روایت میں جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے۔ انہوں نے کہا، **قال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوشک ان یبق حتیٰ یلقی ولداً من الحسین یقال لہ محمد یبقر علم الدین یغزاء فاذا لقیہ فاقراہ منّی السلام۔** (رسول خدا ﷺ نے میرے لیے فرمایا کہ وہ وقت قریب ہے کہ تم زندہ رہو گے یہاں تک کہ اولاد حسین سے ایک فرزند تم سے ملاقات کرے گا اسے لوگ محمد کہیں گے۔ اس نے بہت زیادہ دین کا علم حاصل کیا ہوگا پس جب تم اس سے ملاقات کرو تو اس سے میرا سلام کہنا) ایک دوسری روایت میں اس طرح آیا ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جابرؓ سے فرمایا کہ اس سے ملاقات کے بعد تمہاری زندگی تھوڑی رہ جائے گی چنانچہ انہیں چند دنوں میں جابر بن عبداللہؓ نے وفات پائی۔

آپ سے بہت سی کرامات اور خلافِ عادت باتیں ظہور میں آئیں ہیں۔ ثقہ راویوں میں سے ایک نے (آپ سے) کہا اے محمد بن علی بن حسین جب ہشام بن عبدالملک کے مکان کی تعمیر کی جا رہی تھی تو میں وہاں سے گزرا۔ آپ نے فرمایا کہ واللہ تم اس کو برباد کر دو گے، واللہ تم اس کی خاک وہاں سے منتقل کر دو گے، بے شک اس کے کھنڈر نظر آئیں گے۔ راوی کہتا ہے مجھے یہ بات بہت عجیب معلوم ہوئی کہ ہشام کے محل کو کون برباد کر سکے گا۔ جب ہشام نے وفات پائی تو ولید بن ہشام نے حکم دیا یہاں تک کہ مکان کو توڑ کر برباد کر دیا اور اس کی مٹی شہر سے باہر لے گئے۔ اب اس کے کھنڈر نمایاں ہیں۔

ابوبصیر نے جن کی بینائی جاتی رہی تھی بیان کیا کہ میں نے امام باقر سے کہا، آپ پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم کی ذریات ہیں فرمایا ہاں۔ میں نے کہا آپ پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث ہیں فرمایا ہاں۔ آخر میں میں نے کہا کہ آپ پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم کے وارث ہیں فرمایا ہاں۔ میں نے کہا آپ میں یہ قدرت ہے کہ مردے کو زندہ کر دو، اندھے کو بینا اور کوڑھی کو بھلا چنگا کر دو اور وہ وہی کریں جو لوگ اپنے گھروں میں کرتے اور کھاتے پیتے رہتے ہیں۔ فرمایا ہاں اللہ کے حکم سے ہوسکتا ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ میرے سامنے آ کر بیٹھو۔ میں آپ کے سامنے بیٹھ گیا۔ آپ نے اپنا دستِ مبارک میرے چہرے پر رکھا۔ میری آنکھیں بینا ہوگئیں اور کوہ و دشت اور بیابان نظر آنے لگے۔ اس کے بعد اپنا ہاتھ پھر میرے چہرے پر لائے اور میری حالت پہلے جیسی ہوگئی۔ پھر فرمایا، اب بتاؤ تم ان دو حالتوں میں سے کس حالت میں رہنا چاہتے ہو ایک یہ کہ تمہاری آنکھیں بینا ہو جائیں اور تمہیں آخرت میں حساب دینا پڑے یا۔ کہ تم دنیا میں نابینا رہو اور حسابِ آخرت دینے سے بچ جاؤ۔ میں نے عرض کیا کہ میں آخرت کا بار کھینچنے پر دنیا میں نابینا رہنا پسند کروں گا۔

تذکرہ دہم۔ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے مناقب

جعفر بن محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب چھٹے امام ہیں۔ آپ کی کنیت ابوعبداللہ تھی اور کہا جاتا ہے ابن اسماعیل تھی[1] آپ کا لقب جو مشہور عوام ہے، الصادق تھا۔ آپ کی والدہ اِمّ فروہ بنت قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ تھیں اور ام فروہ کی والدہ عبدالرحمٰن بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی دختر تھیں، اسی بنا پر امام صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا، تحقیق مجھے ابوبکرؓ نے دوبار جنا (میں دوطرف سے ابوبکرؓ کی آل ہوں) آپ مدینے میں ۸۰ ہجری اور کہا جاتا ہے ۸۳ ہجری میں پیر کے دن جبکہ ربیع الاوّل کے تیرہ روز باقی تھے پیدا ہوئے اور مدینے ہی میں ۱۵ رجب (نصف از ماہ رجب) ۱۴۰ ہجری میں پیر کے دن وفات پائی۔ آپ کی قبر بقیع میں ہے۔ اس احاطے میں آپ کے والد باقر دادا زین العابدین چچا حسن بن علی مدفون ہیں۔ بے شک لوگوں نے روایت کی ہے کہ آپ کی قبر سے اس قدر کرامات اور انوار ظاہر ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک آپ کے بلند و برتر مراتب کی دلالت کرتے ہیں۔ آپ[2] اہل بیت کے عظما اور علما

---

[1] مطبوعہ نسخے کے صفحہ ۳۵۱ کی سطر ۱۷ ملاحظہ فرمائیں۔ شاید سہو کتابت کے باعث ''ابو'' کے بجائے ''ابن'' تحریر ہوگیا ہے واللہ اعلم۔

[2] لطیفہ ۵۳ کے اس حصے میں عربی اور فارسی کی عبارتیں ملی جلی لکھی گئی ہیں۔ عربی عبارت کے نیچے اس کا فارسی ترجمہ نقل کیا گیا ہے۔ فارسی عبارت اور عربی عبارت کے فارسی ترجمے میں مناسبت پیدا کر کے اُردو ترجمہ کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر زیر نظر ملی جلی عبارت پیش کی جاتی ہے، ''وی از عظمائے اهل بیت و علمائی ایشان حتی ان من اکثر علو مه المفاحة علی قلبه۔ فارسی ترجمے میں قلبہ کے مفہوم کو یکسر نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ دوسرے ''مفاحته'' کوئی لفظ نہیں ہے۔ مفاتح یا مفاجہ ہوسکتا ہے۔ مفاتح بمعنی کنجی اور مفاجہ کے معنی دفعتہً ہیں۔ مترجم نے فارسی اور عربی عبارت کو ملا کر یہ ترجمہ کیا ہے۔ ''آپ اہل بیت کے عظما اور علما میں سے تھے اور آپ کے اکثر علوم آپ کے قلب پر دفعتہً وارد ہوتے تھے۔ جس سہو کتابت کی اوپر نشان دہی کی گئی ہے اس سے مفہوم مختلف ہو جاتا ہے اور وہ بھی اس صورت میں کہ ''علی قلبہ'' کو نظر انداز کر دیا جائے۔ جیسے اصل متن میں نظر انداز کیا گیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں ص ۳۵۱ آخری سطر اور ۳۵۲ پہلی سطر۔

میں سے تھے اور آپ کے اکثر علوم آپ کے قلب پر وارد ہوتے تھے۔ لوگوں کی فہم آپ کے علوم کی انتہا دریافت کرنے میں قاصر رہتی تھی۔

بے شک یہ کہا جاتا ہے اور یہ بالکل صحیح ہے کہ ایک کتاب جس کا نام ''خیر'' ہے اور جس کا رواج مغرب میں بنو عبدالمومن میں رہا ہے وہ آپؓ ہی کا کلام ہے۔ یہ کتاب ''خیر'' مشہور تصنیف ہے اور آپ کے علوم اور اسرار پر مشتمل ہے۔ اس کا ذکر امام علی بن موسیٰ الرضاؑ کے کلام میں صریح طور پر آیا ہے۔ یہ جو کہا گیا کہ ''جب مامون نے آپ کو اپنا ولی عہد بنایا'' الجفر و الجامعہ دونوں اس کے خلاف جامع دلالت کرتے ہیں۔ وہ صادق تھے جو فرماتے تھے کہ ہمارا علم بے حد عمیق ہے، دلوں پر اثر کرتا ہے اور اس کا سننا تاثیر دکھاتا ہے۔

بے شک ہمارے نزدیک جفر احمر، جفر ابیض اور مصحف فاطمہ علیہ السلام (محفوظ) ہیں اور بے شک اس میں وہ تمام باتیں جامع طور پر موجود ہیں جن کی (عام) لوگوں کو ضرورت ہوتی ہے (سب ہی) دل میں اُترنے والی باتیں ہیں پس علم ممکنات ہیں لیکن تحریر شدہ۔ وہ علم جس سے دل کے بل کھل جائیں الہام ہے لیکن وہ سننے کے ذریعے تصرف کرتا ہے وہ ملائکہ علیہم السلام کا کلام ہے۔ لوگ ان کا کلام سنتے ہیں لیکن انہیں دیکھ نہیں سکتے۔ جفر احمر میں لوگوں کے لیے خیر و خوبی ہے مصحفِ فاطمہ میں وہ باتیں ہیں جن کا تعلق حادث سے ہے (نئی پیدا ہونے والی چیزیں)۔ اس میں قیامت تک پیدا ہونے والے بادشاہوں کے نام ہیں، لیکن یہ جامع اور ضخیم کتاب ہے۔ اس کی طوالت ستّر گز ہے۔ اسے رسول علیہ السلام نے املا کرایا ہے اور علی ابن طالب نے اسے تحریر کیا ہے۔ اس میں ہر وہ بات تحریر ہوئی ہے جس کی قیامت تک ضرورت ہوگی، حتیٰ کہ اس میں راس الحرس اور خلدہ کا بھی ذکر ہے۔ (اس کی) آدھی جلد موجود ہے۔

بعضے ثقات کا بیان ہے کہ انہوں نے کہا، ہم نے جعفر بن محمدؓ سے سنا ہے، مجھ سے دریافت کرو اس سے پہلے کہ مجھے بٹھادیں، پس بے شک میرے بعد کوئی تم سے ایسی باتیں نہ کہے گا جو میں کہتا ہوں۔

وہ حقائق و معارف اور حکمت کی دقیق باتیں جو آپ کی زبان مبارک سے ادا ہوئیں وہ مشہور ہیں اور اہلِ اسلام کی کتابوں میں مرقوم ہیں۔ یہاں آپ کی کرامات اور خوارق کا ذکر مختصر طور پر کیا جاتا ہے۔

ابن جوزی ☆ نے اپنی کتاب (''صفۃ الصفوۃ'' میں سعد سے بہ اسناد خود) تحریر کیا ہے کہ میں حج کے دنوں میں مکے میں تھا۔ نمازِ عصر ادا کر کے میں کوہ قبیس پر چڑھ گیا۔ وہاں میں نے ایک شخص کو بیٹھے ہوئے دیکھا جو دعا مانگ رہا تھا۔ اس نے اپنا سانس ٹوٹنے تک ''یارب'' کی تکرار کی، پھر سانس منقطع ہونے تک ''یا ربّاہ'' بار بار کہا، اسی طرح سانس ختم ہونے تک حی حی اور ''الرحم الراحمین'' کی رٹ لگائی۔ اس کے بعد سات مرتبہ کہا، اَللّٰھُمَّ اِنِّی اِشْتَھِیُ مِنْ ھٰذِہِ الْغَیْبِ اللّٰھُمَّ وَاَنْ یَروِی (خدایا میں پردۂ غیب سے کھانا طلب کرتا ہوں اور ایسی چیز جو مجھے سیراب کر دے) اس نے ابھی دعا پوری نہ کی تھی

☆ یہ روایت علامہ جامی علیہ الرحمہ نے ''شواہد النبوۃ'' میں بیان کی ہے، مطبوعہ مکتبہ بنویہ لاہور، ۱۹۷۴ء، ص ۳۳۱۔۳۳۲ (ناصر الدین)

کہ انگور کی ایک ٹوکری اور دو سنگترے[1] اس کے آگے رکھ دیئے گئے۔ اس کے سامنے بے موسم انگور لائے گئے۔ میں نے کہا میں تمہارا شریک ہوں۔ اس نے پوچھا تم کس وجہ سے شریک ہو۔ میں نے کہا تم دعا کرتے تھے اور میں آمین کہتا تھا۔ اس نے کہا پھر آگے آؤ، ذخیرہ بالکل نہ کرنا۔ وہ بے دانہ انگور تھے۔ میں نے ایسے لذیذ انگور کبھی نہیں کھائے۔ میں نے خاصے انگور کھائے لیکن ٹوکری خالی نہ ہوئی۔ پھر مجھ سے کہا تھوڑے سے لے لو، لیکن میں نے نہیں لیے۔ اس کے بعد اس نے مجھ سے کہا کہ تم کہیں چھپ جاؤ تاکہ میں کپڑے پہن لوں۔ میں چھپ گیا۔ اس نے کپڑے پہنے۔ ایک کا تہبند بنایا اور دوسری دھاری دار پرانی چادر جسم پر ڈالی اور وہاں سے روانہ ہوگیا۔ میں اس کے عقب میں چلا۔ ایک شخص آیا اور کہا۔ اے ابن رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ کو پہنایا مجھے بھی پہناؤ۔ اس نے وہ دھاری دار چادر سائل کے حوالے کر دی۔ جب میں نے تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ وہ جعفر بن محمد تھے۔

تذکرہ یازدہم۔ امام موسیٰ رضی اللہ عنہ کے مناقب

موسیٰ بن جعفر ساتویں امام ہیں۔ آپ کنیت ابوالحسن اور ابو ابراہیم تھی ان کے علاوہ اسی طرح کی اور کنیتیں بھی تھیں۔ آپ کا لقب کاظم تھا۔ کاظم کا لقب اس لیے دیا گیا تھا کہ آپ علم میں کامل تھے اور مفسدین پر غصہ نہیں کرتے تھے۔ آپ کی والدہ حمیدہ بربریہ ام ولد (کنیز) تھیں آپ کی ولادت صفر کی سات راتیں گزرنے کے بعد (۷ صفر) ۱۲۸ ہجری میں اتوار کے دن موضع ابوہ میں جو مکے اور مدینے کے درمیان ہے ہوئی۔

آپ کو اوّل مرتبہ مہدی بن منصور مدینے سے بغداد لایا اور وہاں قید کر دیا۔ ایک رات اس نے امیر المومنین علیؓ کو خواب میں دیکھا۔ حضرت علی نے یہ آیت پاک تلاوت فرمائی۔[2] **فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَ تُقَطِّعُوْآ اَرْحَامَكُمْ** (یعنی تو کیا تم اس بات کے قریب ہو؟ کہ اگر تم حکومت حاصل کر لو تو زمین میں فساد ہی پھیلاؤ اور اپنی قطع رحمی کرو) ربیع کا بیان ہے (مہدی نے) اسی شب مجھ کو طلب کیا، جب میں اس کے پاس گیا تو میں نے سنا کہ وہ یہ آیت خوش الحانی

---

[1] مطبوعہ نسخے کے صفحہ ۳۵۳ پر یہ عبارت ہے ''ہنوز دعا تمام نہ کردہ بود سلہ انگور و دو برتو برونہاد'' برتو لغت میں کوئی لفظ نہیں ہے، البتہ برتقان ہے جس کے معنی سنگترے کے ہیں۔ ممکن ہے کہ کسی علاقے میں برتقان کے بجائے برتو بولتے ہوں۔ بہرحال مترجم نے برتقان قیاس کر کے ترجمہ کیا۔

[2] پارہ ۲۶۔ سورہ محمد آیت ۲۲۔ آیت کا ترجمہ متن میں تحریر کر دیا گیا ہے صفحہ ۳۵۳ پر یہ عبارت ہے:

''اول بار مہدی بن منصور وی را از مدینه به بغداد آوردو حبس کر دو شبے امیر المومنین علیؓ درخواب دیدیا محمد **فهل عسیتم ان تولیتم ان تفسدوافی الارض و تقطعوا ار حامکم**'' اس پوری عبارت سے یہ نشان دہی نہیں ہوتی کہ خواب کس نے دیکھا؟ امام موسیٰ کاظم نے یا خلیفہ مہدی بن منصور نے دوسرے یہ کہ مذکورہ آیت پاک میں ''یامحمد'' شامل کر دیا گیا ہے حالانکہ کہ قرآن حکیم میں یہ آیت **فهل** سے شروع ہوتی ہے۔ تیسرے یہ کہ قرآن حکیم میں **تقطعوا** کی ت پر پیش ہے۔ اصل متن میں ت پر زبر لگایا گیا ہے مترجم کی فہم میں یہ آیا ہے کہ خلیفہ مہدی بن منصور نے حضرت علیؓ کو خواب میں دیکھا جو اسے خبردار کر رہے ہیں کہ اے مہدی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، **فهل عسیتم**......اور متنبہ ہوگیا۔

سے پڑھ رہا تھا۔ اس نے کہا، اسی وقت جاؤ اور موسیٰ بن جعفر کو لاؤ۔ میں آپ کو لایا۔ مہدی نے آپ سے معانقہ کیا اور بٹھایا پھر آپ سے خواب بیان کیا اور کہا کیا یہ ممکن ہے کہ آپ میری مخالفت کریں اور اس سبب سے میرے اور میرے فرزندوں پر خروج کریں۔ آپ نے فرمایا کہ واللہ! میں نے خروج نہیں کیا یہ میری شان نہیں ہے کہ ایسا کروں۔ مہدی نے کہا آپ سچ کہتے ہیں پھر ربیع سے کہا کہ آپ کو دس ہزار دے اور آپ کے سفر مدینہ کی تیاری کر۔ ربیع کا بیان ہے کہ میں نے اسی شب آپ کے تمام کام درست کر دیئے اور روانہ کر دیا کہ مبادا پھر کوئی رکاوٹ سفر امام میں حائل ہو جائے۔

اس وقت رشید (ہارون رشید) مدینے میں تھا۔ دوسری مرتبہ رشید نے آپ کو بغداد طلب کیا اور قید خانے میں ڈال دیا حتیٰ کہ آپ کی وفات رشید کے قید خانے میں ہوئی۔ آپ کی وفات بروز جمعرات ۱۸۶ ہجری میں ہوئی۔

آپ کی قبر بغداد میں ہے۔ کہتے ہیں کہ آپ کو یحییٰ بن خالد برمکی نے ہارون الرشید کے حکم سے کھجور میں زہر ملا کر دیا تھا۔ بیان کرتے ہیں کہ جب آپ کو زہر دیا گیا تو آپ نے فرمایا، آج مجھے زہر دیا گیا ہے، کل اس کا اثر ظاہر ہوگا۔ پہلے میرا جسم پیلا پڑے گا پھر اس میں سے نصف سرخ ہوگا اور پرسوں سیاہ ہو جائے اس کے بعد مر جاؤں گا چنانچہ جیسا فرمایا تھا اسی کے مطابق ہوا۔

معتبر کتابوں میں حضرت شقیق بلخیؒ[1] سے روایت کی ہے کہ میں سفر حج میں فارس پہنچا۔ وہاں میں نے ایک خوب صورت جوان شخص کو دیکھا اس کا رنگ گندم گوں تھا اور اس نے کپڑوں پر پشمینہ پہن رکھا تھا اور عمامے کے شملے کو کندھے پر ڈالا ہوا تھا۔ پیروں میں جوتے پہن رکھے تھے۔ وہ لوگوں کے درمیان سے باہر نکلا اور ایک جگہ تنہا بیٹھ گیا۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ جوان صوفیہ کی جماعت سے نظر آتا ہے اور شاید یہاں اس لیے بیٹھا ہے کہ کسی مسلمان کی گردن کا بوجھ بن جائے۔ میں جا کر اسے سرزنش کرتا ہوں تاکہ اپنے ناروا ارادے سے باز رہے۔ میں اس کے قریب گیا تو اس نے کہا اے شقیق! اِجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ[2] (ترجمہ: بہت سے گمانوں سے بچو، بے شک بعض گمان گناہ ہیں۔) یہ کہنے کے بعد وہ جوان مجھے چھوڑ کر چلا گیا۔ میں نے اپنے آپ سے کہا کہ یہ عجیب بات ہے کہ اس جوان نے میرا نام لیا اور جو کچھ میرے ضمیر میں تھا اسے ظاہر کر دیا۔ بے شک یہ نیک بندہ ہے۔ میں اس سے میل جول پیدا کر کے تجلی[3] کی درخواست کروں گا ہر چند کہ میں تیز تیز چلا لیکن اس تک نہ پہنچ سکا۔ جب میں اگلی منزل پر پہنچا تو میں نے دیکھا کہ مصروفِ نماز ہے۔ اس کے اعضا پر لرزہ طاری تھا اور آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ میں نے سوچا کہ اس کے پاس جاؤں اور تجلی کی درخواست کروں بہر حال میں نے صبر کیا۔ جب وہ نماز سے فارغ ہوا تو میں اس کے پاس گیا۔ اس نے مجھ سے کہا، اے شقیق یہ آیت

۱۔ شقیق بلخیؒ۔ پورا نام ابوعلی شقیق بن ابراہیم بلخیؒ تھا۔ ابراہیم بن ادہم کے اصحاب میں سے تھے۔ ۱۷۴ھ میں وفات پائی ملاحظہ فرمائیں، سرچشمہ تصوف در ایران از سعید نفیسی۔ تہران، ۱۳۴۳ ش۔ ص ۳۵۔

۲۔ پارہ ۲۶۔ سورہ الحجرات، آیت ۱۲۔

۳۔ تجلی۔ ہر وہ شان، کیفیت اور حالت جس میں حق تعالیٰ کا یا اس کی کسی صفت یا اس کے کسی فعل کا اظہار ہو۔ ملاحظہ فرمائیں سرِ دلبراں ص ۱۱۲۔

پڑھو، وَاِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰی [۱] (اور بے شک میں ضرور اسے بہت بخشنے والا ہوں جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور نیک کام کیے پھر ہدایت پر ثابت قدم رہا۔) اس کے بعد وہ مجھے چھوڑ کر چلا گیا۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ جوان ابدال ہے، جو کچھ میرے باطن میں ہوتا ہے مجھ پر ظاہر کر دیتا ہے۔ جب میں اگلی منزل پر پہنچا تو میں نے دیکھا کہ وہ ایک کنویں کی منڈیر پر کھڑا ہے اور اس کے ہاتھ میں پانی کا کوزہ ہے تاکہ اس میں پانی بھرے۔ وہ کوزہ اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر کنویں میں گر پڑا۔ اس نے آسمان کی طرف منہ کر کے کہا، الٰہی تو میرا پروردگار ہے، میرے وجود کی پرورش کرتا ہے میرے پاس اس کوزے کے علاوہ کچھ نہیں ہے اور اس سے میری ضرورت وابستہ ہے۔ میں نے دیکھا کہ کنویں کا پانی اوپر آ گیا ہے۔ جوان نے کوزے میں پانی بھرا، وضو کیا اور چار رکعت نماز ادا کی۔ اس کے بعد ریت کے تودے کی طرف گیا اور اپنے ہاتھ سے ریت کوزے میں ڈالی اور ہلا کر پی گیا۔ میں اس کے پاس گیا اور سلام کیا۔ اس نے سلام کا جواب دیا۔ میں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے جو نعمت آپ کو دی ہے مجھے بھی عنایت کریں- اس نے کہا اے شقیق! اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ ہی نعمتیں خواہ ظاہری ہوں یا باطنی مجھے عطا فرمائی ہیں۔ تم بھی اللہ تعالیٰ سے اپنا گمان ٹھیک رکھو۔ اس کے بعد اس نے وہ کوزہ مجھے دیا، میں نے پیا تو میٹھا ستو تھا۔ اتنا لذیذ ستو میں نے کبھی نہیں پیا۔ میں خوب سیراب ہوگیا، حتیٰ کہ چند دن تک مجھے کھانے پینے کی احتیاج نہیں رہی۔ پھر دوران سفر میں نے اسے نہیں دیکھا۔ جب میں مکے پہنچا تو میں نے دیکھا کہ وہ آدھی رات کو بڑے خشوع اور خضوع کے ساتھ نماز پڑھ رہا ہے اور آنکھوں سے آنسو رواں ہیں۔ تمام رات یہی کیفیت رہی۔ جب صبح ہوئی تو نمازِ فجر ادا کی اور طواف کر کے باہر چلا گیا۔ میں اس کے پیچھے چلا۔ میں نے دیکھا کہ سفر کے برعکس یہاں اس کے بہت سے خادم اور مددگار تھے اور لوگوں نے اسے گھیر رکھا تھا۔ ہر آنے والا سلام کہتا۔ میں نے لوگوں سے دریافت کیا کہ یہ کون ہیں انہوں نے کہا کہ یہ موسیٰ بن جعفر بن محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں۔

اس طرح کے بہت سے خوارق اور واقعات ہیں جن کی تفصیل کا یہ مجموعہ متحمل نہیں ہوسکتا۔

تذکرہ دوازدہم۔ حضرت امام علی رضا رضی اللہ عنہ کے مناقب

علی بن موسیٰ بن جعفر بارہ اماموں میں سے آٹھویں امام ہیں۔ آپ کی کنیت بھی اپنے والد کاظم کی طرح ابوالحسن تھی۔ کاظم رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا، میں نے اپنی کنیت اسے عطا کی ہے۔ ابوجعفر بن محمد بن علی رضا رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ آپ کے جد کا نام خلیفہ مامون نے ''الرضا'' رکھا، اور اس امر پر راضی ہوگیا کہ انہیں اپنا ولی عہد بنائے۔ ابوجعفر نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کا نام رضا رکھا، اس لیے کہ آپ نے گزشتہ اماموں کے درمیان آسمان میں رضائے الٰہی کو اور زمین میں رسول اللہ رضی اللہ عنہ کی رضا کو خاص کرلیا تھا اور اس لیے بھی کہ آپ اپنے مخالفین سے اسی

---

[۱] پارہ ۱۶۔ سورہ طٰہ آیت ۸۲۔

طرح راضی ہوئے جس طرح اپنے موافقین سے راضی تھے۔ آپ کے والد موسیٰ کاظم جب بھی آپ کو بلاتے تو کہتے فرزند رضا اور جب مخاطب ہوتے تو اے ابوالحسن فرماتے۔ آپ کی ولادت مدینے میں دس ربیع الآخر سنہ ۱۵۳ھ میں جمعرات کے دن ہوئی یعنی آپ اپنے دادا جعفرؒ کی وفات کے بعد تولد ہوئے۔ کہا جاتا ہے کہ ۱۵۰ ہجری میں پیدا ہوئے نیز دیگر اقوال بھی ہیں۔ آپ کی وفات علاقہ طوس میں ہوئی۔ ان کے کئی نام تجویز ہوئے۔ ام البنین نے کہا میں علی نام رکھتی ہوں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ کنیز تھیں ان کا نام حمیدہ تھا اور امام کاظم رضی اللہ عنہ کی والدہ تھیں۔

ایک شب حمیدہ نے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ فرماتے ہیں، اپنے فرزند موسیٰ کو تحفہ دے دو عنقریب اس کے ایک فرزند پیدا ہوگا جو دنیا والوں میں سب سے بہتر ہوگا۔

اُمِ رضا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا، جب میں حاملہ ہوئی تو دورانِ حمل میں نے کسی طرح کا بوجھ یا گرانی محسوس نہ کی۔ جب سوتی تو میں اپنے پیٹ سے تسبیح وتہلیل کی آواز سنتی۔ مجھ پر خوف اور ہول طاری ہوجاتا اور جب جاگتی ہوتی تو کوئی آواز نہ سنتی۔ ولادت کے وقت آپ کے دونوں ہاتھ زمین پر اور چہرہ آسمان کی طرف تھا۔ آپ کے ہونٹ ہل رہے تھے جیسے کسی سے باتیں کر رہے ہوں یا مناجات کر رہے ہوں۔

کاظم رضی اللہ عنہ کے خواص میں سے ایک نے روایت کی ہے کہ ایک بار کاظم نے مجھ سے کہا، کیا تمہیں خبر ہے کہ مغرب کے تاجروں میں ایک تاجر یہاں آیا ہوا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ مجھے اس کا علم نہیں۔ میں ان کے ساتھ سوار ہوا اور مغربی تاجر کے ہاں پہنچا۔ اس نے سات کنیزیں ہم کو دکھائیں لیکن امام نے کسی کو قبول نہیں کیا۔ اس سے فرمایا کہ کوئی دوسری پیش کرو۔ تاجر نے کہا دوسری کوئی نہیں ہے البتہ ایک بیمار لونڈی ہے۔ آپ نے فرمایا اگر اسے پیش کرو تو کیا ہرج ہے۔ تاجر نے یہ بات قبول نہ کی۔ دوسرے دن مجھے بھیجا کہ تاجر سے کہنا کہ کنیز کی انتہائی قیمت کیا ہے۔ وہ جو قیمت بتائے خرید لینا۔ میں تاجر کے پاس گیا۔ اس نے کہا میں اتنی اور اتنی رقم سے کم نہ کروں گا۔ میں نے کہا جو کچھ تم نے کہا ہے میں اتنی ہی رقم پر خریدتا ہوں۔ تاجر نے کہا میں بیچتا ہوں لیکن یہ بتاؤ کہ کل جو شخص تمہارے ساتھ تھا وہ کون ہے؟ میں نے کہا کہ بنی ہاشم سے ہیں۔ اس نے دریافت کیا کہ کس قبیلے سے ہیں۔ میں نے جواب دیا کہ اس سے زیادہ میں نہیں جانتا اس کے بعد تاجر نے کہا کہ یہ کنیز کون ہے اس کے بارے میں میں آپ کو بتاتا ہوں۔

میں نے اس کنیز کو بلادِ مغرب کے اطراف سے خریدا۔ اہل کتاب میں سے ایک عورت نے مجھے دیکھا اور کنیز کے بارے میں دریافت کیا۔ میں نے اس کتابیہ سے کہا کہ میں نے یہ لونڈی اپنے لیے خریدی ہے۔ عورت نے کہا کہ یہ کنیز اس قبیلے سے نہیں ہے کہ تیری ملکیت بن سکے۔ یہ دنیا والوں میں سب سے بہتر شخص کی کنیز بنے گی۔ تھوڑی مدت میں اس سے ایک فرزند پیدا ہوگا کہ شرق سے غرب تک اس کی مثل کوئی صاحب علم نہ ہوگا۔ راوی کہتا ہے کہ جب میں اسے لے آیا تو تھوڑی مدت بعد رضا رضی اللہ عنہ تولد ہوئے۔

موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا اور امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ آپ کے ہمراہ تھے۔ سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا علی تمہارا فرزند، اللہ عز و جل کے نور سے دیکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی حکمت سے بولتا ہے اور جو کچھ کرتا ہے درست ہوتا ہے خطا نہیں کرتا۔ علم سے آشنا ہے کبھی نادانی نہیں کرتا۔

بیان کرتے ہیں کہ جب مامون نے امام رضا کو اپنا ولی عہد بنایا تو جب کبھی آپ مامون سے ملاقات کرنے جاتے تو محل کے خدام اور محافظ آپ کا استقبال کرتے اور مامون کی بارگاہ پر جو پردہ لٹکا ہوا تھا اسے اٹھاتے تا کہ آپ اندر چلے جائیں۔ آخر الامر وہ بنا جو نفس و ہوا کے بندوں اور صدق و صفا کے لوگوں کے درمیان حائل ہوتی ہے پیدا ہوگئی اور وہ رضا رضی اللہ عنہ سے نفرت کرنے لگے۔ وہ ایک دوسرے سے اس امر پر متفق ہوگئے کہ ہم آئندہ مقررہ دستور کے مطابق نہ استقبال کریں گے نہ خلیفہ کی بارگاہ سے پردہ اٹھائیں گے۔

جب دوسری بار رضا رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو یہ اہل کار جو بیٹھے ہوئے تھے بے اختیار کھڑے ہوگئے۔ انہوں نے استقبال کیا اور پردہ بھی بلند کیا۔ جب آپ اندر تشریف لے گئے تو آپس میں کہنے لگے کہ یہ کیا بات تھی جو ہم نے کی۔ پھر آپس میں طے کیا کہ دوسری مرتبہ ہم یہ خدمت بجا نہیں لائیں گے۔ جب آپ دوسری بار تشریف لائے تو وہ لوگ اٹھے سلام کیا البتہ پردہ بلند کرنے میں توقف کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ہوا کو حکم دیا کہ پردہ اٹھائے۔ ہوا نے جس طرح اہل کار پردہ اٹھاتے تھے پردہ اٹھایا۔ جب آپ اندر چلے گئے تو ہوا ساکن ہوگئی۔ جب آپ نے واپسی کا ارادہ کیا تو ہوا نے آکر پہلے کی طرح پردہ اٹھایا۔ جب اہلکاروں کی جماعت نے اس کیفیت کا مشاہدہ کیا تو کہنے لگے، جسے اللہ تعالیٰ عزیز رکھتا ہو، ہم اسے ذلیل نہیں کر سکتے۔ بیت

کسے را کہ ایزد کند سر بلند
نیارد کسے سر بزیرش کمند

(جس شخص کو اللہ تعالیٰ سر بلند کرتا ہے تو کوئی اس کے سر کو کمند سے نیچے نہیں لا سکتا)

تذکرہ سیز دہم۔ حضرت امام محمد تقی رضی اللہ عنہ کے مناقب

امام محمد بن علی بن موسیٰ بن جعفر نویں امام ہیں۔ آپ کی کنیت ابو جعفر تھی۔ آپ کی کنیت اور نام امام باقر کے عین موافق ہے، رضی اللہ عنہ۔ اسی بناء پر آپ کو ابو جعفر ثانی کہتے ہیں۔ آپ کا لقب تقی اور جواد تھا۔ آپ کی والدہ ماجدہ اُمِ ولد (کنیز) تھیں اور ان کا نام خیزران تھا۔ کہا جاتا ہے کہ ریحانہ تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ ماریہ قبطی کے خاندان سے تھیں اور ان کا نام سکانہ تھا۔

آپ کی ولادت مدینہ طیبہ میں رجب کے دس دن گزرنے کے بعد بروز جمعہ سنہ ایک سو پچانوے ہجری میں ہوئی تھی اور وفات ذی الحجہ کے چھ دن گزرنے کے بعد بروز منگل سنہ دو سو دس ہجری میں[1] ہوئی اور یہ معتصم کا عہد خلافت تھا۔ کہا جاتا ہے کہ آپ کی وفات زہر خورانی سے ہوئی لیکن پہلی روایت صحیح تر ہے۔ آپ کی قبر آپ کے دادا کاظم کی قبر کے عقب میں بغداد میں ہے۔ کم سنی کے زمانے ہی سے صاحبِ علم وفضل وادب ہونے کے باعث خلیفہ مامون آپ کا گرویدہ تھا۔ اس نے اپنی دختر ام الفضل کو آپ کے نکاح میں دے کر آپ کے ہمراہ مدینے روانہ کیا۔ مامون ہر سال آپ کو ایک ہزار درم بھیجتا تھا۔

آپ سے روایت کی گئی ہے کہ آپ کے والد رضا کی وفات کے بعد جب آپ کی عمر گیارہ سال تھی آپ بغداد کی گلیوں میں لڑکوں کے ساتھ کھڑے تھے۔ جب مامون کی سواری قریب آئی تو سب لڑکے اِدھر اُدھر بھاگ گئے اور آپ کھڑے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے دلوں میں آپ کی مقبولیت کا داعیہ پیدا کر دیا تھا۔ (اس لیے) پر اعتماد رہے۔ (امیر المومنین مامون نے) دریافت کیا، صاحب زادے تم کیوں نہیں بھاگے؟ آپ نے برجستہ جواب دیا، اے امیر المومنین! راستہ اتنا تنگ نہیں ہے کہ میں ہٹ جانے سے اسے کشادہ کروں میں نے کوئی جرم بھی نہیں کیا ہے کہ آپ سے ڈر کر بھاگ جاتا تیسرے یہ کہ میں اچھی طرح سے جانتا ہوں کہ آپ بے گناہوں کو نہیں ستاتے۔ مامون کو آپ کی خوبصورتی اور خوش کلامی بہت پسند آئی۔ اس نے پوچھا کہ آپ کا کیا نام ہے۔ آپ نے کہا میرا نام محمد ہے۔ پوچھا کس کے بیٹے ہو؟ فرمایا میرے والد رضا ہیں۔ مامون شفقت سے پیش آیا۔ مامون کے پاس شکاری باز تھے۔ جب عمارت سے باہر آیا تو ایک باز کو صحرائی مرغ کے پیچھے چھوڑا۔ وہ باز نظروں سے غائب ہوگیا اس کی پوشیدگی طویل ہوگئی۔ بعدازاں وہ باز اڑتا ہوا واپس آیا۔ اس کی چونچ میں ایک مچھلی تھی آدھی کھائی ہوئی اور آدھی سلامت۔ مامون کو بے حد تعجب ہوا اور اسے اپنے ہاتھوں میں لے کر روانہ ہوا۔ جب مامون اس مقام پر آیا جہاں جواد سے (آپ سے) ملا تھا۔ آپ وہاں کھڑے تھے۔ لڑکے حسبِ سابق راستے سے ہٹ گئے اور آپ کھڑے رہے۔ جب مامون آپ کے قریب پہنچا تو کہا اے محمد۔ آپ نے فرمایا، امیر المومنین میں حاضر ہوں۔ خلیفہ نے دریافت کیا میرے ہاتھ میں کیا ہے۔ آپ نے فرمایا، بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے اسے دریا میں چھوٹی مچھلی کی صورت پیدا کیا ہے۔ بادشاہ اور خلیفہ اسے پکڑتے ہیں اور اس کی خبر ان لوگوں سے چاہتے ہیں جو اہل نبوت کا خلاصہ ہیں۔ جب مامون نے یہ بات سنی تو بے حد تعجب کیا اور بڑی دیر تک آپ کو دیکھتا رہا پھر بولا کہ فی

---

[1] مطبوعہ نسخے کے صفحہ ۳۵۶ پر یہ عبارت نقل کی گئی ہے: ''ولادتِ وی در مدینہ بود، روز جمعہ، دہ روز از رجب گزشتہ سنہ خمس وتسعین و مائۃ بود، و وفاتِ وی روز سہ شنبہ، شش روز ذی الحجہ گزشتہ بود سنہ عشر و مایتین در عہد خلافت معتصم'' اس اعتبار سے امام تقی کی عمر کل پندرہ سال ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔ نجم الحسن کراروی کی تصنیف ''چودہ ستارے'' میں امام محمد تقی کا سال ولادت ۱۹۵ھ اور وفات کا سال ۲۲۰ھ ہجری تحریر کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں ''چودہ ستارے'' کراچی سال ندارد صفحہ ۴۷۴ اور صفحہ ۴۹۴۔

الحقیقت آپ فرزندِ رضا ہیں اور وہ انعام اور وظیفہ جو وہ آپ کو دیتا تھا اسے دوگنا کر دیا۔

راویوں نے اس طرح روایت کی ہے کہ مدینے سے ام الفضل نے اپنے والد مامون کو شکایتاً تحریر کیا کہ جواد نے میرے سر پر مصیبت کھڑی کر دی ہے اور (کسی کو) بیوی بنانا چاہتے ہیں۔ مامون نے جواب میں لکھا میں نے تمہیں ان کے نکاح میں اسی لیے دیا تھا کہ تم حلال شے کو ان پر حرام کر دو؟ آئندہ ایسی باتیں ہمیں تحریر نہ کرنا۔

آپؒ نے فرمایا کہ ظلم کرنے والا اور اس کا مددگار اور اس کے ظلم پر خوش ہونے والا سب شریک ظلم ہیں۔ فرمایا کہ ظالم پر روزِ انصاف مظلوم پر روز ظلم سے زیادہ سخت ہوگا۔ آپؒ نے فرمایا، دشمنوں کا کسی کی بربادی پر خوش ہونا مصیبت بالائے مصیبت ہے۔ آپؒ نے فرمایا جو شخص (نیک) عمل کرے اور اس پر فخر کرے اس کی ادنیٰ سزا محرومی ہے۔ آپ نے فرمایا دو بیمار شخص ہیں ایک کو بخار چڑھا ہوا ہے اور دوسرا مہمل باتیں کرنے کا مریض ہے۔

تذکرہ چہاردہم۔ حضرت امام علی نقی رضی اللہ عنہ کے مناقب

علی بن محمد بن علی بن موسیٰ بن جعفرؒ[1] دسویں امام ہیں۔ آپ کی کنیت ابوالحسن تھی اور آپ کو ابوالحسن ثالث کہتے تھے۔ آپ کا لقب ہادی اور عسکری مشہور ہے۔ آپ کی والدہ ماجدہ ام ولد تھیں، ہمامہ نام تھا اور کہا جاتا ہے کہ آپ کی والدہ ام الفضل بنت مامون تھیں۔ آپ کی ولادت مدینہ طیبہ میں تیرہ رجب سنہ دوسو چودہ ہجری میں ہوئی اور وفات بمقام سُر من رای جو نواح بغداد میں ہے اواخرِ جمادی الاوّل سنہ دوسو چون ہجری میں بروز پیر ہوئی۔

آپ کی قبر اس تہ خانے میں ہے جو سُر من رای میں آپ کے پاس تھا۔ کہا جاتا ہے کہ علی کا مدفن شہر قم میں ہے صحیح نہیں ہے۔ حقیقت صرف اتنی سی ہے اور صحیح ہے کہ شہر قم میں فاطمہ بنت موسیٰ رضی اللہ عنہ کی قبر ہے۔

تحقیق الرضا علی بن موسیٰ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ بے شک جس نے لا الہ الا اللہ کہا وہ جنت میں داخل ہوگا۔

روایت کرتے ہیں کہ ایک روز آپ (امام ہادی) ایک دیہات میں جو سُر من رای کے نواح میں واقع تھا، تشریف لے گئے۔ ایک اعرابی آپ سے ملنا چاہتا تھا، لوگوں نے اسے بتایا کہ امام فلاں گاؤں میں گئے ہیں۔ وہ آپ کے عقب میں گیا اور آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اس اعرابی سے دریافت کیا کہ کس ضرورت سے آئے ہو۔ اس نے کہا میں آپ کے جد علی رضی اللہ عنہ کی دوستی سے وابستہ ہوں۔ مجھے ایک عظیم قرض ادا کرنا ہے اور میں اس کی ادائیگی سے قاصر ہوں۔ آپ کے سوا میں کسی کو نہیں جانتا جو اس قرض سے میری گردن چھڑائے۔ آپ نے بشاشت کا اظہار کیا۔ جب صبح ہوئی تو فرمایا، میں تم سے ایک بات کہتا ہوں تم اس کے خلاف عمل نہیں کرو گے۔ اس نے یہ فرمان قبول کرلیا۔ پھر اپنے دستِ

---

[1] مطبوعہ نسخے کے صفحہ ۳۵۷ پر تحریر ہے'' علی بن ابی محمد ابن علی ابی موسیٰ بن جعفرؒ'' یہ نام لطائف اشرفی میں درج کردہ تذکروں کے مطابق صحیح نہیں ہے۔ مترجم نے اردو متن میں امام علی نقی کا نام تذکروں میں دیئے گئے ناموں کے مطابق تحریر کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں تذکرہ سیزدہم ص ۳۵۶۔

مبارک سے ایک تحریر لکھ کر اسے دی کہ اسے بحفاظت اپنے پاس رکھے۔ جب میں سُرمن رای جاؤں تو تم خلیفہ کے حضور مجھ سے قرض کا مطالبہ کرنا اور اپنے دل میں کسی طرح خیال نہ لانا۔ جب لوگ حاضر ہوئے اور خلیفہ تشریف فرما ہوا تو اس نے وہ تحریر اس کے سامنے رکھی اور امام ہادی سے پیسوں کا مطالبہ کیا۔ آپ نے کچھ عذر کیے۔ یہ صورت حال جاری تھی کہ متوکّل نے تین ہزار درہم امام ہادی کو بھیجے۔ آپ نے اعرابی کو طلب کیا اور اس کی مشکل حل کر دی۔ اعرابی نے عرض کیا یا ابن رسول اللہ مجھے امید تھی، آپ نے جو عطا فرمایا اس سے قرضہ ایک تہائی رقم تھا لیکن اَللّٰہُ اَعلَمُ حَیثُ یَجعَلُ رِسَالَتَہٗ۔[1]
(ترجمہ: اللہ خوب جانتا ہے کہ کسے رسالت عطا فرمائے۔)

تذکرہ پانزدہم۔ حضرت امام حسن عسکری رضی اللہ عنہ کے مناقب

حسن بن علی بن محمد بن الرضا رضی اللہ عنہ گیارہویں امام ہیں آپ کی کنیت ابو محمد تھی اور لقب زکی، خلاصہ اور سراج تھا۔ آپ بھی اپنے والد کی طرح مشہور ہیں۔ آپ کی والدہ امّ ولد تھیں اور ان کا نام سوسن تھا، اس کے علاوہ دوسرے نام بھی روایتوں میں آئے ہیں۔ ہادی رضی اللہ عنہ نے آپ کا نام حریث رکھا تھا۔ آپ کی ولادت مدینہ طیبہ میں سنہ دو سو اکتیس ہجری اور وفات سُرمن رای میں سنہ دو سو ساٹھ ہجری میں ہوئی آپ کی قبر اپنے والد کے پہلو میں ہے۔

تذکرہ ہفتدہم[2] مناقب میں

محمد بن حسن بن علی الرضا رضی اللہ عنہ، بارہویں امام ہیں۔ آپ کی کنیت ابو القاسم تھی اور حضرات امامیہ کے نزدیک آپ کے القاب، حجت، قائم، مہدی، منتظر اور صاحب الزماں ہیں۔ امامیہ کے نزدیک آپ بارہ اماموں کے خاتم ہیں۔ بے شک یہ لوگ گمان کرتے ہیں کہ آپ سرمن رای کے غار میں داخل ہوئے۔ آپ کی والدہ آپ کی بہت دیکھ بھال کرتی تھیں اور باہر کم نکلتی تھیں۔ آپ سنہ دو سو پچاس میں اور کہا جاتا ہے کہ دو سو چھیاسٹھ میں اور یہی صحیح تر روایت ہے، پوشیدہ ہوگئے۔ اور امامیہ کے عقیدے کے مطابق ابھی تک پوشیدہ ہیں۔

آپ کی والدہ ام ولد تھیں اور ان کا نام صیقل تھا۔ سوسن، نرجس اور ان کے علاوہ بھی نام روایتوں میں آئے ہیں۔ آپ کی ولادت سرمن رای میں سنہ دو سو اٹھاون میں تئیس رمضان کو ہوئی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ سنہ دو سو پچپن ہجری میں شعبان کی پندرہویں شب میں ہوئی۔

ابو محمد زکی رضی اللہ عنہ کی پھوپھی حکیمہ نے بیان کیا ہے کہ میں ایک دن ابو محمد رضی اللہ عنہ کے پاس آئی۔ انہوں نے کہا، اے پھوپھی آج رات آپ ہمارے گھر رہیں کہ اللہ تعالیٰ ہم کو ایک فرزند عطا فرمائے گا۔ میں نے کہا کہ فرزند کہاں سے ہوگا

---

[1] پارہ ۸۔ سورہ الانعام آیت ۱۲۴

[2] مطبوعہ نسخہ ص ۵۸ ۳۔ یہ سہو کتابت ہے۔ ''تذکرہ شانزدہم'' ہونا چاہیے، نیز یہ ذیلی عنوان بھی نامکمل ہے۔

میں تو نرجس میں حمل کے آثار نہیں دیکھتی۔ فرمایا، اے پھوپھی! نرجس موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی مثل ہے۔ اس کا حمل بچے کی ولادت سے قبل ظاہر نہ ہوگا۔ رات میں وہاں رہی۔ جب آدھی رات ہوئی تو میں اٹھی اور تہجد کی نماز ادا کی۔ نرجس نے نماز ادا کی۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ فجر قریب آ گئی اور ابومحمد نے جو بات کہی تھی ابھی تک ظاہر نہیں ہوئی۔ ابومحمد نے اپنی جگہ آواز دی، اے پھوپھی! جلدی نہ کریں۔ نرجس جس مکان میں تھی میں واپس ہوئی۔ وہ مجھے راستے میں ملی۔ اس کا جسم کانپ رہا تھا۔ میں نے اسے سینے سے لگایا اور قل هو الله احد، انا انزلناه اور آیت الکرسی پڑھی اس کے پیٹ سے آواز آئی کہ انہوں نے وہی پڑھا جو میں پڑھ چکا تھا۔ اس کے بعد میں نے دیکھا کہ مکان روشن ہوگیا اور فرزند کی ولادت ہوچکی تھی اور اس نے باتیں کیں۔ ان کی اولاد سے مہدی پیدا ہوگا جیسا ذکر مہدی کے لطیفے میں بیان کیا گیا ہے۔

صحیح مذہب اہل سنت کا یہ ہے کہ امام مہدی آئندہ زمانے میں پیدا ہوں گے اور روافض جھوٹ کہتے ہیں ولعنۃ اللہ علی الکاذبین[1]

معصومین کا ذکر

حضرت قدوۃ الکبراؒ فرماتے تھے کہ بارہ اماموں کے بعد چودہ معصومین ہیں جو اِن پاک اماموں کی اولاد اور آل ہیں اور جو کم عمری میں وفات پا گئے۔

اول، محمد اکبر بن علی مرتضیٰ جو دو سال کی عمر میں وفات پا گئے۔

دوسرے عبداللہ بن امام حسین ہیں جن کی وفات دو سال کی عمر میں ہوئی۔

تیسرے قاسم بن امام حسین اُن کی وفات بھی بعمر دو سال ہوئی۔

چوتھے قاسم بن امام حسن جن کا انتقال دو سال کی عمر میں ہوا۔

---

[1] مطبوعہ نسخے میں صفحہ ۳۵۸ پر یہ عبارت ہے۔

''وصحیح مذہب اہل سنت اینست کہ امام مہدی در زمانہ آئندہ پیدا خواہند شد و روافض دروغ می گویند ولعنۃ اللہ علی الکاذبین''

مترجم کے پاس جو خطی نسخہ ہے اس میں مذکورہ عبارت کے گرد کسی بزرگ نے دائرہ کھینچا ہے اور اس کے بالمقابل حاشیے پر فارسی میں ایک نوٹ تحریر کیا ہے۔ یہ نوٹ خطِ شکست میں ہے۔ مترجم نے اسے اس طرح پڑھا ہے۔

''ایں عبارت از لفظ صحیح مذہب تا کاذبین از الحاقات جناب محمد اسحاق مولوی رامپوری مترجم است۔ دریں نسخہ مدغم (ناخوانا) وشد

(یہ عبارت لفظ صحیح مذہب سے کاذبین تک جناب محمد اسحاق مولوی رامپوری مترجم نے الحاق کی ہے۔ اس نسخے میں مدغم (ناخوانا) اور ہوگئی/ ہوگیا)

مترجم نے اربابِ تحقیق کے لیے اس صورت حال کو پیش کرنا ضروری خیال کیا ہے اس لیے ترجمے میں اس کی وضاحت کر دی ہے۔ حسب روایت ضیاء الدین احمد برنی (دہلوی) مولوی محمد اسحاق اگرچہ رامپور کے باشندے تھے لیکن دہلی میں پچاس ساٹھ سال قیام پذیر رہے۔ دہلی میں کوچہ چیلان میں ان کی رہائش تھی۔ ضیاء الدین احمد برنی فارسی پڑھنے کے لیے ۱۹۰۷ء میں ان کے شاگرد ہوئے۔ مولوی صاحب کی وفات دہلی میں ۱۹۳۰ء میں ہوئی۔ ملاحظہ فرمائیں ضیاء الدین احمد برنی کی تصنیف ''عظمتِ رفتہ'' کراچی اشاعت جدید ۲۰۰۰ء ص ۱ تا ۱۳)

پانچویں حسین بن زین العابدین ہیں۔ وہ چھ سال کے تھے کہ ان کی وفات ہوئی۔
چھٹے قاسم بن امام زین العابدین ہیں جن کی وفات بعمر چھ سال ہوئی۔
ساتویں علی بن امام محمد باقر جن کا انتقال چھ سال کی عمر میں ہوا۔
آٹھویں عبداللہ بن امام جعفر صادق جن کی وفات تین سال کی عمر میں ہوئی۔
نویں یحییٰ بن ہادی بن امام جعفر صادق جو تین سال کی عمر میں گزر گئے۔
دسویں صالح بن محمود بن موسیٰ کاظم جن کا انتقال بعمر سات سال ہوا۔
گیارہویں طیب بن امام موسیٰ کاظم جو سات سال کی عمر میں گزر گئے۔
بارہویں جعفر بن امام محمد تقی جن کی وفات چار سال کی عمر میں ہوئی۔
تیرہویں جعفر بن امام حسن عسکری جو ایک سال کی عمر میں وفات پا گئے۔
چودہویں قاسم بن امام علی ہادی جنہوں نے تین سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔
دوسری اولادوں کی تفصیل دوسرے مقام پر بیان کی جائے گی، انشاء اللہ تعالیٰ۔

صحابہ اور تابعین

سعید بن عمر بن زید بن نفیلؓ

ان دس اشخاص میں سے ہیں جن کو ان کی زندگی میں جنت کی بشارت ملی (عشرۂ مبشرہ) رسول علیہ السلام نے انہیں دخولِ جنت کی بشارت دی تھی۔ بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت حضرات صحابہؓ کے پاس آئی اور سعیدؓ کی شکایت کی کہ انہوں نے میری زمین غصب کر لی ہے اور اس پر مکان تعمیر کر رہے ہیں۔ صحابہؓ نے یہ بات سعیدؓ سے کہی۔ انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس کسی نے ناحق ایک بالشت زمین غصب کی اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی گردن میں سات زمینوں کا طوق ڈالے گا۔ اس کے بعد کہا، اے اللہ اگر سعید پر جھوٹا الزام لگایا ہے تو فیصلہ کر دے کہ وہ اندھا ہو جائے اور یہ فیصلہ جلد کر دے۔ اس عورت کو سعیدؓ کی بددعا کے بارے میں خبر کی گئی۔ وہ باہر نکلی اور سعیدؓ کے مکان کو توڑ دیا اور اس کی اینٹیں اپنے مکان میں لگا دیں۔ زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ اندھی ہوگئی۔ جب رات

کو اٹھتی تو کنیز کا ہاتھ پکڑ کر حاجت کی جگہ جاتی۔ ایک رات کنیز کا سہارا نہیں لیا تو کنویں میں گر کر مر گئی۔

عباد بن بشرؓ اور اسید بن حضیر

دونوں انصاری تھے۔ دونوں ایک اندھیری رات میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تھے۔ جب اپنے گھر روانہ ہوئے تو ان دونوں میں کسی ایک کے عصا کی نوک روشن ہوگئی۔ اس روشنی میں راستہ چلتے رہے جب ایک دوسرے سے علیحدہ ہوئے تو دونوں کے عصا سے روشنی پھوٹنے لگی۔

ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ

رسول علیہ السلام کے آخری صحابیوں میں سے تھے۔ بخشش کرنے میں بے نظیر تھے۔ (ایک مرتبہ) تمام مال فقرا پر ایثار کر دیا اور اپنے پاس تین دینار رکھے۔ ایک سائل آیا اسے ایک دینار دے دیا، دوسرا سائل آیا باقی اسے دے دیئے۔ ان کے دوست نے دردسری کی کہ یہ کیا فضول بات ہے۔ دوسرے روز دوست نے قرض لیا اور رات کے کھانے کا انتظام کیا۔ جب کھانا کھانے لگے تو بستر کو لپیٹ دیا۔ بستر سے کچھ وزن کے دینار نکلے۔ دوست نے کہا اچھا تم نے اسی امید پر دینار صرف کر دیئے تھے۔ ابوامامہ رضی اللہ عنہ خاموش رہے۔ جب دینار گنے تو تین سو دینار تھے۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے حق میں رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ خالد کفار کے لیے اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے۔ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہدِ خلافت میں انہیں حیرہ روانہ کیا تو ایک شخص جس کا نام عبدالمسیح تھا اسے حیرہ کے لوگوں نے آپ کے پاس بھیجا۔ وہ آپ کی خدمت میں بطور ہدیہ تھوڑا سا زہر لایا جس کی خاصیت یہ تھی کہ بہ یک ساعت اپنا اثر دکھاتا تھا۔ جب عبدالمسیح نے زہر کی شیشی آپ کے سامنے رکھی تو آپ نے دریافت کیا کہ یہ کیا ہے کہا زہر ہے جو ایک ساعت میں اثر دکھاتا ہے۔ آپ نے وہ زہر ہتھیلی پر رکھا اور فرمایا، **بِسْمِ اللّٰہِ وَ بِاللّٰہِ رَبِّ الْاَرْضِ والسَّمآءِ بِسْمِ اللّٰہِ الَّذِی لَا یَضُرُّ مَعَ اِسْمِہٖ شئٍ فِی الْاَرضِ وَلَا فِی السَّمآءِ وَھُوَ السَّمِیُع العَلِیم۔** (اللہ کے نام سے اور اللہ کی برکت کے سامنے جو زمینوں اور آسمانوں کا پروردگار ہے اور اس اللہ کے نام سے کہ جس کے نام کے ساتھ زمین و آسمان کی کوئی شے نقصان نہیں پہنچا سکتی) یہ کہہ کر وہ زہر پی لیا۔ کافی وقت گزر گیا آپ کو کچھ نہ ہوا۔ عبدالمسیح واپس آیا اور حیرہ والوں سے کہا کہ خالد رضی اللہ عنہ سے مصالحت کرلو۔ یہ خدائی کاروبار ہے تم ان کا مقابلہ نہ کرسکو گے۔

عبداللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سب سے بڑے صاحبزادے تھے۔ مکے میں ایمان لائے اور ابھی بالغ نہ ہوئے تھے کہ اپنے والد کے ساتھ مدینے ہجرت فرمائی۔ ان کی وفات مکّے میں ہوئی۔ ایک مرتبہ رمی کر رہے تھے کہ لوگوں نے ہجوم کیا۔ ان کی دو انگلیوں کے درمیان کوئی چیز لگی جس سے ورم ہوگیا اور گہرا زخم لگا۔ اسی تکلیف کے سبب وفات پائی۔ یہ ۷۴ ہجری کا واقعہ ہے، کہا جاتا ہے کہ ۷۳ ہجری کا واقعہ ہے، بعض ۸۴ ہجری کہتے ہیں۔ ان کے بارے میں روایت ہے کہ ایک مرتبہ آپ سفر میں تھے۔ ایک جماعت ملی، اس سے اہل سفر کا حال دریافت کیا۔ جماعت نے بتایا کہ یہاں ایک شیر ہے جس نے راستہ بند کر دیا ہے۔ آپ گھوڑے سے اترے اور شیر کی طرف چلے شیر کے کان اینٹھے اور کہا کہ مسلمانوں کا راستہ ہرگز بند نہ کرو۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ اس کے کوڑا مارا رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے، اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ آدم کی اولاد جس سے خوف کھاتی ہے وہ آدم کی اولاد پر غالب آجاتا ہے اور مسلط ہوجاتا ہے۔ اگر آدم کی اولاد سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی سے نہ ڈرے تو کوئی نہ اس پر مسلط ہوسکتا ہے نہ غالب آسکتا ہے۔ (اللہ کا ڈر سارے ڈر مٹا دیتا ہے)۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ

کبار صحابہ رضی اللہ عنہ سے ہیں۔ آپ کی ولادت شعب (وادی) میں اس زمانے میں ہوئی جس زمانے میں بنو ہاشم وہاں محصور تھے۔ یہ واقعہ ہجرت سے تین سال قبل کا ہے جب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکمت عطا فرمائے۔ جب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی تو عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ تیرہ سال کے تھے۔ آپ نے (عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے) جبریل علیہ السلام کو دو مرتبہ دیکھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے طائف میں سنہ اڑسٹھ ہجری میں وفات پائی۔ وفات کے وقت آپ کی عمر اکہتر سال تھی۔ لوگ آپ کے جنازے میں حاضر تھے کہ ایک سفید پرندہ آیا اور آپ کے کفن میں داخل ہوگیا۔ ہر چند لوگوں نے تلاش کیا لیکن کسی نے نہ پایا۔ آپ کو دفن کرتے وقت کسی پڑھنے والے نے پڑھا۔ يَآأَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً o فَادْخُلِيْ فِيْ عِبَادِيْo وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ۔[1] (اے نفس مطمئنہ لوٹ اپنے رب کی طرف اس حال میں کہ تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی، پھر میرے (خاص) بندوں میں شامل ہو اور میری جنت میں داخل ہو جا)۔

عمران حصین رضی اللہ عنہ

ان کی وفات بصرے میں سنہ ترپن میں ہوئی۔ ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

(۱) پارہ ۳۰۔ سورۃ الفجر، آیات ۲۷ تا ۳۰۔

اصحاب میں سے کوئی ایسا نہ تھا جو عمران حصین پر فوقیت رکھتا ہو۔ میرے پیٹ میں تیس سال سے درد ہوتا تھا، وہ تشریف لائے، دم کیا، درد جاتا رہا۔

سلمان بن فارس رضی اللہ عنہ

اصفہان کے باشندے تھے۔ ان کی کنیت ابوعبداللہ تھی۔ امیرالمومنین عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو مداین کا والی مقرر کیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں مداین میں انتقال فرمایا۔ بابرکت اہل علم نے کہا ہے کہ سلمان رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں سے تھے جن کی عمر طویل ہوتی ہے۔ انہوں نے عیسیٰ بن مریم کی وحی کا زمانہ پایا۔ وہ دو سو پچاس سال زندہ رہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس سے بھی زیادہ سال زندہ رہے اور بعض کتابوں سے منقول ہے کہ ان کی عمر چار سو سال تک پہنچ چکی تھی۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ پیشرو چار ہیں میں اہل عرب کا پیشرو ہوں، صہیب روم کے پیشرو ہیں، سلمان اہل ایران کے پیشرو ہیں اور بلال حبش کے پیشرو ہیں۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ خندق کے روز فرمایا، سلمان میرے اہل بیت سے ہیں۔

جب ان کی وفات کا وقت قریب پہنچا تو انہوں نے اپنی بیوی سے کہا کہ تم نے اس قدر مشک رکھا تھا اس کا کیا کیا۔ اسے پانی میں ڈال کر اچھی طرح حل کر لو پھر میرے سر کے اردگرد چھڑک دو تاکہ ایسی قوی حالت پیدا ہو جائے کہ نہ کسی انسان کو حاصل ہوئی ہو اور نہ کسی جن کو۔ بیوی نے کہا جیسا تم نے کہا تھا، میں نے اس کی تعمیل کر دی ہے۔ مکان کے اندر سے آواز آئی، اے اللہ کے دوست تم پر سلام ہو، اے رسول اللہ کے صحابی تم پر سلام ہو۔ میں گھر میں داخل ہوئی تو میں نے دیکھا کہ ان کی روح (جسم سے) جدا ہو چکی تھی اور وہ اپنے بستر پر اس طرح لیٹے ہوئے تھے گویا سو رہے تھے۔

سعید بن مسیّب رضی اللہ عنہ

سعید بن مسیّب رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک روز سلمان رضی اللہ عنہ نے مجھ سے کہا، اے بھائی ہم میں سے جو پہلے وفات پائے اسے چاہیے کہ دوسرے کو خواب میں نظر آئے۔ میں نے کہا کہ یہ کس طرح ممکن ہے کہ مردے کو یہ اختیار حاصل ہو جائے کہ وہ دوسرے کو خواب میں نظر آئے۔ سلمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا، ہاں مومن بندے کی روح کو آزادی حاصل ہوتی ہے کہ وہ زمین پر جہاں چاہے جائے اور کافر کی روح دوزخ میں قید ہوتی ہے۔ اس کے بعد جب سلمانؓ کا انتقال ہو گیا تو ایک روز میں روزانہ کے قیلولے میں سو گیا۔ سلمانؓ میرے خواب میں آئے اور السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ کہا، میں نے جواب میں وعلیکم السلام ورحمتہ اللہ کہا۔ میں نے دریافت کیا، اے ابوعبداللہ! آپ منزل پر کس طرح پہنچے؟ سلمان نے کہا

خیر وخوبی کے ساتھ پہنچ گیا۔ پھر مجھے نصیحت کی کہ توکل کو اپنی ذات پر لازم کرلو کیوں کہ توکل بہت ہی خوب شے ہے۔

طفیل بن عمر دوسی رضی اللہ عنہ

طفیل بن عمر دوسی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد میں مکے گیا۔ قبیلۂ قریش کے لوگ میرے پاس آئے اور کہا کہ اے طفیل تم ہمارے شہروں میں ایسے وقت آئے ہو کہ ہمارے درمیان محمد علیہ السلام کی دعوت ظاہر ہوئی ہے۔ ہماری قوم ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی اور معاملات درہم برہم ہوگئے۔ ان کی باتیں جادو کا اثر رکھتی ہیں حتیٰ کہ بھائی کو بھائی سے اور بیوی کو شوہر سے جدا کر دیتی ہیں۔ ایک روز عرب کے یہ فصیح ترین شاعر (طفیل دوسیؓ) کعبے میں داخل ہوئے لوگوں نے انہیں حضرت علیہ السلام سے ملنے سے روکا۔ انہوں نے کہا کہ میں ایک صاحبِ فصاحت شاعر ہوں۔ ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں ہو آتا ہوں اور دیکھتا ہوں کہ حقیقت کیا ہے۔ اگر آپ ﷺ کی باتیں معقول ہوں گی تو سنوں گا ورنہ نہیں سنوں گا۔ بہرحال ایک روز وہ ایسے وقت حاضر ہوئے کہ آپ ﷺ کا دُربار اور گوہر نثار کلام ان کے کانوں میں پہنچا جسے سن کر وہ خوشحال ہوئے۔ ان کے حق میں دعا کی۔ ان کی پیشانی سے ایسا نور ظاہر ہوا جو اہل اسلام کی نشانی ہوتی ہے۔

طفیل رضی اللہ عنہ جنگ یمامہ میں شہید ہوئے اور ان کے بیٹے عمر بن طفیل سخت زخمی ہوئے پھر صحت یاب ہوگئے بعدازاں امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں جنگ یرموک میں شہید ہوئے۔

حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ

حسان بن ثابتؓ سے متعلق روایت کرتے ہیں کہ جب قبیلہ غسان مرتد ہوکر قیصر روم سے پیوست ہوا تو وہ آلِ غسان سے علیحدہ ہوکر رسول علیہ السلام کے ہمراہ چلے گئے۔ آلِ غسان نے امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حسان رضی اللہ عنہ کے لیے ہدیہ بھیجا۔ امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ نے حسان رضی اللہ عنہ کو بلایا۔ جب حسان رضی اللہ عنہ امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ کے دولت خانے پر پہنچے تو نیاز و سلام پیش کیا اور کہا، امیر المومنین میں اس خفتہ[1] سے آپ میں اللہ تعالیٰ کی عطاؤں کی خوشبو سونگھ رہا ہوں۔ امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اے حسان قبیلہ غسان نے تمہارے لیے کوئی چیز بھیجی ہے۔ راوی کہتا ہے واللہ اعلم میں اس عجیب بات کو جو حسان رضی اللہ عنہ سے میں نے دیکھی فراموش نہیں کرسکتا کہ انہوں نے اس خفتہ کا شوق ظاہر کیا حالانکہ کہ ان کے پاس ایسی (خوشبو والی) کوئی چیز نہ تھی۔ واللہ اعلم۔

---

[1] مطبوعہ نسخے کے صفحہ ۳۶۱ پر یہ لفظ تین مقامات پر اسی طرح لکھا گیا ہے۔ پہلی مرتبہ تیسری سطر میں ''واز آل غسان خفتہ بود'' جسے مترجم نے ''واز آل غسان رفتہ بود'' قیاس کیا ہے اور اسی کے مطابق ترجمہ کیا ہے۔ دوسری بار سطر ۵ اور تیسری بار سطر ۷ میں تحریر ہوا ہے مترجم دونوں مقامات پر اس لفظ کے مفہوم تک نہیں پہنچ سکا۔ مترجم اپنی نارسائی پر معذرت خواہ ہے۔

لطیفہ ۵۴

ان بعض شعرا کا ذکر جو صوفیۂ صافیہ اور طائفہ عالیہ کے مشرب کا ذوق رکھتے تھے

حضرت قدوۃ الکبرؒ فرماتے تھے کہ شعر فی الحقیقت اپنی ذات میں مذموم نہیں ہے بلکہ اس کے اچھے یا برے ہونے کا حکم اس کے اثر کے اعتبار سے ہوگا جیسے کہ کہا گیا ہے، هو كلام فحسنة حسن و قبيحه قبيح یعنی شعر ایسا کلام ہے جس کی خوبی خوب تر اور بدی بدتر ہے۔ یہ جو حق تعالیٰ نے آیت پاک وَّمَاهُوَبِقَوْلِ شَاعِرٍ[1] (اور وہ کسی شاعر کا قول نہیں۔) میں نبی اور شاعر کی یکجائی کی نفی کی ہے تو اس کا سبب واضح ہے کہ حق تعالیٰ نے قرآن پاک کو اس امر کا مظہر ٹھہرایا کہ وہ شعر کی آلایش کی تہمت سے مبرّا ہے، اس کے علاوہ قرآنی بلاغت کے پرچم کو بَلْ هُوَ شَاعِرٌ[2] (بلکہ اسے (اپنی طرف سے) گھڑ لیا ہے (کچھ نہیں) کے الزام کی پستی سے نکال کر وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعرَ وَمَا يَنبَغِيْ لَهٗ[3] (اور ہم نے اپنے نبی کو شعر کہنا نہیں سکھایا اور نہ یہ ان (کی شان) کے لائق ہے) کے اوجِ تقدس پر لہرانا مقصود تھا، نہ یہ ثابت کرنا کہ شعر اپنی ذات کی حد تک بری چیز ہے یا شاعریت اور کلامِ منظوم کا دارد ہونا معیوب اور قابل ملامت ہے بلکہ مقصود یہ ہے کہ نظم قرآن کی تفہیم میں قاصر رہنے والے اسے سلیقۂ شعر کا محتاج خیال نہ کریں اور جھگڑالو مزاج کے لوگ، اللہ انہیں رسوا کرے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو شعرا کے زمرے میں شمار نہ کریں۔ یہ شعر اور شعرا کے مقام کی رفعت اور ان کی اثر آفرینی کی منزلت کی واضح ترین دلیل ہے۔ مرتبۂ شعر ملاحظہ کریں کہ کس طرح نبی کی بعثت سے انکار کرنے اور قرآنِ عظیم پر شاعری کی تہمت دھرنے کی تصحیح فرمائی ہے۔

بہر حال اس امر کے باوجود حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم شعرائے متقدمین کے اشعار توجہ سے سماعت فرماتے تھے چنانچہ ایک روز صحابہؓ میں سے ایک صحابی آپ ﷺ کے ساتھ سواری پر جا رہے تھے ان سے آپ ﷺ نے فرمایا، کیا تمہیں اگلے شاعروں کے شعر یاد ہیں۔ انہوں نے تقریباً ایک ہزار اشعارِ متفرقہ سنائے۔ آپ ﷺ نے تحسین فرمائی۔

---

[1] پارہ ۲۹۔ سورہ الحاقہ، آیت ۴۱

[2] پارہ ۱۷۔ سورہ الانبیاء آیت ۵

[3] پارہ ۲۳۔ سورہ یاسین آیت ۶۹

احمد خلیل [1] سے روایت ہے کہ رسول علیہ السلام کی کتابِ قصیدہ سے دو شعر منقول ہیں [2] (نقل از احمد خلیل است کہ دو بیت از قصیدۂ دفترِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم منقولست)

رضینا قسمة الجبار فینا

لنا علم وللاعداء مال

(ہمارے درمیان اللہ تعالیٰ نے جو کچھ تقسیم کیا ہے ہم اس پر راضی ہیں۔ ہمارے لیے علم ہے اور دشمنوں کے لیے مال ہے)

فان المال یفنی عنقریب

وان العلم باق لایز ال

(پس بے شک مال تھوڑی سی مدت میں فنا ہو جاتا ہے اور بے شک علم ہمیشہ باقی رہتا ہے)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے بہت سے اشعار (کتابوں میں) نقل کیے گئے ہیں، خاص طور پر حضرت علیؓ کا ایک دیوان ہے، جس کے اشعار و مقولات آفتابِ حقائق کا مطلع اور دقیق کلمات کا سرچشمہ ہیں اور جو اصحاب تحقیق و تدقیق کا دستور العمل رہے ہیں۔ علاوہ ازیں فضیلتِ شعر سے متعلق جو کچھ اولیائے کبار اور نامور اہل بلاغت سے روایت کیا گیا ہے اسے شرح و بسط سے بیان کرنا ممکن نہیں ہے۔ بیت

خاصہ کلیدے کہ درِ گنج راست

زیرِ زباں مردِ سخن سنج راست

((حقائق کے) خزانے کے دروازے کی خاص کنجی مردِ سخن سنج کے زیر زبان ہوتی ہے)

رودکی

رودکی [3] کا تعلق ماوراالنہر سے ہے۔ وہ مادر زاد نابینا تھا لیکن ایسے ذہین اور تیز فہم تھے کہ آٹھ سال کی عمر میں قرآن

---

[1] ان کا نام خلیل بن احمد بصری فراہیدی الازدی نحوی ہے۔ علم نحو کے جلیل القدر عالم اور علم عروض کے بانی تھے۔ ۱۸۰ھ میں وفات پائی۔ ''کتاب العین'' ان کی تصنیف کردہ ہے جو اب ناپید ہو چکی ہے البتہ اس کے چند اجزا جو دستیاب ہوئے شائع ہو چکے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔ ''تاریخ ادب اللغۃ العربیۃ'' حصہ دوم مصنفہ جرجی زیدان مطبوعہ دارالہلال قاہرہ ۱۹۵۸ء ص ۱۴۰ تا ۱۴۴۔

[2] خلیل بن احمد بصری نحوی کی اس روایت سے متعلق جو مطبوعہ نسخے کے صفحہ ۳۶۱ پر منقول ہے مترجم کچھ عرض کرنے سے قاصر ہے، علمائے حدیث ہی اس کے بارے میں رائے دے سکتے ہیں۔ مترجم کے علم کی حد تک ڈاکٹر خلیق احمد نظامی مرحوم نے پہلا شعر حضرت فرید الدین مسعود گنج شکر قدس سرہ، سے منسوب کیا ہے۔ ''دی لائف اینڈ ٹائمز آف شیخ فرید الدین گنج شکر'' کے مترجم محمد حفیظ اللہ نے اپنے حاشیے میں بغیر کسی حوالے کے یہ شعر حضرت علیؓ کی تخلیق بتایا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں ''احوال و آثار شیخ فرید الدین مسعود گنج شکرؒ'' لاہور ۱۹۸۳ء/ ۱۴۰۳ھ ص ۱۷۶۔

[3] رودکی تخلص اور ابوعبداللہ جعفر بن محمد نام تھا۔ ۳۰۴ھ میں وفات پائی۔ اسے فارسی شاعری کا باوا آدم خیال کیا جاتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں ''دیوانِ کامل رودسمرقندی'' مرتبہ نصرت اللہ نوح تہران چاپ اول ۱۳۶۳ش ص ۳ تا ۶۔

شریف حفظ کرلیا اور شعر کہنا شروع کر دیا تھا۔ چونکہ آواز اچھی تھی اس لیے موسیقی کے فن سے لگاؤ پیدا ہوگیا اور عود بجانا سیکھا اور اس فن میں مہارت حاصل کرلی۔ نصر بن محمد سامانی اُن کا مربی تھا۔ کہتے ہیں کہ سفر میں دو سو غلام اور چار سو بار بردار اونٹ اُن کے ہمراہ ہوتے تھے۔ اُن کے بعد کسی شاعر کو یہ طاقت وقدرت حاصل نہ ہوئی۔ اس بیان کی ذمہ داری راوی پر ہے کہ اُن کے اشعار کی سو جلدیں برآمد ہوئیں۔ شرح عین میں بیان کیا گیا ہے کہ ان کے اشعار کی تعداد پچاس ہزار تین سو ہے۔ انہوں نے شراب کی صفت میں کہا ہے۔ ابیات:

آں عقیقینِ مے کہ ہر کہ بدید
از عقیقِ گداختہ نشناخت

(جس کسی نے محبوب کے سرخ لبوں کو دیکھا وہ تمیز نہ کرسکا کہ یہ لبِ محبوب ہے یا پگھلا ہوا عقیق ہے)

ہر دو یک جوہر اندلیک بطبع
ایں بیفسرد[1] آں دگر بگداخت

(اگرچہ دونوں کا جوہر ایک ہے لیکن از روئے طبیعت ایک ٹھٹھر گیا اور دوسرا پگھل گیا)

نابسودہ دو دست رنگیں کرد
نا چشیدہ بتارک اندر تاخت

(بغیر گھسے دونوں ہاتھ رنگین کردیئے بغیر چکھے سر میں نشہ پیدا کر دیا)

لوگوں کو نصیحت کرتے ہیں۔ رباعی[2]:

زمانہ پندیِ آزادگانہ داد مرا
زمانہ چوہمی بنگری ہمہ پنداست

(زمانے نے مجھے واضح طور پر نصیحت کی کہ اگر تو زمانے کا بغور مشاہدہ کرے تو تمام تر نصیحت ہے)

زروز نیک کساں غم مخور زبدزنہار
بسا کساں کہ بروز تو آرزو منداست

(لوگوں کے اچھے دنوں پر برائی کے ساتھ رنجیدہ نہ ہو کیونکہ بہت سے لوگ شاید تیرے زوال کے آرزومند ہوں)

بعض تاریخوں میں یہ واقعہ مذکور ہوا ہے کہ نصیر ابن احمد[3] (سیر وتفریح کے لیے) بخارا سے نکل کر مروشاہجہاں میں

---

[1] مطبوعہ نسخے میں ''بیفشر د'' نقل کیا گیا ہے۔ مترجم نے دیوانِ رودکی کے مطابق ''بیفسر د'' کو درست قیاس کر کے ترجمہ کیا ہے۔
[2] یہ اشعار رباعی کے معروف وزن اور بحر میں نہیں ہیں۔
[3] غالباً سہو کتابت کے باعث ''نصیر ابنِ احمد'' نقل ہوا ہے۔ صحیح ''نصر بن احمد'' ہے جو رودکی کا ممدوح تھا۔ ملاحظہ فرمائیں، ''سیّد حسن غزنوی'' مصنفہ ڈاکٹر [غل]ام مصطفیٰ خاں صاحب کراچی ۱۹۹۸ء ص ۲۳۲۔

فروکش ہوا اور مدتوں قیام پذیر رہا۔ اس کے درباری امیروں کو بخارا کے محلوں اور باغوں کی یاد ستانے لگی انہوں نے رودکی سے بہت سی باتیں کہیں (اصرار کیا) چنانچہ رودکی نے چند ایسے اشعار نظم کیے جن میں بخارا کے شوق اور اس کی جانب رغبت کے جذبات تھے اور انہیں مناسب وقت پر عود کے ساتھ گا کر بادشاہ کو سنائے۔ رباعی [۱]:

بوئے جوئے مولیاں آید ہمی
یادِ یارِ مہرباں آید ہمی

(مجھے دریائے مولیاں کی خوشبو آرہی ہے (اسی کے ساتھ) مہربان دوست کی یاد آنے لگی ہے)

ریگ آموی و درشتی راہِ او
زیرِ پایم پرنیاں آید ہمی

(دریائے آموی کی ریت اور اس کے راستے کی سختی مجھے نرم ریشم کے کپڑے کی مانند محسوس ہو رہی ہے)

آب جیحوں از نشاطِ روئے دوست
خنگ مارا تامیاں آید ہمی

(دوست کے دیدار کی خوشی میں (کوئی پروا نہیں) کہ دریائے جیحوں کا پانی ہمارے گھوڑے کی پیٹھ تک آ گیا ہے)

اے بخارا شاد باش و دیرزی
میرزی تو شادماں آید ہمی

(اے بخارا تو خوش رہ تیری رونق دیر تک قائم رہے تیرا سردار شادمانی کے ساتھ واپس آرہا ہے)

میر ماہست و بخارا آسماں
ماہ سوئے آسماں آید ہمی

(بادشاہ چاند ہے اور بخارا آسمان ہے۔ اب یہ چاند آسمان پر رونق افروز ہو رہا ہے)

میر سروست و بخارا بوستاں
سرو سوئے بوستاں آید ہمی

---

[۱] رباعی میں چار مصرعے ہوتے ہیں یہ کئی اشعار ہیں۔ مترجم نے تمام اشعار رودکی کے مذکورہ دیوان سے نقل کیے ہیں کیونکہ لطائفِ اشرفی کے مطبوعہ نسخے میں اکثر مصرعے صحیح طور پر نقل نہیں ہوئے ہیں۔ مثال کے طور پر غزل (یا قطعہ) کا پہلا مصرع مطبوعہ نسخے میں اس طرح تحریر کیا گیا ہے:

باوجودِ مولیاں آید ہمی

جبکہ صحیح مصرع یوں ہے۔

بوئے جوئے مولیاں آید ہمی

یہ مصرع زیادہ واضح ہے۔ ملاحظہ فرمائیں دیوانِ کامل رودکی سمرقندی ص ۵۹۔

(بادشاہ سرو ہے اور بخارا بوستاں ہے۔ یہ سرو اب بوستاں کی جانب آ رہا ہے)

ان اشعار نے بادشاہ کے دل پر ایسا اثر کیا کہ اپنے خاص گھوڑے پر سوار ہوا اور بغیر کہیں رُکے بخارا پہنچ کر دم لیا۔ بعض تاریخ کی کتابوں میں اس واقعے کو سلطان سنجر اور امیر مغربی سے منسوب کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

حکیم سنائی غزنویؒ

حکیم سنائی غزنویؒ [1] کی کنیت ابوالمجد (اور نام) مجدود [2] بن آدم تھا۔ وہ شیخ علی لالا کے والد کے چچازاد بھائیوں میں سے تھے جو گروہِ صوفیہ کے شعرا سے رغبت رکھتے تھے۔ حکیم سنائی کے کلام کو تحقیق کر کے ان کی تصانیف میں شامل کیا گیا ہے۔ کتاب (مثنوی) حدیقۃ الحقیقہ، آپ کے کمالِ شاعری نیز اہل معرفت و توحید کے ذوق و وجدان پر قاطع اور واضح دلیل ہے۔ آپ خواجہ یوسف ہمدانی [3] کے مرید تھے۔ آپ کے توبہ کرنے کا سبب یہ تھا کہ ایک مرتبہ سردی کے موسم میں سلطان محمود سبکتگین نے کافروں کے ملک فتح کرنے کے لیے فوج کشی کی۔ جب وہ غزنین سے باہر نکلا تو آپ نے سلطان کی مدح میں قصیدہ کہا۔ اسے سلطان کی خدمت میں پیش کرنے کی غرض سے جا رہے تھے کہ راستے میں شراب کی بھٹی کے سامنے سے گزرے۔ دیکھا کہ ایک مجذوب انتہائی مدہوشی اور مستی کے عالم میں ہیں۔ یہ مجذوب اپنی بلانوشی کی وجہ سے مشہور تھے کیونکہ بے توقف جام پر جام چڑھانے کے عادی تھے۔ آپ نے سنا کہ ان مجذوب نے اپنے ساقی سے کہا، سلطان محمود سبکتگین کے اندھے پن کے طفیل ایک قدح بھر دے کہ میں اسے نوش کروں۔ ساقی نے کہا، (ایسی بات نہ کہو) سلطان مرد غازی اور بادشاہ اسلام ہیں۔ مجذوب نے کہا، ناپسندیدہ شخص ہے۔ جو ملک اس کے تصرف میں ہے وہاں نظم و ضبط پیدا نہیں کر سکتا۔ عدل قائم نہیں رکھ سکتا اس کے باوجود دوسرے ملک فتح کرنے کی دُھن میں ہے۔ یہ کہا اور پیالہ پی گیا۔ پھر ساقی سے دوسرا پیالہ یہ کہہ کر طلب کیا کہ اسے سنائی شاعر کے اندھے پن کے صدقے میں بھر دے۔ ساقی نے کہا، سنائی بڑے صاحب فضل اور لطیف طبع شخص ہیں۔ مجذوب نے کہا، اگر وہ لطیف طبع ہوتا تو ایسے کام میں مشغول ہوتا جو اس کے لیے مفید ہوتا۔ [4] اسی کیفیت میں چند برہنہ پائے اور کاغذ پر تحریر کیا کہ:

''اسے کوئی کام نہیں آتا اور نہیں جانتا کہ اسے کس لیے پیدا کیا گیا ہے''

سنائی نے جب یہ جملے سنے تو ان کی حالت متغیّر ہوگئی اور اُس تلچھٹ نوش کی توجہ سے اپنی غفلت کی مستی سے ہوشیار ہوگئے۔ بعدازاں طریقت کی راہ میں قدم رکھا اور سلوک میں مشغول ہوگئے۔

---

[1] حکیم سنائی غزنوی کا سالِ وفات ۵۳۵ھ ہے۔ بحوالہ ''سرچشمہ تصوف در ایران'' ص ۲۰۴۔

[2] مطبوعہ نسخے کے صفحہ ۳۶۲ پر حکیم سنائی کا نام سہوِ کتابت کے باعث مخزود بن آدم نقل کیا گیا ہے۔ صحیح نام مجدود بن آدم ہے۔ ملاحظہ ہو حوالہ محولہ بالا۔

[3] خواجہ یوسف ہمدانی کی کنیت ابویعقوب تھی۔ آپ نے ۵۰۵ھ میں وفات پائی۔ (سرچشمہ تصوف در ایران۔ ص ۲۰۴۔)

[4] اس کے بعد یہ جملہ نقل کیا گیا ہے، ''کذافی چند برہنہ یافتہ'' اس جملے کا مفہوم مترجم نہیں سمجھ سکا اس لیے لفظی ترجمہ کر دیا ہے۔

مولانا جلال الدین رومی کے ملفوظات میں مذکور ہے کہ خواجہ سنائی جن ایّام میں قریب المرگ تھے ایک روز کوئی بات زبان پر لائے۔ حاضرین اپنے کان ان کے منہ کے قریب لے گئے۔ انہوں نے یہ شعر پڑھا۔ بیت:

باز گشتم زاں کہ گفتم زاں کہ نیست
درسخن معنی و درمعنی سخن

(جو کچھ میں نے کہا اس سے لوٹ آیا کیونکہ کلام میں معنی نہیں ہیں اور معنی میں کلام نہیں ہوتا)

ایک عزیز نے جب یہ شعر سنا تو کہا کہ یہ عجیب حال ہے کہ شاعری ترک کرنے کے باوجود شاعری میں مشغول ہیں۔

آپ ہمیشہ گوشہ نشین اور سب سے الگ تھلگ رہے۔ آپ کے کلمات آپ کے اشعار سے ظاہر ہیں، بنابریں اس کی کیا ضرورت ہے کہ کوئی شخص آپ کی منقبت سے متعلق کچھ تحریر کرے۔ مثنوی:

اے کہ شنیدی صفتِ روم و چیں
خیز و بیا ملکِ سنائی بہ بیں

(اے مخاطب تو نے روم اور چین کی صفت سن لی ہے، اب اُٹھ اور سنائی (کی شاعری) کا ملک بھی آ کر دیکھ)

تاہمہ دل بینی و بے حرص و بخل
تاہمہ جاں بینی و بے کبر و کیں

(تو اسے سراسر ایسا دل دیکھے گا جس میں حرص و بخل نہیں ہے، اسے تمام تر ایسی جان محسوس کرے گا جس میں تکبّر اور عداوت نہیں ہے)

پائے نہ و چرخ بزیرِ قدم
دست نہ و ملک بزیرِ نگیں

(پاؤں نہ ہونے کے باوجود آسمان زیرِ قدم ہے۔ ہاتھ نہ ہونے کے باوجود حکم کے ماتحت ہے)

ورنہ دکانِ ملکی زیرِ دست
چوں نہ رود است فلک زیرِ زیں

(یہ اس لیے ممکن ہے کہ ملکی مقام اس کے ماتحت اور آسمان اس کی زین کے نیچے ہوتا ہے)

قطعہ:

ایں جہاں بر مثالِ مرداراست
کرگساں اندرو ہزار ہزار

(یہ جہان ناپاک لاش کی مثل ہے جس پر ہزار ہا گدھ منڈلا رہے ہیں)

ایں مرآں راہمی زند مخبت
واں مرایں راہمی زند منقار

(یہ ناپاک لاش ان کو عاجز کر دیتی ہے اور وہ اِسے چونچ مارتے رہتے ہیں)

آخر الامر بگذرند ہمہ
وز ہمہ باز ماند ایں مردار

(آخر کار سب وہاں سے چلے جاتے ہیں اور یہ ناپاک لاش سب سے پیچھے رہ جاتی ہے)

رباعی:

برسینِ سریر سرسپاہ آمد عشق
برمیمِ ملوک ہمچو ماہ آمد عشق
برکافِ کمال گُل کلاہ آمد عشق
با ایں ہمہ یک قدم زراہ آمد عشق

(جب عشق آتا ہے تو بادشاہ تختِ حکومت اور ملک ترک کر دیتے ہیں۔ عشق انسان کو اوجِ کمال پر پہنچاتا ہے یہ تمام عظمتیں اور بلندیاں عشق کی معراج نہیں ہیں بلکہ اس کی راہ میں صرف ایک قدم چلنا ہے)۔

آپ کا ایک قصیدہ ہے جس میں ایک سو اسّی سے زیادہ اشعار ہیں اور جسے "رموز الانبیا کنوز الاولیا" کہتے ہیں اس قصیدے میں آپ نے (معرفت کے) حقائق و لطائف نیز اصول و دقائق بیان کیے ہیں۔ اس کا پہلا شعر یہ ہے۔

رباعی:[1]

طلبِ عاشقانِ خوش رفتار
طرب اے مطربانِ شیریں کار

(اے شیریں کلام مطربو! خوش رفتار عاشقوں کی آرزو نشاط ہی نشاط ہے)

تاکے از خانہ ہیں دہِ صحرا
تاکے از کعبہ ہیں درِخمّار

(خبردار! گھر سے ویرانے کی دوڑ کب تک رہے گی؟ کب تک کعبے سے شراب پلانے والے کے دروازے کے چکّر

---

[1] رباعی میں چار مصرعے (دو شعر) خاص وزن اور بحر کے ہوتے ہیں۔ یہ چار شعر ہیں اور رباعی کے معروف وزن و بحر میں بھی نہیں ہیں، اس کے باوجود ان کا عنوان رباعی دیا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔

لگیں گے)۔

در جہاں شاہدے وما فارغ
در قدح جرعۂ وما ہشیار

(معشوق دنیا میں ہے اور ہم فرصت سے بیٹھے ہیں۔ ساغر میں شراب ہے اور ہم ہوشیار ہیں)

زیں سپس دستِ ماو دامنِ دوست
زیں سپس گوشِ ماو حلقۂ یار

(اس کے بعد ہمارا ہاتھ اور دوست کا دامن ہوگا پھر اس کے بعد ہم دوست کے حلقہ بگوش ہوں گے)

حدیقۃ الحقیقت کے علاوہ آپ کی تین تصانیف حدیقہ کے وزن پر ہیں اور تین دوسری مختصر مثنویاں ہیں۔ مثنوی:

اے بہ پرواز بر پریدہ بلند
خویشتن را رہا شمردہ زبند

(اے مخاطب! تم بہت اونچی اڑان اڑ رہے ہو اور اس گمان میں ہو کہ قید سے رہا ہوگئے ہو)

باز بر سوے لا یجوز یجوز
دشنہ درد ست و صور تست ہنوز

(جایز ناجایز کے فتوے صادر کرنے میں مشغول ہوگئے ہو۔ ہاتھ میں خنجر ہے اور ہیئت بھی ویسی ہی بنا رکھی ہے)

تاتو دربند حبسِ تالیفی
تختۂ نقشِ کلکِ تکلیفی

(آخر کب تک تالیفات کے قید خانے میں بند رہو گے اور کب تک حروف چمکانے والے قلم سے مشق کرتے رہو گے)

مثنوی حدیقہ کے اختتام کا سال پانچ سو پچیس ہجری ہے۔

شیخ فرید الدین عطارؒ

آپ شیخ مجد الدین بغدادی کے مرید تھے۔ آپ نے کتاب ''تذکرۃ الاولیاء'' کے دیباچے میں جو آپ سے منسوب ہے، تحریر کیا ہے کہ ایک مرتبہ میں شیخ مجد الدین بغدادی کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے دیکھا کہ وہ رو رہے تھے۔ میں نے عرض کیا خیریت تو ہے۔ فرمایا، مبارک ہیں وہ سپہ سالار جو اس امت میں پیدا ہوئے ہیں۔ رسول ﷺ نے فرمایا ہے، علماء امتّی کانبیاء بنی اسرائیل (میری امت کے عالم بنی اسرائیل کے انبیاء کی مثل ہیں) پس میں اس لیے رو رہا ہوں کہ گزشتہ کل میں نے دعا کی تھی کہ خدایا تیرا کوئی کام بے سبب نہیں ہے، مجھے بھی اُس جماعت کے افراد میں شامل فرمایا اُن لوگوں

میں داخل فرما جنہوں نے اُن بزرگوں کو دیکھا ہے، مجھ میں ان کے علاوہ کسی دوسری جماعت میں شامل کیے جانے کی طاقت نہیں ہے۔ بس میں اسی وجہ سے رورہا ہوں کہ میری دعا قبول ہوئی ہے یا نہیں۔

(یہ بھی) بیان کیا گیا ہے کہ آپ اویسی تھے اور آپ کی توبہ کا سبب یہ تھا کہ ایک روز آپ اپنی عطاری کی دکان پر لین دین میں مصروف تھے۔ اس اثنا میں ایک درویش آیا اور اس نے چند بار ''اللہ کے لیے کچھ دو بابا'' کی صدا لگائی۔ آپ نے کوئی توجہ نہ دی۔ درویش نے کہا، اے خواجہ تم جان کیسے دو گے؟ آپ نے فرمایا جیسے تم جان دو گے۔ درویش نے کہا تم میری طرح جان دے سکو گے؟ آپ نے جواب دیا ہاں تمہاری طرح۔ درویش نے اپنا لکڑی کا پیالہ سر کے نیچے رکھا اور لیٹ گیا۔ اس کی جان نکل چکی تھی۔ آپ کا حال متغیّر ہوگیا۔ دکان لٹا کر گروہِ صوفیہ میں شامل ہوگئے۔

منقول ہے کہ حضرت مولوی بڑھاپے میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے انہیں اپنی کتاب ''اسرار نامہ'' عنایت کی۔ مولانا رومی ہمیشہ اس کا مطالعہ کرتے رہتے تھے اور اس کے مطابق شعر بھی کہتے تھے۔

گرد عطاّر گشت مولانا
شربت از دست شمس نوش نمود

(مولانا جنابِ عطاّر کے گرد پھرے اور شربت شمس تبریزی کے ہاتھ سے پیا)

ایک اور مقام پر کہا ہے، بیت:

عطاّر روح بود سنائی دو چشم ما
ما ازپےِ سنائی و عطاّر آمدیم

(عطاّر ہماری روح اور سنائی دونوں آنکھ تھے، ہم سنائی اور عطاّر کے پیچھے آئے ہیں)

جس قدر توحید کے اسرار اور حقائق کی وجدانی کیفیات آپ نے اپنی مثنویوں اور غزلوں میں بیان کی ہیں اس قدر مقولات اس گروہ کے کسی بزرگ کے ہاں نہیں پائے جاتے۔

حضرت قدوۃ الکبریٰؒ فرماتے تھے کہ متقدمین کی کتابیں اور کاملین کے ملفوظات اس قدر موثر نہیں ہیں جس قدر خواجہ عطار کا کلام موثر ہے بلکہ کبھی ایسا بھی ہوا کہ فقیر کو ''منطق الطیر'' سے صوفیہ کی نسبتِ جذبہ اور کیفیتِ سلوک حاصل ہوئی اور کبھی یوں ہوا کہ اس گروہ کے مشکل الفاظ اور پیچیدہ اسرار جو کسی طرح حل نہیں ہوتے تھے تو میں نے اس کتاب سے رجوع کیا۔ کبھی کتاب ہاتھ میں لینے سے پہلے مقامات حل ہوگئے۔ کبھی مطالعے کے وقت متقدمین اور دیگر چند اصحاب کی تصانیف پڑھنے کا شوق اور میلان پیدا ہوا۔ سب سے پہلے حضرت خواجہ نظامی قدس اللہ سرہ کا خمسہ، اس کے بارے میں فرماتے تھے کہ خبردار خبردار خواجہؒ کے کلام کو افسانہ خیال نہ کریں۔ حضرت شیخ فرید عطاّر کی تصنیفات، حضرت شیخ شرف منیری کے مکتوبات، شیخ سعدی شیرازی کے کلام، عین القضاۃ ہمدانی کی تصنیفات سے متعلق بہت اچھا اعتقاد رکھتے تھے۔ شیخ اکبر اور ان

کے متبعین کی تصنیفات پڑھنے کی بہت رغبت دلاتے تھے۔ فرماتے تھے کہ شیخ اکبر کی کتابیں پڑھنے کے لیے بہت زیادہ قابلیت اور قوتِ علمی کی ضرورت ہے تاہم برحسبِ عقیدہ فائدے سے خالی نہ رہیں گے۔ حضرت شیخ حسین مغزبلخی کے رسائل کے بارے میں فرماتے تھے کہ وہ شاہ بازِ توحید ہیں اگرچہ ابتدائی حال کے حامل تھے۔

حضرت قدوۃ الکبرأ فرماتے تھے کہ حضرت مخدوم زادہ شیخ نورنور اللہ قلبہ، فرماتے تھے کہ سالک کے لیے منطق الطیر کے علاوہ کوئی دوسری کتاب نفع بخش اور سودمند نہیں ہے بشرطیکہ زبانِ مشرب رکھتا ہواور صوفیہ کے احوال اس پر نازل ہوئے ہوں۔ بیت:

توئی معنی و بیرونِ تو اسم است
توئی گنج و ہمہ عالم طلسم است

(تیری ذات حقیقت ہے اور اسم تیری ذات سے خارج ہے۔ خزانہ تو ہی ہے باقی تمام عالم طلسم ہے)

حضرت شیخ عطارؒ نے سنہ چھ سو ستائیس ہجری میں کافروں کے ہاتھ سے شہادت پائی اس وقت آپ کی عمر ایک سو چودہ سال تھی۔ آپ کا مزار نیشاپور میں ہے۔

شیخ شرف الدین مصلح بن عبداللہ سعدی شیرازیؒ

سعدی شیرازی گروہِ صوفیہ کے فاضلوں میں سے تھے۔ آپ شیخ عبداللہ خفیف[1] قدس اللہ سرہ کی درگاہ شریف کے مجاور تھے۔ دینی علوم سے کامل طور پر بہرہ مند اور آداب سے پوری طرح واقف تھے۔ بہت سفر کیے اور ملکوں کی سیاحت کی۔ کئی بار پاپیادہ حج ادا کیے۔ ہندوستان کے سفر میں سومنات کے مندر تک پہنچے اور بت کو توڑا۔

آپ نے بہت سے مشائخ کبار سے ملاقات کی۔ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ دورانِ سفر بیت المقدس پہنچے وہاں تقریباً چالیس سال تک لوگوں کو پانی پلانے کی خدمت انجام دی۔ ایک روز جبکہ اس خدمت کا ابتدائی زمانہ تھا، آپ دریائے دجلہ پر آئے۔ پیاسوں کے لیے مشک پانی سے پُر کر کے چلنے لگے۔ اچانک ایک شخص نمودار ہوا اور آپ سے پانی طلب کیا۔ آپ نے کہا کہ میاں تم دریائے دجلہ پر کھڑے ہو، خود ہی پانی پی لو۔ یہ پانی میں پیاسوں کے لیے لے جا رہا ہوں۔ اس شخص نے کہا کہ میں تو تمہارے پاس اس لیے آیا تھا کہ تمہیں وصال کا آبِ حیات پلاؤں۔ اب جبکہ تم نے قبول نہیں کیا تو میں کیا کرسکتا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ شخص نظروں سے غائب ہوگیا۔ اس کے بعد آپ جس کسی کو پانی دیتے تو یہ کہتے، اے خضر پانی پیو۔ چالیس سال یہی کہتے ہوئے گزار دیئے کہ اے خضر پانی لو پانی پیو۔ چالیس سال کے بعد وہی شخص پھر نمودار ہوا اور شیخؒ کو (روحانی) ذوق کا آبِ حیات عنایت کیا۔ بعدازاں آپ شیخ الشیوخ (شہاب الدین سہروردیؒ) کی خدمت میں پہنچے

---

[1] مطبوعہ نسخے میں عبداللہ خنیف نقل کیا گیا ہے جو صحیح نہیں ہے۔ آپ کا نام ابوعبداللہ محمد بن خفیف اسکفشار نبی شیرازی تھا۔ ۳۹۱ ہجری میں وفات پائی۔ ملاحظہ فرمائیں ''سرچشمہ تصوف درایران'' ص ۲۰۲۔

اور اُن سے استفادہ کیا۔ حجاز کے ایک سفر میں اپنے شیخ کے ہمراہ رہے۔ آپ کے جس شعر پر ندائے غیبی آتی اسے کتاب اشعار میں نقل کرتے۔ آپ نے سنہ چھ سو اکیانوے ہجری کے ماہِ شوال کے نصف آخر میں کسی جمعے کو وفات پائی۔

شیخ فخر الدین ابراہیم المعروف بہ عراقیؒ

شیخ فخر الدین عراقی کتاب ''لمعات'' کے مصنف ہیں۔ آپ کے اشعار کا دیوان مشہور ہے۔ آپ ہمدان کے نواحی علاقے میں پیدا ہوئے۔ کم عمری میں قرآن پاک حفظ کیا اور بے حد خوش الحانی سے تلاوت کرتے تھے، اسی بنا پر اہل ہمدان آپ کی خوش الحانی کے گرویدہ تھے۔ قرآن حفظ کرنے کے بعد آپ علوم کی تحصیل میں مشغول ہوگئے اور سترہ سال کی عمر میں اس علاقے کے مدارس میں مشہور ہوگئے۔

ایک مرتبہ قلندروں کی ایک جماعت ہمدان میں وارد ہوئی۔ ان میں ایک صاحب جمال لڑکا بھی شامل تھا۔ عراقی جن پر مشربِ عشق غالب تھا، اسے دیکھتے ہی سو جان سے اس کے عاشق و طالب ہوگئے۔ کچھ عرصے بعد قلندر ہندوستان کے سفر پر روانہ ہوگئے۔ آپ نے چند روز تو اپنے آپ کو سنبھالا، لیکن جب محبوب کی جدائی کا احساس حد سے بڑھ گیا تو ہندوستان روانہ ہوگئے۔ قلندر راستے ہی میں مل گئے۔ آپ نے ان ہی کے رنگ ڈھنگ اختیار کر لیے اور ان کی جماعت میں شامل ہوگئے۔ جب قلندروں کی جماعت ملتان پہنچی تو شیخ بہاؤ الدین کی خدمت میں حاضر ہوئی، پھر جب ملتان سے روانہ ہونے لگی تو آپ کے دل میں شیخؒ کی صحبت میں رہنے کی آرزو پیدا ہوئی، اُدھر شیخؒ نے بھی تصرف فرمایا۔ آپ نے شیخؒ کے قدموں میں سر رکھ دیا۔ شیخ نے آپ کو خلوت میں بٹھا دیا۔ ابھی اس چلّے کے دو ہفتے گزرے تھے کہ آپ پر وجد کی کیفیت طاری ہوگئی اور نسبتِ قوی ظاہر ہوئی۔ اسی عالمِ وجد میں یہ غزل وارد ہوئی۔ بیت:

نختیں بادہ کا ندر جام کردند
زچشم مستِ ساقی وام کردند

(پہلے پہل جب (عشق کی) شراب (دل کے) پیانے میں ڈالی تو ساقی کی چشمِ مست سے اُدھار لے کر ڈالی)

آپ یہ غزل خوش الحانی کے ساتھ بلند آواز سے پڑھتے اور روتے تھے۔ جب اہل خانقاہ نے اس طرح غزل گاتے ہوئے سنا تو ازراہِ مخالفت یہ بات شیخؒ کے سمع مبارک تک پہنچائی کہ عراقی اس سلسلے کے مشرب کے خلاف غزل پڑھتے ہیں اور نعرے لگاتے ہیں حالانکہ سہروردیوں کے مشرب میں سوائے ذکر جہری اور تلاوتِ قرآن کے دوسری باتوں کی اجازت نہیں ہے۔ شیخؒ نے فرمایا، یہ بات تمہارے لیے منع ہے لیکن عراقی کے لیے منع نہیں ہے۔ چند روز اسی طرح گزر گئے کہ ایک روز اہل خانقاہ میں سے کسی شخص کا گزر شراب خانے کے سامنے سے ہوا۔ اس نے دیکھا کہ شراب پینے والے مستی کے عالم میں یہ غزل چنگ و چغانہ کے ساتھ گا رہے ہیں۔ وہ شخص شیخؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور صورت حال سے آگاہ کیا کہ شیخ حاکم ہیں۔ شیخؒ (سجادے سے) اٹھے اور خلوت کی جگہ تشریف لائے اور فرمایا، عراقی تم کیا پڑھ رہے ہو مجھے سناؤ۔ عراقی نے

غزل پڑھنی شروع کی آخر میں یہ مقطع سنایا۔ بیت:

چو خود کر دند از خویشتن فاش
عراقی راچرا بدنام کردند

(جب اپنا راز خود ہی آشکار کر دیا تو عراقی کو کیوں بدنام کیا)

شیخ نے فرمایا، اٹھو! تمہارا کام پورا ہوگیا۔ تم مے خانے میں مناجات کرتے ہو، خلوت سے باہر نکلو۔ آپ حسب الحکم باہر آئے اور شیخ کے قدموں میں سر رکھ دیا۔ شیخؒ نے اپنے دست مبارک سے آپ کا سر خاک سے اٹھایا، خلوت منسوخ کر دی اور اپنے جسم مبارک سے خرقہ اتار کر آپ کو پہنایا۔ بعدازاں اپنی صاحب زادی کو آپ کے نکاح میں دیا جن سے ایک لڑکا پیدا ہوا۔ ان کا لقب کبیر الدین تھا۔ آپ پچیس سال شیخؒ کی خدمت میں رہے جب شیخؒ کی رحلت کا وقت قریب آیا تو انہوں نے آپ کو بلایا اور اپنا خلیفہ مقرر کیا اور رحمتِ حق کے جوار میں تشریف لے گئے۔ دوسرے لوگوں کی بہ نسبت چوں کہ شیخ کی توجہ آپ پر زیادہ تھی اس لیے اُن میں سے بعض آپ سے حسد کرنے لگے اور بادشاہِ وقت تک یہ شکایت پہنچائی کہ آپ کا زیادہ تر وقت شعر خوانی اور صاحبِ جمال نوخیز لڑکوں کی صحبت میں گزرتا ہے بنا بریں آپ حسب سابق خلافتِ شیخ کے مستحق نہیں ہیں۔ جب مولانا عراقی کو اس شکایت کی خبر ہوئی تو آپ تمام امور سے دست کش ہوگئے اور حرمین شریفین کی زیارت کے لیے چلے گئے، اللہ تعالیٰ اِن دونوں مقامات کا شرف بڑھائے۔ کعبے شریف کی زیارت کے بعد آپ روم تشریف لے گئے اور وہاں شیخ صدر الدین قونوی کی صحبت میں ان سے تربیت حاصل کی۔ یہاں ایک جماعت فصوص الحکم پڑھتی تھی، ان سے فصوص سنتے تھے۔ فصوص الحکم کے درس کے زمانے میں آپ نے اپنی کتاب ''لمعات'' تحریر کی۔ جب کتاب ختم کی تو اسے شیخ صدر الدین قونوی کے ملاحظے کے لیے پیش کی۔ شیخ صدر الدین قونوی نے کتاب پسند کی اور بے حد تحسین فرمائی۔

معین الدین [1] پروانہ آپ کے معتقدوں میں سے تھے۔ ایک روز وہ میدان کی طرف جانکلے، دیکھا کہ آپ چوگان ہاتھ میں لیے نوجوانوں کے درمیان کھڑے ہیں۔ امیر معین الدین نے عرض کیا کہ حضرت ہم کس فریق کی طرف ہوں۔ آپ نے فرمایا اس طرف اور ہاتھ سے ایک راستے کی جانب اشارہ کیا۔ امیر اسی طرف روانہ ہوگئے۔ جب امیر نے وفات پائی تو آپ روم سے مصر تشریف لے گئے۔ وہاں کے بزرگ استقبال کے لیے شہر سے باہر آئے اور آپ کو عزت کے ساتھ شہر میں لے گئے۔ سلطانِ مصر کو بھی آپ سے کلّی اعتقاد پیدا ہوگیا اور آپ کو مصر کا شیخ الشیوخ مقرر کر دیا لیکن آپ اسی طرح بے تکلف بازاروں میں پھرتے اور رقص کرتے تھے۔

---

[1] مطبوعہ نسخہ ص ۳۶۵۔ ''معین الدین برادیہ'' تحریر کیا گیا ہے۔ یہ ''معین الدین پروانہ'' ہیں، ملاحظہ فرمائیں ''تاریخ تصوف دراسلام'' مصنفہ ڈاکٹر قاسم غنی، تہران چاپ دوم ۱۳۴۰ ش، ص ۵۰۰ حاشیہ ۲۔

ایک روز آپ کفش گروں کے بازار سے گزرے، وہاں ایک کفش گر کے لڑکے پر آپ کی نظر پڑی۔ آپ اس کے شیفتہ ہوگئے۔ کفش گر کو سلام کیا اور دریافت کیا کہ یہ کس کا فرزند ہے۔ اس نے جواب دیا کہ یہ میرا بیٹا ہے۔ آپ نے اس لڑکے کے ہونٹوں کی طرف اشارہ کیا اور کہا کہ افسوس ایسے لب و دنداں گدھے کی کھال میں ملوث ہوں۔ کفش گر نے عرض کی شیخ ہم فقیر لوگ ہیں، ہمارا یہی پیشہ ہے۔ اگر دانتوں سے گدھے کی کھال نہ پکڑیں تو روٹی کہاں سے حاصل کریں گے۔ آپ نے دریافت کیا کہ یہ ہر روز کتنا کام کرتا ہے اور اسے اس کام کی کتنی اجرت ملتی ہے۔ اس نے کہا ہر روز چار درم کماتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں اس کو ہر روز آٹھ درم دوں گا، آئندہ یہ ہرگز ایسا کام نہ کرے۔ آپ ہر روز وہاں جاتے اور اپنے اصحاب کے ساتھ کفش گر کی دکان پر بیٹھتے اور سب طرف سے توجہ ہٹا کر لڑکے کو دیکھتے رہتے۔ اشعار پڑھتے اور روتے رہتے۔ دشمنوں نے یہ خبر سلطان کو پہنچائی۔ سلطان نے دریافت کیا کہ شیخ اس لڑکے کو اپنے گھر لے جاتے ہیں یا نہیں انہوں نے جواب دیا نہیں لے جاتے۔ پھر دریافت کیا کہ لڑکے کے ساتھ دکان میں خلوت کرتے ہیں یا نہیں۔ انہوں نے کہا خلوت نہیں کرتے۔ سلطان نے دوات اور قلم طلب کیے اور کاغذ پر تحریر کیا کہ شیخ فخر الدین عراقی کو روزانہ جو وظیفہ دیتے ہیں اس پر پانچ دینار کا اضافہ کیا جاتا ہے۔ دوسرے دن جب شیخ عراقی اور سلطان کی ملاقات ہوئی تو سلطان نے کہا، افسوس ہمیں یہ خبر ملی ہے کہ کفش گر کی دکان پر اس کا لڑکا آپ کے منظور نظر ہوا ہے اور آپ نے ایک حقیر رقم اس کے اخراجات کے لیے مقرر کردی ہے۔ اگر آپ پسند فرمائیں تو لڑکے کو خانقاہ بھیج دیا جائے۔ آپ نے فرمایا، ہمیں اس کا مفاد مطلوب ہے ہم کسی طرح حکم دینا پسند نہیں کرتے۔

کچھ عرصے بعد آپ مصر سے شام چلے گئے۔ سلطانِ مصر نے شام کے ملک الامرا کو لکھا کہ وہ تمام مشائخ اور علمائے کبار کے ساتھ شیخ فخر الدین عراقی کا استقبال کرے۔ ملک الامرا کا ایک فرزند صاحبِ جمال تھا جوں ہی آپ کی نظر اس پر پڑی بے اختیار اپنا سر اس کے قدموں میں رکھ دیا۔ لڑکے نے بھی اپنا سر شیخ کے قدموں میں ڈال دیا۔ ملک الامرا آپ کو لے گیا اور بیٹے کے ساتھ موافقت کی۔

دمشق والوں کے دل میں آپ کی مخالفت پیدا ہوئی لیکن وہ اس کے اظہار کی جرات نہ کر سکے۔ شیخ مستقل طور پر دمشق میں قیام پذیر ہوگئے۔ چھ ماہ بعد آپ کے فرزند کبیر الدین بھی ملتان سے آپ کے پاس آگئے اور ایک عرصہ والد کی خدمت میں بسر کیا۔ بعد ازاں شیخ بیمار ہوگئے۔ ایک روز بیٹے کو طلب کیا اور وصیت فرما کر رخصت کیا، قطعہ:[1]

در سابقہ چوں قرارِ عالم دادند
مانانکہ نہ بر مراد آدم دادند[2]

---

[1] یہ قطعہ نہیں بلکہ ہر اعتبار سے مکمل رباعی ہے۔

[2] غالباً اس مصرعے میں سہو کتابت ہے۔ مترجم نے ''مانانکہ'' کو ''مانا کہ'' قیاس کیا ہے۔

زاں قاعدۂ قرار کاں دور افتاد
نے بیش بکس وعدہ و نے کم دادند

(جب ازل میں عالم کو قائم کیا تو شاید اسے انسان کی مراد کے مطابق نہیں رکھا۔ اس قاعدۂ قرار سے جو دور جا پڑا وعدے کے مطابق نہ زیادہ ملتا ہے نہ کم)

۸ / ذی قعد سنہ چھ سو چھیاسی ہجری میں دنیا سے رحلت فرمائی۔ آپ کی قبر صالحہ دمشق میں شیخ محی الدین ابن عربی قدس سترہ، کے مرقد کے عقب میں ہے اور آپ کے فرزند کبیر الدین کی قبر آپ کے پہلو میں ہے، رحمتہ اللہ علیہ۔

امیر حسینیؒ

امیر حسینی رحمتہ اللہ علیہ کا نام حسین بن عالم ابن ابا الحسین تھا۔ آپ کا وطن کز تھا جو غور کے نواح میں واقع ہے۔ آپ علومِ ظاہری و باطنی کے عالم تھے۔ آپ کی تصنیف ''کنزالرموز'' سے خیال پیدا ہوتا ہے کہ آپ بے واسطہ شیخ بہاؤالدین زکریا کے مرید تھے۔ نیز لوگوں میں یہی مشہور ہے لیکن میں نے بعض کتابوں ایسا دیکھا ہے کہ آپ شیخ رکن الدین ابوالفتح کے مرید تھے- شیخ رکن الدین اپنے والد شیخ صدر الدین کے اور شیخ صدر الدین اپنے والد شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی کے مرید تھے۔ آپ نے بہت سی کتابیں تصنیف کی ہیں۔ ان میں سے بعض منظوم ہیں جیسے کنز الرموز اور زادالمسافرین اور بعض نثر میں لکھی ہیں جیسے نزہتہ الارواح، روح الارواح اور صراطِ المستقیم وغیرہ آپ کا ایک دیوانِ اشعار ہے جس کے اشعار بے حد لطیف ہیں اور سوالات منظوم بھی آپ کے تصنیف کردہ ہیں جن کے جواب شیخ محمود شبستری نے دیے ہیں اور جو شیخ محمود شبستری کی تصنیف ''گلشنِ راز'' کی بنیاد بنے ہیں۔

آپ کی توبہ کا سبب یہ تھا کہ ایک روز آپ شکار کھیلنے کے لیے نکلے۔ ایک ہرن سامنے آیا۔ آپ چاہتے تھے کہ اس پر تیر چھوڑیں۔ ہرن نے آپ کی جانب دیکھا اور کہا، حسینی تم مجھے تیر مار رہے ہو، خدائے تعالیٰ نے تمہیں اپنی بندگی اور معرفت کے لیے پیدا کیا ہے نہ کہ تیر مارنے کے لیے۔ ہرن یہ کہہ کر غائب ہوگیا۔ آپ کے باطن میں طلب الٰہی کی آگ بھڑک اٹھی۔ جو کچھ آپ کے پاس تھا اسے راہِ خدا میں لٹا دیا اور خود جوالقیوں کی ایک جماعت کے ساتھ ملتان آ گئے۔ شیخ رکن الدین نے اس جماعت کی ضیافت کی۔ جب رات ہوگئی تو انہوں نے حضرت رسالت پناہ ﷺ کو خواب میں دیکھا، فرما رہے ہیں کہ میرے فرزند کو اس جماعت سے نکال کر کام (سلوک) میں مشغول کرو۔ دوسرے روز شیخ رکن الدین نے جماعت سے دریافت کیا کہ تم لوگوں میں سیّد کون ہے؟ انہوں نے میر حسینی کی جانب اشارہ کیا۔ شیخ رکن الدین آپ کو ان کے درمیان سے نکال لائے اور آپ کی تربیت کی یہاں تک کہ آپ اعلیٰ مقامات تک پہنچ گئے۔ اس کے بعد آپ کو خراسان جانے کی اجازت دی۔ آپ ہرات آ گئے، وہاں کے تمام لوگ آپ کے مرید اور معتقد ہوگئے۔

حضرت قدوۃ الکبرؒا فرماتے تھے کہ ملتان کے بعض لوگوں سے سننے میں آیا کہ شیخ رکن الدین نے بھی اپنی ایک صاحب

زادی میر حسینی کے عقد میں دی تھی جیسے شیخ فخر الدین عراقی کا نکاح شیخ بہاؤ الدین کی صاحب زادی سے ہوا تھا۔ دونوں بزرگوں نے اسی شہر میں اپنی مشہور کتابیں ''لمعات'' اور ''نزہتہ الارواح'' تصنیف کیں۔ دونوں کتابیں شیخ کے ملاحظے کے لیے پیش کی گئیں، شیخ نے فرمایا، لمعات میں خاص کیفیت کارفرما ہے جبکہ نزہتہ الارواح میں نسبتِ خاص اور نسبت عام دونوں نسبتیں واقع ہیں۔ ہر شخص اپنی استعداد کے مطابق بہرہ مند ہوسکتا ہے لیکن لمعات دوسری طرح کے لمعوں (روشنی) کی حامل ہے۔ میر حسینی کی وفات ۶/شوال سنہ سات سو دس ہجری میں ہوئی، ایک دوسری روایت کے مطابق آپ کا سالِ وفات چھ سو ننانوے ہجری ہے۔ آپ کی قبر شہر ہرات میں عبداللہ بن جعفر طیارؓ کے مزار کے گنبد سے باہر ہے۔ [1]

شیخ اوحد الدین اصفہانیؒ

شیخ اوحد الدین اصفہانی سے متعلق سننے میں آیا ہے کہ آپ شیخ اوحد الدین کرمانی کے اصحاب میں تھے۔ یہ نسبت اس (صحبت) سے ہے۔ آپ کا ایک دیوانِ اشعار ہے جس میں بے حد لطیف شعر درج ہیں اس دیوان میں جو ترجیعات (نظم کی ایک قسم) ہیں وہ حقائق و معارف پر مشتمل ہیں۔ ایک مثنوی ''جامِ جم'' ہے جو شیخ سنائی کی حدیقہ کے وزن اور اسلوب میں ہے۔ اس کے اشعار بے حد لطیف ہیں۔ اس مثنوی کے چند ابیات یہ ہیں۔ مثنوی:

اوحدی شصت سال سختی دید
تا شبے روئے نیک بختی دید

(اوحدی نے ساٹھ سال سختی دیکھی تب کہیں جا کر ایک شب نیک بختی کا منہ دیکھا)

سر گفتارِ ما مجازی نیست
باز گردیدہ کیں ببازی نیست

(ہمارے کلام کا خلاصہ مجازی نہیں ہے نہ بے معنی بات اور کھیل کود ہے)

سالہا چوں فلک بسر گشتم
تا فلک وار دیدہ ور گشتم

(سالہا سال آسماں کی طرح سر کے بل پھرتا رہا ہوں تب آسمان کی مانند دیدہ ور ہوا ہوں)

برسرِ پائے چلّہ داشتہ ام
چونہ از بہر ذلّہ داشتہ ام [2]

---

[1] مطبوعہ نسخے کے صفحہ ۳۶۷ پر یہ عبارت ہے۔ ''قبر وے در مصرخ ہرات است بیرونِ گنبدِ مزار عبداللہ بن جعفر طیارؓ۔ مصرخ کے لغوی معنی فریاد رس ہیں۔ اس عبارت کا کوئی مفہوم نہیں نکلتا۔ مترجم کے قیاس میں جملہ یہ ہوگا ''قبر وے در مصرِ ہرات است'' اس قیاس کے مطابق ترجمہ کیا گیا ہے۔

[2] دوسرے مصرعے میں ابہام ہے۔

(میں نے سر کے بل چلّہ کیا ہے میں نے ذلت کے لیے ایسا نہیں کیا)

در دروں خلو تسیت با یارم
وز بروں درمیان بازارم

(باطن میں مجھے دوست کے ساتھ خلوت نصیب ہے، خارج میں میں بازار کے درمیان ہوں)

کس نہ بیند جمالِ خلوتِ من
رہ ندارد کسے بخلوتِ من

(میری خلوت کا جمال کوئی نہیں دیکھتا، میری خلوت گاہ میں کسی کا گزر نہیں ہے)

تادلِ من بدوست پیوستست
سوزہا گرد سرمن شست[1]

آپ نے حکیم سنائی کے قصیدۂ رائیہ کے جواب میں بہت اچھا قصیدہ کہا ہے۔ اس قصیدے کے اشعار کی تعداد ایک سو اسی ہوگی۔ اس کا مطلع یہ ہے، ابیات:

سرِ پیوند من ندارد یار
چوں تواں شدز بخت برخوردار

(دوست ہماری محبت سے بے تعلق ہے تو ہم کس طرح نصیب سے حصہ پاسکتے ہیں)

کارہا مایکست در ہمہ شہر
و آن یکے تن نمی دہد درکار

(سارے شہر میں ہمارا سروکار ایک ہستی سے ہے اور وہی ایک ہستی ہم سے تغافل اختیار کیے ہوئے ہے)

ہمدمے نیست باکہ گویم راز
محرمے نیست تابنالم زار

(میرا کوئی ہمدم نہیں ہے جس سے رازِ دل بیان کروں، میرا کوئی محرم نہیں ہے کب تک تنہا زارزار روتا رہوں)

آپ کی قبر تبریز کے سبزہ زار میں ہے جس پر تاریخ وفات تحریر ہے اور وہ سنہ سات سواڑتیس ہجری ہے۔

افضل الدین خاقانی

افضل الدین خاقانی اگرچہ فلکی کے شاگرد تھے (لیکن) شاعری کے میدان میں کامل شہرت حاصل کی۔ لوگوں کا خیال ہے کہ آپ کی ذات میں شعرگوئی کے اطوار سے ماورا کوئی اور طور بھی ودیعت کیا گیا تھا جس کے مقابلے میں شعر کی حیثیت

[1] دوسرا مصرع وزن سے گرگیا ہے اور مہمل بھی ہے۔ ترجمہ ممکن نہیں ہے۔

کم تر رہتی ہے، جیسا کہ خود فرماتے ہیں، بیت:

شعر چہ باشد برمن تا کہ زنم لافِ او[1]
ہست مرا فن دگر غیر فنون شعراوَ

(شعر ایسا پھل نہیں ہے جس کے لیے شیخی ماروں۔ میرا فن دوسرا ہے جو فنونِ شعر سے مختلف ہے)

آپ کا کلام اس مشاہدے پر مبنی ہے، قطعہ:

صورتِ من ہمہ او شدہ صفت من ہمہ او[2]
لاجرم کس من ومن کس نشود اندر سخنم

(میری صورت تمام تر اس کی صورت اور میری صفت تمام تر اس کی صفت ہوگئی ہے)

نزنم ہیچ درے تا کہ نگویند آں کیست
چوں بگویند مرا باید گفتن کہ منم[3]

(میں کسی ایسے دروازے پر دستک نہیں دیتا جو مجھے نہیں پہچانتے۔ جب عزت سے پیش آئیں تو کہنا چاہیے کہ میں ہوں)۔

ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں۔ قطعہ:

عشق نمی فشرد پای بر نمط کبریا[4]
بردبدست بخت ہستی مارا
ماو شمارانیفتد بیخود سراست
زانکہ نہ گنجد رو زحمت ما وشما

آپ کا بہت سا کلام اسی نوعیت کا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کو صوفیہ کے پاک مشرب سے شربِ کلّی حاصل تھا۔ آپ المستضی نور اللہ کے عہد خلافت میں تھے۔ آپ نے عربی قصیدے میں اس کا ذکر کیا ہے لیکن ایک دوسرے مقام سے معلوم ہوتا ہے کہ لوشیر کے والی، شروانشاہ اور منوچہر آپ کے ممدوح تھے۔ شروانشاہ نے جسے خاقان بھی کہتے تھے آپ کی تربیت کی تھی۔ وہ قصّہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ شروانشاہ اور فضلا کے درمیان گفتگو ہو رہی تھی۔ شروانشاہ نے کہا کہ شعرا حضرات بادشاہوں کی مصاحبت میں خوش طبع ہوجاتے ہیں اور شعر کی قابلیت پیدا کرتے ہیں اور فضلا کا معاملہ اس کے برعکس ہوتا

---

[1] پہلا مصرع بے وزن نقل کیا گیا ہے نیز دوسرے مصرعے میں مطلب خبط ہوگیا ہے۔ مترجم نے قیاسی ترجمہ کیا ہے۔
[2] پہلا مصرع وزن سے گر گیا ہے۔ [3] دوسرا مصرع بے وزن نقل کیا گیا ہے۔
[4] اس قطعے میں سوائے پہلے مصرعے کے تمام مصرعے سہوِ کتابت کے باعث بے وزن اور مہمل ہوگئے ہیں۔ اسے بے ترجمہ چھوڑ دیا ہے۔

ہے۔ آخر میں یہ بات طے ہوئی کہ ایک لڑکے کی تربیت کی جائے۔ شروانشاہ نے ایک بڑھئی کے لڑکے کو حاصل کیا اور اس کی تربیت کی جانب متوجہ ہوگیا۔ پہلے اسے تعلیم کے لیے بٹھایا جب لیاقت پیدا ہوگئی تو اس سے کہا کہ کبھی کبھی شعر بھی کہا کرو، اور اس کے معلم کو بھی ہدایت کی کہ لڑکے کو شعر کہنے کی تعلیم اور ابیات نظم کرنے کو ترغیب دیا کرو۔

(ایک روز) جب وہ لڑکا خاقان کی ملازمت سے مکتب خانے جارہا تھا تو اس نے راستے میں ایک اونٹ دیکھا جس نے روئی کے کھیت کی طرف منہ کر رکھا تھا۔ لڑکے کے دل میں آیا کہ میں یہ شعر کہوں، بیت:

اے اشترا کز گردنا دانم چہ خواہی کردنا

گردن دراز کردہ پنبہ بخواہی چردنا[1]

(اے کج گردن اونٹ میں جانتا ہوں تو کیا کرنا چاہتا ہے۔ گردن لمبی کر کے روئی چرنا چاہتا ہے)

لڑکا جب دوسرے روز خاقان کی خدمت میں آیا تو یہ شعر کاغذ پر لکھ کر لایا۔ بادشاہ نے یہ شعر پڑھا تو اسے ہنسی آ گئی۔ فرمایا ایسا نہ ہو کہ اہل فضل یہ کاغذ دیکھ لیں۔ پھر اسے اپنی خواب گاہ کی چھت کی لکڑی میں ٹھونس دیا اور لڑکے کو ہر روز (شعر کہنے کی) ترغیب دیتا رہا۔

(اس کے بعد) ایسا اتفاق ہوا کہ ارکانِ دولت نے باہمی مشورے کے بعد طے کیا کہ بادشاہ ہلاک کردیا جائے۔ تجویز یہ قرار پائی کہ جراح کو ہمت دلائی جائے اور اسے بہت سازرو مال دیا جائے کہ جب وہ تنہائی میں خط بنانے جائے تو اپنا کام پورا کردے (بادشاہ کا سرکاٹ دے)۔ جراح نے اس تجویز کو قبول کرلیا، چنانچہ فرصت کے وقت اسی خلوت خانے میں جس میں کاغذ اڑسا ہوا تھا داخل ہوا۔ جراح کو سرکاٹنا میسر نہ ہوا۔ اس نے سوچا کہ ٹھوڑی کے نیچے بال تراشتے ہوئے سرکاٹ دیا جائے۔ جب بادشاہ کا سربلند ہوا اور اس کاغذ پر نظر پڑی تو بے ساختہ پڑھا۔ مصرع:

اے اشترا کز گردنا دانم چہ خواہی کردنا

(اے کج گردن اونٹ میں جانتا ہوں کہ تو کیا کرنا چاہتا ہے)

جراح کے ہاتھ پیر کانپنے لگے اور وہ بادشاہ سے معذرت کرنے لگا اور سارا راز اگل دیا کہ بادشاہ میں بے قصور ہوں، آپ کے وزیروں نے آپ کے مارنے کی سازش کی تھی۔ بادشاہ عجیب حیرت میں مبتلا ہوا پھر جب اس سے استفسار کیا تو جراح نے تمام قضیہ بیان کردیا۔ بادشاہ نے اس شعر کو بابرکت خیال کیا کہ اس کے سبب ہماری جان بچی۔ اس نے لڑکے کو طلب کیا اور اپنے لقب خاقان کی نسبت سے اسے خاقانی کا لقب عطا کیا۔ خاقان ہی کی تربیت سے خاقانی اس مرتبے کو پہنچے کہ متقدمین فضلا کے پیشوا قرار دیے گئے۔ آپ کے والد چونکہ بڑھئی تھے اسی نسبت سے آپ نے یہ شعر تخلیق کیا۔ بیت:

---

[1] کردنا کو کردن اور چردنا کو چریدن سمجھا جائے۔

نوح نہ بس علم داشت گر پدر من بدے
قنطرہ بستے زچوب برسرِ طوفان او

(حضرتِ نوح کا علم کافی نہ تھا اگر وہ میرے باپ ہوتے تو لکڑی سے طوفان کے اوپر پل کھڑا کر دیتے)

جہاں خاقانی کی حد کمال ختم ہوتی ہے حضرت نظامی قدس سرہ، کی ابتدا ہوتی ہے۔ ایک دوسرے سے تھوڑی سی نوک جھونک بھی ہوئی تھی آپ نے حکیم سنائی کے قصیدۂ رائیہ کا جواب بھی لکھا تھا۔ اس کے اشعار کی تعداد ایک سو اسّی ہے اور اس میں تین مطلع ہیں۔ ابیات:

الصبوح الصبوح کا مدکار
النہار النہار کا مدکار

(صبحیں ہیں کہ کامیاب ہیں، دن ہیں کہ کامیاب ہیں)

کارے از روشنی چو آب خزاں
یارے از خوش دلی چو باغ بہار

(روشنی سے کام خزاں کے پانی کی مانند چمک دار ہے۔ دوست خوش دلی سے باغ بہار ہے)

خیز بے گاہ تا بوقت صبوح
می کند لعبتان زدیدہ نثار

(نیند سے بے وقت اٹھ جا کہ صبح کے وقت بت اپنا دیدار نثار کرتے ہیں)

قصیدے کے آخر میں کہتے ہیں، ابیات:

ایں قصیدہ زجمع سبعیات
ثامن است از غرایبِ اشعار

یہ قصیدہ تمام ساتوں قصائد سے بڑھ کر آٹھواں ہے جس کے اشعار عجائبات وغرائبات سے بھرپور ہیں۔

از درِ کعبہ گردر آویزند
کعبہ برمن فشاندے استار

(اگر اس قصیدے کو کعبے کے دروازے پر لٹکائیں تو کعبہ مجھ پر غلاف نثار کرے)

زد قفا سنگ راقفائے سنگ
وامر اوراليقيں کند انکار

(ہر حادثے کے پیچھے ایک حادثہ ہے جو اسے دبوچتا ہے لیکن انکار کرنے والا اپنی بات پر یقین کرتا ہے)

آپ کی وفات سنہ پانچ سو پچانوے میں ہوئی۔

حضرت نظامی گنجویؒ

آپ ظاہری اور باطنی علوم نیز رسمی اصطلاحات سے کلّی طور پر بہرہ مند تھے لیکن اپنے علوم کا اظہار نہ کرتے تھے۔ گنجہ کے ایک بزرگ نے نقل کیا ہے کہ آپ عجیب وغریب علوم مثلاً کیمیا اور سیمیا سے بھی اچھی طرح واقف تھے۔ سیمیا (طلسم سازی) کا تعلق اس عالم سے ہے جس میں ہوش و خرد معطل ہوجاتے ہیں۔ یہ علم بھی آپ سے منسوب تھا ایک بادشاہ نے آپ کو مدعو کیا کہ تشریف لائیں۔ شیخ نے اپنے قدم قناعت اور گوشہ گیری کے دامن سے کھینچ لیے تھے بادشاہ کے حکم پر کوئی توجہ نہ دی۔ بادشاہ نے کہا ٹھیک ہے اگر شیخ ہمارے ہاں نہیں آتے تو ہم ملاقات کے لیے جائیں گے۔ بادشاہ اپنے ارکان دولت اور امیروں نوابوں کے ساتھ سوار ہوا اور شیخ کے مکان کی طرف چلا۔ جب آپ کے حجرے کے نزدیک پہنچا تو دیکھا کہ سنہری سراپردہ، نقرئی شاہی خیمہ اور طرح طرح کے دوسرے خیمے کھڑے کیے گئے ہیں۔ بہت بڑا لشکر سراپردے کے گرد جمع ہے۔ بادشاہ آگے بڑھا تو سب تعظیم کے لیے آئے۔ صرف سراپردے سے اندر جانے کا راستہ خالی رکھا۔ باقی ارکان دولت باہر رہے اور اپنے آپ کو بھول گئے۔ جب بادشاہ کو اندر لے گئے تو اس نے دیکھا کہ شیخ سنہری کرسی اور جڑاؤ تخت پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ مختلف قسم کے لباس فاخرہ میں ملبوس بہت سے ہتھیار بند سپاہی آپ کے سامنے کھڑے ہیں (ان کے علاوہ) زرّیں کمربستہ اور خنجر کشیدہ سپاہی آپ کے گرد کھڑے ہیں۔ بادشاہ اس وہم میں مبتلا ہوگیا کہ کہیں یہ سپاہی مجھے قتل نہ کردیں۔ جب آپ نے دیکھا کہ بادشاہ وہم میں مبتلا ہے تو آپ نے اپنا تصرف برطرف کردیا۔ بادشاہ نے دیکھا کہ شیخ پرانی گدڑی جسم پر ڈالے ویرانے میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ آپ نے تبسم کیا اور فرمایا، دنیاوی جاہ و دولت سہل چیز ہیں اور ان پر ناز کرتے ہیں اور فخر دکھاتے ہیں۔ بادشاہ نے بہت معذرت کی۔

اس طرح کی بہت سی باتیں آپ سے متعلق نقل کی گئی ہیں۔ آپ حکیم پیشہ تھے اور علم کیمیا سے واقف تھے بلکہ سکندر نامے کے جلد ثانی میں اس کے بارے میں اشارہ بھی کیا ہے۔ آپ کی قوتِ روحانیہ اعلیٰ مرتبے کی ہے۔ کسی شخص نے آپ کے شعر میں دخل نہیں دیا۔ جس کسی نے اس بات کا تھوڑا سا بھی اظہار کیا اس کا سر تن سے جدا ہوگیا۔ آپ کا دوسرا کلام متفرقہ طور پر کتاب میں مذکور ہے۔ کوئی شخص کسی بھی نیت سے آپ کا کلام پڑھتا رہے تو اس کا مقصد برآئے گا، جیسا کہ خود فرمایا ہے، بیت:

اگر نا امیدیش گیرد بدست
بدست آورد ہر مرادے کہ ہست

(اگر ناامید شخص اس کلام کو ہاتھ میں لے (پڑھے) تو اس کی جو بھی مراد ہے پوری ہوگی) آپ کی (وفات کی) تاریخ سکندر نامے کے خاتمے میں کہی گئی ہے جو سنہ پانچ سو بیانوے ہجری ہے)

حضرت قدوۃ الکبریٰؒ فرماتے تھے کہ آپ کی مثنویاں جو "پنج گنج" کے نام سے مشہور ہیں، ان میں سے اکثر سلطان کی فرمائش پر لکھی گئی ہیں۔ آپ کا بہت سا کلام ایسا ہے، جس کی نظیر سامنے نہیں آئی۔ لوگوں نے اس کا جواب لکھنے میں بہت کچھ سر کھپایا لیکن کوئی عہدہ برآ نہ ہو سکا البتہ امیر خسروؒ نے کسی قدر کامیابی حاصل کی ہے اور بہت خوب کہا ہے یہ مقام بھی انہیں حضرت سلطان المشائخؒ کی توجہ کی برکت سے حاصل ہوا۔

شیخ کمال خجندی قدس سرہ

شیخ کمال خجندی قدس سرہ، بہت ہی بزرگ ہستی تھے۔ شعر گوئی سے اشتغال رکھتے تھے اور اشعار میں رمز و ایما کا اہتمام کرتے تھے تاکہ ظاہر باطن سے مغلوب نہ ہو جائے اور ظاہر کی رعایت عبودیت کی راہ میں مانع نہ ہو، چنانچہ فرماتے ہیں، بیت:

ایں تکلفہاے اندر شعر من
کلمنی یا حمرائے من است[1]

(میرے اشعار میں یہ تکلفات، "اے حمیرا (عائشہؓ) مجھ سے باتیں کرو" کی مثل ہیں (یعنی تسکین کے لیے ہیں)

آپ ہمیشہ ریاضات و مجاہدات میں مصروف رہے۔ حضرت خواجہ فرماتے تھے کہ آپ کچھ عرصے ساس میں مقیم رہے۔ حیوانی گوشت نہیں کھاتے تھے۔ آپ کے کمالات، اشعار اور ان کے معانی سے آشکار ہیں کسی تعریف اور توصیف کے محتاج نہیں ہیں۔ آپ کی وفات[2] آٹھ سو تین ہجری میں ہوئی۔ آپ کی قبر تبریز میں ہے اور لوحِ مزار پر یہ شعر کندہ ہے۔ بیت:

کمال از کعبہ نزدِ یار رفتی
ہزارت آفریں مردانہ رفتی

(اے کمال تو کعبے سے دوست کے ہاں گیا تجھ پر ہزار بار آفریں ہے کہ کیا مردانہ وار گیا)

---

[1] سہو کتابت کے باعث یہ مصرع وزن سے گر گیا ہے۔ صحیح کلمینی یا حمیرا ہے۔ مصرع "کلمینی یا حمیرا ے من است" ہونا چاہیے۔

[2] (مطبوعہ نسخے کے صفحہ ۳۶۹ پر یہ عبارت ہے، "وفاتِ وے در سنہ ثلاث بود" اس کا ترجمہ یہ ہوگا، "آپ کی وفات سنہ تین میں ہوئی" ظاہر ہے کہ یہ سن درست نہیں ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ نصرت المطابع دہلی نے کاتب صاحب کی کتابت کی تصحیح نہیں کرائی اسی باعث مطبوعہ نسخے میں جگہ جگہ اغلاط واقع ہوئی ہیں۔ کمال خجندی کا سالِ وفات آٹھ سو تین ہجری ہے، ملاحظہ فرمائیں ڈاکٹر قاسم غنی کی تصنیف" بحث در آثار و افکار و احوالِ حافظ" (جلد اوّل) کا مقدمہ ص لز۔ یہ تصنیف تہران سے ۱۳۶۱ ہجری میں شائع ہوئی ہے مترجم نے اس حوالے کے مطابق ترجمہ کیا ہے۔)
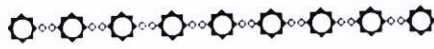
مولانا محمد شیریں المعروف بہ مغربی قدس سرہ

آپ شیخ اسماعیل سیبی کے مرید تھے جو شیخ نور الدین عبدالرحمٰن محمد اسفرائنی قدس سرہ کے اصحاب میں سے تھے۔ دریائے مغرب میں اپنی بعض سیاحتوں کے زمانے میں آپ نے شیخ محی الدین ابن عربی کے اصحاب میں سے ایک بزرگ سے خرقہ پہنا اور ان سے حقائق و دقائق کے کشف حاصل کیے۔ آپ کے کمالات آپ کی تصنیفات (سے ظاہر ہیں) جن میں دیوان مصطلح شامل ہے۔ خاص طور پر ''جامِ جہاں نما'' ایسا مجموعہ ہے جس میں کلی طور پر علمِ تصوف درج ہے۔ حق یہ ہے کہ اسے بے نظیر کہا جاسکتا ہے، کیونکہ اس گروہ میں سے کسی بزرگ نے اس نوعیت کی موجز و مختصر تصنیف جو اصول و فروع اور تصوف کی جامع ہو، تحریر نہیں کی۔ خواجہ کمال خجندی سے آپ کی ملاقات کا موجب وہی مطلع تھا جس کا ذکر لطیفۂ سابق میں ہو چکا ہے۔

ایک مرتبہ شیخ اسماعیل سیبی نے آپ کو مینار[1] دجلہ پر بٹھا دیا۔ مولانا مغربی وہاں بیٹھ گئے اور ایک غزل کہہ کر شیخ کی خدمت میں پیش کی، بیت:

تا مہر تو دیدیم وز ذرت گذشتیم[2]
از جملہ صفات از پے آں ذات گذشتیم

(جب ہم نے تیرا آفتاب دیکھا تو ذرّات سے بے تعلق ہوگئے۔ ذات کے حصول کے لیے صفات سے درگزرے یعنی کثرت چھوڑ کر طالبِ وحدت ہوگئے۔)

شیخ نے غزل پسند کی۔ آپ کی وفات سات سو نواسی ہجری میں ہوئی۔

شمس الدین محمدن الحافظ

ان کو حضرت قدوۃ الکبرا کے ساتھ مصاحبت حاصل رہی ہے۔ انہوں نے بہت بہت پسند کیا چنانچہ اس پسندیدگی سے متعلق چند مقامات پر ان کے اشعار ضبطِ تحریر میں آئے ہیں۔ فی الحقیقت وہ اویسی تھے اور مجذوب طور پر پھرتے تھے۔ ان کے مسترشد حاجی قوام نے جنہیں صدارت کی عنایت سے منصبِ وزارت حاصل ہوا تھا، ان کے اشعار جمع کیے۔ ان کا کلام اس درجے بلند معانی کا حامل ہے کہ اس گروہ میں سے کسی کو یہ خوبی حاصل نہ ہوئی حتیٰ کہ ان کے کلام کو ''لسان الغیب'' (غیب کی زبان) کہتے ہیں۔ ان کی وفات سنہ سات سو بانوے ہجری میں ہوئی اور دوسری روایت کے مطابق سات سو اٹھانوے ہجری میں ہوئی اور دوسری روایت زیادہ صحیح ہے۔

---

[1] مطبوعہ نسخے میں ''برماندنا دجلہ'' نقل کیا گیا ہے، مترجم نے اسے ''برماذنۂ دجلہ'' قیاس کرکے ترجمہ کیا ہے۔

[2] مطبوعہ نسخے کے صفحہ ۳۶۹ پر اس شعر پہلا مصرع اسی طرح نقل ہوا ہے۔ مترجم کا قیاس ہے کہ یہ مصرع اس طرح ہوگا۔

تا مہر تو دیدیم ز ذرّات گذشتیم

اسی قیاس کے مطابق ترجمہ کیا ہے۔

سلطان الشعرا امیر خسرو دہلویؒ

امیر خسروؒ متقدمین شعر گو حضرات کے پیشوا اور متاخرین کامل اہل فضل کا خلاصہ تھے۔ آپ اسرار صوفیہ کو آشکار کرنے والے بلکہ اس گروہ عالیہ کی تصانیف میں فوقیت کے حامل تھے۔ آپ کے والد ترک لاچین تھے۔ وہ تجارت کی غرض سے ہندوستان آئے اور دارالخلافت دہلی میں، اللہ تعالیٰ اسے آفتوں اور فتنوں سے محفوظ رکھے، قیام پذیر ہوگئے۔ آپ کے والد کو امیر لاچین کہتے تھے۔

جب امیر لاچین کے ہاں (یہ) فرزند پیدا ہوا تو وہ آپ کو فرزانے دیوانوں میں سے ایک بزرگ کی خدمت میں جو بہت شہرت رکھتے تھے لے گئے- اُن مجذوب نے فرمایا کہ یہ لڑکا خاقانی اور انوری سے آگے بڑھ جائے گا۔ جب آپ مکتب میں جانے کے قابل ہوگئے تو آپ کی تعلیم کا انتظام کردیا۔ آپ نے سب علوم میں مہارت پیدا کرلی اور شعر کہنے کا سلیقہ حاصل کرلیا۔ آپ جب کبھی شعر کہتے تو اسے حضرت سلطان المشائخؒ کی خدمت میں پیش کرتے۔ حضرتؒ تحسین فرماتے۔ ایک روز ارشاد ہوا کہ شعر میں حرف شیریں زبان پیدا کرے گا لیکن اگر تم صفاہانیوں کے طرز پر شعر کہو گے تو وہ کلام مقبولِ زمانہ ہوگا۔ یہ ایک اشارہ تھا کہ شعر میں عشق انگیز اور شق آمیز کیفیات بیان کی جائیں چنانچہ اس روز سے خدوخال اور زلف وگیسو میں الجھ گئے۔ ایک رسالہ شعر اور صنائع سے متعلق حضرت سلطان المشائخ کی خدمت میں پیش کیا جس میں شعر ونظم کے قاعدے اور فائدے تحریر کیے گئے تھے، اس کے بعد حضرتؒ کی منقبت میں قصیدہ کہہ کر نظر مبارک سے گزارا۔ چونکہ پسند فرمائے گئے اس لیے سچی ارادت کا باعث ہوئے۔ انہی ایام میں حضرت سلطان المشائخ کی بیعت سے مشرف ہوئے اور دوسرا قصیدہ کہہ کر خدمتِ شیخ میں پیش کیا۔ ارشاد ہوا، کیا چاہتے ہو عرض کیا کہ شیرینیٔ کلام چاہتا ہوں۔ (خادم سے) فرمایا، شکر کا طباق لاؤ۔ وہ شکر سے بھرا ہوا طباق لائے اسے آپ کے سر پر نثار کیا اور تھوڑی سی شکر کھانے کے لیے آپ کو دی۔ اس نے فوراً اپنا اثر دکھایا۔

بعض لوگوں نے کہا ہے کہ آپ نے شیخ شرف الدین قلندرؒ سے شیریں سخنی کی درخواست کی تھی۔ انہوں نے فرمایا کہ شیریں سخنی تو شیراز کا بچہ لے گیا البتہ نمک چاہیے تو وہ موجود ہے۔ آخر کار نمک کا ایک ٹکڑا اپنے منہ پر رکھ کر آپ کے منہ میں ڈال دیا۔

حضرت قدوۃ الکبراؒ فرماتے تھے کہ (میرا) احتمال یہ ہے کہ امیر خسروؒ نے ہر کان سے گوہر حاصل کیے شیرینی اور نمکینی دونوں آپ کے کلام میں ہیں جو لوگوں کی طبیعت سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ اس کے بعد آپ نے نظم ونثر میں جو کتاب ترتیب دی اسے حضرت سلطان المشائخؒ کی نظر مبارک کے شرف سے مشرف کیا۔ کبھی ایسا ہوتا کہ کتاب امیر خسروؒ کے ہاتھ ہی ہوتی اور سلطان المشائخ فاتحہ پڑھتے کبھی چند سطریں ملاحظہ فرماتے اور کسی قدر تحسین فرماتے تاکہ مغرور نہ ہوں اور اسی ایک فن

کے ہو کر نہ رہ جائیں بلکہ جو فن اس سے بڑھ کر ہے اور جس کے لیے انہیں پیدا کیا گیا ہے اسے پیش نظر رکھیں۔ چونکہ حضرت سلطان المشائخ کا آپ پر التفات اس تعلق سے تھا وہ نسبت بھی آپ کو حاصل ہوئی۔ بیت:

آناں کہ خاک رابنظر کیمیا کنند
آیا بود کہ گوشۂ چشمے بما کنند

(وہ (اللہ والے) جو ایک نظر میں خاک کو کیمیا بنا دیتے ہیں کاش کبھی اپنے گوشۂ چشم سے ہمیں بھی دیکھ لیں)

بہر حال اس کٹھن راستے میں آپ منزل تک پہنچ گئے کہ آپ صوفیہ کے کلام کے محرم اور اس گروہِ عالم کے اسرار کے سامع ہوگئے۔ اگر چہ آپ سلاطین کی ملازمت سے وابستہ رہے اور بادشاہوں (کے دربار) کی نوکری کی لیکن سلطان المشائخ کی نظر قبولیت سے بے بہرہ نہیں رہے۔ بیان کرتے ہیں کہ آپ نے دہلی کے سات بادشاہوں کی ملازمت کی لیکن آپ کی (حقیقی) تربیت غیاث الدین (کے عہد) سے ہوئی۔ باوجود اس قدر درباری مشغولیت کے آپ نے مشائخ کے معین کردہ اورادو وظائف ترک نہیں کیے۔ کبھی نماز تہجد قضا نہ ہوئی۔ تہجد کے وقت آپ کی تلاوتِ قرآن سب کے علم میں ہیں۔

ایک دن سلطان المشائخ ؒ نے دریافت فرمایا، ترک تمہاری مشغولیت کا کیا حال ہے؟ عرض کیا کہ کبھی کبھی سحر کے وقت گریہ طاری ہوجاتا ہے۔ فرمایا، الحمد للہ! اثر ظاہر ہونے لگا۔ حضرت سلطان المشائخ کی جس قدر باطنی التفات اور ظاہری الطاف امیر خسروؒ پر تھیں اس قدر عنایات دوسرے اصحاب پر نہ تھیں، جیسے کہ حضرتؒ نے اپنے ایک رقعے میں تحریر فرمایا ہے اور جس کی عبارت بعینہ یہ ہے:

''میں سب لوگوں سے تنگ آجاتا ہوں لیکن تم سے تنگ نہیں ہوتا بلکہ خود سے تنگ آجاتا ہوں اور تم سے نہیں ہوتا۔''

یہ مکتوب تمام تر خصوصیت کا مظہر ہے۔ اس سے زیادہ اور کون سا رتبہ ہوسکتا ہے۔ ایک روز شیخ نصیر الدین سے متعلق گفتگو ہو رہی تھی۔ امیر خسرو شیخ نصیر الدین کے ایلچی بنے اور شیخ سے ان کے حالات عرض کیے۔ ایک مرتبہ آپ[1] نے حضرت سلطان المشائخ سے عرض کیا کہ میرا تخلص شاہانہ قسم کا ہے، کیا ہی اچھا ہوتا کہ مجھے فقیرانہ نام و لقب عطا ہوتا۔ حضرتؒ نے اپنے (باطنی) علم سے رجوع کیا، کچھ دیر بعد سر اٹھایا اور فرمایا، کل قیامت کے روز تمہیں اولیا اور اصفیا کے زمرے میں میرے چاہے ہوئے نام محمد کاسہ لیس سے پکاریں گے۔ امیر خسروؒ خوش ہوگئے اور شکر بجالائے۔

ایک مرتبہ سلطان المشائخ خوش دلی کی کیفیت میں تھے اور تمام اصحاب اس ذوق کے نور کے پرتو میں بے خود تھے کہ

---

[1] امیر خورد کرمانی نے سیر الاولیا میں یہ واقعہ برعکس تحریر کیا ہے، یعنی ایک شب حضرت سلطان المشائخ کے دل میں غیب سے القا ہوا کہ خسرو درویشوں کا نام نہیں ہے تم خسرو کو محمد کاسہ لیس کے نام سے پکارو (فرمودند کہ امشب در سرِ دعا گو فرو خواندند کہ خسرو نامِ درویشاں نیست خسرو ابنام محمد کاسہ لیس خوانید) ملاحظہ فرمائیں سیر الاولیا (فارسی لاہور، ۱۹۷۸ء ص ۳۱۳۔ لطائف اشرفی کے مطبوعہ نسخے کے اس صفحے پر (۳/۱۷) آگے بھی عبارتیں خلط ملط ہوگئیں ہیں بہرحال مترجم نے اپنے ترجمے میں مطبوعہ نسخے کی پیروی کی ہے۔

یکا یک حضرتؒ نے اپنے دریائے بطون میں غوطہ لگایا (مراقبے میں چلے گئے) ایک گھڑی بعد مراقبے سے سر اٹھایا اور بشارت دی کہ ترک اللہ تمہیں بشارت ہو کہ اس وقت ایسے عالم کا مشاہدہ کرایا گیا کہ بیان نہیں کرسکتا۔

بصد ہزار زبان شرحِ آں یکے زہزار
چہ عالمے کہ ہمہ کائنات دروے نیست[1]

(ہزار زبانوں سے اس کے ہزارویں حصے کی شرح نہیں کی جاسکتی۔ ایسا عالم تھا کہ اس میں تمام کائنات شامل نہ تھی)

چہ حاصل[2] کہ ہمہ عزو کام دروے خوار

(وہ کچھ حاصل ہوا کہ اس کے مقابلے میں تمام عزتیں اور کامیاں ہیچ ہیں)

چہ دیدہ ایم ہمہ دیدگاں از و خیرہ
چشیدہ ایم شرابے کہ نیست دروے خمار

(ہم نے وہ کچھ دیکھا کہ جس کے دیکھنے سے آنکھیں خیرہ ہوجاتی ہیں، ایسی شراب پی ہے جس میں خمار نہیں ہے)

آخر صحبت میں مجھ سے دریافت کیا گیا کہ کیا اور کتنا اپنے ساتھ لائے ہو؟ میں نے کہا کہ حصولِ عرفان، وصولِ وجدان اور اپنے اصحاب۔ ان کلمات کا سننا تھا کہ امیر خسرو رقص کرنے لگے اور اپنا سر شیخ کے قدموں میں رکھ دیا۔

زہے خجستہ مقامے کہ گفت حضرتِ پیر
زروئے لطف و سعادت مرا بشارت داد

(کیا مبارک مقام ہے کہ حضرت شیخ نے ازراہِ لطف وسعادت مجھے بشارت دی)

اگرچہ بندہ گنہگار بود و بدکردار
ولے گزیدز لطفِ خود و سعادت داد

(اگرچہ یہ بندہ خطا کار اور بدکردار تھا لیکن اپنے لطف سے اسے قبول کیا اور سعادت بخشی)

مشہور شاعر حسن سجزیؒ

حسن سجزیؒ ہندوستان کے مشاہیر شعرا میں سے ہیں۔ آپ کو نثر ونظم میں مہارتِ تامّہ حاصل تھی اور دونوں اصناف سے بڑی کامیابی کے ساتھ عہدہ برآ ہوے، یہاں تک کہ سب لوگوں نے آپ کی تخلیقات کو پسند کیا۔ آپ نے ردیف وقوافی کو اس عمدگی سے برتا کہ اکثر شعرا ایسی ترتیب سے عاجز رہے۔ آپ شیخ نظام الدین کے اصحابِ کبار میں سے تھے اور ظاہری و معنوی اسرار کے محرم تھے۔ لطافت وظرافت میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ اگرچہ آپ کے بعض اوقات اس زمانے کے

---

[1] مترجم کا قیاس ہے کہ یہاں ''نیست'' کے بجائے ''ہست'' ہونا چاہیے۔
[2] اگر ''حاصلے'' نقل کیا جاتا تو مصرع وزن میں ہوتا دوسرا سہو یہ ہے کہ اس کا دوسرا مصرع تحریر کرنا بھول گئے ہیں۔

بادشاہوں کی خدمت اور کچھ اوقات سرداروں کی ندیمی میں بسر ہوتے تھے لیکن ریاضت اور مجاہدے میں بھی مشغول رہتے تھے، چنانچہ شیخ نے اکثر اوقات آپ کے بارے میں فرمایا کہ ہمارے حسن نے بادشاہوں کی مصاحبت اور ریاضت کے حق کو خوب خوب انجام دیا ہے۔ ہر چند کہ آپ بادشاہوں کے مصاحب تھے اور بادشاہوں کے مصاحِب شعرا شراب اور مطرب کے رسیا ہوتے ہیں لیکن آپ اِن عیوب سے بالکل مبّرا تھے۔

خواجہ حسنؒ سے منقول ہے کہ امیر خسروؒ شاہِ وقت کی ملازمت میں ملتان گئے، وہاں سے انہیں حضرت شیخ سعدیؒ کو بلانے کے لیے شیراز بھیجا۔ چونکہ اُن کے بعض اشعار شیراز پہنچ چکے تھے، ان اشعار کی مثل پڑھا۔ بیت:

سیہ بادام را ہرگز میفگن در نظر بازی
نگہدارش کہ وقتِ مرگ برتابو تم اندازی

(اے محبوب! اپنی سیاہ آنکھوں کو نظر بازی میں ضائع نہ کر۔ ان کی حفاظت کر کیوں کہ موت کے وقت تجھے انہیں میرے تابوت پر ڈالنا ہے)

ان کے دیگر اشعار بھی شیراز پہنچے، ایک روایت ہے کہ امیر خسروؒ نے بھیجے کہ سعدی وہاں تھے لیکن تاریخ سے ان باتوں کی تحقیق نہیں ہوتی۔ شاید اس لیے ان کے اشعار نہیں پہنچے کہ یہ امیر خسرو کے بچپن کا زمانہ تھا۔

بیان کرتے ہیں کہ خواجہ حسن (بیماری کی وجہ سے) مضطرب تھے، جان لبوں پر تھی اور ہوش رخصت ہو چکے تھے۔ اہل فضل کی ایک جماعت مثل خواجہ خسرو اور خواجہ منصور آپ کی عیادت کے لیے آئی۔ آپ سے پوچھا کہ آپ پہچانتے ہیں کہ ہم کون ہیں۔ آپ نے آنکھ کھولی اور کہا میں ان کے کلام کا غلام ہوں۔ تمام اہل فضل نے یہ جواب پسند کیا کہ ایسے وقت میں بھی ظرافت سے باز نہ رہے۔ اس بیماری سے حق تعالیٰ نے آپ کو شفا بخشی۔

منقول ہے کہ بادشاہوں کی مجلس میں دونوں بزرگوں کے درمیان قدرے نوک جھونک ہوئی تھی، اس سبب سے ان کے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے ملال پیدا ہو جاتا تھا۔ آخر امیر سیّد مبارک [۱] جو حضرت سلطان المشائخ کے ملفوظات کے جامع ہیں بیچ میں پڑے اور خواجہ حسن کے فرزند کو حضرت امیر خسروؒ کے مکان پر لے گئے اور ان کی صاحبزادی سے عقد کر دیا۔ جب یہ خبر حضرت سلطان المشائخؒ کے سمع مبارک تک پہنچی تو بے حد پسند فرمایا، اسی طرح تمام اصحاب کے لیے یہ خبر باعث مسرت و فرحت ہوئی۔ شادی کے آخر میں حضرت خواجہ حسنؒ بادشاہ کی خدمت میں گئے اور امرِ مذکورہ ظاہر کیا تو

---

[۱] یہ اطلاع درست نہیں ہے۔ ''سیر الاولیافی محبت الحق جل وعلیٰ'' کے مصنف سید نور الدین مبارکؒ کے بیٹے سیّد محمد بن مبارک المدعو بہ امیر خورد کرمانی م ۷۷۰ھ ہیں۔ یہ ملفوظات کی کتاب نہیں بلکہ مختصر طور پر مشائخ چشت کا تذکرہ اور مکمل طور پر حضرت سلطان المشائخ شیخ نظام الدین محبوبِ الٰہی قدس سرہ کی سوانح حیات ہے۔ دہلی کے ایک مطبع کے مالک چرنجی لال نے اسے پہلی مرتبہ ۱۳۰۲ھ میں شائع کیا جو چرنجی لال ایڈیشن کہلاتا ہے۔ یہی ایڈیشن ۱۹۷۸ء میں مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان نے اسلام آباد سے شائع کیا۔

بادشاہ خود آیا اور دلہن کے جہیز کا سامان فراہم کیا۔ اس طرح جو تھوڑا سا تفرقہ تھا اس نکاح کے سبب ختم ہوگیا اور جمعیت خاطر حاصل ہوئی۔

اس کے بعد ملفوظ فوائد الفواد جس کی آپ ابتدا کر چکے تھے اس کی تکمیل کی طرف متوجہ ہوئے، اور دن رات اس کے لکھنے میں مصروف رہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ جس زمانے میں کہ آپ نے اس کا مسودہ ترتیب دیا اور صاف کیا کسی دوسرے کام کی طرف متوجہ نہ ہوئے۔ حق یہ ہے کہ وہ ملفوظ حقائق اسرار کا جامع اور انوار الٰہی کے دقائق پر حاوی ہے۔ جب ملک میں اس کے نسخے منتشر ہوئے تو درویشوں کے لیے معانی کے حصول اور معرفت الٰہی کے وصول کا موجب بنے۔ اس کے بعد دوسرے ملکوں میں اکابر کے ملفوظات تحریر کرنے کی روایت قائم ہوئی، جیسے کہ خواجہ بہاؤ الدین نقش بند کے مقالات کو اسی اسلوب پر ایک شخص نے جمع کیا ہے۔

اس فقیر کو تصوف کی کتابوں میں سے جو ہندوستان میں تصنیف ہوئیں دو کتابیں ولایت (ہندوستان سے باہر ممالک) میں ملیں، ایک فوائد الفواد اور دوسری مکتوبات حضرت شیخ شرف الدین، ان سے میں نے بہت استفادہ کیا فرزند دریتیم [1] نے فقیر کے مکتوبات اس اسلوب پر جمع کیے ہیں۔

[1] حضرت دریتیم کے حالات کے لیے ملاحظہ فرمائیں لطائف اشرفی ترجمہ جلد اوّل کراچی ۱۹۹۹ء ص ۴۷۔

لطیفہ ۵۵

چند کرامات کا بیان جو حضرت قدوۃ الکبراؒ سے بعض لوگوں کی نسبت ظاہر ہوئیں

وہ روشن اور واضح کرامات، جو حضرت قدوۃ الکبراؒ سے صادر ہوئی ہیں وہ اس قدر زیادہ ہیں کہ ان کو سمیٹنا اور بیان کرنا، خامۂ دوزبان کے بس کی بات نہیں ہے۔ رباعی: [۱]

انفاس زا کیاتِ تو آں حدندیدہ اند
کزخامہ شرحِ او بدہد طبع پختہ را
درہاے بحررا کہ تو اند شمار کرد
از جوہری باسخن آر اے سختہ را

(آپ کے پاک انفاس اس قدر محدود نہیں ہیں کہ پختہ طبیعت لوگوں کے لیے قلم ان کی تشریح کردے (یہ ایک سمندر ہے) سمندر کے موتیوں کو کون شمار کرسکتا ہے سوائے اس جوہری کے جو سخن آرا اور سخن سنج ہو۔)

تاہم ادائے شکر اور برکت کے خیال سے بعض واقعات جو مناسبِ حال ہیں، ان کا ذکر حضرت قدوۃ الکبراؒ کی کرامات کے ضمن میں کیا جاتا ہے۔

پہلی کرامت قصبہ چانڈی پور بڈہر میں شیخ زاہد کی ولایت کا سلب ہونا

ایک مرتبہ حضرتؒ قصبہ چانڈی پور بڈہر میں جمعے کی نماز ادا کرنے تشریف لے گئے اس قصبے میں شیخ زاہد جو زاہدانہ

---

[۱] یہ رباعی نہیں، قطعہ ہے۔ دوسرے یہ کہ سہو کتابت کے باعث دوسرا اور چوتھا مصرع وزن سے گرگیا ہے۔ مطبوعہ نسخے میں یہ اشعار اس طرح نقل کیے گئے ہیں، ص ۳۷۲۔

انفاس زاکیات تو آں حد ندیدہ اند
کزخامہ شرح اور بدہد طبع پختہ
درہاے بحرا کہ تو اندشار کرد
از جوہری باسخن آرای سختہ

دوسرے اور چوتھے مصرعے میں غالباً پختہ اور سختہ کے بعد ''را'' تحریر نہیں کیا گیا۔ مترجم نے اس قیاسی تصحیح کے مطابق قطعہ تحریر کرکے ترجمہ کیا ہے۔

خوبیوں اور عابدانہ وصفوں سے آراستہ و پیراستہ تھے رہتے تھے۔ ان کے بارے میں یہ بات مشہور تھی کہ وہ کسی کسی رات اپنے حجرے سے غائب ہوجاتے ہیں۔ جب اچھی طرح تفتیش کی گئی تو پتہ چلا کہ شیخ قصبے کے ساتھ بہنے والے دریائے سر پر مصلی بچھا کر نماز ادا کرتے ہیں، اس بناء پر اس علاقے کے بعض لوگ ان کے معتقد ہیں۔ ایک دن حضرتِ ایشاںؒ شیخ زاہد سے ملاقات کے لیے تشریف لے گئے۔ جب حضرت قدوۃ الکبراؒ نے شیخ کو دریائے سر میں نماز ادا کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا، آپ پر رحمت ہو کہ اللہ کے راستے میں عرفان اور آراستگی حاصل کی اور جیسا کہ بزرگوں کی شفقت و رحمت کا طریقہ ہے، دستِ مبارک شیخ زاہد کی پیٹھ پر رکھا۔ شیخ نے بھی چوں کہ بڑے بزرگوں میں سے تھے، اپنا ہاتھ اہل عالم کے پشت پناہ پر رکھا۔ قطعہ

پناہ و پشت جہانی ترا سزد کہ اگر
فرازِ پشتِ جہاں دستِ رحمت اندازی
چہ حد پشت دوتائی کہ دربرابر تو
کند خیالِ سر افرازی و طنّازی[1]

(آپ پناہِ عالم ہیں، آپ کو یہ بات سجتی ہے کہ اپنا دستِ رحمت پشتِ عالم پر رکھیں۔ آپ کے مقابلے میں اس کبڑے کی کیا حیثیت ہے جو اپنے دل میں سرافرازی کا خیال لائے اور ناز کرے)

اس امرِ صریح کے باعث حضرت ایشاں میں تغیر پیدا ہوا اور فرمایا، حیرت ہے کہ ہندوستان کے لوگ اس قدر گستاخ ہیں کہ تھوڑی سی یافت پر ایسے ہوجاتے ہیں کہ گم نامی کے دائرے میں چلے جاتے ہیں۔[2] تھوڑی ہی مدت میں وہ زاہد غائب ہوگئے۔ لوگوں کو پتہ تک نہ چلا کہ کیا ہوا اور کہاں گئے یہاں تک کہ کسی کو ان کی قبر کا بھی علم نہیں۔ آپ کی زبانِ مبارک سے نکلا تھا کہ تمہاری قبر پر گدھے چریں گے، (چنانچہ) سننے میں یہی آیا ہے کہ اکثر گدھے اور گائیں جو غائب ہوجاتے ہیں وہ شیخ زاہد کی قبر پر مل جاتے ہیں۔ آپ کی زبانِ مبارک سے یہ بھی نکلا تھا کہ یہ قصبہ کبھی آباد ہوگا کبھی اجڑے گا چنانچہ تفتیش پر قصبے مذکور کا یہی حال معلوم ہوا۔

دوسری کرامت- نظام آباد کے قریب گاؤں میں مسلمانوں کی دولت ہنود کو بخشنا

نظام آباد کے قریب ایک گاؤں ہے جس میں ہندو اور مسلمان دونوں فرقے کے لوگ رہتے ہیں۔ اتفاق سے اصحاب کا وہاں گزر ہوا۔ چونکہ اسلامی نسبت درمیان تھی اس لیے آپ نے مسلمانوں کی مسجد میں قیام کیا۔ یہ گاؤں بہت چھوٹا تھا اور

---

[1] یہ مصرع وزن سے گر گیا ہے۔

[2] مطبوعہ نسخہ ص ۳۷۳۔ ''عجب مردم ہند گستاخند و باندک مایہ زبان مزاح دست بجاے رسانید کہ پاے بدامن گم نامی خواہد کشید'' یہ عبارت واضح نہیں ہے۔ مترجم نے اپنی سمجھ کے مطابق ترجمہ کیا ہے ممکن ہے درست نہ ہو۔)

اس میں بازار بھی نہ تھا۔ (ادھر) مسلمانوں نے بے ہمتی اختیار کی (چنانچہ تمام) شہ باز رات کو اسی طرح بھوکے رہے۔ جب دن نکلا تو دوسرے فرقے کے کافروں میں سے جو سنیاسی لوگ تھے ایک شخص کو معلوم ہوا کہ رات کو درویش فاقے سے رہے۔ وہ سنیاسی قدوۃ الکبراؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بہت ہی عاجزی اور انکسار کا اظہار کیا اور عرض کیا کہ اگر درویش تھوڑی دیر درگاہ میں قیام کریں تو ہم تھوڑا بہت کھانے کا انتظار کرتے ہیں۔ چونکہ بہت ہی زیادہ خواہش کا اظہار کیا تھا اس لیے قبول فرمالیا۔ وہ لوگ چلے گئے اور صرف ایک گائے جس کے ساتھ کوئی شے نہ تھی لے کر آئے اور نذر کی۔ اصحاب نے اسے ذبح کیا اور بڑی کوششوں سے دو تین من آٹا فراہم کیا۔ کھانا پکانے کی ضروریات پوری کیں اور باورچی کے حوالے کر دیں۔ باورچی نے کھانا تیار کیا۔ حضرتؒ نے وہ کھانا مقررہ دستور کے مطابق اصحاب میں تقسیم کر دیا۔ جس کے نصیب میں جتنا کھانا تھا اسے مل گیا۔ کھانا کھانے کے بعد وہ ہندو حاضرِ خدمت ہوا اور جوتیاں اتارنے کی جگہ بیٹھ گیا۔ حضرتؒ نے فرمایا، ہم نے اس فرقے کی دولت تمہیں عطا کی۔ تمہارے سات بیٹے پیدا ہوں گے۔ پھر آپ نے اسے توجہ دی چند متبرک انفاس کی بدولت شانِ ظہور سے پیوست ہوگیا۔ اس گاؤں کے مسلمان متفرق ہو کر بکھر گئے۔

تیسری کرامت۔ شیخ نصیر الدین کے تغافل کے سبب جون پور کے قریب موضع سرس کا جلنا

ایک مرتبہ حضرت ایشاںؒ کا گزر جون پور سے، اللہ اس کی آبادی کو محفوظ رکھے، موضع سرس میں ہوا۔ اس موضع میں شیخ نصیر الدین سرسی رہتے تھے۔ صاحبِ کمالات و مقامات تھے۔ موضع کے لوگ شیخ کی نسبت اچھا عقیدہ رکھتے تھے۔ جب حضرت ایشاںؒ تشریف لائے تو شیخ کو خانقاہ سے باہر آنے میں تھوڑی سی چوک ہوگئی جو حضرتؒ کے لیے باعث ملال ہوئی۔ آپ نے فرمایا کہ اس گاؤں میں ایسے شیخ رہتے ہیں، حیرت ہے کہ گاؤں میں آگ نہیں لگتی۔ جس مکان میں آپ نے یہ بات فرمائی تھی آپ اس مکان اور گاؤں سے باہر نکل آئے۔ آپ کا وہاں سے نکلنا تھا کہ گاؤں کے مکانات میں آگ لگ گئی۔ تمام گاؤں جل گیا۔ شیخ حضرت قدوۃ الکبراؒ کے عقب میں دوڑے۔ تقریباً ایک کوس کا فاصلہ طے کیا اور حضرتؒ کو بہت عاجزی کر کے واپس لے گئے۔ گاؤں سے باہر دو تین مکان جو جلنے سے بچ گئے تھے وہاں لے گئے اور ٹھہرایا۔ پھر شیخ نصیر الدین کھانا پکانے کا سامان فراہم کرنے میں لگ گئے۔ تھوڑا بہت سامان جو مل سکا فراہم کیا اور کھانا تیار کیا۔ جب حضرتؒ نے تناول فرمایا تو آپ کی پیشانی مبارک سے آثارِ وفا نمایاں ہوئے اس وقت شیخ نے آپ سے (اپنی غفلت کی) معذرت کی۔ فرمایا کہ یہ امر اتفاقاً واقع ہوا۔ اب تم یہاں قیام نہ کرو بلکہ گاؤں کے پہلو میں ایک جگہ دکھائی کہ یہاں قیام کریں۔

چوتھی کرامت۔ دریائے ٹونس کے کنارے قصبے کا ویران ہونا

ان ہی میں ایک واقعہ یہ ہے کہ دریائے ٹونس کے کنارے ایک چھوٹا سا قصبہ تھا جو بہت خوب آباد تھا۔ کہہ سکتے ہیں کہ اپنی عمارتوں اور رونق کے سبب بے مثل تھا۔ اتفاق سے حضرت ایشاںؒ کا گزر وہاں ہوا۔ آپ نے بازار میں نزول فرمایا۔

اصحاب گوشے اور اطراف میں قضائے حاجت کے لیے چلے گئے۔ وہاں آپ کے کسی مرید کی علاقے کے مقدم سے تکرار ہوگئی اور جھگڑا یہاں تک بڑھا کہ ان کے منہ سے خون نکل آیا۔ جب آپ کی نظر مبارک اس خون پر پڑی تو آپ نے وجہ دریافت کی۔ آپ کی خدمت میں بیانِ واقعی عرض کر دیا گیا۔ آپ نے فرمایا، سبحان اللہ! جس مقام پر فقیر کے منہ سے خون نکلا ہو، حیرت ہے کہ وہ آباد رہے۔ تھوڑی دیر بعد ہی جو فرمایا تھا ظہور میں آ گیا۔

پانچویں کرامت - بمقام کالپی

جس زمانے میں حضرت قدوۃ الکبریٰؒ دکھن کے سفر پر تھے تو کالپی میں قیام کیا۔ یہ جگہ آپ کے اصحاب کو پسند آئی۔ انہوں نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ اگر کچھ عرصہ یہاں قیام فرمائیں تو دل کی آسودگی اور جسمانی توانائی کا سبب ہوگا۔ آپ چند روز کالپی میں بسر فرمایئے۔ (یہاں) آپ کے منتخب اور مقرب اصحاب میں سے ایک صاحب کے دماغ میں رعونت پیدا ہوگئی اور اُن سے ایک فعل ایسا سرزد ہوا جو طریقت کی تباہی کا موجب ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا، مقام حیرت ہے کہ اس علاقے کی آب و ہوا اس طرح کی ہو کہ ایسا مخلص مرید ایسے مذموم فعل میں ملوث ہوجائے جو باعث تباہی ہو۔ اس کے بعد چند مبارک کلمات فرمائے کہ یہ ایسا علاقہ ہے کہ جو شخص بادشاہ کی طرف سے یہاں سردار مقرر کیا جائے گا وہ بادشاہ سے سرکشی کرے گا۔

چھٹی کرامت - صوبہ گجرات کے قصبے دمرق میں حضرت قدوۃ الکبریٰؒ کے غضب کے باعث آگ لگنا

اسی سفرِ دکھن کے دوران آپ نے صوبہ گجرات کے قصبے دمرق میں نزول فرمایا۔ یہ مقام رہنے کے لائق اور دلکش تھا، چنانچہ چند روز یہاں مقیم رہے۔ قصبے کے کسی شخص نے حضرت قدوۃ الکبریٰؒ کے بارے میں نامناسب بات کہی۔ جب یہ بات آپ کے سمع مبارک میں آئی تو فرمایا، حیرت ہے جس جگہ اس قسم کے لوگ رہتے ہوں وہاں ہر ماہ آگ نہ لگے۔ آپ یہ کلمات فرما ہی رہے تھے کہ آگ بھڑک اٹھی اور سارے قصبے کو جلا ڈالا۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے وہاں ہر ماہ آگ لگ جاتی تھی۔ جب وہاں کے لوگوں نے یہ آفت دیکھی تو لکڑی اور پتھر سے اپنے مکان تعمیر کیے۔ قطعہ:

نہ آتش اینست کزوے خام پختہ است
کہ آتش در زبان پاک باشد

(آگ وہ نہیں ہے جس سے خام چیزیں پک جاتی ہیں، آگ وہ ہے جو پاک زبان میں ہوتی ہے)

کہ ایں آتش خس و خاشاک سوزد
وزاں آتش ہمہ افلاک سوزد

(یہ آگ خس و خاشاک کو جلاتی ہے لیکن اس آگ سے تمام افلاک جل جاتے ہیں)

ساتویں کرامت- آپ کا قصبہ کو بدکلی میں پہنچنا اور آپ کے حکم سے دریا کا اپنی طغیانی سے باز رہنا

اسی سفر میں آپ نے قصبہ کو بدکلی میں قیام فرمایا۔ وہاں ہر سال ایسا سیلاب آتا تھا کہ لوگوں کی فصلیں تباہ و برباد ہو جاتی تھیں اتفاق سے اس سال (دریا کی) طغیانی زیادہ ہوئی۔ گاؤں کے مسلمانوں کی ایک جماعت آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ (سیلاب کی وجہ سے) لوگوں کا بے حد نقصان ہو جاتا ہے۔ فرمایا کہ کتنی زمین پر فصلیں ہوں گی۔ عرض کیا کہ ہزار جریب یا زیادہ پر فصلیں ہوں گی۔ آپ نے کاغذ کا ٹکڑا طلب فرمایا اور لکھا:

''اے دریا تجھے اللہ کے بندے اشرف سمنانی کی طرف سے معلوم ہو کہ اگر تیرا سیلاب حق تعالیٰ کے حکم سے ہے تو تجھے چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم نے جو حد مقرر فرما دی ہے تو اس سے تجاوز نہ کرے۔''

خادم آپ کا حکم نامہ لایا اور دریا میں ڈال دیا اور اس کی حد مقرر کر دی، چنانچہ دریا اللہ کے حکم سے تجاوز کردہ مقام سے واپس ہوا اور مقررہ حد و مقام سے پھر آگے نہ بڑھا۔ رباعی:[1]

زہے دریاے در معرفت حق
کہ او را بحر لا ساحل بگویند
ایماے گر کند بر بحرو دریا
رود دریا بجاے خود کہ پویند

(معرفتِ حق میں بہنے والا دریا کیا خوب ہے کہ اسے بحر بے کنار کہتے ہیں)
(اگر وہ دریا اور سمندر کو اشارہ کرے تو دریا اپنی روانی کی جگہ چلا جائے گا)

آٹھویں کرامت۔[2] پیر بیگ کے لشکر میں گھاس کاٹنے کو کعبے میں پہنچانا اور عرفہ سے آواز آنا

برد بیگ کا لشکر اپنے مالک کی کسی مہم پر گیا ہوا تھا، جب برد بیگ کی نسبت اطلاع دی تو قبول فرمایا۔ بصد آرزو مالک کی مہم سرانجام دی اور وہ مکان پر واپس آیا۔ ایک بوڑھے شخص نے جس نے گھاس کاٹنے میں زندگی بسر کی تھی، آرزو کی کہ آج عرفے کا دن ہے۔ حاجی صاحبان اپنے کعبہ مقصود تک پہنچ رہے ہوں گے۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ میں بھی اس دولت سے سرفراز ہوتا۔ یہ آرزو جب آپ کے سمع مبارک تک پہنچی تو فرمایا کہ تم کعبے پہنچ جاؤ گے۔ عرض کیا۔

زہے دولت اگر باشد نصیبے

(اگر نصیب ہو جائے تو کیا ہی خوب دولت ہے)

---

[1] یہ رباعی نہیں قطعہ ہے۔ علاوہ ازیں پہلے اور تیسرا مصرع وزن میں بحر میں نہیں ہے۔ مترجم نے لفظی ترجمہ کیا ہے (مطبوعہ نسخہ ص ۳۷۴)۔
[2] حاشیے کی سرخی میں ''پیر بیگ'' نقل کیا گیا ہے اور متن میں کہیں ''برد بیگ'' اور کہیں ''برد بیگ'' تحریر ہے۔ مترجم نے حاشیے کی سرخی میں پیر بیگ اور متن میں برد بیگ تحریر کیا ہے۔

فرمایا، ادھر آؤ، بوڑھا آگے بڑھا۔ آپ نے اپنے دست مبارک سے اشارہ کیا کہ جاؤ۔ بس یہ فرمانا تھا کہ اس بوڑھے نے اپنے آپ کو کعبے شریف میں پایا۔ مناسک ادا کیے اور تین دن وہاں رہا، پھر اس کے دل میں خیال آیا کہ اب کون مجھے وطن پہنچائے گا۔ اس خیال کے آتے ہی اس نے حضرت ایشاں کو کھڑا ہوا دیکھا۔ اس نے قدم بوسی کی آپ نے فرمایا جاؤ۔ سر اٹھایا تو اس نے خود کو اپنے گھر میں پایا۔ سبحان اللہ کیا تصرف ہے؟ فی الحقیقت قطعہ: [۱]

زہے روئے کہ ہمچو صبح دم یافت
اگر حکمے کندچوں صبح دم یافت
بسرعت تیز روچوں صبح دم یافت
کہ از مشرب بدم در صبح دم یافت

(کیا خوب چہرہ ہے جو صبح کے وقت کی مانند ہے۔ اگر حکم کرے تو صبح کے وقت کی مانند پائے۔ سرعت میں تیز رو مانندِ صبح دم پایا کہ مشرب سے دم کے ساتھ صبح دم پایا)

نویں کرامت- احمد آباد میں پتھر کی تصویر میں جان ڈالنا اور گل خنی کے حوالے کرنا

حضرت قدوۃ الکبرأ نے احمد آباد میں نزول فرمایا۔ آپ کے اصحاب تفریح کرنے کے لیے ایک طرف چلے گئے۔ ایک باغ میں ان کا گزر ہوا جو شہر کے حسینوں سے معمور تھا۔ اس مجمع میں ایک فقیر بھی تھا جو نگار خانۂ چین کی تصویر کے مانند حسین و جمیل تھا۔ باوجود اس حقیقت کے کہ خود صاحب حسن و جمال تھا، مجمعے میں موجود حسینوں کے خرمن حسن سے خوشہ چینی کر رہا تھا۔ سب نے کہا کہ وہ حسن میں بے مثال ہے ایک شخص نے کہا کہ بہار خانۂ چین میں ایک تصویر پتھر سے تراشی گئی ہے کہ کوئی تصویر اس تصویر سے فی الحقیقت کوئی نسبت نہیں رکھتی۔ مولانا گل خنی جو اس جماعت میں شامل تھے فی الفور اٹھے اور بت خانے کی جانب چلے۔ جب وہاں پہنچے تو ایک بت ان کی نظر میں کھپ گیا اور وہ ہزار جان سے اس کے گرویدہ ہوگئے۔ ہر چند لوگوں نے انہیں سمجھایا بجھایا لیکن ان کی گرویدگی زیادہ ہی ہوتی گئی۔ مصرع:

کہ عشق آتش است اے پسر پندباد

(اے بیٹے عشق ایسی آگ ہے جو نصیحت سے زیادہ بھڑکتی ہے۔)

ایک عرصہ اسی حال میں گزر گیا۔ حضرت قدوۃ الکبرأ نے اسے طلب فرمایا۔ لوگوں نے ان کی کیفیت بیان کی۔ فرمایا ہم خود جائیں گے اور دیکھیں گے کہ کس حال میں ہیں۔ جب تشریف لائے تو بہت سے لوگ اور اعزا ساتھ تھے۔ آپ کی نظر مبارک جب ان پر پڑی تو ایسے حال میں پایا کہ اللہ تعالیٰ کسی بندے کی ایسی حالت نہ کرے۔ ان کا حال دیکھ کر آپ پر

[۱] اس قطعے کے اشعار مترجم کی فہم میں نہیں آئے۔ مصرعوں کے لفظوں سے جو مطلب نکلتا ہے اسے ترجمے کے متن میں تحریر کردیا گیا ہے۔ واللہ اعلم، اصل متن میں یہ قطعہ ص ۳۷۴ کی آخر سطر اور ص ۳۷۵ کی پہلی سطر میں ملاحظہ فرمائیں۔

رقّت طاری ہوگئی، فرمایا کیا ہی اچھا ہوتا کہ اس پتھر کی تصویر کو جو ہر روحانیت حاصل ہوتا۔ بس آپ کا یہ فرمانا تھا کہ اس بت میں جان آ گئی۔ مجمعے میں ایک شور برپا ہوگیا کہ سبحان اللہ کیا عیسیٰ علیہ السلام کا زندہ کرنا بلکہ اس سے بھی بہتر، قطعہ:

مسیح دم کہ برآمد بسیرگاہ جہاں
بدید صورت رنگیں کہ جاں بنود دراں
دمید روح بہ دم در دراں تنِ سنگیں
شدہ بصورت روحانیاں و گشت رواں

(جب وہ عیسیٰ نفس سیرگاہ جہاں میں آیا تو ایک بے جان رنگین تصویر دیکھی۔ اس کے دم سے اس پتھر کے جسم میں روح دوڑنے لگی۔ وہ جان داروں کی مانند ہوگئی اور چلنے لگی)

دسویں کرامت- امیر خسرو کے بیٹے کو جو کند ذہن تھا، آنِ واحد میں بے مثل شاعر بنا دینا

حضرت خواجہ امیر خسروؒ، قابل و فاضل شعرائے کاملین و متقدمین کا خلاصہ تھے۔ ان کے ایک فرزند تھے جن کی طبیعت اپنے والد پر تھی۔ انہیں احمد خلیل کہتے تھے۔ ان کا ایک فرزند تھا۔ والد نے ہر چند کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوئے اور بیٹے کی طبیعت شعر گوئی کی طرف مائل نہ ہوئی۔ ایک مرتبہ حضرت ایشاںؒ کا گزر وہاں ہوا۔ امیر خسروؒ کے فرزند آپ کو اپنے مکان پر لے آئے اور ضیافت کا سامان فراہم کیا۔ شہر کے دوسرے بزرگ بھی اس ضیافت میں آئے تھے- انہوں نے اپنے بیٹے کو آپ کی خدمت میں پیش کیا اور عرض کیا کہ یہ لڑکا بے حد کند طبیعت واقع ہوا ہے۔ ہر چند ہم نے کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوسکے۔ اب درویشوں کے اثر نظر کا امیدوار ہے حضرت ایشاںؒ کو یہ بات عجیب معلوم ہوئی۔ کچھ وقت اچھی کیفیت میں رہے، جب اس کیفیت کا اثر آپ کے مبارک چہرے اور پیشانی پر نمایاں ہوا تو فرمایا، کون کہتا ہے کہ یہ لڑکا کند طبیعت ہے یہ تو باپ سے زیادہ اچھا نظر آتا ہے۔ یہ جملہ زبان سے نکلتے ہی لڑکے کو عقل و ہوش مل گئے اور وہ باتیں کرنے لگا، چنانچہ اہل مجلس نے محسوس کیا کہ اس لڑکے کی باتیں بخلاف ماضی دوسری کیفیت ظاہر کر رہی ہیں۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ جب شعر گوئی تمہاری میراث ہے تو تم شعر کیوں نہیں کہتے۔ اسی وقت یہ شعر اس کی زبان پر آئے، قطعہ:

آفریں بر خلیق طبع کزو
گوہر انگیز وجو ہر افشانیم
اثر تربیت بود کزوے
ہم سخن گوے وہم سخن دانیم

(اس خلیق طبیعت پر آفریں ہے جس کے باعث ہم موتی اچھالتے اور جوہر بکھیرتے ہیں۔ یہ (آپ کی) تربیت کا اثر

ہے جس کے باعث ہم سخن گو اور سخن داں ہو گئے ہیں)

مجلس سے (تحسین و آفریں) کا شور اٹھا اور لڑکے کے والد نے اپنا سر حضرت کے قدموں پر رکھ دیا اور عزیزوں نے آفریں کہی۔ وہ زبانِ مقال سے کہتے تھے۔ قطعہ:

زہے مسیح زمانہ کہ مردہ طبعی را
حیات شعر بہ بخشید و ہم رواں گوئی
چو آبِ خضر کہ از ظلمت طبیعتِ او
روانہ کرد بہر سو رواں رواں گوئی

(سبحان اللہ! مسیح زمانہ کی کیا بات ہے کہ مردہ طبیعت شخص کو حیاتِ شعر اور روانی کا سلیقہ بخشا۔ آبِ خضر کی مانند اس کی طبیعت کی ظلمت سے رواں گوئی کا چشمہ ہر جانب رواں کر دیا)

یہ قطعہ جو حضرتؒ کے مناقب میں ہے اس لڑکے کی تصنیف ہے۔

گیارہویں کرامت۔ سیّد علی سے متعلق جنہوں نے خطاب جہاں گیری پر اعتراض کیا تھا

سیّد علی قلندر (ایک بزرگ تھے)، انہوں نے اس نیلے گنبد اور آسمان کی چوکھٹ کے نیچے، دونوں سمندروں اور مشرق تا مغرب سفر کیا تھا۔ بہت سے، اولیائے زمانہ اور فضلائے شہر کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ صوفیہ کے فن و اصول کے جامع اور علوم رسمیہ سے بہرہ مند تھے۔۔ ان کے قلندرانہ مراتب کے شور وغل کی صدا، عالم علوی کے مکینوں کے گوشِ ہوش تک پہنچ چکی تھی اور درویشانہ مناصب کی شہرت کے نعرے نے آسمان کے نقارے کو پھاڑ دیا تھا۔ رباعی:[1]

تلا لایش رسیدہ گوش جیجوں
علا لایش دریدہ کوس گردوں
جہانے از صدا لیش بار کردن
بدل آورد میل باز کردن

(اس کا قلندرانہ نعرہ جیحوں کے کان تک پہنچا (ایک عالم نے سنا) اس کے شور وغل نے آسمان کا نقارہ پھاڑ دیا۔ اس کی صدا سے ایک جہان لدا ہوا تھا اور دل رغبت سے جدا ہو رہا تھا۔)

(یہ سید علی) تقریباً پانچ سو قلندروں کے ساتھ، جن میں ہر ایک صورتِ تجرد سے آراستہ اور لباس تفرد سے پیراستہ تھا، روح آباد میں حضرت قدوۃ الکبراؒ سے ملاقات کرنے آئے لیکن (ملاقات کے) آداب کی شرائط بجا نہ لائے۔ حضرتؒ کے

---

[1] یہ اشعار رباعی کے معروف وزن و بحر میں نہیں ہیں۔

کیمیا تاثیر، ضمیر منیر پر یہ بات مخفی نہ رہی کہ قلندر تمام ترانانیت کے احساس کے ساتھ یہاں آیا ہے اور اس کا انکشاف محض دکھاوا ہے۔ جب بات چیت شروع ہوئی تو روگردانی کی گیند کو میدانِ اعتراض میں ڈالا (سب سے پہلے یہ اعتراض کیا) کہ خطاب ''جہاں گیری''، جو عالم علوی و سفلی پر مشتمل ہے (جس میں عالم ملکوت و ناسوت دونوں شامل ہیں) اور ظاہری و باطنی دونوں عوالم اس میں داخل ہیں، حیرت ہے کہ ایک فرد کو کس طرح دیا جاسکتا ہے کیونکہ زمانے میں جس قدر اولیا اور اصفیا ہوئے ہیں ان میں سے ہر ایک اپنی ولایت کے مرتبے کے اعتبار سے ''جہانگیر'' ہے، صرف آپ ہی میں ایسی کیا خصوصیت ہے؟ آپ نے فرمایا، تم زمانے کے شیخ الاسلام اور مقامات کے محتسب نہیں ہو کہ اس قسم کے غیبی معاملات کی تحقیق میں لگ گئے ہو، انہیں چھوڑ دو اور فقرا کے احوال پر گفتگو کرو۔ بیت:

برو بکارِ خود اے واعظ ایں چہ فریاد است
مرا فتاد دل ازرہ تراچہ افتاد است

(اے واعظ تو اپنا کام کر یہ کیا دہائی مچائی ہے، میرا دل راستے میں گر پڑا ہے تجھ پر کیا افتاد پڑی ہے)

قلندر نے کہا ہے ہم جو کہ اللہ کے لشکروں میں سے ایک لشکر ہیں، اس لیے نکلے ہیں کہ درویشوں کے مقامات کی تحقیق اور ان کے احوال کے فرق معلوم کریں۔ جب تک ہم آپ کے خطاب کی تحقیق نہیں کر لیتے یہاں سے نہیں جائیں گے۔ اگر ''جہان'' سے مراد کسی ملک کی زمین اور وقت کا دائرہ ہے تو پھر مشائخ میں سے ہر کوئی اپنے اپنے علاقے اور زمین کا پیشوا ہے کیونکہ اس قطع زمین کا قیام اس شیخ کے وجود کے بغیر ممکن نہیں ہے، اور اگر ''جہان'' سے مراد ولایتِ معنوی ہے جو اولیائے مصطفوی کے مقامات ہیں تو بطریقِ اولیٰ اولیائے زمانہ سے ہر کوئی اپنے ملک اور ولایت کا محافظ ہے۔

حضرت قدوۃ الکبریٰؒ نے فرمایا، یہ فقیر حضرت سیّدؒ کی بارگاہ عالی کے ملازموں میں ایک حقیر ملازم اور قدیم جاروب کشوں میں سے ایک جاروب کش ہے، انہوں نے اس حقیقت کے مطابق کہ ''القاب آسمان سے نازل ہوتے ہیں'' (اس فقیر کو) اس خطاب سے مخاطب فرمایا ہے، قطعہ:

عجب نیست کز خواجہ ام چوں ایاز
بالطافِ محمود مسرور کرد
کسے حبشی را زلطفِ کمال
چہ نقصاں اگر نام کافور کرد

(اگر میرے خواجہ نے ایاز کے مانند الطافِ محمودی سے مسرور کیا تو تعجب کی بات نہیں ہے۔ اگر کوئی (آقا) کسی سیاہ فام (غلام) کو کافور (گورا) کہے تو کیا نقصان ہے)

سیّد علی قلندر نے کہا، جس خطاب سے زمانے کے کسی کامل و مکمل کو مخاطب نہ کیا گیا ہو اس سے آپ کو کس طرح مخاطب

کیا جا سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا، اے عزیز! تم سلوک میں سلسلۂ ترتیب کے مطابق اپنے عین ثابتہ [1] تک نہیں پہنچے (تو خطاب جہانگیر کی حقیقت کو کس طرح سمجھ سکتے ہو) جب کوئی سالک راہِ سلوک میں اپنے اعیان ثابتہ [2] میں پہنچتا ہے تو مراتبِ سہ گانہ سے باہر نہیں ہوتا۔ (ان تین مرتبوں میں سے کوئی ایک مرتبہ سالک کو حاصل ہوتا ہے)

مرتبہ اوّل۔ ایک سالک ایسا ہوتا ہے کہ اپنے اعیان ثابتہ میں سے بعض (حقائق کے) علم اور جملہ شیونات [3] ذاتیہ اور حروفاتِ عالیہ کا جامع ہوتا ہے۔

مرتبہ دوم۔ ایک سالک ایسا ہوتا ہے کہ اپنے اعیان میں سے بعض (حقائق کا) علم رکھتا ہے۔

مرتبہ سوم۔ ایک سالک ایسا ہوتا ہے کہ اس کے علم کا شمول اپنے اعیان ثابتہ کے ساتھ ہوتا ہے فقط

سالکِ اوّل جب اپنے اعیانِ ثابتہ میں پہنچتا ہے تو ذاتِ الٰہی کے جملہ اعیان اور جملہ اسمائے صفات پر مطلع ہوتا ہے جیسے غوث اور اولیائے کامل ہوتے ہیں۔

سالکِ دوم ذاتِ الٰہی کے بعض اعیانِ ثابتہ کا علم رکھتا ہے جیسے متوسط الحال اولیا ہوتے ہیں سالکِ سوم اپنے اعیانِ ثابتہ اور اس کے احکام و آثار پر مطلع ہوتا ہے۔

اس اعتبار سے سالکِ اوّل کو، اوّل سے آخر تک عالم کے جو احکام جاریہ ہیں ان کی اطلاع ہوتی ہے، جیسے کہ حضرت صاحبِ فصوص الحکم نے فتوحاتِ مکیّہ میں عالم پر اپنی اطلاع کا ذکر کیا ہے:

کشف اللہ عن بصری و بصیرتی الکلّیہ

(اللہ نے بالکلیّہ میری بصر اور بصیرت کھول دی)

اس کی شرح لطیفۂ سابق میں مذکور ہو چکی ہے، چنانچہ اس اعتبار سے یہ استدلال کیا جا سکتا ہے کہ اولیائے الٰہی میں سے کسی ولی کا سلوک اس قبیل کا ہو اور اس کے اعیانِ ثابتہ عالمِ علوی و سفلی کے حقائق پر مشتمل ہوں تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے کہ لوگ اسے ''جہانگیر'' کہیں۔ سیّد علی قلندر نے کہا، دوسرے اولیا نے بھی اپنے سلوک کو اس مرتبے تک پہنچایا ہوگا اور وصول کی راہ طے کی ہوگی، انہیں جہانگیر کیوں نہیں کہتے؟ آپ نے فرمایا: کہ عارفینِ روزگار کے وصول اور اولیائے زمانہ کے حصول کے طریقے مختلف ہوتے ہیں۔ ہر ایک نے مختلف مقاصد اپنے سامنے رکھے ہیں۔ ایک زہد میں زاہد اور دوسرا عشق

---

[1] عین ثابتہ۔ آئینہ عالم جو علم الٰہی میں عالم کی تخلیق سے قبل موجود تھا اور اب بھی ہے اور آئندہ بھی رہے گا۔ وہ حقیقت جو علم الٰہی میں موجود مگر خارج میں معدوم ہے (سّر دلبران، شاہ محمد ذوقی ص ۲۷۰) مترجم نے اُن اصلاحات کو جو اس گفتگو میں آئیں بعینہ تحریر کیا ہے اور ان کا مفہوم حاشیے میں حوالے کے ساتھ تحریر کیا ہے۔

[2] وہ مظاہر جن میں اسمائے الٰہی، علم الٰہی میں ظاہر ہوتے ہیں اعیان ثابتہ نیز صورِ علمی کہتے ہیں (سّر دلبراں ص ۱۵)۔

[3] شیون۔ مرتبہ علم میں وجودِ حق کے تعینات کو کہتے ہیں (سر دلبراں ص ۲۴۰)

میں عاشق بنا۔ بعض نے موافق راہ اختیار کی۔ انہوں نے اپنے سلوک کو اس مقام تک پہنچایا ہوگا۔ مجمل مقصود آستانۂ وجود ہے جیسا کہ فصوص (کے مطالعے) سے معلوم ہوتا ہے:

''وکم من ولی الله طویل العمرو کبیر الشّان مات ولم یحصل لهم سجود القلب''

(بہت سے اولیائے الٰہی ہیں جن کی عمر طویل تھی اور ان کے احوال بھی خوب تھے۔ انہوں نے وفات پائی (لیکن) انہیں دل سے سجدہ کرنا نصیب نہ ہوا) بیت:

طالبانِ خط و خالش گرچہ آمد بے شمار
لیک طالب آں بود کو طالبِ ذاتِ نگار

(محبوب کے خط و خال کے طالب تو بے شمار ہوئے ہیں لیکن سچا عاشق وہ ہے جو محبوب کی ذات کا طالب ہے)

اس کے باوجود میں اس حقیقت سے انکار نہیں کرتا۔ (بزرگوں نے) اس مرتبے کے حصول سے متعلق دوسری دلیل دی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اس مرتبے میں عارف سالک کی ہستی ایک رمق سے زیادہ باقی نہیں رہتی (پس) ایسا کون سعادت مند ہے جو اس مرتبے کے شرف سے مشرف ہو، ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ [1] (یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے عطا فرمائے۔) لیکن بعض دردمندوں اور جملہ جاں نثاروں نے اس بلند حوصلہ خیال کا اظہار کیا ہے کہ اُن کے نزدیک کسی طالبِ وحدت کا مراتبِ وجود کے ایک مرتبے پر قناعت کرنا، تجلّیات کی روشنیوں اور صفات کی خوشبوؤں سے کفر کرنا ہے۔ یہ حضرات طالب کو محدودیت سے آزاد ہوجانے پر اصرار کرتے ہیں، جیسے کہ مجذوب شیرازی نے بھی ہمیں اس مقام کی خبر دی ہے، بیت:

غلامِ ہمتِ آنم کہ زیر چرخ کبود
زہرچہ رنگ تعلق پذیرد آزاد ست

(میں اس صاحبِ ہمت کا غلام ہوں جس نے اس نیلے آسمان کے نیچے جو کچھ رنگِ تعلق اختیار کیا اس سے آزاد ہے)۔

یہاں تک کہ مسمّٰی کی خصوصیات کی حیثیت سے (اس کے) اسما پر توجہ دینا عین شرک ہے۔، چنانچہ اس راز کے اخفا کے پیش نظر جو درویشوں پر منکشف ہوتا ہے یہ حضرات دل و جان کی صدارت کے ساتھ یہ چاہتے ہیں اور اس امر کے طالب ہوتے ہیں کہ (حقیقی) جمال کے نور کا پرتو ان پر پڑے اور (دوئی کی) ظلمت کو اس طرح معدوم کر دے کہ انہیں نہ اپنی ہستی کا شعور رہے اور نہ اپنی بقا اور فنا کا شعور رہے، بیت:

اشرف تو از شعورِ فنائے فنا گزر
خواہی اگر بقائے کہ جاوید کش بقاست

---

[1] پارہ ۲۸، سورہ الجمعہ، آیت ۴۔

(اے اشرف! اگر تم ایسی بقا کے طلب گار ہو جو جاوید کش بقا ہے تو فنا الفنا کے شعور سے گزر جاؤ)

اس مقام پر اس کے حال کی زبان اس ترانے سے مترنم ہوتی ہے کہ کُلُّ شَیْئٍ ھَالِکٌ اِلَّاوَجْھَہٗ۔[1] (ترجمہ: اس کی ذات کے سوا ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے)۔ بیت:[2]

ہر کہ آمد بہ بحر توحید ش

یافت دُرّ خوش آبِ تفریدش

(جو طالب حق تعالیٰ کی توحید کے (بے کراں) سمندر پر آیا اس نے اس کی فردیت کا آب دار موتی حاصل کر لیا)

برد بر حضرتِ وجوب نثار

(پھر اس خوش آب موتی کو حضرت واجب الوجود پر نثار کر دیا)

لیس فی الدار غیرہ الدیّار

لم یبق الا اللہ الواحد القہار

(گھر میں سوائے آباکنندہ کے کوئی نہیں ہے بلکہ یکتا حق تعالیٰ قہار کے سوا کوئی باقی نہیں رہتا)

وھذا ھو المقام الحضرۃ الاکملیہ المسماۃ بمقام او ادنیٰ و لکل وزینۃ نصیب من القاب قوسین یعنی یہ مقام حضرت اکملیّہ کا مقام ہے، اس کا نام ''مقام اَوادنیٰ'' ہے اور ہر کامل کو مقامِ قاب قوسین سے حصہ ملتا ہے اس مرتبے کے حصول کی دوسری علامت یہ ہے۔ کہ تیری طرف سے بھلائی مکمل مانی جاتی ہے اور ظاہری اور باطنی حواس میں جو باہمی مغایرت و منافرت ہوتی ہے ختم ہو جاتی ہے۔ **بحیث یعمل کل قوۃ عمل غیر ھاوھذا ھو المقصود من الحقیقہ و الفطرۃ لاغیر** (اس طور سے کہ ہر قوت اپنے سے غیر (قوت) کا کام انجام دیتی ہے یہی حقیقت پیدائش کا مقصود ہے)۔

سیّد علی قلندر نے کہا، یہ بات کہ ایک قوت دوسری قوتوں کا عمل سرانجام دیتی ہے اس کا معائنہ ہونا چاہیے (یہ بات سن کر) حضرت قدوۃ الکبرؒ کے بشرے میں تغیر پیدا ہوا اور آثارِ غضب نمایاں ہوئے، فرمایا، لو دیکھو یہ میرا ہاتھ ہے، اس کی ایک حس ہے (لیکنؔ) اس میں دوسرے حواس کے احکام شامل ہیں۔ ایک طباق جو رقیق غذا سے پر تھا، کھانے کے لیے لائے تھے۔ آپ نے اپنا دستِ مبارک اس برتن میں ڈالا، پلک جھپکتے ہی وہ شوربا ختم ہو گیا۔ بچا ہوا شوربا جو دیگ میں تھا اسے بھی طباق میں ڈال دیا۔ تمام کا تمام شوربا (ہاتھ نے) کھا لیا۔ اسی طرح آپ کے دستِ مبارک سے سامعہ، شامہ اور باصرہ (کے حواس) ظاہر ہوئے۔ بے شک وشبہ آپ اپنے دست مبارک کو جو حکم دیتے سرانجام پاتا۔

اس قدر معائنے اور مشاہدے کے باوجود قلندر نے کہا ہر چند کہ جو کچھ مشاہدے میں آیا ایسا ہی ہے لیکن یہ خطاب بے

---

[1] پارہ ۲۰، سورہ القصص، آیت ۸۸۔

[2] یہاں دو مصرعوں کے بجائے تین مصرعے نقل کیے گئے ہیں، مترجم نے اصل متن کے مطابق ترجمہ کیا ہے۔

ادبی سے خالی نہیں ہے۔ یہ بات سنتے ہی (آپ کے) دستِ مبارک نے بلند آواز سے کہا۔

''اے نامرد! خطاب جہانگیری کی نسبت کیا کہتا ہے اور جہانگیر کیا ہوتا ہے، بلکہ میں خود جہانگیر ہوں''۔ ابھی یہ بات آپ کی زبان دست سے پوری طرح نکلی نہ تھی کہ اس کی روح نے قالب کے آشیانے سے پرواز کرکے بدنصیبی کے صحرا میں اڑنا شروع کردیا، ابیات:

زہے شہباز ذکر لا ابالی
کہ می پَرد میانِ لایزالی

(سبحان اللہ! لا ابالی ذکر کا شہباز خوب ہے جو ہمیشگی کے میدان میں اڑتا ہے)

چو عنقا گربگوید بہر پرواز
جہاں رابر زند تا قاف رآواز

(اگر عنقا کی مانند پرواز کے لیے کہے (ارادہ کرے) قاف تک آواز سے درہم برہم کردے)

چو گردد گوے چوگاں باز دردست
بیند از وچوگو بالاش از پست

(اگر چوگان کی گیند کی مانند پھر ہاتھ میں آجائے تو اسے پستی سے بلندی پر اچھال دے)

بعضے بزرگ جیسے حضرت کبیر، قاضی رفیع الدین، شیخ رکن الدین شہباز، شیخ اصیل الدین سفید باز اور شیخ جمیل الدین جرہ باز اور اس طرح دوسرے حضرات وہاں موجود تھے۔ ہر ایک نے یہ انوکھا امر اور عجیب معاملہ دیکھا تو حیرت سے اپنی انگلیاں منہ میں دبالیں اور اپنی زبانیں حضرتؒ کی ثنا میں کھولیں اور ہر ایک نے اپنے سر آپ کے قدموں میں رکھ دیے۔ مجلس سے ایک شور برپا ہوا کہ ایسی کرامت کسی عارف واثق سے کبھی نہیں دیکھی گئی بلکہ سنی بھی نہیں گئی۔

سیّد علی قلندر کے اصحاب ان کی تجہیز اور تکفین میں مصروف رہے۔ جب اس ماجرے کو دو تین دن گزر گئے تو قلندروں کے سر حلقہ حضرت شیخ کبیر اور سیّد حاجی عبدالرزاق نور العین کو لے کر حضرت قدوۃ الکبراؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور فاتحہ کی درخواست کی کہ ایمان خیریت سے رہے۔ چونکہ یہ عزیز درمیان میں تھے ان کے پاس خاطر کی غرض سے آپ نے فاتحہ پڑھی اور جو سوال کیا تھا اس کا بھرم رکھا۔

اسی تقریب سے فرماتے تھے کہ شیخ تاج العارفین ابوالوفا قدس سرہ، کے زمانے میں اولیائے منازلہ[1] میں سے دس

---

[1] اولیائے منازلہ اور منازلاتِ غیب کا مفہوم معلوم کرنے کے لیے مترجم نے اپنی سی ہر کوشش کی لیکن ''منازلہ'' اور ''منازلات'' کے لفظ کسی لغت میں نہیں ملے۔ شاہ محمد ذوقیؒ نے سبر دلبراں میں اقسامِ ولایت و اولیا کے موضوع پر تفصیل سے لکھا ہے لیکن مذکورہ دونوں اصطلاحیں وہاں بھی نہیں ملیں۔ ملاحظہ فرمائیں صفحات ۱۷۳ اور ۳۱۶۔ مجبوراً مترجم نے دونوں اصطلاحوں کو اسی طرح لکھا ہے جس طرح اصل متن تحریر ہوئی ہیں۔

افراد پر منازلاتِ غیب وارد ہوئے۔ اُس منازلت میں اِن افراد کے اسرار میں اشتراک بھی واقع ہوا اور منازلہ میں سے کسی چیز کے باعث مشکل پیش آئی۔ سب مل کر شیخ تاج العارفین کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ شیخؒ سے دریافت کریں گے۔ شیخ اس وقت سوئے ہوئے تھے اور ان کے اعضائے مبارک تسبیح و تہلل میں مشغول تھے۔ یہ حضرات کچھ دیر انتظار میں رہے تا کہ شیخ بیدار ہو جائیں شیخ کے بیدار ہونے سے قبل ہی شیخ کے اعضا بولے اور منازلات سے متعلق جو ان کی مشکلات تھیں ان کو حل کر دیا۔ یہ حضرات واپس آ گئے۔

بارہویں کرامت- احمد آباد میں اظہارِ تصرف قیلولے میں چھوٹی انگلی کا تکلم کرنا اور مسئلے کا جواب دینا

حضرت قدوۃ الکبرأ جس زمانے میں گلبرکہ سے واپس ہوئے تو احمد آباد میں قیام پذیر ہوئے۔ اس قیام کی وجہ یہ تھی شیخ مبارک اور شیخ الاسلام وغیرہ جیسے عزیزوں کا اصرار تھا کہ چند روز وہاں قیام فرمائیں۔ ایک روز حضرت قدوۃ الکبرأ دوپہر کے وقت آرام فرما رہے تھے۔ عین اس وقت شیخ الاسلام، شیخ مبارک وغیرہ میں توحید کے مسئلے پر اختلاف پیدا ہو گیا۔ ہر فریق نے اپنے دعوے کے ثبوت میں دلائل اور براہین پیش کیے آخر میں یہ طے ہوا کہ حضرت ایشاں سے استفادہ کریں گے۔ قطعہ:

مشکل اندر سخن چرا باشد
چوں کہ مشکل کشائے عالم ہست
(کسی بات میں مشکل کس لیے پیدا ہو گی کیونکہ مشکل کشائے عالم ہمارے ساتھ ہے)
عجب است ایں کہ از دگر پر سد
داشت جام جہاں نمائے بدست
(یہ عجیب بات ہے کہ جام جہاں نما اپنے ہاتھ میں ہوتے ہوئے دوسرے شخص سے معلوم کیا جائے)

چنانچہ ہر عزیز نے اس غیر حل شدہ مسئلے کے ساتھ حضرت ایشاں کی جانب رُخ کیا اور آپ کو سویا ہوا پایا۔ کچھ دیر انتظار کرنے کے بعد طے کیا کہ کسی دوسرے وقت دریافت کریں گے۔ ابھی قیام گاہ سے واپسی کا ارادہ کر رہے تھے کہ دست مبارک کی چھوٹی انگلی نے بولنا شروع کیا اور صراحت کے ساتھ تمام مقدمات بیان کیے اور ہر ایک کی تشریح کی۔ آخر میں جو اشکال پیدا ہو سکتے انہیں بیان کیا پھر ایک ایک اشکال کا جواب دیا، اور جواب بھی کیسے جیسے روح افزا آب حیات ہو۔ تمام عزیزوں کی روح کو فرحت حاصل ہوئی۔ قطعہ:

چہ جزوست ایں کہ دروے کلِ اسرار
بود ترکیب از پیرائے جوہر

(کیا خوب جزو ہے جس میں اسرار کا کل موجود ہے اور جس کی تشکیل جوہر کے ڈھنگ پر ہوئی ہے)

بلے چوں جزو حکمِ کل بگیرد
دہد از قطرۂ دریائے گوہر

(ہاں! جب کوئی جزو اپنے کل کا حکم اختیار کر لیتا ہے تو ایک قطرے سے دریائے گوہر عطا ہوتا ہے)

تیرہویں کرامت - روم میں شیخ الاسلام رومی کو غیبت کرنے کی سزا ملنا

حضرت قدوۃ الکبرا اُس بار روم، (اس میں کوئی معصوم داخل نہیں ہوا) میں قیام پذیر تھے۔ شیخ الاسلام روم اپنے زنگ بار دل کے باعث آپ کے خدام پر نکتہ چینی کرتے تھے، حالانکہ از روئے شریعت آپ کے کسی ایک مصاحب سے کوئی خطا سرزد نہ ہوئی تھی لیکن وہ (یعنی شیخ الاسلام) لوگوں پر اُسی طور پر نمایاں کرتے تھے کہ حضرت ایشاں کے ایک خادم نے ایسا کیا ویسا کیا۔ مدتوں انہوں نے محفلوں اور مجلسوں میں اسے غیبت کرنے کا منشا بنالیا۔ آپ کے بعض قدیم نیاز مندوں نے یہ بات آپ کے سمع مبارک تک پہنچائی۔ آپ نے فرمایا، وہ خود ہی متنبہ ہو جائیں گے۔

ایک روز حضرت ایشاں فجر کی نماز ادا کر کے معمول کے وظائف میں مشغول تھے کہ شیخ الاسلام (سراسیمگی کی حالت میں) ننگے سر، **والعفو عندالقدرۃ** (معافی قدرت کے نزدیک ہے) کہتے ہوئے آئے اور اپنا سر حضرت ایشاں کے قدموں میں رکھ دیا اور بے حد عاجزی اور انکسار کا اظہار کیا۔ آپ نے فرمایا، یہ تو بتاؤ ہوا کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا پہلے آپ عنایت کر کے معاف فرمائیں تب میں عرض کروں گا۔ جو کچھ مجھ پر گزرا ہے کسی بندے کو اس سے پالا نہ پڑے۔ میں اپنے گھر کے کوٹھے پر جاگا ہوا تھا۔ وہ کوٹھا اس طرح کا ہے کہ چیونٹی کا بھی گزر نہیں ہوسکتا۔ ناگاہ دس آدمی جن کی تلواریں برہنہ تھیں آئے اور مجھے پکڑ لیا (آپس میں کہنے لگے) کہ یہ وہی شخص ہوگا جو میر سیّد اشرف جہانگیر کی غیبت کرتا ہے۔ آؤ ہم اس کا سرتن سے جدا کر دیں۔ انہوں نے مجھے (زمین پر) لٹا دیا (میرے قتل میں) کوئی کسر باقی نہ رہی تھی کہ ایک بزرگ نورانی صورت سفید ریش ایک طرف آئے اور مجھے ان لوگوں کے ہاتھ سے ہزار حیلوں اور منتوں سے چھڑایا اور ان لوگوں سے کہا، بس اب جاؤ، میں نے اِس کے گناہ کو حضرت سیّد صاحب سے مانگ لیا ہے۔ جب وہ لوگ چلے گئے تو مجھے بہت برا بھلا کہا کہ ہرگز ہرگز خیال میں بھی اللہ والوں کے بارے میں ایسی بات نہیں سوچنا چاہیے۔ اب جلد جاؤ اور اُن بزرگ کے قدم کو اپنے سر کا تاج بناؤ کہ تمہارا گناہ میں نے اپنے سر لے لیا ہے۔ حضرت قدوۃ الکبرا مسکرائے اور فرمایا ہاں تمہارے دادا لائق شخص تھے ان کی روحانیت کا مشاہدہ ہوا ہے۔ آئندہ اس فقیر کی کرید نہ کرنا۔ اس موقع پر مثنوی مولوی کے شعر پڑھے۔

مثنوی:

گر خدا خواہد کہ پردہ کس درد
میلش اندر طعنۂ پاکاں برد

(جب اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ کسی شخص کا پردہ چاک کردے تو اسے پاک لوگوں کو برا کہنے کی طرف مائل کردیتا ہے)

در خدا خواہد کہ پوشد غیبِ کس
کم زند در عیبِ اہلِ دل نفس

(اور اگر اللہ تعالیٰ کسی کا عیب چھپانا چاہتا ہے تو اسے اہل دل کی عیب چینی نہ کرنے کی توفیق عطا کرتا ہے)

نکتہ چوں تیغِ پولادست تیز
گرنداری تو سپر واپس گریز

(فولادی تلوار کے مانند تیز نکتہ ہے اگر تیرے پاس ڈھال نہیں ہے تو واپس بھاگ جا)

پیشِ ایں الماس بے اسپرمیا
کز بریدن تیغ رانبود حیا

(اس (کاٹنے والے) الماس کے سامنے بغیر ڈھال کے نہ آ، تلوار کو گردن اڑا دینے میں کوئی تکلّف نہیں ہوتا)

چودھویں کرامت[۱] روم میں بادشاہ کے خاص محل کا، جس نے حضرت نور العین کی غیبت کی تھی سزا پانا

قتلغ خاں خاص محل نے حضرت نور العین کی نسبت کبھی کوئی بات کہی تھی جو ان کی دل ماندگی کا سبب بنی۔ اسے (قتلغ خاں کو) یہ توفیق نہ ہوئی کہ کدورت رفع کرتا۔ ایک رات اپنے مکان کے بالا خانے پر سویا ہوا تھا کہ تین قلندر چھڑی ہاتھ میں لیے ہوئے داخل ہوئے اور قتلغ کو پکڑلیا اور کہتے جاتے تھے کہ ہاں تو نے نور العین کے بارے میں ناروا بات کہی ہے۔ کیا تو نہیں جانتا کہ وہ سیّد اشرف کے فرزند ہیں۔ قتلغ خاں نے معذرت کی اور اُن قلندروں کے ہاتھ سے رہائی پائی صبح ہوئی تو قتلغ خاں حضرت قاضی حجّت کو درمیان میں ڈال کر حاضر خدمت ہوا اور ابتدا میں بہت سے عذر پیش کیے۔

پندرہویں کرامت- اٹھارہ پشتوں تک اولاد کے لیے وعدہ کہ ان کے دشمن مقہور ہوں گے

آپ نے فرمایا کہ ہم نے حق تعالیٰ سے درخواست کی ہے کہ ہماری اولاد کی اٹھارہ پشتوں تک جو شخص برائی چاہے گا یا برائی کرے گا مردان خدائے تعالیٰ اس کی جان کے دشمن ہوجائیں اور میں کہ ابھی زندہ ہوں تو میرے نور العین کی غیبت کرتا ہے۔ میری زندگی اور موت یک ساں ہے۔ مثنوی:

منم در جہاں زندہ و پایدار
جہاں ماندہ و از ہمہ مایہ دار

۱۔ مطبوعہ نسخے کے صفحہ ۳۷۹ پر حاشیے میں چودھویں کرامت کا یہ عنوان نقل کیا گیا ہے، ''کرامت چہار دہم در روم خاص محل بادشاہ کہ غیبت حضرت نور العین کردہ بود سزا یافت'' اس کرامت کی عبارت میں روم کا ذکر کہیں نہیں آیا۔ غالباً عبارت خلط ملط ہوگئی ہے۔ (واللہ اعلم)

(میں دنیا میں زندہ و پائیدار ہوں، اس سے دنیا پوری طرح مایہ دار ہے)

جہاں سلسلہ حلقہ جنباں منم

چہ حلقہ کہ برحلقہ جنباں منم

(دنیا ایک زنجیر ہے اور میں اس زنجیر کے حلقے ہلا رہا ہوں بلکہ حلقہ کیا چیز ہے میں ہی حلقے پر متحرک ہوں)

کسے حلقہ سلسلم گر گسست

جہاں حلقہ سلسلش را شکست

(جس کسی نے میرے سلسلے کے حلقے کو توڑا دنیا اس کے سلسلے کے کڑیاں توڑ دے گی)

لطیفہ ۵۶

زبدۃ الافاق سیّد عبدالرزاق کو مقام اور ولایت تفویض کرنے اور فرزندی کے شرف سے قبول کرنے کا ذکر

حضرت قدوۃ الکبرا جس وقت قدوۃ الاکابر وعمدۃ الاماثر حضرت شیخ علاء الحق والدین کی بیعت کے شرف سے مشرف ہوئے تھے تو آپ ستائیس سال کے تھے۔ حضرتِ شیخ کی جانب سے جو طرح طرح کے لطائف اور انعامات حضرت قدوۃ الکبرا کو حاصل ہوئے وہ لطیفہ سابق میں مذکور ہو چکے ہیں ان کے دہرانے کی یہاں ضرورت نہیں ہے۔ آپ اپنے شیخ کی خدمت میں ملازمت اور ریاضت کے طریقے سپرد کرتے تھے (شیخ کی خدمت کرتے اور ریاضت میں مشغول رہتے تھے)

ایک روز حضرت قدوۃ الکبرا نے اس خلوت خانے میں جو خانقاہ کے پہلو میں تھا، اور جسے خود آپ ہی نے متعین کیا تھا، (اس ارادے سے) کمر کے گرد چادر لپیٹی کہ باہر نکلیں اور حضرت مخدومی کی خدمت میں حاضر ہوں کہ اچانک آپ نے شیخ کی جوتیوں کی آہٹ سنی۔ آپ کے باہر نکلنے تک شیخ خلوت خانے کے دروازے پر پہنچ گئے اور بہت ہی التفات سے دریافت فرمایا، سیّد کس کام میں مشغول ہو؟ حضرت مخدومی جب بھی آپ سے مخاطب ہوتے تو اسی لفظ سے مخاطب ہوتے تھے۔ جب آپ کے سمعِ مبارک میں حضرت مخدومی کے کلام کی آواز پہنچی اور انہوں نے دریافت کیا کہ کیا کام کر رہے ہو تو حضرت ایشاں نے جواب میں عرض کیا۔ میں نے خدمت کے لیے کمر باندھ لی ہے۔ موتی برسانے والی زبان سے فرمایا، اگر کمر باندھتے ہو تو مضبوطی سے باندھنا کہ پھر کوئی چیز درمیان میں حارج نہ ہو۔ عرض کیا کہ میں نے آرزوئے نفس درمیان سے اکھاڑ کر باہر پھینک دی ہے، جب تک زندہ ہوں (قائم رہوں گا)۔ حضرت مخدومی نے فرمایا مبارک ہو۔ جب باہر تشریف لائے تو حضرت قدوۃ الکبرا کے چہرے کا رنگ کسی قدر متغیر ہوا، خیال پیدا ہوا کہ ہمارا کوئی قائم مقام تو ہوگا نہیں۔ جیسے ہی یہ خیال آپ کے دل میں آیا، حضرت مخدومی سے پوشیدہ نہیں رہا۔ اپنا سر گریبان میں لے گئے۔ دو تین ساعت کے بعد سر اٹھایا اور تمام تر بشارت کے ساتھ فرمایا، اے سیّد! مبارک ہو کہ ہم نے تمہارے لیے حضرت پروردگار سے فرزندِ دینی عنایت کرنے کی درخواست کی ہے جو سلسلے کا سر حلقہ اور تمہارے خاندان کا پیشوا ہوگا۔ اس کے باعث تمہاری بزرگی کا شہرہ
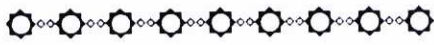
جب تک زمانہ اور ادوار ختم نہ ہوجائیں روئے زمین پر باقی رہے گا اور وہ فرزند تمہارے خاندان سے ہوگا نیز زبانِ مبارک سے یہ اشعار فرمائے قطعہ:

تارود برصفحۂ گیتی نشاں
از تقاضائے قضایت اے اِلہ
(یا اللہ! جب تک تیری تقدیر کے مطابق دنیا کے صفحے پر نشان باقی رہے)
باد بر روئے زمیں آثار تو
دُرفشان و جاوداں چوں مہرو ماہ
(روئے زمیں پر تیرے آثار باقی رہیں اور ہمیشہ چاند اور سورج کی مانند موتی برساتے رہیں)

قدوۃ الکبراؒ نے اس بشارت کے سنتے ہی شیخ کے قدموں میں سر رکھ دیا۔ حضرت مخدومی اور اصحاب نے آپ کو مبارک باد دی، قطعہ:

مبارک باد ایں عالی بشارت
زدر گوہر دریائے اسرار[1]
(دریائے اسرار کے دُرِ گوہر پانے کی عالی خوش خبری مبارک ہو)
بود نسبت گہر از گوہرِ کان
سزائے تاجِ شاہاں باشد اے یار
(کان سے نکلنے والے موتی کو ہر عالی خاندان سے نسبت ہے (اس لیے) اے دوست وہ بادشاہوں کے تاج کے لائق ہوتا ہے)

اس کے بعد حضرت مخدومی کی خدمت میں رہے، پھر حضرت مخدومی کے ارشاد کے مطابق دارالسلطنت جون پور میں قیام فرمایا، اللہ تعالیٰ اس شہر کو جلنے اور نقصان سے محفوظ رکھے۔ یہ واقعہ گزشتہ اوراق میں مذکور ہو چکا ہے وہاں سے آپ عراق کے سفر پر روانہ ہوئے۔ راستے میں آپ کا گزر صالحیہ جیلی کے علاقے میں ہوا۔ وہاں کے سادات (آپ سے) عقیدہ اور ارادت رکھتے تھے چنانچہ کافی عرصے وہاں قیام پذیر ہوئے۔

حضرت سیّد عبدالرزاق سیّد حسن عبدالغفور کے فرزندوں میں سے تھے۔ انہیں حضرت قدوۃ الکبراؒ سے عقیدت پیدا ہوگئی۔ اس وقت اِن سیّد زادے کی عمر بارہ سال سے زیادہ نہ تھی انہیں حضرت ایشاں کی ملازمت کی تمنا اور آرزو اس حد تک بڑھ گئی

---

[1] احقر مترجم کے قیاس میں دوسرا مصرع یوں ہوگا ''زدُرج گوہر دریائے اسرار'' جو سہو کتابت کے باعث ''زدُرِ گوہر دریائے اسرار'' نقل ہوگیا ہے۔ بہر حال اصل متن کے مطابق ترجمہ کیا گیا ہے۔

کہ اسے بیان کرنا محال ہے ہرچند ان کے پدرِ بزرگوار اور اقارب و اعزا نے نصیحت کی اور بہت کچھ سمجھایا لیکن ان تمام باتوں کا کوئی فائدہ نہ ہوا، اور خدمت وسلوک کی جانب رُخ کرلیا۔ نظم:

کسے راکہ یزداں کشد سوئے خویش
نیارد کسے دیگرش بند کرد

(اللہ تعالیٰ جس کسی کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے کوئی ہستی اسے نہیں روک سکتی)

چو دیوانہ را دل کشد سوئے یار
نیارد بز بخیر کس بند کرد

(جس طرح دیوانے کا دل اسے محبوب کی طرف کھینچتا ہے اور وہ زنجیر کے باندھے بھی نہیں رکتا)۔

جب سیّد عبدالغفور نے دیکھا کہ وہ (سیّد عبدالرزاق) پند ونصیحت کے باوجود نہیں مانتے تو وہ انہیں لے کر حضرت قدوۃ الکبرا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضرت بزرگوار ہم اللہ تعالیٰ کے لیے اپنے بیٹے کو آپ کی تشریف آوری پر نثار کرتے ہیں اور جو کچھ ہمارا حق ان کے ذمّے ہے اس سے دست بردار ہوتے ہیں۔ بیت:

سپر دم بتو مایۂ خویش را
تو دانی حسابِ کم و بیش را

(میں نے اپنی متاع آپ کے سپرد کردی ہے۔ یہ کم ہے یا زیادہ ہے اس کا حساب آپ جانیں)

اسی طرح عفیفہ والدہ نے بھی اپنے جگر گوشے کو حضرت قدوۃ الکبرا کے سپرد کیا اور اپنے حق سے جو اس کے ذمّے تھا دست بردار ہوگئیں۔ قطعہ:

زہے ہمّتِ مادر مہرور
کہ پرورده بودش بدامانِ خویش
پسر را کہ پرورده بوده بجاں
بجاندار بسپرد چوں جانِ خویش

(اس مادرِ مہربان کی ہمت قابل تحسین ہے جس نے اپنے بیٹے کو اپنے دامن کے سائے میں جان کے ساتھ پرورش کیا اور پھر اسے اپنی جان کی مانند ایک صاحب ہمت کے سپرد کردیا)

حضرت قدوۃ الکبرا نے سیّد زادے کو بصد جان قبول فرمایا اور خاندانِ سیادت وسرداری کی نسبتوں اور قربتوں کو تازہ کیا۔ ان کی تربیت میں کوئی کسر باقی نہ رکھی نیز ان کے لیے خدمت و ملازمت کرنے کا ایسا طریقہ مقرر فرمایا اور اس کی مقدار اتنی رکھی کہ اس کا بجالانا نوعِ جن و بشر کے بس میں نہ تھا۔ قطعہ:

چناں راہِ خدمت سپردہ بسر
کہ زاں جز نیایدز نوع بشر

(ان کے ذمے خدمت کا ایسا راستہ سپرد کیا کہ نوعِ بشر کی قوت سے باہر تھا)

اگر کس چنیں خدمت آرد بجائے
چرا نزدِ خویشش نخواند خدائے

(اگر کوئی شخص اس نوعیت کی خدمت بجا لائے تو اللہ تعالیٰ کیوں نہ اسے اپنی قربت عطا کرے)

ان متبرک الفاظ اور اثر کرنے والی باتوں کو جمع کرنے والا (نظام الدین غریب یمنی) تقریباً تیس سال تک حضرت قدوۃ الکبراؒ کی خدمت میں رہا اور سفر وحضر میں آپ کے ساتھ رہا۔ اس مدت میں حضرت ایشاں نے جو حکم دیا سیّد زادے کے سوا شاید ہی کسی نے سبقت کی ہوگی۔ رباعی [۱]:

چناں سربر خطِ حکمش نہادہ
کہ از ایراد خود بیروں فتادہ

(آپ کے حکم کی تحریر پر اس ذوق وشوق سے سر رکھا کہ (خادم) خود کو سنبھال نہ سکا)

اگر کارے بخاطری رسیدش
بکامِ خاطرش از سرد ویدش

کوئی ایسا کام جس سے حضرتؒ کے دل کو مسرّت حاصل ہو، انہوں نے آپ کی رضا کے لیے سر کے بل دوڑ کر انجام دیا۔

حضرت نور العینؒ کی مدتِ عمر کا ذکر

اپنی گویائی کی استطاعت کے موافق شمّہ برابر خدمت کا ذکر کیا گیا۔ سیّد عبدالرزاقؒ نے ایک سو بیس سال کامل عمر پائی۔ جب وہ بارہ سال کے تھے تو حضرت قدوۃ الکبراؒ کی ملازمت کے شرف سے مشرف ہوئے۔ چالیس سال تک سجادۂ شیخ پر متمکن رہے اور اصحابِ طلب کے ارشاد اور اربابِ قلب کی ہدایت میں مشغول رہے، باقی زندگی حضرت قدوۃ الکبراؒ کی خدمت گزاری میں بسر کی۔ رباعی: [۲]

عمرے کہ بخدمت شدہ محسوب تواں داشت
باقی ہمہ بے حاصلی و بوالہوسی بود

(جو عمر دوست کی خدمت میں بسر ہوئی وہی عمر شمار میں آسکتی ہے باقی مدت محض بے حاصلی اور بوالہوسی تھی)

---

[۱] یہ بھی قطعہ ہے رباعی نہیں ہے۔

[۲] یہ اشعار بھی رباعی کے معروف وزن وبحر میں نہیں ہیں۔

سرمایۂ سودائے حیاتِ دو جہانی
جز خدمتِ دلدار دگر خاک و خسی بود

(دونوں جہان کی زندگی کے سودے کا سرمایہ صرف دلدار کی خدمت کرنا تھا اس کے علاوہ جو کچھ تھا وہ گھاس اور مٹی سے زیادہ نہ تھا)

حضرت قدوۃ الکبراؒ دمشق کی جامع مسجد میں تشریف فرما تھے اور اصحاب کی ایک جماعت موجود تھی۔ جس میں حضرت ابوالمکارم، خواجہ ابوالوفا، شیخ علی، شیخ اصیل الدین اور شیخ تقی الدین نیز دیگر بزرگ مشرف بہ خدمت تھے۔ معارف سے متعلق گفتگو جاری تھی اور یہ تمام حضرات عوارف وحقائق سننے سے محظوظ ہو رہے تھے۔ آخر میں حضرت نور العین سے متعلق بات نکلی تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں دو انعامات عطا فرمائے ہیں ایک سَر اور دوسرا سِر یہ دونوں فرزند عبدالرزاق پر نثار ہو گئے، قطعہ:

مرا از جہاں دار دارائے دیں
سَرے بود موہوب و سِر برسرش
ز دریائے وجدان درفشاں
نثارے شد آں ہر دو برسرورش

(مجھے (حقیقی) جہاں دار اور دین کے بادشاہ (اللہ تعالیٰ) کی طرف سے سَر اور سِر دو چمک دار موتی وجدان کے دریا سے عطا ہوئے، وہ دونوں موتی سرور پر نثار ہو گئے)

حضرت ایشاںؒ کی مجلس میں کبھی کبھی شیخ زادگی سے متعلق گفتگو ہوتی تھی تو آپ فرماتے کہ شیخ زادہ بہت کم راستے پر چلتا ہے۔ میں بھی شیخ زادہ رکھتا ہوں لیکن وہ شیخ کا جنا نہیں ہے اس کا کام شیخ جننا ہے دوسرے حضرات اپنے صلب سے پیدا کرتے ہیں میں نے عبدالرزاق کو آنکھ سے پیدا کیا ہے حالانکہ میں نسبتیں بھی رکھتا ہوں۔ بیت:

چہ نورِ دیدہ ام از نورِ دیدہ
کہ نورِ دیدہ باشد نورِ دیدہ

(میری آنکھ کی روشنی بیٹے کے سبب سے ہے کیونکہ بیٹا ہی نورِ دیدہ ہوتا ہے)

حضرتؒ نے اظہار مسرت اور برگزیدہ ہونے کی بناء پر سیّد عبدالرزاق کو ''نور العین'' کے خطاب سے مخاطب فرمایا اور انہیں خود اپنے ساتھ سمنان لے گئے اور وہاں اپنی بڑی بہن خدیجہ بیگم کا دودھ پلوایا جو طرح طرح فضائل و اخلاق سے آراستہ تھیں تا کہ ظاہری نسبت بھی ظاہر ہو جائے۔ جب سیّد عبدالرزاق کے دہن مبارک میں بہن کا دودھ ڈالا گیا تو حضرت ایشاںؒ نے فرمایا مجھے اس فرزند سے یہ نسبت اُس سے زیادہ پیاری ہے کہ میری خالہ زادہ بہن حسن گیلانی کی زوجہ ہے اور

اس کے بطن سے یہ فرزند پیدا ہوا، اور اب ہمارے اور اس کے درمیان جو نسبتیں ہیں، اس کی شرح قطعی ناممکن ہے۔ قطعہ:

چہ حاجت نسبتِ شیرائے برادر
کہ دارم نسبتے دیگر بہ از شیر

(اے بھائی مجھے دودھ کی نسبت کی حاجت نہیں ہے کیونکہ میں دودھ کی نسبت سے بہتر نسبت رکھتا ہوں)

چونور واحد از خورشید تابد
دہد از مشرقِ خاور تباشیر

(جب نورِ واحد آفتاب سے چمکتا ہے تو خراسان کے مشرق سے صبح کی روشنی نمودار ہوجاتی ہے)

ہماں نوریست از خورشید رخشاں[1]
کہ آں رادر حسین و باحسن گیر

(وہی ایک نور ہے جو آفتاب سے رخشاں ہے اسی کو حسین میں حسن سے حاصل کر)

اسی سفر میں حضرت قدوۃ الکبراؒ کا صالحہ ودمشق کے راستے میں گزر ہوا۔ یہاں آپ کو بیماری پیش آئی اور اس طرح کی بے تابی رونما ہوئی کہ لوگوں کی امید قطع ہوگئی۔ کچھ دیر حضرت ایشاں بے ہوشی کی کیفیت میں رہے۔ اصحاب میں سے حضرت ابوالمکارم، خواجہ ابوالوفا، شیخ علی، شیخ کبیر، شیخ اصیل الدین اور شیخ سیف الدین وغیرہ بہت سے عزیز حاضر تھے اور یہ مذکورہ اصحاب کسی مقام اعلیٰ کے متوقع تھے اور ان کے دل میں ولایت عالی کی تمنا پیدا ہوئی۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ ہوش میں آئے اور فرمایا، یہ تکلیف دینے کا کیا مقام ہے؟ مدت گزر گئی کہ وہ حالت دوسرے کو تفویض ہوچکی ہے اور وہ فرزند نور العین کے حصے میں آچکی ہے۔ خبردار! کبھی اپنے آپ کو اس فکر میں ڈالو۔ حق تعالیٰ نے اس بیماری سے آپ کو شفائے کلی عنایت فرمائی۔ جب صحتِ کلی حاصل ہوگئی تو آپ نے حضرت نور العین کو طلب فرمایا اور ہر ہر طرح کے لطف کے ساتھ شفقت انگیز اور تسلی آمیز باتیں اُن کے بارے میں نثار فرمائیں۔ قطعہ:

مرا ہرچہ یزداں عطا کردہ بود
کہ لطف و عنایت دریں روزگار

(اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں جو کچھ اپنی عنایت و مہربانی سے مجھے عطا فرمایا تھا)

ہمہ از سر لطف و احساں شدہ
بفرقِ بلند تو چوں درنثار

---

[1] مطبوعہ نسخہ ص ۳۸۱۔ پہلا مصرع اس طرح نقل کیا گیا ہے، "ہماں نوریست ازخورشید رخسار" مترجم نے قیاسی تصحیح کی ہے "ہماں نوریست از خورشید رخشاں"۔

(از روئے لطف واحسان سب کا سب تیرے بلند قد پر موتیوں کے مانند نثار کر دیا)

نواب سیف خاں کے اودھ کے گاؤں اور ایک لاکھ تنکے نذر کرنے اور آپ کے قبول نہ فرمانے کا ذکر

ایک مرتبہ مسند عالی سیف خاں نے ایک لاکھ تنکے نقد اور اودھ کے پرگنوں کے گاؤں لکھ کر حضرت قدوۃ الکبراؒ کی خدمت میں بطور نذر پیش کیے۔ آپ اس پیشکش پر مسکرائے اور فرمایا کہ دنیا کے گاؤں اور پرگنے ایسے شخص کے حوالے کیے جائیں کہ جو اِن قریات کے تھوڑے سے حصے کے ساتھ بھی مقیّد نہ ہو سکے (جو دولتِ دنیا کا حریص نہ ہو) البتہ اس کا تذکرہ حضرت نورالعین کو پیش کیا جائے پھر وہ جو حکم دیں اس پر عمل کیا جائے۔ جب حضرت نورالعین اس امر سے مطلع ہوئے تو حضرت قدوۃ الکبراؒ کے جواب سے متنبہ ہوئے اور فرمایا کہ جس چیز کو حضرت ایشاں نے قبول نہیں کیا، دوسرا شخص کس طرح اس پر التفات کر سکتا ہے۔ قطعہ:

زہے بلند جہانے کہ چشم ہمتِ او
بسوئے جلوۂ کونین التفات نکرد

(آفریں ہے اس بلند جہان شخص پر جس کی چشم ہمّت نے دونوں جہان کے جلوؤں کو دیکھنے پر توجہ نہ دی)

کسے کہ تابعِ متبوع خود شد البتّہ
نظر بگوشۂ چشمان شش جہات نکرد

یہ ہمت کہ وہ گوشہ چشم سے شش جہات پر نظر نہ ڈالے اسی تابع سے ممکن ہے جو اپنے متبوع کے قدم بہ قدم چلتا ہو۔ اس کی نگاہ صرف اپنے متبوع کے قدم پر ہوتی ہے۔

مثل مشہور ہے کہ ''التابع کالمتبوع'' (تابع متبوع کی مثل ہوتا ہے)

جب اس بے نیازانہ رویے کی خبر حضرت قدوۃ الکبراؒ کو ملی تو بے حد خوش ہوئے اور انہیں اپنے حضور طلب کرنے کے شرف سے مشرف فرمایا اور لطف وعنایات کا اظہار فرمایا۔ آخر میں فرمایا کہ عبدالرزاق اور ان کی اولاد کو ہم نے خزانہ الٰہی سے وابستہ کر دیا ہے اور اللہ تعالیٰ سے درخواست کی ہے کہ اگر عبدالرزاق کی اولاد اور اخلاف قناعت اختیار کریں گے تو کسی کے محتاج نہ ہوں گے۔ ان کی ادنیٰ توجہ ہمت مرداں کا کام کرے گی۔ قطعہ:

ہمتاں[1] مردانِ عالی اے پسر
ہر کجا خواہند آنجا حاضر است

(اے بیٹے عالی مردوں کی ہمت (ہر وقت ان کے ساتھ ہے) جہاں چاہیں حاضر ہے)

---

[1] غالباً ہمتاں سہو کتابت کے باعث نقل ہوا ہے، یہاں قرینہ ''ہمّتِ مرداں'' کا ہے۔

ہمت شاں با توجہ ہمرہ است
ہمت ارناید توجہ قاصر است

(ان کی ہمت توجہ کے ساتھ ساتھ رہتی ہے اگر ہمت حاضر نہ ہوتو اس کا مطلب یہ ہے کہ توجہ میں کوئی کمی ہے)

نورالعین کی اولاد (ہمیشہ) عزیز ومحترم رہے گی اگر مخلوق کے دروازے پر جائے گی تو خوار ہوگی۔ قطعہ:

شیرِ نربوسد بہ ہمت مردِ قانع را قدم
مادہ سگ خاید بدنداں پائے مردِ بردرے

(ہمت کی وجہ سے شیرِ نر قناعت کرنے والے شخص کا قدم چومتا ہے۔ جو شخص کسی کے دروازے پر جاتا ہے تو کتیا دانتوں سے اس کے پیر زخمی کر دیتی ہے)

مرامل راپائے بشکن وزاجل میندیش ہیچ
مطمعے را پر مکن تاہر کجا خواہی برے

(آرزو کا پاؤں توڑ دے اور موت کا اندیشہ نہ کر۔ لالچ کی جگہ کو پر نہ کر پھر جہاں سے چاہے پھل ملے گا)

اکابر کی اولاد کی تعظیم کا ذکر

اکابر اور بزرگوں کی اولاد و اعقاب کی تعظیم وتکریم کا ذکر ہوا۔ نیک بختی کی بہترین علامت اور بزرگی کی خوب ترین شان اس گروہ کی تعظیم کرنا ہے کہ اولاد کی تعظیم اجداد ہی کی تعظیم ہوتی ہے بلکہ اُن اکابر کی روحانیت، اولاد کے ہمراہ ہوتی ہے۔ اسی تقریب سے فرماتے تھے کہ شہر جون پور میں شیخ عبداللہ زاہدی، فقیر سے ملاقات کرنے آئے لیکن وہ عجیب کیفیت میں تھے۔ کوئی نشہ آور چیز کھائی تھی۔ ایسی باتیں کیں جو آداب سے خالی تھیں۔ اسی قسم کی بہت سی باتیں کیں کہ [۱] (حضرتؒ کا) خاطرِ شریف منغض ہوگیا بلکہ صورتِ حال منہ پھیرنے کے مقام تک پہنچ گئی۔ آپ نے چاہا کہ ذرا نظر تیز کریں اور تصرف ظاہر فرمائیں چنانچہ نزدیک تصرف تھے کہ حضرت شیخ فخر الدین زاہدی کی روحانیت نمودار ہوئی اور میری (۲) جانب توجہ کی۔ اپنی نورانی ڈاڑھی کو پکڑا کہ ہرگز (تصرف نہ فرمائیں) ہماری روحانیت اس کے ساتھ درمیان میں ہے۔ ہر چند کہ وہ معرضِ تصرف آچکے تھے لیکن میں نے چھوڑ دیا۔ مصرع:

ز روئے خواجہ زعصیانِ بندہ می گزرند

(خواجہ کے طفیل بندے کے گناہ سے درگزر کرتے ہیں)

حضرت قدوۃ الکبراؒ ایک بزرگ سے روایت فرماتے تھے کہ وہ کہتے تھے کہ سلطان سنجر ایک بزرگ سے ملاقات کرنے

---

[۱] یہاں سے جامع لطائف نے حضرت قدوۃ الکبراؒ کے بجائے خود واقعہ بیان کرنا شروع کر دیا ہے۔ صیغہ کلام متکلم کے بجائے صیغہ جمع غائب ہوگیا ہے۔

[۲] یہاں پھر صیغہ واحد متکلم میں واقعہ بیان ہوا ہے۔

آیا۔ بادشاہ کے دل میں ان بزرگ کی کامل عقیدت پیدا ہوگئی اور جب تک زندہ رہا ان بزرگ کی عقیدت سے سرتابی نہ کی۔ اتفاق سے ان بزرگ کا انتقال ہوگیا۔ ان کا بیٹا ان کے سجادے پر بیٹھا۔ ایک شخص چوری کے الزام میں گرفتار ہوا۔ اس نے شیخ زادے کی پناہ لی۔ سنجر کے آدمی آئے اور اسے گرفتار کر کے لے گئے۔ شیخ زادے بہت فکرمند ہوئے۔ انہوں نے اپنا منہ باپ کی قبر پر رکھا اور بہت دیر تک اپنا سر قبر سے نہ اٹھایا جب وہ نالائق لوگ اُس شخص کو گرفتار کر کے سنجر کے پاس لے گئے اور انہوں نے چاہا کہ اسے سزا دیں تو یکا یک دو شیر ان نالائقوں کی آستین کے گرد نمایاں ہوئے اور چاہا کہ سنجر کے آدمیوں کو ایذا پہنچائیں وہ اپنی آستین سے شیروں کو روک رہے تھے۔ سنجر نے جب یہ معاملہ دیکھا تو اس نے معذرت کی اور اس شخص کو صد ہزار نیاز و عاجزی کے ساتھ واپس بھیج دیا۔

حضرت قدوۃ الکبراؒ فرماتے تھے کہ میری حیات اور موت یکساں ہے۔ میں اپنی حیات و ممات میں اپنی اولاد کے ساتھ ہوں۔ وہ ہرگز ہرگز مجھ سے جدا نہیں ہے۔ قطعہ:

کسے کو اولیا را مردہ داند
پس آں کس مردہ است آں زندہ باشد
(جو شخص اولیا کو مردہ خیال کرتا ہے پس وہی شخص مردہ ہے اور اولیا زندہ رہیں گے)

بر آراز دل چنیں تصویر باطل
کہ الحق اولیا پایندہ باشد
(اے شخص! ایسے باطل تصور کو دل سے نکال دے کہ الحق اولیا پایندہ رہیں گے)

خدایم داد عیشِ جاودانی
کہ ہم در مردگی با زندہ باشد
(مجھے اللہ تعالیٰ نے عیشِ جاودانی عطا کیا ہے، میں موت میں بھی زندہ لوگوں کے ساتھ رہوں گا)

منم در مردگی ہمراہِ زندہ
بہر جا روحِ من زایندہ باشد
(میں موت میں بھی زندوں کے ساتھ ہوں اور میری روح ہر جگہ ظاہر ہوگی)

بہر جا خواہیم ہستیم حاضر
کہ حاضر غائم دانندہ باشد
(ہم جہاں چاہیں گے موجود ہوں ہمارے غائب سے حاضر کی حقیقت سمجھ میں آئے گی)

اشرف از زندگی مردانہ مردہ
بہرجا خواہدش آئندہ باشد

(اشرف زندگی سے مردانہ وار گیا ہے، اسے جس جگہ بلاؤ گے آجائے گا)

حضرت نورالعین فرماتے تھے کہ ایک روز حضرت قدوۃ الکبرا پر عجیب وغریب کیفیت طاری تھی۔ اصحاب کے بارے میں بشارت انگیز اور مسرت آمیز باتیں کر رہے تھے، جب میری باری آئی تو بہت غور کیا آخر میں خوش ہوکر فرمایا، ہرگز ہرگز میں نے اپنا سب کا سب تم پر نثار کر دیا ہے اور کوئی چیز تم سے بچا کر نہیں رکھی ہے میں نے اللہ تعالیٰ سے تمہاری اولاد کے لیے دعا کی ہے ہمیشہ مسعود اور مقبول رہیں۔ تمہاری اولاد میں دستور کے مطابق ایک فرد رجال الغیب میں سے اور مجذوب ہوگا بلکہ ایک فرد پیدا ہوگا جس میں میرے احوال پیوست ہوں گے۔ جب میں نے یہ سب احسان سن لیے تو میں نے اپنا سر حضرت کے قدموں میں رکھ دیا۔ حضرت ایشاں نے میرے سر کو اٹھایا اور بغل میں لے لیا، قطعہ:

مرا در حالتے دریاب دریاب
کہ دریا بیم دریا بیم گوہر

(مجھے سمندر کی حالت میں سمندر (جانیں) کیونکہ گوہر پانے والا میرے سمندر سے گوہر پاتا ہے)

درخت باروہم سایہ داریم
بجنباں تابریزد شاخِ من بر

(ہم پھل دار درخت بھی ہیں اور سایہ دار بھی ہیں اسے تھوڑا سا ہلاتا کہ میری شاخ سے پھل بکھریں)

لطیفہ ۵۷

اودھ کے علاقے، قلعہ جالیس، قصبہ ردولی اور اس کے نواح میں اشرفی پرچموں اور گرامی جھنڈوں کا نزول۔ اس علاقے کے باشندوں کی نسبت کرامات کا صدور اور مسند عالی سیف خان، حضرت قاضی رفیع الدین اور حضرت شمس الدین اودھی کے معتقد ہونے کا ذکر۔

خطہ اودھ میں پہلا مقام روح آباد

حضرت قدوۃ الکبرا جس زمانے میں حضرت مخدومؒ کی خدمت سے واپس آئے تو روح آباد میں قیام فرمایا۔ اس زمانے میں بعض واقعات رونما ہوے۔

مسند عالی کو گروہِ صوفیہ سے بے حد عقیدت تھی۔ جس جگہ اس گروہ (کی تشریف آوری) کے بارے میں سنتے تو خواہ وہ مقام کتنی ہی دور ہوتا وہ ضرور ملاقات کرتے۔ جب دنیا والوں کے کان میں آوازۂ جہاں گیری پڑا (آپ کی بزرگی کا چرچا ہوا) تو مسند عالی مصاحبوں کی جماعتِ کے ساتھ چل پڑے اور روح آبادِ میں حضرتؒ کی قدم بوسی کے شرف سے مشرف ہوئے۔ پہلی ہی ملاقات میں بصد جاں حضرت قدوۃ الکبرا کے طالب دیدار اور بصد دل طلب گار جلوہ ہوئے۔ قطعہ:

زہے نور جہاں آرائے رخسار
کہ باشد ذرّہ اش خورشید انوار

ترجمہ: سبحان اللہ! جہاں آراء رخسار کے نور کا کیا کہنا گو آفتاب اس نور کا ایک ذرّہ ہے۔

کسے کو طرفۃ العین بدیدش [۱]
بیک جاں کے بصد جاں شدگرفتار

---

[۱] مصرع وزن سے گر گیا ہے۔ ''طرفۃ العینے'' پڑھا جائے تو وزن پورا ہوگا۔
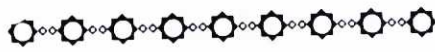
ترجمہ: کسی نے اسے ایک پل دیکھا وہ ایک جان سے کیا سو جان سے اس کا گرفتار ہو گیا۔

جب حضرت ایشاں نے مسند عالی کے قلب اور باطن کی چمک اپنی جانب زیادہ محسوس کی تو ظاہری اور باطنی توجہ ان کی طرف مبذول کی اور انہیں اپنے اصحاب کے زمرے میں شامل کرلیا۔ اسی بنا پر جب کبھی آپ اس راستے سے گزرتے تو مسند عالی سیف خان کے مکان پر نزول فرماتے۔ ایک روز حضرتؒ روح آباد میں گوشۂ وحدت آباد میں تشریف فرما تھے۔ آپ نے فرمایا کہ مغرب کی جانب سے بوئے دوست آ رہی ہے۔ اور یہ سیف خاں کی آمد کا اشارہ تھا چنانچہ وہ دوسرے روز آ پہنچے۔ حضرت ایشاںؒ سے ملاقات ہوئی، عرض کیا کہ حضرت ایشاںؒ خطہ اودھ میں قدم رنجہ فرمائیں چوں کہ طالب صادق تھے ان کی گزارش قبول فرمائی۔ فرمایا وہاں بھی ایک طالب ہیں جو ابھی تک میرے اصحاب کے حلقے میں نہیں آئے ہیں، میں خود انہیں اپنے احباب کے حلقے میں لاؤں گا۔ یہ اشارہ شیخ شمس الدین کی جانب تھا۔ جب اودھ میں تشریف لائے تو وہاں کے چھوٹے بڑے لوگ شرفِ دیدار کے لیے حاضر ہوے اور ہر عزیز نے آپ کی دولت دیدار کو غنیمت جانا۔ شیخ الاسلام رفیع الدین، شیخ شمس الدین کو بشارت دے چکے تھے کہ ایک بزرگ یہاں تشریف لائیں گے۔ اُن سے تم کو نعمت ملے گی۔ وہ اس دولت کے منتظر تھے۔ آخر حضرت قدوۃ الکبراؒ تشریف لائے اور شیخ شمس الدین خرقہ پہننے کے شرف سے مشرف ہوئے۔ بڑے امیروں اور سرداروں کی جماعت حضرتؒ کی ارادت کے شرف سے مشرف ہوئی۔ تقریباً ایک ماہ اودھ میں رہے، وہاں سے اصحاب کے نقارے دہلی کی طرف روانہ ہوئے۔

مقام دوم قصبہ ردولی میں مولانا کریم الدین صاحب سے ملاقات اور حضرت گنج شکرؒ کے حجرے میں چلہ کاٹنا

قصبۂ ردولی میں شیخ سماء الدین کے مکان میں قیام فرمایا۔ حضرت شیخ صفی آئے اور دولت دیدار کو غنیمت جانا۔ اس بار شیخ صفی کے سلوک کے بہت سے عقدے حل ہوے۔ شیخ سماء الدین کے مکان میں جو حجرہ تھا اس میں شیخ صفی کو اعتکاف میں بٹھا دیا۔

مولانا کریم الدین (جو ایک) عالم اور درویش تھے، قصبہ ردولی کے نزدیک رہتے تھے۔ ان کے بارے میں آپ سے کہا گیا کہ مولانا سے ملنا چاہیے۔ آپ نے فرمایا، بہت اچھا۔ دوسرے دن صبح مولانا کے ہاں جانے کا ارادہ ہوا۔ یہ بات کسی شخص نے مولانا سے کہی کہ حضرت قدوۃ الکبراؒ کل تشریف لائیں گے۔ مولانا نے کہا، ہے ہے حضرت کو ایسا نہیں کرنا چاہیے کہ وہ غریب خانے پر آنے کی زحمت گوارا فرمائیں وہ بہت بزرگ ہستی ہیں پھر ہندی کی ایک کہاوت زبان پر لائے، ''چھپرے کے منھ کیھنڈا سمائے''۔ میں خود کل جا کر شرف دیدار حاصل کروں گا۔ چنانچہ وہ آئے اور آپ کے دیدار سے مشرف ہوے۔ مولانا کریم الدین فرماتے تھے، ''سبحان اللہ! سید اشرف جہاں گیر جیسا شہباز چاہئے کہ دونوں جہان ان کے پر میں ایسے دریا ہیں جن کے کنارے ناپید ہیں۔ مثنوی:

دُرِ دریائے معانی سرورِ شاہاں کہ او
برد گوئے دولت از میداں بحالِ افتخار

ترجمہ: وہ حقیقت کے دریا کا موتی، بادشاہوں کے سردار ہیں۔ انہوں نے افتخار کے ساتھ دولتِ الٰہی کی گیند کو میدان سے اُچک لیا ہے۔

قدوۂ اربابِ عرفاں عمدۂ احبابِ دیں
مظہر آثارِ غوثی مصدر آثارِ یار

ترجمہ: وہ اہل عرفان و معرفت کے پیشوا اور دین کے دوستوں کے سردار ہیں۔ غوثیہ نشانیوں کے مظہر اور دوست کے جلوؤں کا مصدر ہیں۔

بحرِ لا ساحل کہ می گویند باشد گوہرش
حیرت الکامل کہ می نامندآمد آں نگار

ترجمہ: انہیں بے کنارے سمندر کا گوہر کہتے ہیں ایسے حسین ہیں جنہیں کامل حیرت کہا جاتا ہے۔

حضرت شیخ سماء الدین نے بیان کیا کہ جب قدوۃ الکبرا دوسری بار قصبہ ردولی میں آئے تو فقیر کے غریب خانے پر قیام کیا۔ ظہر کی نماز کے وقت قصبے کے اکابر حضرت قدوۃ الکبرا کی زیارت کے لیے حاضر ہوئے۔ آپ نے فرمایا کہ اس مقام پر بزرگ کی خوشبو آتی ہے۔ فقیر نے عرض کیا، فقیر کے جھونپڑے میں ایک گوشہ ہے جہاں حضرت گنج شکر معتکف ہوئے تھے۔ آپ نے فرمایا، انہی کی خوشبو ہے پھر آپ نے طے کیا کہ میں یہاں ایک چلّہ کروں گا۔ اس حجرے کے اطراف میں آپ نے حضرت شیخ صفی اور حضرت شیخ سماء الدین کو اعتکاف میں بٹھایا یہاں عجیب و غریب واردات و تجلیات مشاہدے میں آئیں۔

مقام سوم پالہی مؤعرف روضہ گاؤں اور کوبرادہ کے قریات کا دورہ

جب قصبہ ردولی سے روانہ ہوے تو موضع اسمو میں قیام فرمایا۔ یہاں کی مسجد میں خود اذان دی۔ پھر شیخ داؤد کی زیارت کے لیے تشریف لے گئے۔ تین روز پالہی مئو کی مسجد میں قیام فرمایا۔ یہاں کے لوگوں نے بیان کیا کہ حضرت گنج شکر نے اسی مسجد میں متعدد چلّے کیے تھے۔ یہاں سے کوبرادہ کے قریات میں تشریف لے گئے۔ کوبرادہ کے مریدین آپ کے استقبال کو حاضر ہوے اور اپنے گھر لے گئے۔ تقریباً ایک ہزار آدمی آپ کے مرید ہوے۔ ان پر آپ نے طرح طرح کی توجہ ڈالیں۔ یہاں کے بڑے لوگوں میں سے ایک شخص شراب پیے ہوئے آپ کو دیکھنے کے لیے آیا۔ فرمایا حیرت ہے کہ یہ زندہ رہے اور پھر شراب پیے۔ تقدیر الٰہی آپ کے قول کے موافق ہوئی اور اس شخص نے وفات پائی۔

اس کے بعد حضرت قدوۃ الکبراؒ نے دوسرے لوگوں کو بلایا اور انہیں بہت زیادہ پند و نصائح فرمائے۔ آخر میں یہ فرمایا، خبردار تم لوگ کبھی شراب نہ پینا اور تم میں اگر کوئی شخص (خلاف ورزی کرکے) شراب پیے گا تو جوانی ہی میں مرجائے گا یا محتاج ہوجائے گا۔ سب نے آپ کی نصیحت قبول کی۔ یہاں سے آپ نے قصبہ جائس جانے کا قصد فرمایا اور ایک دن بلند پرچم جائس کی جانب روانہ ہوئے۔ اس علاقے کے کم وبیش دو تین ہزار باشندے آپ کی ارادت سے مشرف ہوئے جب آپ کا گزر کندیوہ کی زمین سے ہوا تو وہاں بہت جنگل دیکھے۔ آپ کے اصحاب راستہ بھول گئے، بالآخر ایک تالاب پر آئے اور آگے نہ بڑھ سکے۔

قلندروں میں سے ایک شخص سے جو بکریاں چرا رہا تھا دریافت کیا کہ یہ راستہ کہاں جاتا ہے؟ اس نے ازراہِ مذاق تالاب کے درمیان ایک راستہ کی طرف جو پانی میں ڈوبا ہوا تھا، اصحاب کو اشارہ کیا کہ اس راستے سے چلے جاؤ کہ الہادی ھو اللہ (اللہ ہی ہدایت کرانے والا ہے)۔ اصحاب تالاب کے درمیان چل کھڑے ہوئے۔ پانی سے کسی کا کف پا تر ہوا، کسی کے تہبند کا کنارہ اور کسی کے تلوے بھی تر نہ ہوئے۔ جب چرواہے نے یہ عجیب حالت دیکھی تو دوڑا اور قصبہ ساتھورہ میں پکار مچائی کہ میں نے ایک عجوبہ دیکھا ہے کہ مسافروں کی ایک جماعت اس طرح تالاب میں سے گزر گئی۔

رائے جو گاؤں کا مالک تھا وہ اپنے بھائیوں کے ساتھ سوار ہوا اور اس جماعت کے عقب میں دوڑا۔ حضرتؒ سے ملا اور اپنا سر آپ کے قدموں میں رکھ دیا اور بے حد تکلف کے ساتھ حضرت قدوۃ الکبراؒ کو اپنی حویلی میں لایا اور ضیافت کا سامان فراہم کیا۔ جب ضیافت سے فارغ ہوئے تو حضرت ایشاں قصبہ جائس کی طرف روانہ ہوئے۔ تین کوس جنگل تھا، رائے بھی آپ کے ساتھ رہا۔ جب رخصت ہونے کا وقت ہوا تو اس نے عرض کیا کہ میرے حق میں دعا فرمائیں۔ آپ مسکرائے کہ تم کافر ہو میں تمہارے لیے کیا دعا کروں البتہ میں اللہ تعالیٰ سے درخواست کرتا ہوں کہ تم اور تمہاری اولاد قید نہ ہو اور دنیا کا اسباب تمہارے یہاں کم نہ ہوے۔ یہ لوگ خوش ہوے اور لوٹ کر اپنے گھر چلے گئے۔ جب آپ نے قصبہ جائس میں قیام فرمایا تو اس بار مولانا علام الھدیٰ علاّم الدین دارِ فنا سے دارِ بقا رحلت فرما چکے تھے۔ تمام ذیل داروں نے استقبال کیا اور حضرت ایشاںؒ کو جائے مقررہ پر لے گئے۔ حضرت قدوۃ الکبراؒ نے وہاں ایک قطعہ زمین خرید کر حجرہ تعمیر کرلیا تھا۔ یہاں مدتوں مسلسل نہیں بلکہ متفرق ایام میں قیام فرماتے تھے۔ اس مرتبہ دو تین ماہ قیام فرمایا۔ جب حضرت نے قصبہ جائس میں پہلی بار نزول فرمایا تھا تو آپ کی تشریف آوری سے قبل جائس کے باشندے ردولی جاتے تھے اور شیخ سلیمان سے جو حضرت نصیر الدین کے خلفا میں سے تھے بیعت کرتے تھے۔ جب جائس کے لوگ شیخ سلیمان کی خدمت میں آئے اور ان سے بیعت کی درخواست کی تو شیخ زکریا نے فرمایا کہ اب تمہاری ارادت کسی دوسرے کے حوالے کردی گئی ہے اور یہ علاقہ دوسرے کے سپرد ہوگیا ہے۔ وہ آج کل میں قصبے میں تشریف لائیں گے۔ ان کے استفسار پر بتایا کہ ایک سید ہیں جو بہت عالی حال ہیں وہ اس سفر میں یہاں آئیں گے۔

مقام چہارم قصبہ انہونہ، سبیہہ اور سدھور میں قیام

جب قدوۃ الکبراؒ جالیس سے عازم دہلی ہوئے تو قصبہ انہونہ میں تشریف لائے۔ قصبے کے سادات کی ایک جماعت آپ کی ارادت سے مشرف ہوئی۔ دو تین روز قصبہ مذکور میں قیام فرمایا۔ اہل قصبہ نے وظائف بندگی پوری طرح ادا کیے آپ نے ان کے حق میں دعائے خیر فرمائی کہ ہمیشہ آسائش اور آرام سے رہیں۔ وہاں سے آپ کا گزر قصبہ سبیہہ میں ہوا، چوں کہ یہاں کے لوگ اس خاندان کے مرید و معتقد تھے تمام کے تمام وظائفِ خدمت بجا لائے لیکن ان لوگوں سے متعلق نہایت عجیب کلمات آپ نے فرمائے کہ قصبے کا گرد و پیش صفائی سے خالی نہیں ہے لیکن رہنے والوں کا باطن بے رونق نظر آتا ہے۔ پھر یہاں سے چلے تو قصبے سدھور کی جانب رُخ فرمایا۔ حضرت شیخ خیر الدین اور حضرت قاضی محمد سدھوری نے اکابر کی ایک جماعت کے ساتھ آپ کا استقبال کیا اور حضرت قدوۃ الکبراؒ کی تعظیم بجا لائے۔ دو تین روز ضرورت سے زیادہ سامانِ ضیافت کی کوشش میں مصروف رہے اور ارادت کے شرف سے مشرف ہوئے۔ خطیبوں میں سے ایک شخص تھا جس کا نام منصور تھا۔ اس نے ایک جگہ قلندروں کی جماعت میں ایک قلندر سے دوستی کے مراسم پیدا کر لیے۔ اس قلندر کے پاس ایک موتی تھا جو دورانِ سفر اس کے ہاتھ آ گیا تھا۔ منصور مذکور نے اس سے یہ موتی اچک لیا۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ دونوں ایک دوسرے سے دست بہ گریباں ہو گئے۔ یہ خبر آپ کے سمع مبارک تک پہنچی تو آپ نے اس قلندر کو طلب کیا اور فرمایا، اپنے پاس موتی رکھنے کی سزا تو تمہیں مل گئی، اب بہتر یہی ہے کہ یہاں سے چلے جاؤ۔ اسے اصحاب کی جماعت سے خارج کر دیا۔ آخر میں فرمایا کہ اس قصبے کے لوگ بھی عجیب ہیں کہ جب درویشوں سے چیزیں اڑا لینا چاہتے ہیں تو اڑا لیتے ہیں پھر آپس میں لڑتے ہیں۔

مسند عالی سیف خاں اور حضرت قاضی شمس الدین کو (اہل اللہ سے) بے حد عقیدہ تھا۔ مدتوں سے مسند عالی کے دل میں سلوک درویشی کا داعیہ جڑ پکڑ چکا تھا اور ان کی خواہش تھی کہ کسی درویش سے خود کو وابستہ کر لیں۔ ہر چند کہ وہ اکابرین شہر سے عقیدہ رکھتے تھے اور ان کی خدمت و ملازمت کی روش پر چلتے تھے لیکن انہوں نے کسی سے (روحانی) استفادے کے لیے ابھی تک رجوع نہ کیا تھا اور ایک زمانے سے (کسی سے) وابستہ ہونے کی فکر میں تھے۔

ایک روز اسی فکر و تردد میں تھے کہ خواب میں حضرت خضر علیہ السلام کا جمال جہاں آرا نمایاں ہوا اور بشارت دی کہ وصول کا زمانہ اور حصول کا وقت قریب آ چکا ہے۔ اور (اِن کامرانیوں کی) کنجی ایک سید کے ہاتھ میں ہے جو عنقریب پہنچنے والا ہے۔ یہ اشارہ حضرت قدوۃ الکبراؒ کی جانب تھا۔ اسی زمانے میں آپ کی جہاں گیری کی صدا اور عالم گیری کی شہرت ساری دنیا میں پھیل چکی تھی۔ حضرت قدوۃ الکبراؒ کے قدم مبارک کا نزول روح آباد میں ہوا۔ مسند عالی وہاں حاضر ہوئے اور شرفِ دیدار سے مشرف ہوئے جیسا کہ سابق میں مذکورہ ہو چکا ہے۔ حضرت قاضی رفیع الدین خود الہام و تلقین الٰہی کے باعث اور خاص طور پر حضرت شیخ شمس الدین کی بشارت کی بنا پر تمام اصحاب سے پہلے حضرت قدوۃ الکبراؒ کے عقیدت مند ہو چکے تھے۔

لطیفہ ۵۸

بعض دعاؤں اور اسمائے اعظم کی تشریح، تعویز کے خانوں میں قاعدے کے مطابق عدد بھرنا، توریت کی ابتدائی سورۃ کا بیان جو دعائے بشمخ کے نام سے مشہور ہے نیز افسون وتعویذ اور اسی طرح کی دیگر چیزوں کے فوائد کا بیان

ان لطیف اقوال اور شریف مطالب کو جمع اور تشریح کرنے والا، نظام حاجی غریب یمنی (عرض کرتا ہے کہ) میں نے اس فن میں ایک طویل مدت بسر کی ہے اور اچھا خاصہ تجربہ حاصل کیا ہے، نیز حضرت قدوۃ الکبراؒ سے اس فن کے جو اقسام اور اوضاع حاصل ہوئے انھیں ترتیب دے کر میں نے ایک رسالہ تحریر کیا اور اس کا نام ''کنزالاسرار''[1] رکھا اس فن کی اصل حقیقت اس رسالے سے معلوم ہوگی، یہاں مذکورہ رسالے سے تھوڑا حصہ بیان کیا جاتا ہے تاکہ ان کے فوائد بھی حاصل ہوجائیں۔

بعض مشائخ نے اس بلندی کی جانب رخ نہیں کیا لیکن متقدمین مشائخ میں سے چند نے اس علم میں مہارت حاصل کی ہے، جیسے حضرت شیخ الشیوخ اور مصنف فصوص الحکم اور حضرت امام محمد غزالی۔

چناں چہ منقول ہے کہ حضرت حجۃ الاسلام امام محمد غزالیؒ فرماتے تھے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے مجھ پر حرف 'ب' کے اسرار منکشف فرمائے اور (ان اسرار کی روشنی میں) میں نے نوسو ننانوے ۹۹۹ کتابیں تصنیف کیں (اس کے علاوہ بھی) مجھے طرح

---

[1] جناب مشیر احمد کاروی نے لطائف اشرفی کی تلخیص حصہ دوم میں اطلاع دی ہے کہ رسالہ ''کنزالاسرار'' اب ناپید ہے ملاحظہ فرمائیں ص ۲۷۴، شائع کردہ مکتبہ قادری ڈرگ کالونی کراچی سال ندارد۔

طرح کے علوم لدنی حاصل ہوئے جو خواطر کے نفع کے لیے بہت کار آمد ہیں، خاص طور پر بادشاہوں کے لیے جو بہت زیادہ دولت مند ہوتے ہیں اور جنھوں نے اس سے قبل اس علم پر توجہ دی ہے۔

اس کے بارے میں بیان کیا گیا ہے کہ ابو معشر بلخی نے کہا ہے کہ ملک ہندوستان میں ایک بادشاہ تھا جو ان علوم کا عالم اور حروف کے اسرار کا ماہر نیز نجوم سے واقف تھا۔ اس نے مریخ کو مسخر کرلیا تھا۔ (چناں چہ) ایک مرتبہ اس کا ایک دشمن نمودار ہوا اور اس نے بادشاہ سے جنگ کرنے کا قصد کیا۔ بادشاہ نے اس دشمن کی طرف توجہ نہ دی اور نہ اس سے مقابلہ کرنے کے لیے لشکر کو تیار کیا۔ یہاں تک کہ دشمن نے آس پاس کے شہروں کو فتح کرلیا اور سارے ملک پر قابض ہوگیا۔ بادشاہ کے وزیروں اور نوابوں نے عرض کی کہ پہلے تو ہم کچھ نہ کچھ تدبیر کرلیتے لیکن اب ہم کچھ نہیں کرسکتے، بس یہی ہوسکتا ہے کہ راہ فرار اختیار کریں۔ بادشاہ نے مدد کے لیے معاملہ ستارہ مریخ کو پیش کردیا اور اس سے دشمن پر قہر نازل کرنے کی درخواست کی۔ دشمن کو مریخ کے حوالے کردیا۔ بادشاہ ایک روز اپنے مصاحبوں کے ساتھ بزم عیش میں بیٹھا تھا کہ (اچانک) ہوا نے کسی چیز کو مجلس کے درمیان گرایا، دیکھا تو مثلث شکل کا تانبے کا ایک طباق تھا، جس میں ایک آدمی کا سر تازہ تازہ کٹا ہوا رکھا تھا۔ مصاحبین یہ تماشہ دیکھ کر خوف سے ادھر ادھر بھاگنے لگے بادشاہ ان کی اس سراسیمگی کو دیکھ کر ہنسا۔ جب کچھ دیر گزر گئی تو مصاحبین کو بلایا اور کہا، تمہیں بشارت ہو کہ یہ سر تمہارے اس دشمن کا ہے جس نے ہمارے ملک کو برباد کرنے کا قصد کیا تھا۔ یہ جو کچھ تم نے مشاہدہ کیا یہ ہمارے علم کا ثمر ہے، جس کے شغل سے تم ہمیں منع کرتے تھے اور ہمیں برسرِ خطا خیال کرتے تھے۔ مصاحبوں نے زمین چومی اور اور بہت عذر کیا۔

حضرت قدوۃ الکبراؒ اپنے اصحاب کو اسمائے اعظم کے وظائف کی بہت کم اجازت دیتے تھے بلکہ (فرماتے تھے کہ) ارباب دل کے لیے اس سے بہتر کام درپیش ہیں، جو طالب دریائے توحید میں غوطہ لگائے اور صحرائے تفرید میں قدم رکھ چکا ہو، اسے ان کاموں سے کیا تعلق ہے؟ درحقیقت یہ کام ایسا شخص اختیار کرتا ہے جو تقلید اور آسودگی کے دغدغے میں مبتلا ہے۔ ان اسمائے اعظم سے متقدمین کا مقصد دوسرا تھا۔ اس زمانے میں لوگوں نے اسمائے اعظم کو اطمینان اور آسودگی کا وسیلہ بنالیا ہے اور یہ نہایت برا رویہ ہے، تاہم درویشوں کو ان اسرار کا بھی علم ہونا چاہیے، جیسے کہ جوہری کی دکان میں ہر قسم کے جواہر کے نمونے ہوتے ہیں۔

دعائے حمیدی اور مریخ کو تسخیر کرنے کا عمل

اسم ، یا حمیدُ الفَعَّالِ ذالمَنّ علٰی جَمیعِ خَلقِهٖ بلُطفِهٖ ویا عالی الشّامِخِ فوق کلِّ شئٍ علوّ ارتفاعِهٖ (اے اپنے افعال کے لیے تعریف کیے گئے، اپنی عنایت سے تمام مخلوق پر احسان کرنے والے (خدا) اے ہر شے سے عالی مرتبہ اور برتر (ذات والے) اور ہر چیز سے بلند ہستی رکھنے والے۔) آخری اسم کا تعلق ستارہ مشتری سے ہے جس کے خواص اس

قدر زیادہ ہیں کہ ان کی تفصیل ناممکن ہے اسم مذکور کا صاحبِ دعوت اپنے وقت کا مقتدا اور پیشوا ہوتا ہے۔

وَاللّٰهُ يَهْدِي السَّبِيلَ [1] (اور اللہ سیدھا راستہ بتلاتا ہے۔)

اسم اڑتیں [2] کی شرح میں مشائخ کبار کا مشاہدہ ہے کہ (اس اسم کو) ستارہ مریخ سے نسبت ہے۔ اس کا ورد روز سہ شنبہ سے شب شنبہ ہے۔ اس کی دعوت کی مدّت چالیس دن ہے۔ ہر روز بالترتیب چار ہزار مرتبہ پڑھے اور اس تعداد میں کمی نہ کرے تا کہ (عامل کی) مراد ضایع نہ ہو۔ اس میں بہت سے اسرار مضمر ہیں۔ اگر (دورانِ عمل) خوفناک شور وغوغا سنے تو خوف زدہ نہ ہو۔ کوئی ایسی چیز نہ کھائے جس کا تعلق حیوان سے ہو۔ اسرار سختی کے ساتھ محفوظ رکھے اور اپنا راز کسی پر ظاہر نہ کرے۔ دونوں جہان کو اپنی نظر میں خاشاک کی مانند خیال کرے۔ چالیسویں دن جب شور اور آوازیں ختم ہو جائیں تو پانچ ساعتوں کی مقدار مدّت میں اچانک ایک عظیم ہیبت ناک شخص ظاہر ہوگا، وہ سرخ گنبد کی مثل ہوگا۔ سخت مزاج اور بے مروت ہوگا۔ اس کے دو مونچھوں کے ساتھ ڈاڑھی ہوگی، مونچھیں کھنچی ہوئی ہوں گی ایک برہنہ تلوار ہاتھ میں ہوگی۔ وہ آ کر سلام کرے گا اور سراپا کے ساتھ بیٹھ جائے گا۔ تلوار اپنی ران پر رکھے گا اور زمین کو تکتا رہے گا۔ وہ اپنے ہونٹوں کو جنبش دے گا لیکن سمجھ میں نہیں آئے گا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ صاحب دعوت کو لازم ہے کہ (ان باتوں سے) خوف زدہ نہ ہو اور اسم کا ورد اسی طرح جاری رکھے اور دل کو مضبوط کرے کہ یہ باتیں بھی عجائبات کی مثل ہیں جو دیکھنے میں آتی ہیں۔ اگر (صاحب دعوت) دل کو پرسکون رکھے گا تو اسے کوئی تکلیف نہ ہوگی، لیکن نعوذ باللہ منہا اگر غذا میں تھوڑا سا شک پیدا ہو جائے تو اچانک اس وہم سے اسم بھول جائے گا اور اسے پڑھ نہ سکے گا زبان سست ہو جائے گی۔ پوری ہمت سے اسم کا ورد نہ کر سکے گا، چناں چہ وہ شخص تلوار سے (صاحب دعوت کو) ہلاک کر دے گا۔

اگر (معین) شرایط میں کوئی شبہ نہیں ہوا ہے تو وہ کچھ نہ کر سکے گا۔ بس یہ لازم ہے کہ درست پڑھے اور بلند آواز سے پڑھے۔ وہ (موکل) ایک ساعت خاموش بیٹھا رہے گا صرف اس کے ہونٹ ہلتے رہیں گے۔ اس کے بعد وہ کہے گا کہ اے آدم کے بیٹے! اس دعوت سے آپ کا مقصود کیا ہے۔ اس کا صاحب دعوت جواب دے کہ میری غرض تجھے تسخیر کرنا ہے اور میں یہ چاہتا ہوں کہ تو میری موافقت کرے اور پھر کبھی نظر اعمال سے نہ پھیرے اور یہ سعادت اور قوت جو تجھے حاصل ہے وہ میرے حصے میں ڈال دے اور چھ وقتی دوستوں کے مطابق رہے کبھی میری مدد اور معاونت سے دست کش نہ ہو۔ مریخ زبان سے اقرار کرے گا کہ میں نے قبول کیا۔ میں آپ کا مددگار رہوں گا کہ آپ نے کوشش کی ہے اور میری تمنا کی ہے۔ آپ شاید کلی طلب باقی رکھیں گے اور مجتہدانہ کوشش جاری رکھیں گے۔ آپ نے بہت زیادہ کوشش کی ہے۔ اب اس اسم کی عظمت کی بدولت جو آپ پڑھتے ہیں، مجھے آپ پانچویں آسمان سے لائے ہیں تا کہ جو شخص دنیا میں آپ سے ضد کرے اور

---

[1] مترجم کو یہ آیت پاک قرآن حکیم میں نہیں ملی، ہوسکتا ہے کہ اس کی نگاہ نے غلطی کی ہو، البتہ پارہ ۲۱ سورہ الاحزاب کی آیت ۴ اس طرح ہے، وَاللّٰهُ يَقُولُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيلَ (اور اللہ حق بات فرماتا ہے اور وہی سیدھا راستا بتاتا ہے) ممکن ہے اصل متن کی عبارت بطور جملہ تحریر ہوئی ہو۔ واللہ اعلم۔

[2] اسم اڑتیں کون سا اسم ہے، یہاں نہ اسے تحریر کیا ہے اور نہ کوئی وضاحت ہے۔

آپ کا برا چاہے میں اس کا دشمن ہوجاؤں بلکہ اس تلوار سے اس کا سرتن سے جدا کردوں۔ اب آپ پر لازم ہے کہ اپنے راز کسی شخص کو نہ بتائیں اور انھیں پوشیدہ رکھیں۔ اگر آپ ایک بات کسی نامحرم کو بتائیں گے تو وہ آپ کی دعوت پر نکتہ چینی کرے گا اور یہ راز دوسرے شخص پر کھول دے گا، اس کا انجام یہ ہوگا کہ اس دعوت کے تمام فوائد ضایع ہوجائیں گے۔ آپ میری یہ بات اچھی طرح سن لیں اور غیروں سے یہ راز پوشیدہ رکھیں۔

جب وہ (عامل) یہ نصیحتیں پوری کرے گا تو وہ تمہیں ایک انگوٹھی دے گا۔ جو عقیق کے ٹکڑے کی مانند ہوگی اس پر نقش اور خط تحریر ہوں گے جو انگوٹھی اور عقیق سے جڑے ہوئے ہوں گے۔ دراصل یہ آسمانی جوہر ہوگا جس کی کان کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ اس انگوٹھی کو اپنے پاس رکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ آپ اس انگوٹھی کو کسی شخص کو نہ دکھائیں اور نہ کسی پر اس کی خاصیت ظاہر کریں نہ کسی کو اس کی اطلاع دیں۔ اگر صاحب دعوت اس انگوٹھی کو گم کرے گا تو پھر دوبارہ حاصل نہ کر سکے گا۔ اگر یہ انگوٹھی ہاتھ سے نکل گئی تو سمجھ لو کہ سات اقلیم کی بادشاہت ہاتھ سے گنوادی۔ صاحب دعوت پر لازم ہے کہ جس کام کا بیڑہ اس نے اٹھایا ہے اسے بہتر طریقے پر انجام دے کیوں کہ یہ نقش حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی کا نقش ہے۔ بہر حال جب مریخ صاحب دعوت کو یہ انگوٹھی سپرد کردے اور اسے اس کی تفصیل اور خاصیت بیان کردے تو صاحب دعوت یہ کہے:

''اے روئے زمین وزماں کے جملہ سلاطین کے آقا اور آسمان کے نگراں اور جلاد اب میری آپ سے یہ تمنا ہے کہ اس انگوٹھی پر جو اسم اعظم تحریر شدہ ہے اسے آپ مجھے سکھائیں (یاد کرائیں)''

اس کے بعد خود صاحب دعوت بھی اسے سیکھنے کی کوشش کرے کیوں کہ وہ پہلے ہی یہ کہہ چکا ہے کہ ہم اس سے یہ اسم سیکھیں گے اور یاد کریں گے۔ وہ اسما عبرانی زبان میں یہ ہیں۔

''یا تخیشا و تمسا ویا سطحی''

لیکن شرط یہ ہے کہ یہ اسما وہ مریخ سے یاد کرے اور اسی سے سیکھے اور اس سے ان اسما کی اجازت حاصل کرے تاکہ ان کے خواص حاصل کر سکے۔ جب صاحب دعوت (یہ اسما) سیکھ لے گا تو جس وقت چاہے مریخ کو حاضر کرے گا۔ اس انگوٹھی کو اپنے پاس رکھے اور یہ اسم پڑھے اللہ کے حکم سے مریخ فوراً حاضر ہوگا۔

(قصہ مختصر یہ کہ) مریخ صاحب دعوت کو انگوٹھی دے کر نگاہوں سے پوشیدہ ہوجائے گا۔ اس کے بعد صاحبِ دعوت اپنی مرادات کے مطابق عمل کرے تاکہ اسے مراد ومقصود حاصل ہو۔

اسم یاعظیم کے شرف کا بیان

''اسم اعظم یہ ہے: **یا عظیم ذالثناءِ الفاخر والعزو المجدو الکبر یاءِ فلا یذل عزهٗ** [1] **وَاللّٰهُ يَقُولُ الحَقَّ وَهُوَ يَهْدِى السَّبِيلَ۔**''

---

[1] یہاں سے آخر تک آیت قرآنی ہے۔ پارہ ۲۱۔ سورہ الاحزاب، آیت ۴۔

(اے عظیم! صاحب تعریف بزرگی، عزّت، مجد اور کبریائی والے، پس اس کی عزت کو زوال نہیں، اللہ تعالیٰ حق بات کہتا ہے اور وہی سیدھا راستہ بتلاتا ہے)۔

اسم اکتیّس

اگر کسی شخص کا مقدر ناکام ہوجائے (اس کی کوئی مراد بر نہ آئے) اور کسی طرح معاملات میں کشادگی حاصل نہ ہوتی ہو، اور وہ یہ چاہے کہ اس کی تمام مرادیں پوری ہوجائیں تو اسے چاہیے کہ سیاہ رنگ کے بکرے کا پورا جگر بند (ذبح کرکے) نکالے اور وہ بھی اس صورت میں کہ کسی شخص کی نگاہ اس پر نہ پڑے۔ جب تنہائی میں جائے تو دل کو جگر بند سے علاحدہ کرے اور اپنے سامنے رکھے، پھر سات سو مرتبہ یہ اسم اس دل پر پڑھے اور ہر بار پڑھنے کے بعد اس دل پر دم کرے اور کہے:

"یاربّ الارباب وَیا مُسبّب الاسباب وَیا مُفَتِحّ الابواب وَیا قاضی الحاجات وَ یا مجیب الدَّعوات وَ یا دلیل الخیرات۔" (اے پرورش کرنے والوں کی پرورش کرنے والے! اے اسباب فراہم کرنے والے! اے بند دروازوں کو کھولنے والے! اے حاجتوں کو پورا کرنے والے! اے دعاؤں کو قبول کرنے والے اور اے نیکیوں کی راہ دکھانے والے)

میری دعا قبول فرما، میرے رزق کو کشادگی عطا فرما اور مجھے لوگوں کی نگاہ میں عزیز ومحترم کر یا ارحم الرحمین۔ جب یہ وظیفہ پورا ہوجائے اور یہ دعا کرچکے تو اس اسم کو مشک وزعفران کے ساتھ کاغذ پر لکھے اور اسے دل کے اندر رکھ دے۔ پھر اس مسجد میں جہاں وہ پانچ وقت کی نماز ادا کرتا ہے اس کی دہلیز کے بالا خانے پر چھپا دے اور اس وقت خوشبو دینے والی چیز جلائے۔ جب مسجد کے دروازے سے واپس لوٹے تو یہ اسم پڑھے۔ اپنے وقت کے ہمراہ رہے اور اپنے دل میں کسی قسم کی تشویش اور اندیشے کو راہ نہ دے۔ وہ جگر بند جو باقی رہ گیا تھا اسے کسی خالی جگہ جہاں کسی کی نظر نہ پڑے، رکھے اور اس پر اکتالیس مرتبہ چھری مارے اور ہر بار اسم پڑھے۔ اس کے بعد اسے ریزہ ریزہ کردے اور گھی میں زعفران ملاکر بھون لے اور پھر کھالے۔ اس کے کھانے کے وقت سے یہ خیال رکھے کہ کیا چیز ظاہر ہوتی ہے اسی ہفتے میں اس کے حالات بہتر ہوجائیں گے۔ اور کامیابی حاصل ہوگی۔ رزق میں فراخی پیدا ہوگی۔ سعادت، نعمت اور نصیب کو کشادگی حاصل ہوگی۔ اس شخص کی نحوست، سعادت سے بدل جائے گی۔ اگر کسی لڑکی یا عورت کی شادی نہ ہوتی ہو یا نکاح کے بعد جدائی ہوجاتی ہو تو اس صورت میں یہی کرنا چاہیے کہ خوش بو آگ میں جلائے تاکہ ارواح اس کے گرد جمع ہوجائیں۔ وہ ارواح اس کی دوست بن جائیں گی اور اس کے کام میں مددگار اور معاون ہوں گی لوگوں کے دلوں کو اس کی محبت میں گرم رکھیں گی۔ اس اسم کا پڑھنے والا، خضر پیغمبر علیہ السلام کی مانند جنھوں نے آبِ حیات سے (دائمی) زندگی حاصل کی، دونوں عالم میں زندہ
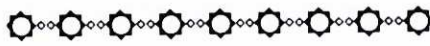
جاوید ہو جائے گا۔ (علاوہ ازیں) غیب کے علوم سے بہرہ منداور مخلوق میں ارجمند ہوگا۔

بارہ اسمِ اسرار جو انجیل کی فاتحہ ہے [۱]

یہ دعائے بشمخ کے نام سے مشہور ہے اور اپنے اندر بہت سے خواص رکھتی ہے۔ محمود سبکتگین کی دعاؤں میں لکھا ہے کہ اس کا ہر ایک اسم نو سو عمل میں کار آمد ہوتا ہے۔ یہاں صرف تھوڑا سا بیان کیا جاتا ہے۔

۱۔ کسی شبِ جمعہ میں اس کی شرایط کے ساتھ، ایک سو گیارہ مرتبہ شیرینی پر پڑھے۔ جس کسی کو کھلائے وہ مطیع ہو جائے گا۔

۲۔ دشمن کو برباد کرنے کے لیے اس ترتیب سے تین سو بار پڑھے۔ پہلے تین مرتبہ آیت الکرسی پڑھے اور اپنے چاروں طرف گول دائرہ کھینچے۔ جس وقت یہ دعا پوری کرے، دشمن کا نام زبان پر لائے اور دشمن کے نام پر چھری مارے۔ جب دوبارہ شروع کرے تو خوش بو آگ سے جلائے اور دعا پڑھنے میں مشغول ہو جائے۔ اسی طرح مذکورہ عدد تمام کرے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہ دشمن ہلاک و برباد ہو جائے گا۔ اس دعا کے اس طرح کے بہت سے خواص ہیں۔

دعائے بشمخ معہ موکل کا بیان

تسمیہ تسیمار حبانا رحبانا۔ دعا یہ ہے، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱۔ اَجِبْ یا هَیطَا ئِیلُ سَا مِعاً مُطِیْعاً بِحَقِّ هٰذِهِ الْاَ سْمَاءِ اَللّٰهُمَّ یَا بَشْمَخ بَشْمَخ ذَا لَا هَا مُوا شِیطُثُونَ اَسْاَلُکَ اَنْ تَقْضِیَ حَا جَتِیْ o

(قبول کر، اے ہیطائل! اس حال میں تو سنے اور ناموں کی برکت سے بجالا۔ اے اللہ، اے عظیم، اے بزرگوار اے خداوند، اے قدیم میں تجھ سے دعا کرتا ہوں کہ تو میری حاجت پوری کرے۔

۲۔ اَجِبْ یَا طُوْ رَ ائِیلُ سَا مِعاً مُطِیْعاً بِحَقِّ هٰذِ هِ الْاَسْمَاءِ اَللّٰهُمَّ یَا ذَ اُنوُاَ مُلْخو ثُوْ وَموْ ثُواْ دائِمُون آسْاَلُکَ اَنْ تَقْضِیَ حَا جَتیِ o

قبول کر، اے طورائیل! اس حال میں کہ تو سنے اور ان ناموں کی برکت سے بجالا۔ اے اللہ، اے پوشیدہ اور ظاہر کے جاننے والے، میں تجھ سے مانگتا ہوں کہ تو میری حاجت پوری کرے۔

۳۔ اَجِبْ یا شَمْسَائِیْلُ سَا مِعاً مُطِیْعاً بِحَقِّ هٰذِهِ الْاَسْمآءِ اَللّٰهُمَّ یَا خَیْثُوْ مَیْمُوْنَ اَرْقِشْ دَآرَ عِلِّیُّوْنَ اَسْاُلُکَ اَنْ تَقْضِیٗ حَاجَتِیَ o

قبول کر، اے شمائیل اس حال میں کہ تو سنے اور ان ناموں کی برکت سے بجالا۔ اے اللہ، اے صاحب برکت! تو انھیں جنت میں لائے گا۔ میں تجھ سے مانگتا ہوں کہ تو میری حاجت پوری کرے۔

---

[۱] اس لطیفے کے عنوان میں " دعائے بشمخ" کو توریت کی فاتحہ بیان کیا گیا ہے، یہاں انجیل کی فاتحہ نقل کیا ہے۔ واللہ اعلم یہ کتاب کا سہو ہے یا کیا ہے؟

۴۔اَجبْ یَا عَیْنَا ئِیْلُ سَامِعاً مُطِیْعاً بِحَقِ ھٰذِہِ الْاَ سْمَاءِ اَللّٰھُمَّ یَارَحْمِیثَا رَ ھْلِیْلُوْنَ مَیْتَطِرُوْنَ اَسْئَا لُکَ اَنْ تَقْضِیَ حَاجَتِیْo

قبول کر، اے عینا ئیل اس حال میں کہ تو سنے اور ان ناموں کی برکت سے بجالا۔ اے اللہ، اے ہم پر رحم فرمانے والے! تقویٰ عنایت کر، میں تجھ سے مانگتا ہوں کہ تو میری حاجت پوری کرے۔

۵۔اَجبْ یَامَیْنَا ئِیْلُ سَامِعاً مُطِیْعاً بِحَقِ ھٰذِہِ الْاَسْمَاءِ اَللّٰھُمَّ یَارَخْنِیْثُوا اَخْلَا قُوْنَ آسْئَاُلُکَ اَنْ تَقْضِیَ حَاجَتِیْ o

قبول کر، اے مینا ئیل اس حال میں تو سنے اور ان ناموں کی برکت سے بجالا۔ اے اللہ، اے مخلوق کو رزق دینے والے! میں تجھ سے مانگتا ہوں کہ تو میری حاجت پوری کرے۔

۶۔اَجبْ یَا قَمْرَائِیْلُ سَامِعاً مُطِیْعاً بِحَقِ ھٰذِہِ الْاَ سْمَاءِ اَللّٰھُمَّ یَارَحْمُوْثَ اَرْحِیمَ اَرْحِیْمُوْنَ اَسْاَلُکَ اَنْ تَقْضِیَ حَاجَتِیْo

قبول کر، اے قمرائیل اس حال میں کہ تو سنے اور ان ناموں کی برکت سے بجالا۔ اے اللہ! اے رحم کرنے والے! ہم پر رحم فرما۔ میں تجھ سے مانگتا ہوں کہ تو میری حاجت پوری کرے۔

۷۔اَجبْ یَامَنْجِیَا ئِیْلُ سَامِعاً مُطِیْعًا بِحَقِ ھٰذِہِ الْاَ سْمَاءِ اَللّٰھُمَّ یَاِلھِیاً اَشْرِ ھُیاً اَذُوْنِیْ اَصْبَا اُوْثَ اَصْبَا اُوْثُوْنَ اَسْئَا لُکَ اَنْ تَقْضِیِ حَاجَتِیْo

قبول کر، اے منجائیل اس حال میں کہ تو سنے اور ان ناموں کی برکت سے بجا لا۔ اے اللہ! اے زندہ وپائندہ! ہم سے بلاؤں اور آفتوں کو دور رکھ۔ میں تجھ سے مانگتا ہوں کہ تو میری حاجت پوری کرے۔

۸۔اَجبْ یَااِسْمَا عِیْلُ سَا مِعاً مُطِیْعاً بِحَقِ ھٰذِہِ الْاَسْمَاءِ اَللّٰھُمَّ یَا نُوْرُاَرْغَیْش اَرْ غِیْ تَثْلِیْثُوْنَ اَسْئَاُلُکَ اَنْ تَقْضِیَ حَاجَتِیْo

قبول کر، اے اسماعیل اس حال میں کہ تو سنے اور ان ناموں کی برکت سے بجالا۔ اے نور! اے مخلوق کے کاموں کو روشن کرنے والے! میں تجھ سے مانگتا ہوں کہ تو میری حاجت پوری کرے۔

۹۔اَجِبْ یَا جِبرَئِیْلَ سَامِعاً مُطِیْعاً بِحَقِّ هٰذِهِ الْاَسْمَاءِ اَللّٰهُمَّ یَا اَشْبِرَاسُمَا اَسُمَا اُوْنَ آسْاُلُکَ اَنْ تَقْضِیْ حَاجَتِیْ ○

قبول کر اے جبرائیل اس حال میں کہ تو سنے اور ان ناموں کی برکت سے بجا لا۔ اے اللہ! اے بخشنے والے! میں گنہگار اور بدکردار ہوں۔ میں تجھ سے مانگتا ہوں کہ تو میری حاجت روائی کرے۔

۱۰۔اَجِبْ یَادَرْ دَائِیْلُ سَامِعاً مُطِیْعاً بِحَقِّ هٰذِهِ الْاَ سْمَاءِ اَللّٰهُمِ یَامَنِیْعُنوَاَمِیْلُخاً مَلْخُونَ اَسْاَ لُکَ اَنْ تَقْضِیُ حَاجَتِیْ ○

قبول کر، اے دردائیل اس حال میں کہ تو سنے اور ان ناموں کی برکت سے بجالا۔ اے اللہ! اے تمام چیزوں کا علم رکھنے والے! فریاد رس! میں تجھ سے مانگتا ہوں کہ تو میری حاجت روائی کرے۔

۱۱۔اَجِبْ یَا مِیْکَائِیْلَ سَامِعاً مُطِیْعاً بِحَقِّ هٰذِهِ الْاَ سْمَاءِ اَللّٰهُمَّ یَاآلَامَ اَرْعِدْ اَرْعِیْ یَزْنُوْنَ آسْئَالُکَ آنْ تَقْضِیْ حَاجَتِیْ ○

قبول کر، اے میکائیل اس حال میں کہ تو سنے اور ان ناموں کی برکت سے بجالا۔ اے اللہ! اے بادشاہ! میں تیرا گدا ہوں۔ میں تجھ سے مانگتا ہوں کہ تو میری حاجت روائی کرے۔

۱۲۔آجِبْ یَا اِسْرَافِیْلَ سَامِعاً مُطِیْعاً بِحَقِّ هٰذِهِ الْاَ سْمَآءِ اَللّٰهُمَّ یَامَشْمَخ مِشْمَخُیْثَا مَثَلاَ مُوْنَ بَیْنَ الْکَافِ وَالْنُوْنَ اِنَّمَا اَمْرُهُ اِذَا اَرَادَ شَیْئاً اَنْ یَقُوْلُ لَهُ کُنْ فَیَکُوْنَ فَسُبْحَانَ الَّذِیْ بِیَدِهِ مَلْکُوْتُ کُلِّ شَیْءٍ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ آسْاَلُکَ اَنْ تَقْضِیَ حَاجَتِیْ ○ [1]

قبول کر، اے اسرافیل اس حال میں کہ تو سنے اور ان ناموں کی برکت سے بجالا۔ اے اللہ! اے حاجت برلانے والے! مجھے اور دوسرے خواستگاروں کو کسی امید سے محروم نہ رکھ درمیان کاف اور نون کے، جس سے مراد لفظ ''کن'' ہے۔ جب کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو بس اس کا معمول تو یہ ہے کہ اس چیز کو کہہ دیتا ہے کہ ہوجا، پس وہ ہوجاتی ہے۔ تو اس کی پاک ذات ہے جس کے ہاتھ میں ہر چیز کا پورا اختیار ہے اور تم سب کو اسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے میں تجھ سے مانگتا ہوں کہ تو میری حاجت روائی کرے۔

---

[1] پارہ ۲۳۔ سورہ یٰسٓ، آیات ۸۲ اور ۸۳

اختتام دعائے بشیخ

ا۔اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَاَلُکَ یَا آللّٰہُ اَنْ حفِظْنِیْ مِنْ کُلِّ بَلَاءٍ وَآفَةٍ وَعَا ھَةٍ وَوَجعٍ وَکُلِّ عِلَّةٍ وَکُلِّ فِتْنَةٍ وَمِنْ کُلِّ شِدَّةٍ وَبَلِیَّةٍ وَزَلْزَلٍ وَزَلْزَلَةٍ وَمِنْ شَرِّ کُلِّ شَیْطَانِ الرَّجِیْمِ وَمِنْ شَرِّ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ مِنْ شَرِّ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَمِن شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ اِلٰھِیْ بِحَقِّ ھٰذِہٖ اَلْاَسْمَآءِ وَبِحَقِّ ھُوْ یَامَنْ ھُوَ یَامَنْ ھُوَ ھُوَ یَامَنْ ھُوَ ھُوَ یَامَنْ ھُوَ ھُوَ لَااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اَحْفِظْنِیْ مِنْ جَمِیعِ الْبَلَایَاوَالْاٰفاتِ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ سَیِّدِ النَّبِیِّیْنَ وَاٰلِہٖ اَجْمَعِیْنَ بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرّحِمِیْنَ ٥

اے اللہ! بے شک میں تجھ سے دعا کرتا ہوں کہ تو مجھے ہر بلا اور آفت سے محفوظ اور ہر مرض اور تمام علّتوں سے دور رکھ۔ مجھے ہر فتنے، ہر مصیبت و تکلیف، لغزش وزلزے، تمام راندے ہوئے شیطانوں کے شر اور شیطان مردود کے شر سے بچا۔ جن اور انسان کے فساد اور حاسدوں کے شر سے، جب وہ حسد کرتے ہیں میری حفاظت فرما۔ اے اللہ ان ناموں کی برکت سے اور بہ برکت ہو یا من ہو ہو، ہو یا من ہو ہو، یا من ہو ہو، یا من ہو ہو (میری دعا قبول کر) اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لایق نہیں۔ مجھے تمام مصیبتوں اور آفتوں سے محفوظ رکھ بہ طفیل سردار انبیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل کے برحمتک یا ارحم الرّاحمین۔

عرش وکرسی، ملایک ومنازل، حرف واسم اعظم کی وضع کا بیان

قدوۃ الحکما و العلما، سلطان المحققین ابوعلی سینا رحمتہ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ جو شخص اس ''نقش عرش'' کو شرفِ آفتاب کے روز سونے پر، شرف قمر کے روز چاندی پر، مشتری یا آفتاب کی ساعت میں کندہ کرکے اپنے پاس رکھے، حق سبحانہ تعالیٰ اس کو آخری زمانے کے مصائب اور فتنوں سے، زخمی کرنے والے آلات سے، چوروں سے، جلنے اور ڈوبنے سے محفوظ رکھے گا۔ اس پر کوئی دشمن غالب نہ ہوسکے گا۔ جس لشکر کے پاس یہ نقش ہوگا وہ لشکر ہمیشہ فتح مند ہوگا۔ صاحبِ نقش امرا اور سلاطین کا منظورِ نظر ہوگا۔ مختصر یہ کہ تمام بلاؤں سے محفوظ اور فایدوں سے بہرہ مند ہوگا۔

جو شخص ہر روز صبح کے وقت اس نقش پر نظر ڈالے گا، اس کی ستر دینی اور دنیاوی حاجتیں برآئیں گی اس کے رزق میں اضافہ ہوگا۔ تمام تکلیفوں اور مصیبتوں سے محفوظ ہوگا۔ تمام مخلوق خواہ جن ہوں یا انسان اسے دوست رکھیں گے۔ کوئی دیو یا پری اسے نقصان نہ پہنچا سکے گا۔ اس پر کسی جادو یا سحر کا اثر نہ ہوگا۔ یہ نقش عرش، کرسی اور آسمانوں کی ہیئت کے بہت سے خواص رکھتا ہے اور اس کے بے شمار اثرات تجربے سے معلوم ہوں گے۔

نقشہ اوضاع عرش و کرسی

اسماء کواکب
موکلات
زحل
مشتری
مریخ
شمس
زہرہ
عطارد
قمر
ازرفائیل
زرحیائیل
عطائیل
بروج المائی
بروج الترابی
جدی
دربیان رکن اول از عزیمت عظیم
کہ انسب بہ حرارت و یبوست دارد
اسم اعظم
الملائکہ
مولکل النار
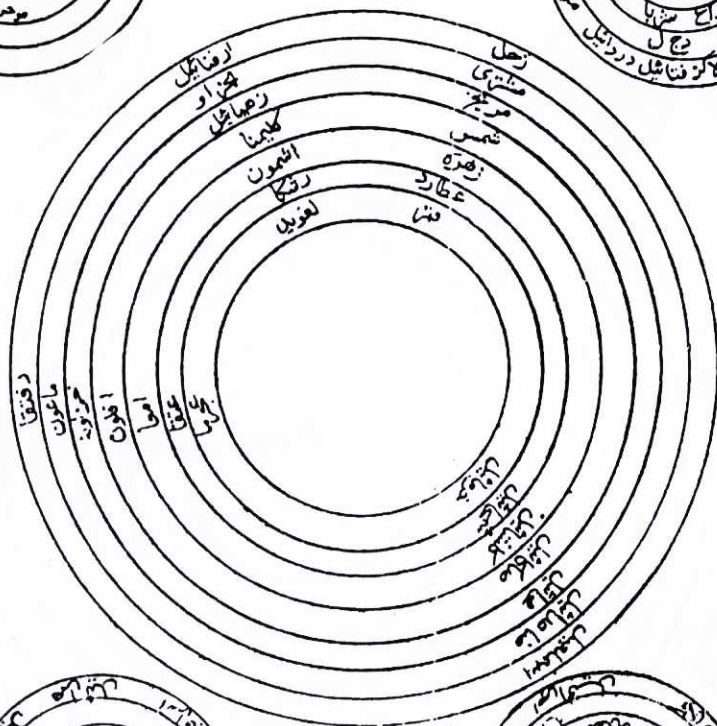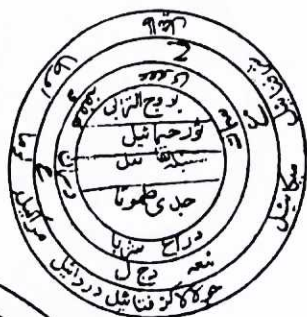
جاننا چاہیے کہ اس رکن کا تعلق عالمِ جبروت سے ہے اور علمِ ہیئت واسما کا مظہر ہے جنھیں تمام فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں۔ اجزمن نمر جا اس کا مزاج گرم اور خشک ہے اور حروف سات ہیں، یہ قول امام حجتہ الاسلام محمد بن غزالیؒ کا ہے اور شیخ الاسلام قدوۃ المحققین محی الدین ابن عربیؒ نے فتوحات مکیہ میں تحریر کیا ہے حروف آتشی ہیں جیسا کہ دایرے میں مذکور ہے اور اُس رسالے کے جدولِ ابجد میں ہے جس کا ہم ذکر کر چکے ہیں۔ جس کا جی چاہے، رسالے سے رجوع کرے۔ ابوعلی ضریر کا قول ہے کہ حروف آتشی ہیں۔ وہ یہ ہے ''اغرطحش'' (لیکن) قول اوّل اصح ہے۔ حروفِ آتشی تین برجوں پر منقسم ہیں۔ حمل، اسد اور قوس۔ ہر ایک کی کیفیت معلوم ہے۔ یہ دائرے بے شمار ہیں، یہاں اختصار کی غرض سے انھی پر اکتفا کیا گیا ہے۔

علمِ تکسیر[1] کا تھوڑا سا ذکر

وہ تکسیرات جو دایروں میں تحریر کیے گئے ہیں اگر بغیر شرائط کے عمل میں لائے جائیں گے تو چنداں فایدے مند نہ ہوں گے۔ اگر کوئی شخص لوگوں کے دل اپنی جانب مایل کرنے یا دشمن اور ظالم کو دفع کرنے کا خواہشمند ہے تو اسے عمل میں لائے۔ اس شخص کو چاہیے کہ پہلے تصریح اور تحریر کے ذریعے کام نکالے اور اگر وہ ظالم اور ستم گر ظلم سے باز آجائے تو مراد مل گئی اور اگر باز نہ آیا تو اس کے قلع قمع کرنے کے لیے عمل کرے۔ (اس کی صورت یہ ہے کہ) شروع کرنے سے پہلے غصّے کو دل سے نکال دے، پھر مسواک کے ساتھ وضو کرے اور دو رکعت نماز استخارہ ادا کرے۔ (کاغذ کے) دو ٹکڑوں پر ''افعل'' اور ''لاتفعل'' لکھ کر ڈال دے جیسا کہ مشہور ہے۔

عمل کی کیفیت یہ ہے کہ طالع مطلوب کا نام جمل کے حساب سے جو تحریر کیا گیا ہے تحریر کرے۔ سہو اور غلطی کا خیال رکھے کہ طالب کے نام اور اس کی ماں کے نام کے عدد اتنے ہیں، پھر انھیں بارہ کے عدد سے تقسیم کرے، جو باقی رہے اسے عدد کی مقدار کے مطابق برجوں کے حوالے کر دے۔ اسی طرح مطلوب کے نام کا استخراج کرے اور برجوں کے دایروں پر نگاہ ڈالے۔ (اس کے بعد) پہلے اُن خوشبوؤں کو جو ہم نے دایروں میں بیان کی ہیں جلائے اور کامل ہمت سے اس ستارے سے مخاطب ہو جو اس دایرے سے منسوب ہے، جس طرح اصول میں تحریر کیا گیا ہے، ستارے کے حروف کے عدد کے مطابق پڑھے اور جتنی مرتبہ پڑھے خوشبو جلائے۔ اس کے بعد طالب اور مطلوب کے حروف کو اس طرح ملائے کہ طالب کے نام کا پہلا حرف لکھے پھر مطلوب کے نام کا پہلا حرف طالب کے نام کے پہلے حرف کے پہلو میں لکھے، پھر طالب کے نام کا دوسرا حرف مطلوب کے نام کے حرف کے پہلو میں لکھے، اس کے بعد مطلوب کے نام کا دوسرا حرف طالب کے نام کے حرف کے پہلو میں لکھے۔ اسی طرح طالب و مطلوب کے ناموں کے حروف ملائے۔ اگر طالب یا مطلوب کے نام کے حروف کم ہو جائیں تو از سرِ نو نام کے حروف طالب یا مطلوب کے نام کے حروف کے پہلو میں لکھے۔ جب (یہاں تک) مرتب

---

[1] تکسیر، تعویز کے خانوں میں قاعدے کے مطابق عدد بھرنے کو کہتے ہیں۔

ہو جائے تو پھر ان ملائکہ کے نام جو اِن حروف کے موکل ہیں، طالب و مطلوب کے نام کے حروف کے نیچے لکھے جیسا کہ دائروں میں تحریر کیا گیا ہے، دھات کے پترے پر لکھے۔ اگر مطلوب کا برج آتشی ہے تو آگ میں ڈال دے، بادی ہے تو ہوا کے حوالے کرے، اگر آبی ہے تو دھو کر (مطلوب کو) پلا دے یا بہتے پانی میں بہا دے۔ اگر خاکی ہے تو مطلوب کے مکان کی دہلیز میں یا اس کی گزرگاہ میں گاڑ دے۔ مقصد حاصل ہو جائے گا۔ یہ اسرار نا اہل شخص سے پوشیدہ رکھے۔ مثال کے طور پر اگر طالب کا طالع ثور ہے اور مطلوب کا طالع اسد ہے، جیسے کہ علی طالب اور محمّد مطلوب تو انھیں جداگانہ طور پر اس طرح ثبت کرے۔

ع	ل	ی	م	ح	م	د
م	ح	م	د	ع	ل	ی
د	ع	ل	ی	م	ح	م
ی	م	ح	م	د	ع	ل
م	د	ع	ل	ی	م	ح
ل	ی	م	ح	م	د	ع
ح	م	د	ع	ل	ی	م

اس بیان کردہ طریقے کے مطابق متقدمین کی بعض کتابوں میں تکسیر کی گئی ہے اور بہت سے تعویز، نقش اور طلسم ترتیب دیے گئے ہیں۔ ان کے نیچے خط کھینچ کر حروف کو بصورتِ شکل تحریر کیا ہے، جیسے چند مکرر حروف اور تکسیرات کے حروف میں تحریر ہیں۔

اس مجموعے کو جمع کرنے والا عرض کرتا ہے، وہ تکسیرات جن میں حروف مکرر ہوتے ہیں، اُن میں طالب و مطلوب ہی کلی طور پر مقصود ہوتے ہیں۔ جب تک طالب و مطلوب کا نام ہر ضلع سے مستخرج نہ ہوگا اس سے کوئی فائدہ حاصل نہ ہوگا اور اس کی تاثیر بہت کم ہوگی۔ اس فقیر نے بہت محنت کر کے استخراج کی یہ صحیح ترکیب مرتب کی ہے تاکہ فوائد حاصل ہو سکیں۔ یہ ضروری ہے کہ اسی طرح طالب اور مطلوب کے نام تکسیر کیے جائیں اور حروف کے موکلات تحریر کیے جائیں۔ ان کو اکب اور اسم اعظم کو مخاطب کیا جائے جو دائروں اور وصول میں ہیں اور جو طالب اور مطلوب کے نام سے نسبت رکھتے ہیں جیسا کہ سرالاسرار میں تحریر کیا گیا ہے اس سے ذرّہ برابر تجاوز نہ کیا جائے تاکہ عجائبات اور مسبّب الاسباب اور مقلب القلوب کے حکم کی تاثیرات کا مشاہدہ کرے۔

اگر کوئی چاہے کہ تکسیرات کی اس ترکیب سے کوئی حرز یا تعویذ بنائے وہ مختصر ہو لیکن اس کے فائدے بہت زیادہ ہوں تو (اسے چاہیے کہ) تکسیر کے بعد طالب اور مطلوب کے نام کے حروف کے عدد جمع کرے اور اس اسم اعظم کے عدد جو اس عمل کے لائق ہے اس میں شامل کرے۔ اعداد مذکور چوڑے مربع میں لکھے اور اپنے پاس رکھے۔ اس کے بہت زیادہ فائدے ہیں۔

جاننا چاہیے کہ تکسیر کئی طرح کی ہوتی ہے۔ سب کو بیان کرنا ممکن نہیں ہے۔ تکسیر کی ایک قسم یہ ہے کہ اس میں طالب کا نام پہلے لکھا جاتا ہے اور مطلوب کا نام بعد میں لکھتے ہیں۔ دوسری قسم اس کے برعکس ہے جیسے کاغذ یا لوح پر ایک ایک حرف جدا جدا تحریر کرے اور سات سطروں میں تکسیر کرے۔ اوایل سطروں کے حروف اور اواخر سطروں کے حروف (لکھے) جیسا کہ پہلے کیا ہے۔ انھیں کاغذ پر یا نگینے پر تحریر کرے۔ اس وقت دونوں سطروں کے (اوایل اور اواخر سطروں کے) حروف کے عدد جملِ کبیر کے حساب سے حاصل کرے اور مربعے میں چار چار وقف بنائے تاکہ مقصود حاصل ہو۔ اس مقام پر جہاں سے تمام حروف لیے ہیں وہاں سے حروف تکسیر کے اعداد حاصل کرے، جیسے کہ مہینوں کی چاند رات میں جمل کبیر کا حساب کسر کر کے بیان کیا جائے گا۔ (صاحبِ عمل کو) چاہیے کہ خود کو سہو اور غلطی سے محتاط رکھے۔ تکسیر کی صورت اور باہم ملانے کی کیفیت بیان کی جا چکی ہے۔

وقف اعداد کی صحت کے بیان میں تحریر کیا جاتا ہے کہ اس وقف کے ہر ضلعے میں اسما کے حروف کے عدد بتمام و کمال موجود ہیں، اگر ان کو نکالا جائے تو اضلاعِ اربعہ حاصل ہوں گے اور ان میں عدد باقی رہیں گے۔ اس طرح دوسرے اور تیسرے دائرے کی آخری ضلعِ قطر تک صورت رہے گی یعنی درمیان کے چار خانے رہیں گے۔

جاننا چاہیے، بہتر طریقہ یہ ہے کہ یہ اعداد وقف ہندسوں میں لکھے جائیں، جمل کے حروف میں نہ لکھیں کیوں کہ تمام قدیم اہل حکمت نے اپنی کتابوں میں یہی تحریر کیا ہے۔ یہ احکام میں سے عجیب حکم ہے۔

جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں ہر نام فرد ہوتا ہے یعنی لفظ کے حروف کے معنی کے ساتھ فرد یا وتر (تین حروف) کی مثل ہوتا ہے لیکن اُن حروف کے ساتھ فرد ہی ہوتا ہے، مثال کے طور پر، احد، نور اور صمد تین حروف رکھتے ہیں۔ اسی طرح سو ۱۰۰، چالیس ۴۰ اور پانچ ۵ کے عدد ہیں۔ یہ اسما جمل کے حساب سے جدائی ڈالنے اور پریشان کرنے کے لیے ہیں۔ وہ اسم جو جفت ہوتا ہے، وہ معنی کے اعتبار سے بعد کے حروف کا زوج ہوتا ہے، اس لیے صالح ہوتا ہے۔ یہ دو شخصوں کے درمیان میل جول، محبت اور دوستی پیدا کرتا ہے جیسے کہ اسم ''حیّ'' اور ''قیوّم'' اور نوعیت کے دوسرے نام جاننا چاہیے کہ جو اسم موافق ہوتا ہے اس کے عدد جفت ہوتے ہیں یعنی جمل کے حساب سے صالح ہے اور دو شخصوں کے درمیان الفت پیدا کرتا ہے۔ اگر کسی نام کے حروف زیادہ ہیں اور کسی نام کے حروف کم ہیں اور تم دونوں ناموں کے درمیان توافق پیدا کرنا چاہتے ہو تو زیادہ حروف والے اسم میں سے تعریف کا الف لام یا حروف علّت نکال لینا چاہیے۔ ی، و، ا، حروفِ علّت ہیں۔ تمھیں جتنے حروف نکالنے کی ضرورت ہے بس اتنے ہی حروف نکال دو تاکہ دونوں نام حروف کے عدد میں برابر اور موافق

ہو جائیں۔ اس میں ایک عجیب و غریب راز ہے۔

جان لیں کہ دعوت میں ایک پوشیدہ راز یہ ہے کہ جب تم اسما کے حروف شمار کرنا چاہو تو ان اسما میں سے ال توصیفی نکال دو، جیسے الکبیر المتعال سے ال توصیفی حذف کردو تو کبیر متعال رہ جائے گا۔ اب دیکھو کہ ان اسموں کے عدد کتنے ہیں۔ جمل الکبیر کے حساب سے ان عددوں کو خالی جگہ میں، شرائط مذکورہ کے مطابق بغیر کسی کمی اور زیادتی کے جمع کرو۔ (یہ تکسیر) دعائے توسم کے ساتھ اس وقت مستجاب ہوگا اور یہ اللہ کے حکم سے بڑی بات ہے کیوں کہ مطلوبہ عدد کی مقدار میں زیادتی اسراف اور کمی باعثِ خلل ہے۔ اگر چہ متقدمین نے ظہور کے سبب تکسیر کا ذکر نہیں کیا ہے اور نہ کوئی مثال تحریر کی ہے، ہم نے اس کتاب میں طالب کی سہولت کے لیے اسے بیان کردیا ہے۔

(کسی) مہینے کی سولہ تاریخ کو ایک سلطان موضع اندکہ پرگنہ سرور پور سے حاضر ہوئے اور چاہا کہ ان کو (زمینداروں کو) وطن سے باہر نکال دیا جائے۔ یہ صورت حال حضرت قدوۃ الکبرا کی خدمت میں عرض کی گئی۔ آپ نے اسے جواب میں تحریر فرمایا۔ اس مکتوب کا مفہوم اور عبارت یہ ہے:

''فرزند اعز، اکرم وارشد ملک فتح اللہ خاں!

تم اور تمہارے بھائی اور خاندان کو نعمت دارین حاصل ہو۔ معلوم ہو کہ تمہارا عریضہ ہمیں ملا اور ہم حالات سے مطلع ہوئے۔ حضرت پیشوائے بنی آدم اور مرشدِ عالم قدس اللہ سرہ العزیز کی ولایت بے نہایت کی برکت سے تمہارے دشمن مقہور اور مردود ہوں گے۔ اس مہم کے لیے درویشوں نے فاتحہ پڑھی ہے۔ تمہیں چاہیے کہ اس مکتوب میں جو دعا درج ہے اسے زیادہ سے زیادہ پڑھیں، بہت فائدہ حاصل ہوگا، ان شاء اللہ تعالیٰ نبی علیہ السلام اور آپ کی بزرگ آل کے طفیل تمہاری اور سب بھائیوں کی عاقبت اور خاتمہ بخیر ہو۔'' دعا یہ ہے:

بسم اللہ الرحمن الرحیمo یا حّی یا قیّوم یا حنّان یا منّان یا بدیع السمٰوات والا رض یا ذالجلال والاکرام۔ لا الٰہ اِلّا انت اسالک ان تحی قلبی بنور معرفتک یا اللہ یا اللہ یا اللہ

(اللہ کے نام سے جو بخشنے والا اور مہربان ہے۔ اے ہمیشہ زندہ پائندہ اے ہمیشہ قائم رہنے والے! اے بہت شفقت کرنے والے! اے بہت احسان کرنے والے! اے آسمان اور زمین پیدا کرنے والے! اے شوکت، سطوت اور بزرگی کے مالک! تیرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ میں تجھ سے مانگتا ہوں کہ تو اپنے نور معرفت سے میرے دل کو زندہ رکھے۔ یا اللہ یا اللہ یا اللہ)

یہ دعا ہر مہم کی کامیابی کے لیے چندروز مسلسل پڑھے، کامیابی حاصل ہوگی۔

بعض دواؤں کے فوائد کا ذکر جو حاجات، صحت اور تکلیف کے لیے مفید ہیں۔

برگِ مندار کو سرسوں کے تیل میں مل کر آگ پر رکھیں۔ جب تھوڑے گرم ہوجائیں تو پتوں کو ہاتھ سے نچوڑیں۔ اس طرح ایک دو قطرے ٹپکیں گے۔ ان قطروں کو کان میں ڈالنے سے کان کا درد جاتا رہے گا۔ برگِ ازقونیاں (تھوہڑ) بھی یہی فائدہ دیتا ہے۔

پختگی سر کا مرض جو بچوں کو ہوتا ہے

اسے ہندی زبان میں چائیں چونیں کہتے ہیں۔ (اس کی دوا یہ ہے) لیموں بلادر (بھلاواں) بڑی بارکٹائی پانچ عدد گھنگچی سب ہم وزن لیں پھر پیس کر چھان کر اور پانی ملا کر سر پر مالش کریں۔

گلا صاف کرنے کے لیے

کل جائے کے پتے، دانہ الائچی، بے بیج والی سبزی، درخت لیموں کے پتے اور پلپل دراز۔ سب کو پیس لیں پھر شہد ملا کر چاٹیں۔ آواز صاف ہوجائے گی۔

چہرے کی شگفتگی کے لیے

درخت سینبل کے کانٹے اور ہلدی کو بکری کے دودھ میں گھس کر چہرے پر ملیں۔ شگفتگی پیدا ہوگی اور کسل دور ہوگی۔

دوسرا نسخہ

کیکر کے درخت کا پھل، اس کی چھال کے ساتھ باریک پیس کر دودھ میں جوش دیں پھر گرم دودھ میں روغن گاؤ (خالص گھی) ملا کر چہرے پر ملیں۔ شگفتگی پیدا ہوگی۔

چہرے کا رنگ صاف کرنے کے لیے

لودھ پٹھانی، میتھی، سرسوں اور جو (ہم وزن)۔ ان سب کو صاف کر کے خشک کریں۔ پھر پیس کر شہد ملائیں اور ابٹن کی طرح چہرے پر ملیں۔

دوسرا نسخہ

برگ اندراین، بکری کے دودھ کے ساتھ پیس کر چہرے پر ملیں، رنگ صاف ہوجائے گا۔

خنازیر یا کنٹھ مالا علاج

بیخ اندراین چار درم کے وزن کے برابر، مادہ گاؤ کے پیشاب (گمیز) میں پیس کر ملائیں۔ اور ایک ہفتے تک بمقدار ایک کٹورہ پئیں۔ کنٹھ مالا غائب ہوجائے گا۔[1]

دوسرا نسخہ

کورموش (چھچھوندر) مار کر اسے روغن میں جوش دیں یہاں تک کہ گھل جائے۔ یہ تیل کنٹھ مالا پر لگائیں۔ صحت حاصل ہوگی۔

تیسرا نسخہ

درخت سپستان[1] کی چھال ہر روز چار درم فراہم کریں۔ اسے آٹھ کٹورے پانی میں جوش دیں۔ جب ایک کٹورا رہ جائے تو گرم دودھ ملا کر پئیں۔ کنٹھ مالا جاتی رہے گی۔

استقرارِ حمل

ناگیر چھ درم، روغن مادہ گاؤ چار درم گائے کے دودھ کے ساتھ حیض سے پاک ہونے کے بعد پئیں۔ حمل قرار پائے گا۔

اگر اولادِ نرینہ کی خواہش ہے تو یہ تعویز عورت کے بائیں پہلو میں کامل ایک ماہ گزرنے اور بعض کے نزدیک چار ماہ گزرنے کے بعد باندھے اللہ تعالیٰ کے حکم سے بیٹا پیدا ہوگا۔ تعویز یہ ہے:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ولَو اَنَّ قُراٰناً سُیِرّت بِہِ الجِبَالُ اَو قُطِّعَت بِہِ الا رَضُ اَو کُلِّمَ بِہِ الموتی بَل لِلّٰہ الاَ مُرجَمِیعاً[2]

اللہ کے نام سے جو بخشنے والا مہربان ہے اور اگر کوئی ایسا قرآن ہوتا جس کے ذریعے سے پہاڑ (اپنی جگہ سے) ہٹا دیے جاتے یا اس کے ذریعے سے زمین جلدی جلدی طے ہوجاتی یا اس کے ذریعے سے مُردوں کے ساتھ کسی کو باتیں کرادی جاتیں تب بھی یہ لوگ ایمان نہ لاتے بلکہ سارا اختیار خاص اللہ ہی کو ہے۔

الٰھی احدی صمدی مددی وصلّی اللہ علیٰ خیر خلقہ محمد وآلہٖ اجمعین۔

خدایا تو یکتا اور بے نیاز ہے اور میرا مددگار ہے۔ اللہ کی رحمت ہو مخلوق میں سب سے افضل محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی تمام آل پر۔

---

[1] مطبوعہ نسخہ ص ۳۹۵ ملاحظہ فرمائیں۔

[2] یہاں تک آیت قرآنی ہے۔ پارہ ۱۳۔ سورہ الرعد آیت ۳۱

یہ آیت وضعِ حمل کے لیے بھی مذکور ہوئی ہے۔ اسے لکھ کر عورت کے بازو پر باندھے۔ اگر بیٹے کا حمل ہو تو بندھا ہوا رہنے دیں اگر حمل ساقط ہو جاتا ہے تو یہ نقش لکھ کر (عورت کو) پلائیں۔ اللہ کی قدرت سے حمل قرار پائے گا۔ نقش یہ ہے:

لعما کاط ااا کے ھ کے را ۸ اا کل ولك

یہ تعویز سفید کبوتر کے خون سے لکھیں اور سبز ڈورے کے ساتھ کمر میں باندھیں۔ اللہ کی قدرت سے حمل ساقط ہونا بند ہو جائے گا۔ تعویز یہ ہے:

شیطر طوشا شیطشا العجل یا ام الصبیان بحق سلیمان بن داؤد علیہ السلام وخاتمہ

اگر تم یہ چاہتے کہ عورت حاملہ نہ ہو تو تمہیں چاہیے کہ اس نقش کو کاغذ پر لکھو اور عورت کے بائیں بازو پر باندھ دو۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے حاملہ نہ ہوگی۔ اگر آزمانا چاہتے ہو تو کسی درخت سے باندھو یا مرغی کے بائیں پیر میں باندھو، انڈے دینا بند کر دے گی۔

لاطمد لرو ا ااا ہ ولاواع ۷ م ۹۱۱۱۱۱۹۹۸۸۱۸۹۹۱۲۰

بعض ہندی منتر

زہر مار منتر یہ ہے:

اوم جند طپینا بہر کنتہہ مانتہن من پہرای نانک وہی محمد جہار تہہ نریس کری خدای راجا باسک بس سجارا ناکنہ دہرتی مای و محمد بہ بس نجونہ پہرتا جای اوم کنول التنہہ سوالا کہ بس ہرنتہہ لا الہ الا اللہ محمد کتہتہہ نیہ لیا لکہہ نانہہ

دفع بدہ

تہنیلا وکوہے وبہر بہتیا ولگلہ بلای پڑھے، پھر جو شخص مبتلا ہے اس کے کپڑے کو ہاتھ سے بل دے کر پڑھے۔ سات بار صبح وشام پڑھے۔ ہر بار اس کے کپڑے پر دم کرے۔ مریض سے کہے کہ اپنا ہاتھ تکلیف کی جگہ پر رکھے۔ منتر یہ ہے۔

کالی کونی جیگل کی کاجل دہکا ناصہ پانچ چیز داوہکی پانچو رکت پیاز بدہ تہنیلا کوہی بر ہتیا کنکہ بلای ای پانچو کل کل جانہہ

افسون عقرب (بچھو کا منتر)

یہ منتر مٹی پر پڑھے۔ پھر اس مٹی کو اس جگہ ملے جہاں بچھو نے ڈنک مارا ہے۔ اس کے بعد مٹی بھرے ہاتھ کو نیچے تک جہاں خود بیٹھا ہے لائے۔ بچھو اتر جائے گا۔ منتر یہ ہے۔

دہر ہند ہون وہر کند ہون سوالا کہہ سپاری بند ہون اپنی بہکت گرو کی سکت مری بکہ جوا کین چرہی

دوسرا افسوں

ابنگی لکری پانی پر آئی انکس بند ہون نربس پرای امری بکہ جوا کین جای

برائے محبت

اگر کوئی یہ چاہے کہ دو دلوں میں محبت پیدا ہوجائے تو اتوار کے روز برگ سپاری، رنگ اور چونہ پر سات بار پڑھ کر دم کرے اور کھلائے۔ کھانے والا اس پر عاشق ہوجائے گا۔

بسم الله الرحمن الرحیمo
اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور رحیم ہے۔

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْ بِهِم وَعَلٰی سَمْعِهِمْ وَ عَلٰی اَبْصَارِ هِمْ غِشَاوَةٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌo [1]
بند لگا دیا ہے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے اور ان کے لیے بڑی سزا ہے۔

اگر اتوار کے روز اس آیت کو پھول یا شیرینی اور کھانے کی کسی چیز پر پڑھ کر دم کرے (اور کھلائے) تو مطلوب حاصل ہوگا۔

خونی امراض کو دفع کرنے والی دوائیں

سر پھونک کی جڑ کی چھال، جس کا پھول سرخ رنگ کا ہوتا ہے، حاصل کریں۔ پھر اسے سایہ دار جگہ میں پھیلا کر خشک کریں۔ اس کے بعد سفوف بنا کر رکھ لیں اور صبح نہار منھ ایک صدف پانی کے ساتھ کھائیں۔ اگر ہوسکے تو غذا میں صرف نان، جو اور مسکہ کھائیں۔ اگر سر پھونک کی جڑ اور پتوں کو سایے میں خشک کر کے، کوٹ کر سفوف بنائے اور مذکورہ طریقے سے کھائیں تو زیادہ فائدہ ہوگا۔ اگر اس سفوف کو مریض کے زخم پر مہندی کی طرح لگائیں تو زخم کے لیے مفید ہوگا۔

برائے مقصد برآری

شیخ صالح موقف ابوعلی نوریؒ سے منقول ہے کہ یہ روایت (عن فلاں عن فلاں) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک جاتی ہے کہ نماز عشا کے بعد چھ رکعت نماز ادا کرے۔ اس کی پہلی رکعت میں فاتحہ ایک بار اور والشّمس سات بار پڑھے۔ دوسری رکعت میں سورہ واللیل سات بار، تیسری میں سورۂ والضحیٰ سات بار، چوتھی رکعت میں سور الم نشرح سات بار، پانچویں میں والتین سات بار اور چھٹی رکعت میں سورۂ قدر (آنا انزلناہ) سات بار پڑھے۔ جب نماز سے فارغ ہوجائے تو اللہ تعالیٰ کی ثنا کرے اور حضور علیہ السلام پر درود بھیجے۔ یہ دعا پڑھے۔

---

[1] پارہ ۱۔ سورہ البقرہ، آیت ۷

اللّٰھم یا ربَّ ابراھیم وموسیٰ وربَّ اسحاقَ ویعقوبَ وربَّ جبرئیل ومیکائیل وربَّ اسرافیلَ وانتَ ربی مُنزِلُ الصُّحفِ ومُنزِلُ التوراتہ والانجیل والزَّبُور والفُرقان ارنی منامی ھٰذا اللَیلَ من امرِ اَنتَ اعلَمo

(اے اللہ! اے ابراہیم اور موسیٰ کے پروردگار! اے اسحاق اور یعقوب کے پروردگار! اے جبرائیلؑ کے پروردگار! اسرافیل کے پروردگار! میرے پروردگار! تو ہی ہے جس نے صحیفے نازل فرمائے ہیں۔ تو ہی ہے جس نے توریت، انجیل اور قرآن کو نازل کیا ہے اس رات مجھے خواب میں اس بات کا انجام دکھا دے جسے تو ہی بہتر جانتا ہے۔)

اگر پہلی رات میں نہ دیکھے تو دوسری رات میں دیکھے گا۔ اسی طرح سات راتیں یہ دعا پڑھے۔ ان ہی راتوں میں ایک شخص خواب میں آ کر بتائے گا کہ مقصد برآری کی تدبیر کیا ہے۔ اس رسالے کے جامع نے اسے آزمایا ہے اور کئی بار اپنا مقصد حاصل کیا ہے۔ دوسرے اکابر بھی اس کا تجربہ کر چکے ہیں۔

شیخ سعد الملّت والدین مجدہ الحموی (حموی) سے منقول ہے کہ جو شخص ہر صبح ان چار لفظی کلمات پر بغیر پڑھے نظر ڈالے گا وہ دشمن پر غالب ہوگا اور جو شخص ہر صبح چالیس روز تک اس پر مسلسل عمل کرے گا وہ عجیب باتوں کا مشاہدہ کرے گا۔ ان کلمات کے بہت سے اسرار ہیں۔ وہ کلمات یہ ہیں:

اھھصفویش ینتر وا ماینفوس قرمطو طینس شرور اعماسط

حضرت قدوۃ الکبراؒ فرماتے تھے کہ حرز ابود جانہ تمام بلاؤں اور آفتوں سے محفوظ رہنے کے لیے (مشائخ نے) پڑھا ہے، خاص طور پر شیطان اور دیووں کے شر اور فتور سے محفوظ رہنے کے لیے اس سے کام لیا ہے۔ اگر اس پر ہمیشہ عمل کرتا رہے تو بہت سے فائدے اور بے شمار منفعتیں حاصل ہوں گے۔ وہ دعا اور حرز ابود جانہ یہ ہے:

بِسمِ اللّٰہِ الرّحمٰنِ الرحِیّمِ ھٰذَا کِتَابٌ مِنْ مُحَمَّدٍ صَلَّے اللّٰہ عَلَیہِ وَسَلَّمَ اَلنَّبِیِّ اُلقَرَیْشِیَّ الَھا شِمِیُّ الُمَدٰنّیِ الَا بُطحِیّ اُلَا مِّیْ صَاحِبِ التّاجِ والسّریرُوَ الُحوضِ وَالشَّفَاعَۃِ وَالُقَصَبِ وَالنَّاقَۃِ صَاحِبِ قَولِ لَا اِلٰہَ اِلّا اللّٰہَ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ مِنْ طُرَقَ الُدّاَرَ مِنَ الزَّوَّارِ وَالعُمَّارِ وَالُنَّظَّارِ وَالصَّالِحِینَ فِي الَا قُطَارِ اِلَّا طَارِقاً یُطرِقُ بخیرٍ یَارَحُمٰنُ اَمّاَ بَعُدَ فِاَنَّ لَنَا وَلَکُم فِي اُلحقِّ سَعُۃً فَاِنْ لَمْ یَکُنْ طَارِ قَوْامَوْ لعاً اَوْبَاعِیًّا مُبطَلاً اَوْ مُوْ ذِیاً یاُمقْتَحِماً فَاُترَ کُوْا جُمْلَۃَ الُقرَاتِ وَانُطَلقُوا اِلیٰ عَبْدۃِ الَا وُثَانِ اِلیٰ مَنْ بَجْعَلُ مَعَ اللّٰہِ اِلٰھاً اٰخرَلَااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ الُمُنْفَرِدَ بِاُلکِبریَاءِ وَ الُقُدْرَ ۃِ یُرْسَلُ عَلَیْکُمَا شُوَاظٌ مِنْ نَّارٍ وَنُحَاسٌ فَلَا تُنتَصِرَانِ بِسمِ اُللّٰہِ وَبِاُللّٰہِ وَمِنَ اللّٰہِ وَاِلیَ اللّٰہِ وَلاغَالِبَ اِلَّا اللّٰہُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ وَلاُ اَحَدَ سِوَی اللّٰہ وَلآ اَحُدَ مِثل اللّٰہِ بِسْمِ اللّٰہِ وَاَسُتَفْتَح بِاللّٰہِ وَتَوکّلُ عَلَے اللّٰہِ وَ اَجْعَلُ صَاحِبَ کِتَابِیُ ھٰذَا فِیُ حِرُزِ اللّٰہِ وَاَمَانِہِ حَیُثُ مَاکَانَ وَحَیُثُ مَاتوَجَّہَ فَلَاَ تَقْرَبُوْہُ وَلا تَفْرَعُوْہُ وَلا تُضَارُّ وہُ قَاعِداً کَانَ اَوْقَائِماً یَقظًاَ نَا کَانَ وُنَائِماً وَلا فِیُ اَکُلٍ وَلا فِیُ شُربٍ وَلَا فِیُ ثَوُبٍ وَلا فِیُ عُرُیَانٍ وَلَا فِیُ

اِغْتِسَالُ وَفِیْ اَیِّ مَکَانٍ کُونَ وَلَا فِیْ دَارٍ وَلَا فِیْ الْاَرْضِ الْقِفَارِ وَلَا فِیْ الْجَلَالِ وَلَا بِاللَّیْلِ وَلَا بِالنَّھَارِ کُلَّمَا سَمِعْتُمْ ذِکْرُ کِتَابِیْ ھٰذَا فَادُ بَرُوْ اعَنْہُ وَاُتْرُکُوہُ بِحَقٍ لَا اِلٰہِ اِلَّا اللّٰہُ وَھُوَ غَالِبٌ فِیْ کُلِّ شَیْءٍ وَھُوَ اَعَزُّمِنْ کُلِّ شَیْءٍ وَھُوَعَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ اُعِیذُ صَاحِبَ کِتَابِیْ ھٰذَا بِکَلِمَاتِ اللّٰہِ التَّامَّاتِ وَبِاسْمِہِ الَّذِیْ ھُوَ مَکْتُوْبٌ عَلٰی سَرَادِقِ الْعَرْشِ اِنَّہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ الْغَالِبُ الَّذِیْ لَا یَغْلِبُہ شَیْءٌ وَلَایَنجوا مِنْہُ ھَارِبٌ وَلَا یُدْرِکُ طَالِبٌ وَاُعِیْذُہُ بِالحَیِّ الَّذِیْ لَایَمُوتُ وَبِالْمَلِکِ الَّذِیْ لَا یَزُوْلُ مُلْکُہٗ وَبِالْقَیُّومُ الَّذِیْ لَا یَنَامُ وَبِالْعَزِیْزِ الَّذِیْ لَا یَزَالُ رَبُّ الْعَرْشِ الَّذِیْ لَا یَضَامُ وَبِالْکُرْسِیِّ الَّذِیْ لَا یَزُوْلُ وَبِالْمنبعِ الَّذِیْ لَا یَرَامُ وَاُعِیْذُ بِالاَ سْمَآءِ الْمَکْتُوْبَ بَہٖ فِیْ اللَّوحِ الْمَحْفُوْظِ وَبِالاسْمِ الَّذِی الْمَکُوْبِ فِیْ التَّوْرَاۃِ وَالْاِ نْجِیْلِ وَالزَّبُوْرِ وَ الْفُرْقَانِ وَبِاِسْمِ الَّذِیْ حَمَلَ بِہٖ عَرْشَ بِلْقِیْسَ اِلٰی سُلَیْمَانَ بْنُ دَاوٗ دَ عَلَیْھِمَا السَّلَامُ قبلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْہِ طَرْفَۃِالْعَیْنَ وَبِاسْمِ الَّذِیْ نَزَلَ بِہٖ جِبْرَئِیْلَ عَلَیْہِ السَّلَامِ اِلیٰ مُحَمَّدٍ عَلَیْہِ السَّلَامِ یَوْمَ الْاِثْنَیْنِ وَبِاِسْمِ الثَّمَانِیَۃَ الْمَکْتُوبَۃِ فِیْ قُرنِ الشَّمْسِ وَبِالْاِسْمِ الَّذِیْ یُسَبِّحُ الرَّ عْدُ بِحَمْدِہٖ وَالْمَلَا ئِکَۃُ مِنْ خِیْفَتِہٖ وَبِاسْمِ الَّذِیْ کَتَبَ عَلٰی وَرَقِ الزَّیْتُوْنِ وَاُلْقِیْ فِیْ النَّارِ فَلَمْ یَحْرِقْ وَبِاِسْمِ الَّذِیْ یَمْشِیْ الْخِضَرُ عَلَی الْمَآءِ وَلَمْ یَبِلْ قَدَمُہٗ وَبِاِسْمِ الَّذِیْ نَطَقَ بِہٖ عِیْسَی بْنُ مَرْیَمَ عَلَیْہِ السَّلَامِ فِیْ الْمَھْدِ صَبِیّاً وَاَبْرَءَ الْاَ کْمَہَ وَالْاَ بْرَصَ وَاَحْیَ الْمَوتَی بِاِذْنِ اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ وَبِاسْمِ الَّذِیْ نَجَابِہٖ اِبْرَاھِیْمَ مِنْ نَارِ نَمْرُودَ بْنُ لَبغَانَ وَبِاسْمِ الَّذِی نَجَابِہٖ یوسف علیہ السَّلَامِ ☆☆☆☆

مِنَ الْحَبسِ وَبِاسْمِ الَّذِیْ تَجَلّٰی بِہٖ رَبُّنَا عَزَّوَجَلَّ لِلْجَبَلِ لِمُوْسیٰ بْنُ عُمرانِ فَجَعَلَہٗ دَکًّا وَخَرَّ مُوْسٰی صَعِقاً وَبِاسْمِ الَّذِیْ نَجَابِہٖ یُوْنُسَ عَلَیْہِ السَّلَامِ مِنَ الظُّلُمَاتِ وَبِاسْمِ الَّذِیْ دَعَا بِہٖ مُوْسٰی عَلَیْہِ السَّلَامِ عَلَی الْبَحْرِ فَانْفَلَقَ فَکَانَ کُلَّ فِرْقٍ کَالطُّوْدِ الْعَظِیْمِ وَاُعِیْذُ بِالسَّبعِ الْمَثَانِیْ وَالْقُرْآنِ الْعَظِیْمِ وَبِمَا نَزَلَ عَلٰی مُوْسٰی بِطُوْرِسَیْنَا عِیْذُ صَاحِبَ کِتَابِیْ ھٰذَا بِھٰذِہِ الْاَسْمَآءِ مِنْ کُلِّ عَیْنٍ نَّاظِرَۃٍ وَ اُذُنٍ سَا مِعَۃٍ وَقُدَامِ مَاشِیَۃٍ وَلِسَانٍ نَاطِقَۃٍ وَقُلُوْبِ وَاعِیَۃٍ وَصُدُوْرٍ خَاوِیَۃٍ وَاَنْفُسٍ کَافِرَۃٍ وَالْخَمْرِ لَا زِمَۃٍ ظَاھِرَۃٍ اَوْبَاطِنَۃٍ وَمِنْ شَرِّمَنْ یَعْمَلَ السَّھْوَ وَ الْخَطَا یَاوَاَیُّھُمْ بِھَا مِنْ ذَکَرٍ اَوْاُنْثٰی مِنَ الْجِنّ وَالْاِ نْسِ فِیْ الَّیْلِ وَالنَّھَارِ وَاُعِیْذُہٗ مِنَ شَرّ ذِیْ شَرٍّ وَعَقْدِ ھِمْ وَسَلَامِھِمْ وَکَیْدِ ھِمْ وَمَکْرِھِمْ وَبَرِیْقِ اَعْیُنِھِم وَخَیْلَ اَجْسَادِھِمْ وَمِنْ شَرِّ الْجِنِ وَالْاِنْسِ وَالشَّیَاطِیْنِ وَالتَّوَابِعِ وَالسَّحَرَۃِ وَمِنْ شَرّ یَکُوْنَ وَالْعُمرَانِ وَالْحَزَابِ وَالْحَیَاضِ وَالْعُمِلَاتِ وَمِنْ شَرّ سَوَاکِنَ الْھَوَاءِ وَالنَّوَاوِیْسِ وَسَاکِنِ الْقُبُوْرِ وَ سَاکِنِ الْعُیُوْنِ وَسَاکِنِ الْبِحَارُ وَسَاکِنِ الطُّرُقِ وَاُعِیْذُہٗ مِنْ شَرّ کُلِّ غُوْلٍ غُوْلَۃٍ وَسَاحِرٍ وَسَاحِرَۃٍ وَسَاکِنٍ وَسَاکِنَۃٍ وَمُوْلِعٍ وَمَوْ لِعَۃٍ وَکَا ھِنٍ وّ کَاھِنَۃٍ وَذَاتِعٍ وَذَاتِعَۃٍ وَتَابِعٍ وَتَابِعَۃٍ وَکَافِرٍ وَکَافِرَۃٍ وَاُعِیْذُہٗ مِنْ شَرّ ھِمْ وَشَرّ آ بَائِھِمْ وَ اُمَّھَا تِھِمْ وَاَبْنَائِھِمْ وَبَنَاتِھِمْ وَذُرِّیَاتِھِمْ وَمِنْ شَرّ طَائِرَاتٍ فِیْ الْھَوَاءِ وَمِنْ شَرّ الطَّوَارِقِ الْمَوَارِدِ وَاُعِیْذُہٗ بَاھِیاً شَرّاً ھَیاً مِنْ شَرّنَزْعَۃَ النَّاسِ وَاَلسِنَتِھِمْ وَ مِنْ شَرِّ الْقَائِدِ وَالْفَاعَلِ وَمِنْ شَرّ کُلِّ عَیْنٍ

سَاحِرَةٍ اَوْخَاطِيَةٍ وَمِنْ شَرِّ الْخَارِجِ وَالدَّاخِلِ وَمِنْ شَرِّ بَاغٍ وَعَادٍ وَعَادِياً وَنَاىَ وَمِنْ شَرِّ كُلِّ دَانٍ وَنَاءٍ وَمِنْ شَرِّ كُلِّ عَفَارِيْتَ الْجِنِّ وَالْاِنسِ وَشَرِّ الرِّيَاحِ وَالْمِيَاهِ وَالنِّيرَانِ وَالْحَيْوانِ وَالْجَمَادَاتِ وَمِنْ شَرِّ كُلِّ فَصِيحٍ وَاَعْجَمِيٍّ وَنَائِمٍ وَيَقْظَانٍ وَاُعِيْذُهٗ صَاحِبَ كِتَابِيْ هٰذَا مِنْ شَرِّسَا كِنِ الْبَحْرِ وَالْاَ رْضِ وَساكِنِ الْبُيُوْتِ وَالزَّوَايَا وَالْمزابِلِ وَمِنْ شَرِّ مَايُصنعَ الْخُطِيئَةَ اوْيُوْ لِعِ بِهَا وَ مِنْ شَرِّ مَا يَنْظُرُ اِلَيْهِ الاَبْصَارُ لَاطْهُرَتْ عَلَيْهِ الْقُلُوْبَ وَاَخذَتْ عَلَيْهِ الْعُهودُ وَمِنْ شَرِّ مَنْ لَايُقْبَل الْعَزِيمَةِ وَمِنْ شَرِّ مَنْ اِذآذكِرَاللّٰهُ ذَاب كَمَا يَذُوْبُ الرِّ صَاصُ وَالْحَدِيْدُ عَلى النَّارِ وَاُعِيْذُ صَاحِبِ كِتَابِىْ هذَا مِنْ شَرِّ اَبْلِيسَ شَرِّ الشَّيَاطِيْنَ وَمِنْ شَرِّ مَنْ يَسْكُنُ فِىْ اَلْهوَاءِ وَالْجِبَالِ وَالْبِحَارِ وَمَنْ فِىْ الظُّلِمَاتِ وَالنُّورِ وَمِنْ شَرِّ مَنْ يَسْكُنُ فِىْ الْعُيُوْنِ وَمَنْ شَرِّ مَنْ يَمْشِىْ فِىْ الْاَ سْوَاقِ وَمِنْ شَرِّ مَنْ يَكُوْنَ فِى الْاَ جْسَامِ وَالْاَرْحَامِ وَ الْاٰكَامِ فَمِنْ شَرِّ مَنْ يُوَسْوِسُ فِےْ صُدُوْ رِالنَّاسِ وَمَنْ يَسْتَرِقُ السَّمعَ وَالْاَبْصَارَ وَ اُعِيْذُ صَاحِبَ كِتَابِىْ هٰذَا مِنَ النَّظْرَةِ وَاللَّحْيةِ وَالْكَسْرَةِ وَالنَّفْحَةِ وَ اَعْيُنُ الْجِنِّ وَالْاِ نسِ الْمُتَمَرِّدَةِ وَمِنْ شَرِّ الطَّائِفِ وَالطَّارِقِ وَالْغَاسِقِ وَالْوَاقِبِ وَالْحَاسِدِ وَالطَّاغِىْ وَالْكَاهِنِ وَمِنْ شَرِّ كُلِّ ذِىْ عَقْدٍ وَسِحْرٍ وَفَزْعٍ وَهَمٍّ وَحُزْنٍ وَاَسْجَاسٍ وَ نَكْرٍ وَفِكْرٍ وَسَوَاسٍ وَاُعِيْذُهٗ بِاللّٰهِ مِنْ شَرِّ كُلِّ دَارٍيُفْرِى لِبَنِي اٰدَمَ وَبِنَاتِ حوَّامِنْ قَبْلِ الدَّمِّ وَالْغَمْرَةِ وَالْمُرَّةَ وَالرِّيحِ وَالْبَلْغم وَرِيْحِ الْحُمراءَ وَالصَّفْرَاءِ وَالسَّوْدَاءِ مِنَ النُّقْصَانِ وَالزِّيَادَةِ وَمِنْ شَرِّ كُلِّ دَاءٍ دَاخِلٍ فِىْ جِلْدٍ وَلَحْمٍ اوْدَمٍ اَوْعِرْقٍ اوْعَصبٍ اَوْقُطْنَةٍ اَوْعَظْمٍ اَوْفِىْ سَمْعٍ اَوْبَصرٍ اَوْظَهرٍ اَوْبَطْنٍ اَوْشعْرٍاَوْظُفْرٍاَوْرُوْحٍ اَوْجِسْمٍ اَوْظَاهِرٍ اَوْبَاطِنٍ وَاُعِيْذُ هٗ بِمَا اِسْتعَاذَ بِهٖ اٰدم عَلَيْهِ السَّلَامِ وَشِيْث وَهَابيل وَاِدْرِيْسُ وَنُوْحُ وَاِبْرَاهِيمُ وَاِسمٰعيلَ وَاِسْحَاقَ وَيَعْقُوْبُ وَالْاَسْبَاطُ وَعِيْسَى وَاَيُّوْبَ وَيُوْنَس وَمُوْسٰى وَهَارُوْنَ وَدَاُودُ وَسُلِيمَانَ وَذَكَرِيَّا وَيَحْىَ وَيُوْسُفُ وَهُوْدُ وَشُعِيْبُ وَاِلْيَاسُ وَصَالِحُ وَلُقْمَانُ وَذُوالْكِفْلِ وَذُو الْقَرْنَين وَطَالُوْتُ وَعُزِيْرُ وَالْخِضْرُ وَدَانِيَالُ وَمُحَمَّدُ مُصْطَفےٰ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَصَلوٰةُ اللّٰهِ عَلَيهِمْ اَجْمَعِينَ وَبِكُلِّ مَلِكٍ مُقَرَّبٍ وَنَبِيٍّ مُرْسَلٍ اِلَّا تَبَاعُدْتُمْ وَتَفَرَّ قْتُمْ وَتَخْتُم مَنْ عَلَقَ كِتَابِىْ هٰذَا بِسْمِ اللّٰهِ الْمَلِكِ الْجَلِيْلِ الْحَمِيْدِ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ وَاُعِيْذُهٗ بِاللّٰهِ وَبِاسْمِ الَّذِىْ اَضَائَهُ الْقَمَرُ وَاِسْتَنَارَ بِهِ الشَّمْسُ وَهُوَمَكْتُوْبٌ تَحْتَ حِرْزِ الْعَرْشِ اَنَّهٗ لَآاِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدُ رَّسُوْلُ اللّٰهِ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ نَفَذَتْ حُجَّةُ اللّٰهِ وَظَهَرَ سُلْطَانُ اللّٰهِ وَتَفَرَّقَ اَعْدَاءُ اللّٰهِ وَبَقِىَ وَجْهُ اللّٰهِ وَاَنْتَ يَاصَاحِبَ كِتَابِىْ هٰذَا فِىْ حِرْزِ اللّٰهِ وَكَنَفِ اللّٰهِ وَجِوَارِ اللّٰهِ وَاَمَانِ اللّٰهِ وَحِفْظِ اللّٰهِ جَارَهٗ عَزِيْزٌ مَنِيعِ اللّٰهِ وَجَارَکَ وَکِيْلَکَ وَحَارِسُکَ وَحَا فِظُکَ وَدَلِيْلُکَ مَآشَاءَ اللّٰهُ کَانَ وَمَا لَمْ يَشَأْ لَمْ يَكُنْ اَشْهَدُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ وَاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَىْءٍ عِلْمًا وَاَحْصٰے كُلِّ شَىْءٍ عَدَدًا اِنَّ اللّٰهَ وَمَلَآئِكَتِهٖ وَيُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِىِ يَآ اَيُّهَاالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْاتَسْلِيْمًا خَتَمْتُ هٰذَا الْكِتَابَ بِخَاتَمِ اللّٰهِ الَّذِىْ خَتَمَ بِهٖ اَقْطَارُ السَّمٰوٰاتِ وَالْاَرْضِ وَبِخَاتِمِ سُلَيْمَانَ بِنْ

دَاوٗدَ عَلَیْهِمَا السَّلَامِ وَبِخَاتِمِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلَا اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰهِ لَاخَوفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُونَ وَبِخَاتِمِ کُلِّ مُقَرِّبٍ وَنَبِیِّ مُرْسَلٍ حِرْزٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ وَصَلَّی اللّٰهُ عَلٰی جَمِیْعِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَالْمَلٰٓئِکَةِ الْمُقَرَّبِیْنَ وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِیْنَ بَرَحْمَتِکَ یَااَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ۔

ترجمہ:

اللہ کے نام سے جو بخشنے والا مہربان ہے۔ یہ کتاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عطا ہے، جو نبی عربی، قرشی، ہاشمی، مدنی، ابطحی، امّی (لقب) ہیں۔ آپ ﷺ تاج وتخت، حوض وشفاعت اور نیزہ وناقہ کے مالک ہیں۔ آپ صاحبِ کلمۂ لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہیں۔ جو شخص اطراف زمین سے اس مکان میں زیارت کرنے، آباد ہونے اور دیدار کرنے کی غرض سے داخل ہوا وہ صالحین میں سے ہے۔ داخل ہونے والے پر لازم ہے کہ خیر کے ساتھ داخل ہو یارحمٰن!

حمد وصلوٰۃ کے بعد (معلوم ہو)، پس بے شک ہمارے اور تمہارے لیے امرِ حق میں وسعت ہے۔ میں پناہ مانگتا ہوں سرکشی کرنے والے، جھوٹ بولنے والے اور ایذا دینے والے سے، پس وہ آبادی چھوڑ کر بتوں کے پجاریوں کے پاس چلے جائیں (اور وہ بھی) جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرتا ہے۔ کوئی ہستی لائق عبادت نہیں ہے سوائے اللہ واحد و یکتا کے۔ اپنی بزرگی اور قدرت سے تم پر آگ کا شعلہ اور دھواں بھیجتا ہے۔ پس تم ان دونوں (عذابوں) سے اللہ کے نام اور اس کی صفات کی برکت سے مدد حاصل کرو۔

میں اسی (اللہ) کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی جاننے والا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی قوت اور حفاظت نہیں ہے نہ اس کی مدد کے بغیر غلبے کی قوت ہے۔ کوئی اللہ تعالیٰ کی مثل نہیں ہے۔ اللہ کے نام سے اور اللہ ہی پر توکل کرتا ہوں۔ میں جو اس کتاب کا لکھنے والا ہوں خود کو اللہ تعالیٰ کی حفظ وامان میں دیتا ہوں۔ میں جہاں ہوں جس جانب متوجہ ہوں، پس میرے قریب نہ آؤ نہ مجھے ڈراؤ نہ نقصان پہنچاؤ، خواہ میں بیٹھا ہوں، کھڑا ہوں، بیدار ہوں یا نیند میں ہوں۔ مجھے کھانے میں، پینے میں، لباس میں، برہنگی میں، اور غسل کرنے کی حالت میں نقصان نہ پہنچاؤ خواہ میں کسی مکان میں ہوں، یا کسی جگہ پر ہوں یا زمین پر پڑا ہوں، رات ہو یا دن ہو۔

جب تم میری اس کتاب کا ذکر سنو تو اس سے پیٹھ موڑ لو اور اسے لا الٰہ الا اللہ کی برکت سے اس کے حال پر چھوڑ دو بے شک اللہ تعالیٰ ہی غالب اور ہر شے پر قادر ہے۔ یہ کتاب جس کے پاس ہے میں اسے اللہ کی پناہ میں دیتا ہوں۔ میری یہ کتاب، اللہ تعالیٰ کے کلمات سے پر ہے اور اللہ کے اُن ناموں سے معمور ہے جو عرش کے پردے پر لکھے ہوئے ہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں ہے۔ وہ ایسا غالب ہے کہ کوئی ہستی اس پر غالب نہیں آسکتی۔ اس کی ذات سے فرار اختیار کرنے والا نجات حاصل نہیں کرسکتا اس کا طالب اس کی حقیقت کا ادراک نہیں کرسکتا۔ میں اسے اللہ کی پناہ میں دیتا

ہوں جو ہمیشہ زندہ ہے۔ اس پر موت طاری نہیں ہوگی نہ اس کا ملک زوال میں آئے گا کیوں کہ وہ ہمیشہ قائم رہنے والا ہے۔ وہ سوتا نہیں ہے اور نہ وہ ایسا غالب ہے کہ جس کے غلبے کو زوال ہو۔ اس کے عرش اور اس کی کرسی کو زوال نہیں ہے۔

میں اللہ تعالیٰ کے اُن ناموں کی پناہ مانگتا ہوں جو لوحِ محفوظ میں لکھے ہوئے ہیں اور ان ناموں کی بھی پناہ مانگتا ہوں جو توریت، انجیل، زبور اور قرآن میں مکتوب ہیں۔ اس نام کی پناہ جس کی برکت سے تخت بلقیس حضرت سلیمان بن داوٗد علیہ السلام کے دربار میں پلک جھپکتے میں پہنچایا گیا۔ اس نام کی پناہ مانگتا ہوں جسے بروز دوشنبہ جبریل علیہ السلام نے محمد علیہ السلام پر نازل کیا۔ اُن آٹھ ناموں کی پناہ جو کنارہ آفتاب میں نوشتہ ہیں۔ اس نام کی پناہ جس کے تقدس کا ذکر رعد (بجلی) کرتی ہے اور جس کے خوف سے ملائکہ اللہ کی حمد کرتے ہیں۔ اس نام کی پناہ جو زیتون کے پتے پر لکھا ہوا تھا اور جب اسے آگ میں ڈالا گیا تو اسے آنچ نہ آئی۔ اس نام کی پناہ جس کی برکت سے خضر علیہ السلام پانی پر چلتے ہیں۔ اور ان کے پاؤں تر نہیں ہوتے۔ اس نام کی پناہ جس کی برکت سے حضرت عیسےٰ بن مریم علیہ السلام نے بحکم خدائے بزرگ گہوارۂ طفلی میں کلام کیا، مادرزاد اندھے کو بینا کیا، کوڑھ کے مریض کو صحت مند اور مردے کو زندہ کیا۔ اس نام کی پناہ جس کی برکت سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نارِ نمرود سے نجات پائی۔ اس نام کی پناہ جس کی برکت سے حضرت یوسف علیہ السلام کو قید سے رہائی نصیب ہوئی۔ اس نام کی پناہ جس نے اپنے بزرگ و برتر پروردگار کی برکت سے پہاڑ پر موسیٰ بن عمران کے لیے تجلّی کی اور پہاڑ کو ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہوگئے۔ اس نام کی پناہ جس کی برکت سے یونس علیہ السلام نے تاریکیوں سے نجات پائی اس نام کی پناہ جس نام کو لے کر موسیٰ علیہ السلام نے دریا پر دعا کی، پس وہ دریا درمیان سے پھٹ گیا اور اس کے دونوں ٹکڑے بلند پہاڑ کی مانند ہوگئے (اور انھوں نے دریا پار کر لیا)

میں پناہ مانگتا ہوں سبع مثانی کے ساتھ یعنی قرآن عظیم کی سورۂ فاتحہ کے واسطے سے اور اس چیز کے واسطے سے جو کوہِ طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی۔ میں اس کتاب کا مصنف پناہ مانگتا ہوں اُن ناموں کی جن کی برکت سے ہر آنکھ کو بینائی، ہر کان کو سماعت، ہر پیر کو رفتار اور ہر زبان کو گویائی ملی۔ جن ناموں کی برکت سے لوگوں کے سینے کلام کو حفظ کرتے ہیں اور وہ سینے جو خالی ہوتے ہیں۔

میں پناہ مانگتا ہوں نفسِ کافرہ اور خمرِ لازمہ سے خواہ ظاہر ہو یا پوشیدہ۔ پناہ چاہتا ہوں بدی سے جو کوئی سہواً کرے اور گناہوں سے جو رات دن مرد یا عورت سے اور جن یا انسان سے عمل میں آتی ہیں۔ میں اس شخص کی بدی سے پناہ چاہتا ہوں جو اس کے جادو سے، اس کے ہتھیار سے، اس کے مکروفریب سے اور اس کی آنکھوں کی چمک سے پیدا ہوتی ہے۔

میں اس شر سے پناہ چاہتا ہوں جو جن وانس، شیاطین اور ان کے تابعین اور جادوگروں سے ظہور میں آتی ہے۔ اس شر سے پناہ چاہتا ہوں جو آبادی میں، ویرانے میں، پانی کے حوضوں میں پھیل جاتی ہے۔ اس شر سے پناہ چاہتا ہوں جو ہواؤں، قبروں، چشموں، دریاؤں اور راستوں کے ساکنوں کے ذریعے پیدا ہوتی ہے۔ میں پناہ چاہتا ہوں جنّاتی مرد اور جنّاتی عورت

سے، جادوگر اور جادوگرنی سے، صحرائی مخلوق سے، حریص مرد اور حریص عورت سے، کاہن وکاہنہ سے، پراگندہ مرد اور عورت سے تابع اور تابعہ سے۔ میں پناہ مانگتا ہوں ان سے، ان کے باپوں اور ان کی ماؤں سے، ان کے بیٹوں اور ان کی بیٹیوں سے اور ان کی اولاد سے۔ میں پناہ مانگتا ہوں ہوا میں اڑنے والے پرندوں سے اور آنے والوں اور وارد ہونے والوں سے میں ان سے حیّ وقیّوم کی برکت سے پناہ مانگتا ہوں۔

میں پناہ مانگتا ہوں لوگوں کے باہمی نزاع کے شر سے، ان کی زبانوں کے شر سے، ہر بدی کرنے والے کے شر سے، ہر جادوگر کی آنکھ کے شر سے، ہر خطا کار کے شر سے، ہر باہر ہونے والے کے شر سے، ہر داخل ہونے والے کے شر سے، ہر سرکش اور تجاوز کرنے والے کے شر سے، ہر قریب وبعید کے شر سے، ہر جن وانس کے شیطان کے شر سے، ہوا، پانی اور آگ کے شر سے حیوانات اور جمادات کے شر سے، ہر فصیح اور عجمی کے شر سے اور ہر سونے والے اور بیدار کے شر سے۔

میں اس کتاب کا مصنف پناہ مانگتا ہوں دریا وزمین کے ساکن کے شر سے، مکانوں اور گوشوں میں رہنے والے کے شر سے، گندگی سے پر جگہوں سے، اس چیز کے شر سے جو خطا اور حرص پیدا کرتی ہے اور اس چیز کے شر سے جو آنکھوں کی بینائی کو نظر لگاتی ہے اور دلوں کو ناپاک کرتی ہے اور وعدوں کو ایفا نہیں ہونے دیتی۔ اس خیال کے شر سے جو عزیمت کو قبول نہیں کرتا اور اس چیز کے شر سے کہ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے تو وہ مشغولیت کو اس طرح بہا کر لے جاتی ہے جیسے آگ سیسے اور لوہے کو بہالے جاتی ہے۔

میں اس کتاب کا مصنف پناہ مانگتا ہوں، ابلیس کے شر سے جو تمام شیطانوں کا سردار ہے۔ میں اس چیز کے شر سے پناہ مانگتا ہوں جو ہواؤں، پہاڑوں اور دریاؤں میں رہتی ہے اور اس چیز کے شر سے جو تاریکیوں اور روشنی میں ہوتی ہے۔

اس چیز کے شر سے جو آنکھوں میں رہتی اور بازاروں میں چلتی پھرتی ہے۔ اس چیز کے شر سے پناہ مانگتا ہوں جو اجسام، ارحام اور غلاف میں ہوتی ہے۔ اس چیز کے شر سے جو مخلوق کے دلوں میں وسوسہ ڈالتی ہے۔ اس شخص کے شر سے جو سماعت اور بصارت کو چراتا ہے۔

میں اس کتاب کا مصنف پناہ مانگتا ہوں نظر اور شکستگی کے شر سے اور سرکش جن وانسان کی آنکھوں کے شر سے پھرنے والے اور آنے والے کے شر سے، اندھیرا کرنے اور چھپنے والے کے شر سے۔ حسد کرنے والے، سرکشی اور جادو کرنے والے کے شر سے۔ جادو سے گرہ باندھنے والے کے شر سے۔ غم وتکلیف، رنج والم، فکر واندیشہ اور وسوسے کے شر سے۔ میں پناہ مانگتا ہوں ایسے ہر مکان کے شر سے جو آدم کے بیٹوں اور حوا کی بیٹیوں کو نشانہ بناتا ہے۔ میں پناہ مانگتا ہوں تند ہوا سے، خون وبلغم سے، سرخ آندھی سے صفرا وسودا سے نقصان اور زیادتی سے۔ میں ہر اس مرض سے پناہ مانگتا ہوں جو جلد، گوشت، خون اور رگ وپے میں داخل ہوجاتا ہے، جو ہڈی، کان، آنکھ، پشت، شکم، بال اور ناخن میں پیوست ہوجاتا ہے، جو روح وجسم اور ظاہر وباطن میں سرایت کر جاتا ہے۔

میں اس چیز سے پناہ مانگتا ہوں جس سے آدم علیہ السلام نے پناہ پکڑی ہے، جس سے، شیث، ہابیل، ادریس، نوح، لوط، ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب، ان کی اولاد، عیسیٰ، ایوب، یونس، موسیٰ، ہارون، داؤد، سلیمان، زکریا، یحییٰ، یوسف، ہود، شعیب، الیاس، صالح، لقمان، ذوالکفل، ذوالقرنین، طالوت، عزیر، خضر، دانیال اور جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم وصلوٰۃ اللہ علیہم اجمعین نے پناہ مانگی۔

میں اس چیز سے پناہ مانگتا ہوں جس سے مقرب فرشتوں اور اللہ کے بھیجے ہوئے رسولوں نے پناہ مانگی۔ اب تم اس شخص سے دور، علاحدہ اور ختم ہوجاؤ جو میری اس کتاب سے پیوستہ ہوجائے، اس بادشاہ اور صاحبِ جلال و جمال کے نام کی برکت سے کہ جو وہ چاہتا ہے کرتا ہے۔ میں اللہ سے پناہ مانگتا ہوں، اس کی ذات کے نام سے چاند روشن ہوا اور گردش کرنے لگا۔ آفتاب روشن ہوا اور گردش میں آیا۔ وہ نام جو زیرِ عرش لکھا ہوا ہے۔ بے شک اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے اور محمد ﷺ اس کے رسول ہیں۔ پس قریب ہے کہ اللہ ان کی کفایت کرے گا وہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔ اللہ کی حجت جاری ہوئی اور اللہ کا غلبہ غالب ہوا۔ اللہ کے دشمن تتر بتر ہوگئے اور اللہ کی ذات باقی رہنے والی ہے۔

پس میری اس کتاب کو رکھنے والے! تم اللہ کی حفاظت، اللہ کی نگہبانی، اللہ کے قریب، اس کی امان، اس کے حفظ و قرب میں عزیز رہو گے۔ اللہ تعالیٰ تمہارا وکیل، نگہبان اور رہنما ہوگا۔ اللہ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے اور جو نہیں چاہتا نہیں ہوتا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور بے شک اللہ نے ازروئے علم ہر شے کا احاطہ کیا ہوا ہے اور ازروئے عدد ہر شے کو شمار کیا ہوا ہے۔ بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر درود بھیجتے ہیں، اے ایمان والو! تم بھی ان پر درود اور سلام بھیجو۔

میں نے اپنی اس تحریر کو اللہ کی مہر کے ساتھ ختم کیا، جس نے آسمان اور زمین کے کناروں کو سلیمان بن داؤد علیہ السلام اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر کے ساتھ ختم کیا ہے۔ آگاہ رہو کہ بے شک اولیا اللہ کو کوئی خوف نہیں اور نہ وہ غم گین ہوں گے۔ یہ حرز تمام مقرب فرشتوں اور انبیائے مرسلین کی مہر سے ختم کیا ہوا ہے۔ اللہ بخشنے والے اور مہربان کے نام کی برکت کے ساتھ۔ اے اللہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپ کی آل پر رحمت بھیج نیز تمام نبیوں اور رسولوں، مقرب فرشتوں اور اللہ کے نیک بندوں پر اللہ کی رحمت ہو۔ برحمتک یا ارحم الراحمین۔

حضرت قدوۃ الکبراؒ فرماتے تھے کہ مجربات کے قواعد کے مطابق بیماروں کی زندگی اور موت سے آگاہی کے لیے ابو معشر بلخی کے مجربات سے رجوع کرنا چاہیے۔ اگر کوئی یہ معلوم کرنا چاہے کہ بیمار جس مرض میں گرفتار ہے اس سے زندہ بچے گا یا مرجائے گا تو اسے چاہیے کہ مریض کے نام اور اس کی ماں کے نام کے اعداد بحساب ابجد نکالے۔ پھر مریض کی بیماری کے دن شمار کرے، اگر بیماری کے دنوں کے شمار میں کسی طرح کا شک ہوتو چار دن شمار کرے۔ اب اس کے اور اس کی ماں کے نام کے جو اعداد نکلے ہیں ان میں بیماری کے دن جمع کرے۔ اس کے بعد اس ماہ کی تاریخ کے دنوں کو حساب کرنے

والے دن تک شمار کرے، انھیں بھی جمع کردہ اعداد میں جمع کرے۔ اس مجموعۂ اعداد کوتیس ۳۰ سے تقسیم کرے۔ اب جو عدد باقی رہے، اسے لوحِ حیات میں دیکھے اور اگر وہ عدد لوحِ حیات میں مل جائے تو یقین کرے کہ مریض زندہ رہے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ لوح یہ ہے:

لوحِ حیات

۱	ع	۳	۸
۱۵	۱۳	۱۴	۱۶
۱۷	۲۲	۱۹	۲۰
۲۹	۲۶	۲۸	۱۰

لوحِ ممات

۲	۳	۴	۵
۱۸	۱۱	۱۲	۲۱
۷	۹	۲۳	۳۰
۲۷	۲۴	۲۵	۶

اگر کوئی عورت حاملہ ہو، اور یہ جاننا چاہے کہ اس کے ہاں بیٹا پیدا ہوگا یا بیٹی تو سات کواکب کے اس دائرے میں کسی ایک پر انگلی رکھے اسے معلوم ہوجائے گا۔ اگر اس نے انگلی عطارد پر رکھی ہے تو بیٹا پیدا ہوگا۔ اگر شمس پر رکھی ہے تو بیٹا پیدا ہوگا۔ اگر انگلی مشتری اور زہرہ پر پڑی ہے تو بیٹی پیدا ہوگی۔ اگر انگلی زحل اور مریخ پر رکھی ہے تو بیٹا پیدا ہوگا۔ اگر انگلی قمر پر رکھی ہے تو بیٹی پیدا ہوگی۔ دائرۂ کواکب یہ ہے۔

مشتری	شمس	عطارد	
زہرہ	زحل	مریخ	قمر

اہم معاملات اور حاجات کی کفایت کے لیے نیز آفتوں کو دفع کرنے کے لیے جب کہ بلا کسی طرح دفع نہ ہورہی ہو تو یہ دعا کارگر ہوگی۔ نماز فجر کی سنت اور فرض کے درمیان اکتالیس ۴۱ مرتبہ سورۂ فاتحہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے ساتھ ملاکر پڑھے۔ یقیناً وہ مہم سر ہوگی، جیسا کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے، **فاتحة الكتاب شفاء لِكُلِّ داءٍ** (سورۂ فاتحہ تمام بیماریوں کے لیے شفا ہے)۔

شیخ رکن الحق والدین سے منقول ہے کہ جزام، (کوڑھ) کے دفع کرنے کے لیے اکیس ۲۱ روز تک مسلسل اکتالیس ۴۱ بار نماز فجر کی سنتوں اور فرض کے درمیان سورہ فاتحہ پڑھے۔ اگر سورۂ فاتحہ کو کسی پاک برتن پر لکھ کر اسے روغنِ گل سے دھوئیں اور اسے کان میں ڈالیں تو کان کا درد جاتا رہے گا۔

سورۂ اخلاص

کسی ایسے کام کے لیے جو جلد پورا نہ ہوتا ہو یا کسی بوڑھی عورت کی بیٹی کی شادی کے لیے جہیز کا سامان فراہم نہ ہو رہا ہو تو ایک ہزار یا سو مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھے، کامیابی حاصل ہوگی۔ کسی قیدی کی رہائی کے لیے ایک لاکھ مرتبہ سورۂ اخلاص

پڑھے، رہائی مل جائے گی۔

سورۂ والضحیٰ

اگر غلام بھاگ گیا ہے یا سامان گم ہوگیا ہے تو پانچ سو مرتبہ سورۂ والضحیٰ پڑھے۔ مقصود حاصل ہوگا۔

سورۂ مجادلہ

تین دن تک تین مرتبہ پڑھے بخار جاتا رہے گا۔

سورۂ زلزال

فالج اور لقوہ دفع کرنے کے لیے سورۂ زلزال کو لوہے کے طشت میں یا لوہے کے گہرے برتن میں لکھے اور اسے نظر جما کر دیکھے، صحت حاصل ہوگی۔

سورۂ والعٰدیات

لکھ کر غلام کے بازو پر باندھے، کبھی نہیں بھاگے گا۔

سورۂ یٰس

جس کسی مقصد کے لیے سورہ یٰس تلاوت کی جائے پورا ہوگا۔ قحط اور وبا کو دفع کرنے کے لیے نمازِ مغرب کے بعد پڑھے، اگر تین شخص ایک ہی وقت میں یک جا بیٹھ کر پڑھیں اور اس کا توسل کریں تو کام جلد پورا ہوگا۔

درد کے لیے

یہ کلمات پانچ یا سات مرتبہ جس جگہ درد ہو ہاتھ رکھ کر پڑھیں، **بسم اللہ الشافی ولا حول ولا قوۃ الاّ باللہِ العلیِ العظیم ومحمد رسول اللہ اُسکُن باذنِ رَبیّ وربِک العزیز** (اللہ کے نام کی برکت کے ساتھ جو شفا دینے والا ہے۔ اللہ بزرگ وعالی کے سوا کوئی قوت اور پناہ نہیں ہے کسی کو غلبہ حاصل نہیں ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں (اے درد) میرے اور تیرے پروردگار کے حکم سے تھم جا)

گلے کی سوجن کے لیے

اگر گلے میں سوجن نمایاں ہو جسے غرہ کہتے ہیں تو ماہِ صفر کے آخری بدھ کو یہ لکھے،

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم
يَا قَرِيْبُ يَا مُجِيْبُ يَاكَرِيْمُ يَا حَلِيْمُ يَا شَفِيْقُ اَنْتَ رَبِّيْ عَلَى الحقيق سَمِرَىٰ وَسُمارِىٰ سَمْرُوْنَ اَطْمَارا ہُ در ولالا وھُ ٥

اللہ کے نام کی برکت کے ساتھ جو بخشنے والا مہربان ہے۔ اے ہر شے سے قریب، دعا قبول کرنے والے، کریم وحلیم، شفقت کرنے والے فی الحقیقت تو میرا پروردگار ہے......

کنٹھ مالا اور تخمہ کے لیے

ابوبکر رازی سے منقول ہے، یہ دعا کنٹھ مالا کے دفعیہ کے لیے آزمودہ ہے۔ چمڑے کا ایک تسمہ مریض کے قد کے برابر لیں۔ اس میں اکتالیس ۴۱ گرہ باندھیں پھر ہر گرہ پر یہ دعا پڑھیں اور مریض کی گردن میں باندھ دیں، شفایاب ہوگا یہ دعا تخمے کے لیے بھی کارآمد ہے۔ تخمہ ایک بیماری ہے جس کے سبب ورم ہوجاتا ہے۔ ایک مٹھی کے ناپ سے زیادہ تسمہ لے کر اسی طرح گرہ لگائے۔ دعا یہ ہے:

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔
آعوذ بعزّۃِ اللّٰہِ وقدرَۃِ اللّٰہِ وقوَّۃِ اللّٰہ وعظمۃِ اللّٰہ وبُرھانِ اللّٰہ وسلطانِ اللّٰہ و کنف اللّٰہِ وَجوارِ اللّٰہ وامانِ اللّٰہِ وحرزِ اللّٰہ ووضعِ اللّٰہ وکبریاَ اللّٰہ ونظرِ اللّٰہ و بھَاءِ اللّٰہ و جلالِ اللّٰہ وکمالِ اللّٰہ ولا الٰہ اِلاّ اللّٰہُ محمّد رَّسول اللّٰہ مِن شرِّ ما اجدُ

اللہ کے نام سے جو بخشنے والا مہربان ہے۔ میں پناہ مانگتا ہوں اللہ تعالیٰ کی عزت سے اللہ کی قدرت سے، اللہ کی قوت سے، اللہ کی عظمت سے، اللہ کی حجت سے، اللہ کے غلبے سے، اللہ کی حفاظت سے، اللہ کے جوار سے، اللہ کی امان سے، اللہ کی حفاظت سے، اللہ کی کبریائی سے، اللہ کی نظر سے، اللہ کے جلال سے، اللہ کے کمال سے، اللہ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ (میں پناہ مانگتا ہوں) اس چیز کے شر سے جو مجھ کو معلوم ہوتی ہے۔ (یعنی مرض سے)

کنٹھ مالا کی جگہ پر بھی یہ دعا اور نقش لکھے یا کاغذ پر لکھ کر باندھے۔ اسی طرح جس سوجن پر اسے باندھا جائے، ان شاء اللہ شفا ہوگی۔ نقش یہ ہے:

ڲ وع

چیچک کے لیے

حضرت مخدوم زادے سے منقول ہے فرماتے تھے کہ چیچک کو دفع کرنے کے لیے چاہیے کہ جب بخار آئے تو سورۂ فاتحہ کو اس شکل میں لکھ کر باندھ دیں۔ امید ہے کہ سوائے چند دانوں کے چیچک زیادہ نہ ہوگی۔ نقش یہ ہے:

الحمدلله رب العالمین ۱۶	الرحمن ۲	الرحیم ۳	مالک یوم الدین ۱۳
ایاک ع	نعبد ۱۱	وایاک ۱۰	نستعین ۸
اهدنا الصراط ۹	المستقیم ۷	صراط الذین ۶	انعمت علیهم ۱۲
غیر المغضوب ۴	علیهم ۱۴	وَلاالضالین ع ۱	اٰمین ۱

بچھو کے لیے

بچھو کے کاٹے ہوئے شخص کے لیے سات مرتبہ پڑھ کر دم کریں پہلے دائیں کان میں پھر بائیں کان میں۔ زہر اتر جائیگا۔ افسوں یہ ہے۔

''فرعون بالشکر درآب دجلہ غرق شدز ہر کزدم دورشو''

حب کے لیے

(یہ دعا کسی چیز پر پڑھ کر) مطلوب کو کھلائیں۔ اللہ کے حکم سے اسے محبت جانی ہوجائے گی اور شرطِ دوستی بجالائے گا۔

وَلَو اَنَّ قُراٰناً سُیِّرَتْ بِهِ الجِبَالُ اَو قُطِّعَت بِهِ الاَرضُ اَو کُلِّمَ بِهِ المَوتٰی بَلْ لِلّٰهِ الاَمرُ جَمیعاً ○ [۱]

اور اگر کوئی ایسا قرآن ہوتا جس کے ذریعے سے پہاڑ (اپنی جگہ سے) ہٹا دیے جاتے یا اس کے ذریعے سے زمین جلدی جلدی طے ہوجاتی یا اس کے ذریعے سے مُردوں کے ساتھ کسی کو باتیں کرادی جاتیں (تب بھی یہ لوگ ایمان نہ لاتے) بلکہ سارا اختیار خاص اللہ ہی کو ہے۔

اگر تم چاہتے ہو کہ دو شخصوں کے درمیان جدائی ہوجائے تو کاغذ کے ایک ٹکڑے پر یہ لکھو اور مہر لگا کر کنویں میں ڈال دو دونوں کے درمیان جدائی پیدا ہوجائے گی۔

وَاَلقَینا بَینَهُمُ العَدَا وَةَ وَالبَغضَآءَ اِلٰی یَومِ القِیٰمَةِ [۲]
اِنَّمَا یُرِیدُ الشَّیطٰنُ اَن یُّوقِعَ بَینَکُمُ العَدَا وَةَ وَالبَغضَآءَ فِی الخَمرِ والمَیسِرِ وَیَصُدَّ کُمْ عَن ذِکرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ فَهَل اَنتُم مُّنتَهُونَ ○ [۳]
بین فلاں بن فلاں علی العداوة والبغضاء فلاں بن فلاں العجل العجل السّاعة الساعة

اور ہم نے اُن میں باہم قیامت تک عداوت اور بغض ڈال دیا۔ شیطان تو یوں چاہتا ہے کہ شراب اور جوے کے ذریعے سے تمہارے آپس میں عداوت اور بغض واقع کردے اور اللہ تعالیٰ کی یاد سے اور نماز سے تم کو باز رکھے سو کیا اب باز آ ؤ گے۔

---

[۱] پارہ ۱۳۔ سورۂ رعد، آیت ۳۱ [۲] پارہ ۶۔ سورہ المائدہ آیت ۶۴ [۳] پارہ ۷۔ سورہ المائدہ آیت ۹۱۔

بیمار کی صحت کے لیے

تین تعویز کسی طشت پر لکھے پھر انھیں دھو کر بیمار کو پلائے۔ تعویز میں بیمار کا نام تحریر کرے اگر اس کی موت کا وقت آ پہنچا ہے تب بھی اس کی عمر انیس ۱۹ سال بڑھ جائیگی۔ تعویز یہ ہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرحمن الرحیم یامھمل یا مبدل یا مذل یا معمول یا موصل سبحانک لااله الا انت ذوالجلال والاکرام بسم اللّٰه الرحمٰن الرحیم وعٓ بسم اللّٰه الرحمٰن الرحیمِ وعٓ بسم اللّٰه الرحمٰن الرحیم وعٓ بسم اللّٰه طوما رحمٰن ابرسوما الرحیم ابرحو ماذا عسی ادباهر با

دفع بویسی یعنی بواسیر خونی یا بادی دور کرنے کے لیے

پیپل کا درخت جو کانٹے دار جھاڑی کے اوپر نکل آتا ہے۔ معہ جڑ اور پتوں کے فراہم کرے۔ اس کی لکڑی کا ایک ٹکڑا مریض کی کمر میں باندھیں یقیناً صحت حاصل ہوگی۔

دفع نناَئی

نناَئی کو دور کرنے کے لیے یہ نقش لکھے اور وہاں باندھے۔ اللہ کی قدرت سے اچھا ہوجائے گا۔ نقش یہ ہے وَاتَّبَعُوا مَا تَتْلُوا الشَّیٰطِیْنُ عَلٰی مُلْکِ سُلَیْمٰنَ وَمَا کَفَرَ سُلَیمٰنُ وَلٰکِنَّ الشَّیٰطِنُ کَفَر وایُعَلّمِوُنَ النَّاسَ السِّحرَ وما اُنزِلَ عَلَی الْمَلَکَیْنِ بِبَابِلَ ھَارُوتَ وَ مَارُوتَ وَمَا یُعَلّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰی یَقُولَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتنَةٌ فَلَا تَکْفُرْ[1]

(اور انھوں نے ایسی چیز کا (یعنی سحر کا) اتباع کیا جس کا چرچا کیا کرتے تھے شیاطین (یعنی خبیث جن) حضرت سلیمان (علیہ السلام) کے عہد سلطنت میں اور حضرت سلیمان (علیہ السلام) نے کفر نہیں کیا مگر (ہاں) شیاطین کفر کیا کرتے تھے اور حالت یہ تھی کہ آدمیوں کو بھی (اس) سحر کی تعلیم دیا کرتے تھے اور (اس) سحر کا بھی جو کہ ان دونوں فرشتوں پر نازل کیا گیا تھا شہر بابل میں جن کا نام ہاروت و ماروت تھا۔ اور وہ دونوں کسی کو نہ بتلاتے جب تک یہ (نہ) کہہ دیتے کہ ہمارا وجود بھی ایک امتحان ہے سو کہیں کافر مت بن جانا)۔

بادصرع یعنی مرگی کے لیے

اتوار کے روز سفید مرغ یک رنگ لائیں اور ذبح کرکے اس کے خون سے یہ تعویز لکھیں اور مریض کے گلے میں باندھ دیں۔ مرگی جاتی رہے گی۔ مرگی ایک دیو کا نام ہے۔ تعویز یہ ہے۔

---

[1] پارہ ۱۔ سورہ البقرہ، آیت ۱۰۲۔

لسحح [١٩] [٣] و لسحح [١٥] [٣٧] و

نارو کے دفعیہ کے لیے

جس جگہ نارو ہو وہاں یہ نقش لکھیں نارو ختم ہوجائے گا۔

الله اکبر الله اکبر یا نارو اَیا نَارُوْ اوَ لَا تکبُر فَمَات محمدٌ عَلَیہِ السَّلَامُ فَمُتْ بِاذْنِہٖ

(اللہ بہت بڑا ہے اللہ بہت بڑا ہے۔ اے نارو اے نارو غرور نہ کر پس محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی پس اللہ کے حکم سے مرجا)

دوسرا نقش: نارو کی جگہ پر لکھیں

اھودفع	حوانسم
سہہ	لہ اکہ

خوف دفع کرنے کے لیے

بچہ ہو یا مرد اور عورت اگر ڈرتے ہوں تو یہ تعویذ اپنے پاس رکھیں۔

یَامَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنفُذُوا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوَاتِ وَالْاَ رْضِ فَا نْفُذُوْالَا تَنفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطَانٍ فَبِاَ یِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ بِرَحْمَتِکَ یَااَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَo [1]

(اے گروہ جن اور انسان کے اگر تم کو یہ قدرت ہے کہ آسمان اور زمین کی حدود سے کہیں باہر نکل جاؤ تو (ہم بھی دیکھیں) نکلو مگر بدون زور کے نہیں نکل سکتے سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہوجاؤ گے) برحمتک یا ارحم الراحمین۔

بستہ آدمی کے لیے

(جس شخص کو جادو کے اثر سے باندھ دیا ہے) یہ تعویذ اس کی سیدھی ران پر باندھیں۔

قَالَ مُوسٰی مَاجِئتُم بِہِ السِّحْرُ اِنَّ اللّٰہَ سَیُبْطِلُہٗ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِیْنَo [2]

تو موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا کہ یہ جو کچھ تم بنا کر لائے ہو یہ جادو ہے۔ یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ اس (جادو) کو ابھی درہم برہم کیے دیتا ہے (کیوں کہ) اللہ تعالیٰ فسادیوں کا کام بننے نہیں دیتا۔

---

[1] پارہ ۲۷۔ سورہ الرحمٰن، آیات ۳۳ اور ۳۴ [2] پارہ ۱۱۔ سورۂ یونس، آیت ۸۱

بخار دفع کرنے کے لیے

تین دن متواتر یہ نقش پان پر لکھ کر مریض کو چاٹنے کے لیے دیں۔

فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا وَّ سَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَالْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ وَكُنَّا فٰعِلِيْنَ ۝ [1] یارب ابراهيم يارب ابراهيم يارب موسىٰ يارب موسىٰ يارب محمد رسول الله صلى الله عليه وسلم

سو ہم نے اس فیصلے کی سمجھ سلیمان کو دی اور یوں ہم نے دونوں کو حکمت اور علم عطا کیا اور ہم نے داؤد کے ساتھ تابع کر دیا تھا پہاڑوں کو۔ وہ تسبیح کیا کرتے تھے اور پرندوں کو بھی اور کرنے والے ہم تھے۔

گھر سے بلا دور کرنے اور خوش حالی کے لیے

جو شخص یہ نقش اپنے پاس رکھے یا دیوار پر چسپاں کرے یا گھر میں محفوظ جگہ رکھے تو ہر قسم کی بلا اس گھر کے قریب نہ پھٹکے گی۔ برکت اور دولت اس گھر میں رہے گی۔ وہ شخص بادشاہوں کی عزت وحرمت کا محتاج نہ ہوگا۔ جن اور شیاطین سے محفوظ رہے گا۔ نقش یہ ہے:
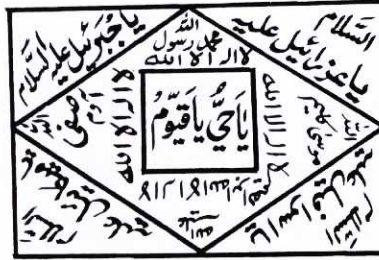
پیشاب پاخانہ جاری کرنے کے لیے

اگر کسی شخص کا پیشاب پاخانہ بند ہوجائے تو یہ آیت لکھ کر اسے کھلائے۔ فوراً جاری ہوجائیں گے۔

وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ط وَاِنَّ مِنْهَا لَمَايَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَاءُ ط وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ط وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ۝ [2]

اور بعضے پتھر تو ایسے ہیں جن سے (بڑی بڑی) نہریں پھوٹ کر چلتی ہیں اور اِن ہی پتھروں میں سے بعضے ایسے ہیں کہ جو شق ہوجاتے ہیں، پھر ان سے (اگر زیادہ نہیں تو تھوڑا ہی) پانی نکل آتا ہے اور اِن ہی پتھروں میں سے بعضے ایسے ہیں جو خدا تعالیٰ کے خوف سے نیچے لڑھک آتے ہیں اور اللہ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں ہے۔

---

[1] پارہ ۱۷ سورہ الانبیا، آیت ۷۹

[2] پارہ۔۱، سورہ البقرہ، آیت ۷۴

بچوں کو نظرِ بد سے حفاظت

بچوں پر نظرِ بد دفع کرنے کے لیے تین روز تک شام کے وقت پڑھ کر دم کرے۔ٹھیک ہو جائے گا۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ وَاِنۡ يَّكَادُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لَيُزۡلِقُوۡنَكَ بِاَبۡصَارِهِمۡ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكۡرَ وَيَقُوۡلُوۡنَ اِنَّهٗ لَمَجۡنُوۡنٌ‌ۘ وَمَا هُوَ اِلَّا ذِكۡرٌ لِّلۡعٰلَمِيۡنَ [1]

اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔ اور یہ کافر جب قرآن سنتے ہیں تو (شدتِ عداوت سے) ایسے معلوم ہوتے ہیں کہ گویا آپ کو اپنی نگاہوں سے پھسلا کر گرا دیں گے۔ اور کہتے ہیں کہ یہ مجنون ہیں حالاں کہ یہ قرآن تمام جہان کے واسطے نصیحت ہے۔

زہر کا اثر ختم کرنے کے لیے

اگر کسی شخص نے زہر کھالیا ہو تو کورے آنجورے [2] پر یہ نقش لکھیں اور اسے دھو کر پلائیں۔

۸	۱۱	۱۴	۱
۱۳	۲	۷	۱۲
۳	۱۶	۹	۶
۱۰	۵	۴	۱۵

بھاگے ہوئے غلام کے لیے

اگر غلام بھاگ جائے تو یہ اسم لکھ کر چلتے ہوئے چرخے پر باندھیں۔ چرخا چلے گا تو پریشان ہو کر واپس آ جائے گا اس اسم کے نیچے غلام کا نام بھی تحریر کریں۔ اسم یہ ہے۔

ا جھنط

عورت پر قادر ہونے کے لیے

جو شخص عورت پر کسی طرح قادر نہ ہو سکے تو اسے چاہیے کہ سو مرتبہ یہ اسم پڑھ کر اس پر دم کرے تابعدار ہو جائے گی۔

يَاحَيُّ حِينَ لَاحَيُّ فِى دَيْمُومَةِ مُلْكِهٖ وبقائِهٖ

---

[1] پارہ۔ ۲۹ سورہ القلم، آیت ۵۱ اور ۵۲

[2] یہاں مراد ایسا آنجورہ ہے جس پر پانی نہ پڑا ہو اور نہ اس میں پانی ڈالا گیا ہو۔ بالکل نیا کورا آنجورہ۔

عورت کا دودھ بڑھانے کے لیے

عورت کا دودھ زیادہ کرنے کے لیے اس آیت کو تانبے کی طشت پر لکھیں اور دھو کر عورت کو پلائیں۔

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُمْ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ط وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَاءُ ط وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ط وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ○ [1]

تمہارے دل پھر بھی سخت ہیں تو ان کی مثال پتھر کی سی ہے بلکہ سختی میں (پتھر سے بھی) زیادہ سخت اور بعضے پتھر تو ایسے ہیں جن سے (بڑی بڑی) نہریں پھوٹ کر چلتی ہیں اور اِن ہی پتھروں میں سے بعضے ایسے ہیں کہ جوشق ہوجاتے ہیں، پھر ان سے (اگر زیادہ نہیں تو تھوڑا ہی) پانی نکل آتا ہے اور ان ہی پتھروں میں سے بعضے ایسے ہیں جو خدا تعالیٰ کے خوف سے نیچے لڑھک آتے ہیں اور اللہ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں۔

ہاتھی اور گھوڑے کی صحت کے لیے

باوضو ہوکر دو رکعت اللہ کا شکر ادا کرنے کے لیے پڑھے۔ اس کے بعد دو رکعت نماز استخارہ ادا کرے۔ پہلی رکعت میں سورہ الکافرون، سورہ نصر اور تبت یدا پڑھے، دوسری رکعت میں سورہ اخلاص اور معوذتین ایک بار پڑھے۔ نماز کے بعد حضرت خواجہ معروف کرخیؒ کے نام پر شیرینی اتوار یا جمعہ کے روز نماز کے بعد تقسیم کرے۔ گھوڑے کا رنگ، اس کے مالک کا نام اور نر ہے یا مادہ اس کی صراحت کرے پھر گردن میں باندھے۔ اگر سات دن سے زیادہ گردن میں رہے گا تو گھوڑا خشک ہوجائے گا۔ تعویذ یہ ہے:

الٰہی بحرمت خواجہ معروف کرخیؒ فلاں اسپ نر ر مادہ صحت بخش

---

[1] پارہ۔۱، سورہ البقرہ، آیت ۷۴
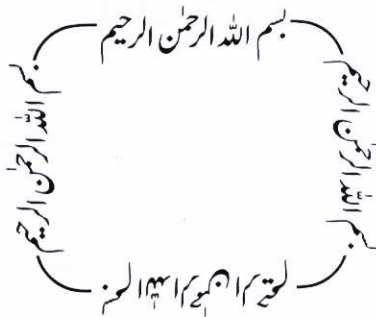
لطیفہ ۵۹

حضرت قدوۃ الکبراؒ کی رحلت کے ایام میں فیض و فضل الٰہی کا نزول ملائکہ، رجال الغیب اور بعضے اولیا کا تجہیز و تکفین کے لیے حاضر ہونا

ان نادر نکات اور عجیب کلمات کو جمع کرنے والا تیس سال تک خواہ سفر ہو یا قیام ہر وقت حضرتؒ کی خدمت میں حاضر رہتا تھا اور آپ کے جملہ احوال سے واقف رہا۔

ایک روز حضرت قدوۃ الکبراؒ نے فرمایا کہ میں تمہاری مصاحبت سے پیشتر دوبار بیمار ہوا۔ ان علالتوں میں اس قدر دیکھ بھال اور خدمت کی گئی کہ اس کی شرح ممکن نہیں ہے۔ مختصر یہ کہ تمام عمر میں چار مرتبہ علیل ہوئے ایک بار روم میں، اس میں کوئی معصوم داخل نہیں ہوا، چنانچہ اس کی تفصیل بیان کی جا چکی ہے۔ دوسری بار مدینہ مبارک میں بیمار ہوئے اور یہ بیماری اس قدر بڑھی کہ اصحاب کو زندگی کی امید نہ رہی۔ کامل بیس دن گزرے کہ آخر شب میں بوقت صبح حضرت رسالت پناہ ﷺ کے جمال جہاں آرا کی زیارت ہوئی۔ حضرت ایشانؒ کے باب میں طرح طرح کی بشارتیں ظاہر فرمائیں پھر آخر میں عنایت فرماتے ہوئے زبانِ دُربار اور گوہر نثار سے ارشاد فرمایا کہ فرزند اشرف! ابھی تمہاری عمر بہت باقی ہے تم غم نہ کرو۔ بہت سے مسلمان اور مومن تمہارے واسطے سے دروازہ وصول میں داخل ہوں گے اور بہت سے صاحبان اور بڑے لوگ تمہارے رابطے سے جامِ حصول نوش کریں گے تیسری بار سید محمد گیسو درازؒ کی خانقاہ گلبرگہ میں علیل ہوئے۔ یہ مرض بہت کم عرصے میں جاتا رہا اور صحت حاصل ہوگئی چوتھی علالت جو دنیا سے آفتاب کی روشنی لے گئی اور طبقات زمین کو تاریک کرگئی، روح آباد میں واقع ہوئی۔ آپ کی عمر مبارک ایک سو بیس سال تھی جس میں سے بیس سال ایک عزیز پر جس کا ذکر آچکا ہے نثار ہوگئے۔

حضرت قدوۃ الکبراؒ فرماتے تھے، اکثر اوقات اصحاب و احباب کی مجلسوں میں، اللہ تعالیٰ نے مجھے جن عظیم عطاؤں سے سرفراز فرمایا ان میں میری درازی عمر کی بشارت بھی تھی۔ بہرحال جب محرم کا چاند نظر آیا تو آپ نے خلافِ دستور بہت اور بے حد مسرت کا اظہار فرمایا۔ دوسرے اصحاب متفکر ہوئے۔ حضرت نور العین نے جسارت کرکے (اس خلاف معمول رویے کے بارے میں) استفسار کیا۔ فرمایا کہ بابا یہ مہینہ ہمارے دادا حسین کی شہادت کا ہے اگر موافق ہو تو بہتر ہے احباب نے

بے قراری اور خوف کا اظہار کیا۔ فرمایا اس کی ضرورت نہیں ہے۔

حضرت قدوۃ الکبراؒ کی مستقل عادت تھی کہ محرم کے عشرے میں عاشورا کرتے تھے۔ کبھی ایسا ہوتا کہ اصحاب سے موافقت کرتے اور ان کے ساتھ دورے پر جاتے، کبھی قلندوں کے سرحلقہ جمشید کو حکم فرماتے کہ قلندروں کی جماعت لے کر دورہ کریں۔ اس سال عشرے میں حضرت ایشاںؒ نہ خود دورے کے لیے نکلے اور نہ حسب معمول حکم فرمایا بس سارے حال میں حیرت سے سروکار رہا بلکہ اس سال عمر مبارک کے آخری ایام حالت حیرت میں گزرے۔ نگاہ آسمان کی جانب رہتی تھی۔ اس سال خاموشی غالب رہی۔ اگر کسی شخص نے توحید و معارف کے باب میں سوال کیا تو تاخیر سے جواب پر متوجہ ہوتے تھے۔ آخر میں فرماتے تھے، یارو! اس سے زیادہ اہم کام درپیش ہے۔ گفت وشنود ہمیشہ اس وقت ہوتی ہے جب بندے کو یقین حاصل نہیں ہوتا اور جو شخص سرحد یقین پر پہنچ جائے تو اس کا کام نسبت ہی سے رہتا ہے۔

اس سال آپ نے ہر عزیز اور ہر بڑے اور چھوٹے اہل صحبت کو نسبت سے اشتغال کا حکم دیا اور اس سال کا عشرہ اصحاب نے تلاوتِ قرآن میں بسر کیا۔ جب عاشورے کا دن آیا تو آپ کے حال میں کسی قدر تغیر نمایاں ہوا۔ اسی روز رحلت کرنے کے درپے تھے کہ شیخ نجم الدین اصفہانی جو شیخ حرم تھے عالم سیر سے آئے اور فرمایا نہیں نہیں فرزند اشرف چند روز (انتظار کرو) [۱] ایک مصلحت ہے اس کی تکمیل باقی رہ گئی ہے۔ خود بھی یہاں رہنے کا خود ہی اقرار کیا۔ بیماری کے آثار کم ہوگئے (اس عرصے میں) گرد ونواح کے بزرگ حاضر ہوئے اور عیادت کے شرائط بجا لائے۔ اس وقت ایسی بے تابی بھی نہ تھی کہ اسے تغیر مزاج خیال کیا جاسکے۔ مقررہ وظائف جو آپ ادا فرماتے تھے انہیں پورے فرماتے رہے۔ کسی قسم کے کسل اور تکان کا غلبہ نہ تھا۔ حضرت مخدوم زادے قطب عالم بطریق سیر آئے اور شیخ الاسلام رومی بھی تشریف لائے۔ حضرت مخدوم زادے نے بسلسلۂ عیادت کہا کہ بھائی اشرف! حضرت مخدومی کے اسرار اور آثار کے جامع اور یادگار ہیں۔ ان کی حیات اور زیادہ ہوگی اور بیماری صحت میں مبدل ہوگی کہ صحرائے طلب کے گم گشتہ گروہ اور وادیِ مشقت کے راہ نایافتوں کو وصول کے شفاف پانی سے بہرہ مند اور سیراب فرمائیں، قطعہ:

وجودت در جہاں باقی بماند
کہ مردم بہرور گردند از تو
(آپ کا وجود دنیا میں باقی رہے گا تا کہ لوگ آپ کی ذات سے بہرہ مند ہوں)
توئی آں چشمۂ خورشیدِ عرفاں
کہ ذرّانند نیرومند از تو

---

[۱] مطبوعہ نسخے کے صفحہ ۷۰۴ پر بغلی سرخی دی ہے ''مادہ تاریخ وفات سیّد اشرف جہانگیر اشرف المومنین''، لیکن اس پورے صفحے پر ایسی کوئی عبارت نہیں ہے جس سے مادۂ تاریخ کی نشان دہی ہوتی ہو۔ اس صورت میں مترجم نے یہ ذیلی سرخی ترجمے کے متن میں تحریر نہیں کی۔

(آپ آفتابِ عرفان کا ایسا چشمہ ہیں کہ آپ سے ذرّوں کو تاب و توانائی ملتی ہے)

آپ نے فرمایا کہ بعدازیں مخدوم زادے کو بقا اور صحت ارزانی ہو کہ ہمارے اور محبوب کے درمیان ہلکا سا پردہ رہ گیا ہے، کیا (مخدوم زادے) نہیں چاہتے کہ دوست دوست کے ساتھ پیوست ہو جائے۔ بیت:

دل زتن عریاں شدہ جاں از خیال

می خرامد در نہایات الوصال

(دل جسم سے آزاد ہو گیا، جان خیال سے رہا ہو گئی اب (الٰہی) وصال کی حدوں میں سیر کرتی ہے)

ان کلمات کے سنتے ہی اہل مجلس پر کیفیت طاری ہو گئی۔ ہر مصاحب وجد و رقت کے عالم میں پہنچ گیا۔ تاریخ پندرہ محرم سنہ سات سو اٹھانوے کو اخیار اور ابرار آئے اور آپ کے ساتھ صحبت رکھی۔ اِن حضرات نے عرض کیا کہ اے دائرہ وجود کے نقطے اور پرکارِ مقصود کے مرکز! اگر اکابر کی رحلت میں چند روز حل و عقد کی خاطر تاخیر ہو جائے تو کیا ہوگا اور وہ اسی سفلی خاک دان میں رہیں تو بہتر ہی ہے۔ حق تعالیٰ نے مقصود کی کنجی آپ کے ہاتھ میں دی ہے اگر چاہیں تو رہیں چاہیں تو منتقل ہو جائیں۔ فرمایا کہ اے اخیار و ابرار! بارہ سال کا عرصہ گزرا کہ آسمان اور زمین کے خزانوں کی کنجی مجھے سونپی گئی ہے کہ تم تصرف میں لاؤ لیکن میں نے بہ خیالِ ادب تصرف نہیں کیا۔ زندگی کی لگام میرے سپرد کی گئی ہے۔ اگر چاہوں تو رہوں لیکن میں کب تک اس خاک دان سفلی میں رہوں گا۔ مجھے یہ پسند نہیں ہے۔ اب میں گلزار علوی کی جانب پرواز کرنا چاہتا ہوں، قطعہ:

منم مرغِ گلزار قدسم چرا

بوم دامِ درپائے بندِ زمیں

(میں گلزارِ قدس کا طائر ہوں، میں زمین کے پابند جال میں کس طرح رہ سکتا ہوں)

قفص بشکم بال و پرزوروا‌ں

شوم سوئے آں گلستانِ یقین

(اپنے بال و پر کی قوت سے قفس توڑ کر گلستانِ یقین کی جانب پرواز کر جاؤں گا)

حضرت قدوۃ الکبراؒ کی خدمت میں اوتاد، ابدال اور دیگر اہل خدمت کا حاضر ہونا

۱۶ تاریخ کو ابدال آئے اور انہوں نے عیادت کی اور عرض کیا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے لشکروں میں سے لشکر کیوں چھوڑ رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ فِیۡ مَقۡعَدِ صِدۡقٍ عِنۡدَ مَلِیۡکٍ مُّقۡتَدِرٍ [1] (راستی اور عزت کی بیٹھک میں قدرت والے بادشاہ کے پاس) کے تخت پر جلوس کرتا ہوں۔ قطعہ:

[1] پارہ ۲۷۔ سورہ القمر، آیت ۵۵۔

کسے کہ جائے بر اورنگِ آں زمیں دارد
شہنشہے ست کہ کونین در نگیں دارد
(جوشخص کہ اس زمین کے تخت پر بیٹھتا ہے وہ ایسا بادشاہ ہے کہ کونین اس کے زیرِ نگین ہے)
زشیر بیشۂ سفلی چہ رنگ برگیرد
زشیروبیہ کہ قدم برسر عریں دارد
(وہ بہادر اور جری شخص جو (پرہیبت) جنگل میں قدم رکھتا ہے وہ عالم سفلی کے شیر سے خوف نہیں کرتا)

۱۷/تاریخ کو اوتاد تشریف لائے۔ آپ کی صحبت سے حد سے گزر گئے اور شادمانی کا اظہار کیا۔ عیادت کے شرائط بجائے لائے۔ اوتاد نے کہا، منصبِ کبریٰ چھوڑ رہے ہو۔ فرمایا اسی فکر میں ہوں ابھی طے ہوا ہے۔ جب اوتاد اپنی اپنی سرحدوں کی جانب روانہ ہوگئے تو حضرت ایشاںؒ کو روح کی نیستی ہوئی۔ تین روز تک جسم مبارک پڑا رہا۔ اوقاتِ نماز میں بغیر ہوش کے حرکت کرتا، اور اشارے سے نماز ادا فرماتے۔ جب تیسرا دن ہوا تو حالت بحال ہوئی۔ لوگوں نے حال معلوم کیا تو فرمایا کہ حال نجم الدین اصفہانی بتائیں گے۔ شیخ نجم الدین جب سے آئے تھے رحلت کے وقت تک واپس نہیں گئے۔ حضرت نور العین نے حضرت نجم الدین سے (حضرت قدوۃ الکبراؒ کی کیفیت کے بارے میں) دریافت کیا تو فرمایا کہ میں نے جن بقیہ امور کے بارے میں خبردار کیا تھا، ان تین دنوں میں حضرتؒ نے ان کی تکمیل فرمائی اور یہاں میرے موجود ہونے کا سبب بھی یہی تھا۔ الحمد للہ مقصود تک پہنچ گئے۔

تاریخ ۲۰ تا ۲۳ (محرم) گرد و نواح کے لائق اور بڑے لوگ حاضر ہوئے۔ آپ نے ہر آنے والے کو بشارت دی اور سعادت کے لیے دعا کی۔ (مذکورہ) تین روز میں اس قدر مخلوق توبہ، انابت اور خلافت سے سرفراز ہوئی کہ اس کی تفصیل خدا ہی کو معلوم ہے۔ اشراف الملک جو ولیِ ولایت تھا بارہ ہزار اشخاص کے ساتھ شرفِ ارادت سے مشرف ہوا۔

ماہ محرم کی چاند رات سے کوئی دن ایسا نہ ہوگا کہ جس دن روضے پر توجہ نہ فرمائی ہوگی، حالانکہ جمشید قلندر جو پانچ سو قلندروں کا سردار تھا، بارہ سال سے اسی اہتمام میں مصروف رہا، اس کے باوجود چھوٹے بڑے مریدوں اور کامل و ناکامل اصحاب میں سے کوئی فرد ایسا نہ ہوگا جس نے روضے کے کام میں ہاتھ نہ بٹایا ہو۔ سات بار کعبے شریف سے آبِ زمزم لاکر حوض میں ڈالا گیا۔ زیادہ تر پودے اپنے دستِ مبارک سے لگائے تھے۔ ایک مرتبہ بنگالے سے سپاری کا پودا لائے تھے، نماز عصر ادا کرکے اپنے ہاتھ سے لگایا۔ اس پودے کو لگانے میں ذراسی تاخیر ہوگئی (حتیٰ کہ) بلال موذن نے نماز مغرب کی اذان دی، جیسے ہی آپ نے جلدی کی تو وہ تسبیح جو آپ کے دوشِ مبارک پر پڑے ہوئے رومال میں تھی ٹوٹ گئی اور خرما کے دانوں سے ہر دانہ ادھر ادھر بکھر گیا۔ جب نماز ادا فرمالی تو اصحاب نے دانوں کو چن کر آپ کے دستِ مبارک میں دیے۔ انہیں دھاگے میں پرویا، جب گنا تو ایک دانہ کم تھا، آپ نے دھاگے کا سرا باندھ دیا۔ (کچھ دیر بعد) شیخ کمال دانہ ڈھونڈ کر

لائے۔ آپ نے فرمایا، بہت خوب اب سررشتہ اچھی طرح بندھ گیا۔ آپ نے اپنے ہاتھ سے اس دانے کو بکر کے درخت کی شاخ پر نصب کر دیا اور فرمایا، اے بیج تو اللہ تعالیٰ کی قدرت سے درخت ہو جائے گا اور پھل دے گا اور میری تسبیح کے دھاگے کا نشان نہ رکھے گا۔

آپ نے ارشاد فرمایا کہ میری قبر روضے کے درمیان رکھنا اور اینٹوں سے تیار کرنا۔ اس کی چوڑائی اس حد تک ہو کہ نماز ادا کی جاسکے اور لمبائی قد کے برابر ہو۔ قبر کی تہہ کی سطح اینٹیں رکھ کر ایک ہاتھ بلند رکھنا حسب الحکم مرقد تیار کر دیا گیا۔ مرقد کی تیاری میں حضرت نور العین، حضرت شیخ دُرّ یتیم، حضرت شیخ معروف الدیموی، قاضی حجت اور چند دوسرے لوگوں نے حصّہ لیا۔ جب روضے اور اس کے مقدس در و دیوار کی تکمیل ہوگئی تو بہ نفس نفیس تشریف لائے اور ہر گوشے کا معائنہ کیا۔ بعض نئے لگائے گئے پودوں کی تحسین فرمائی آخری دن مولسری کا ایک پودا لگایا۔ کچھ دیر احباب و اصحاب سے جدا ہونے کا تاسف اور افسوس فرماتے رہے اصحاب میں ہر ایک زار و نزار رونے لگا۔ حضرت نور العین بے ہوش ہوگئے۔ کچھ دیر بعد ہوش میں آئے تو قدوۃ الکبرا کے قدموں میں گر پڑے، قطعہ:

مرا بگزار تنہا در غریبی
کہ غربت برتراز جاں کندنم نیست

(مجھے غریبی میں تنہا چھوڑ دو کہ غربت میری جان کنی سے بدتر ہے)

چواز خاکم بر آوردی بخاکم
میفگن کیں نجاک افگندنم نیست

(مجھے میری خاک کے ساتھ خاک میں ڈال دیا۔ ایسا نہ کرو کہ یہ مجھے خاک میں ڈالنا نہیں ہے)

چراز ماجدامی مانی اے شاہ
ازیں فرقت رواں جاں بردنم نیست

(اے بادشاہ مجھ سے جدا کیوں ہو رہے ہو، اس فرقت سے میری جان لینا روانہ ہونا نہیں ہے)

مرواز بر کہ در بر جانم از تو
چوجاں از برشود جاں بندنم نیست

(میرے پہلو سے نہ جاؤ کیونکہ میری جان تیرے پہلو میں ہے، جب جان از بر ہو جائے تو میری جاں بندی نہیں ہے)

منم چشم و تو نور العین مائی
چو نور العین شدپا بندیم نیست

(میں آنکھ ہوں اور تم میری آنکھوں کی روشنی ہو۔ جب آنکھوں کی روشنی حاصل ہے تو میں پابند نہیں ہوں)

آپ نے حضرت نور العین کا سر مبارک اپنے ہاتھ سے اٹھایا اور بغل میں لیا۔ حضرت نور العین کا ہاتھ پکڑ کر اندر لے گئے اور یہ لطف انگیز اور عنایت آمیز باتیں ان سے فرمائیں کہ:

''بابا حاجی عبدالرزاق مجھے اپنے سے جدا نہ جانو۔ میری روحانیت گنجہ کے گوشہ نشین کی روحانیت سے کم نہیں ہے جو فرماتے ہیں، قطعہ:''

مداں خالی از ہم نشینی مرا
کہ بینم ترا گر نہ بینی مرا
(مجھے اپنی ہم نشینی سے خالی نہ سمجھو، اگر تم مجھے نہیں دیکھتے تو میں تمہیں دیکھتا ہوں)

منم کار فرمائے احوالِ تو
سخن وار ہمراہ اقوالِ تو
(میں ہی تمہارے احوال کا کارفرما ہوں، بات کی مانند تمہارے اقوال کے ساتھ ہوں)

تو سودِ منی و مرا مایہ داں
بہرجا خرامی مرا سایہ داں
(تم مجھے سرمایہ خیال کرو اور تم میرا نفع ہو۔ تم جہاں بھی جاؤ مجھے سایہ تصور کرو)

اصحاب کی نسبت بھی یہی الطاف ارزانی رکھے کہ مجھے اپنے آپ سے جدا خیال نہ کریں۔ میں ہر حال میں تمہارے ساتھ ہوں۔ یہ بشارت اور سعادت کا اشارا جملہ اصحاب اور احباب کو دے کر سرفراز فرمایا۔ حضرت قدوۃ الکبریٰ نے اس بشارت پر فاتحہ پڑھی اور دوسری بار گلزار روضہ اور لالہ زار مقدسہ کی سیر کی۔ حوض کی تعریف فرمائی کہ ہم نے اس پر بڑی محنت صرف کی ہے، انشاء اللہ تعالیٰ بے مثال مرقد و مسکن کی صورت اختیار کرلے گا۔ حضرت قدوۃ الکبریٰ نے جب یہ کام جمشید قلندر کے سپرد کیا تھا تو فرمایا تھا کہ اے جمشید! میرے لیے ایسا مکان کھڑا کرو کہ چشم آفتاب نے اس کی مثل مکان نہ دیکھا ہو بلکہ آسمان کے گوشِ ہوش نے نہ سنا ہو۔ مثنوی:

برآراید زلطفِ لایزالی
مکان کز فیض نبود گاہ خالی
(لطفِ الٰہی سے ایسا مکان تعمیر کرے جو کبھی فیض سے خالی نہ ہو)

ہوایش دل کشاو روح پرور
صفایش جاں فزا روح آور
(اس کی ہوا دل کشا اور روح پرور ہو، اس کی صفائی جاں فزا اور تسکین دینے والی ہو)

بود از روضۂ فردوس اعلیٰ
زباغِ سدرہ ہر شاخ بالا
(وہ گلزارِ جنت سے بڑھ کر ہو اور اس کی ہر شاخ باغِ سدرہ سے بلند ہو)

چناں جایش بود در دورِ دوّار
کہ ایں نقطہ بود دورانش پرکار
(زمانے کی گردش میں وہ ایسے مقام پر ہو کہ وہ اس کی گردش کے پرکار کا مرکزی نقطہ بن جائے)

کسے کودر جہاں پرکار گردد
زسرپا کردہ در اقطار گردد
(وہ شخص جو دنیا میں پرکار بن جاتا ہے، سر کے بل اطرافِ عالم میں گردش کرتا ہے)

نہ بیندایں چنیں جائے دل آرا
اگرچہ می کند درسیر سر پا
(ایسا شخص ایسی دل آرا جگہ نہ دیکھ پائے گا خواہ سیر میں اپنے سر کو پاؤں بنالے)

بگرد روضہ جاری چشمۂ نوش
کہ آب خضر زو گردد فراموش
(روضے کے گرد شہد کا چشمہ جاری ہے جس کے سامنے آبِ حیات کی کوئی حیثیت نہیں)

سکندر آب حیواں را طلب گار
نبودے گر چشیدے آبش از چار
(اگر اس باغ کا پانی پی لیتا تو سکندر ہرگز آبِ حیات کی خواہش نہ کرتا)

بجز ایں روضۂ فردوس آسا
نباشد سالکاں را فیض افزا
(جنت کی مثل اس روضے کے علاوہ کوئی جگہ سالکوں کے لیے فیض افزا نہیں ہے)

چو مردم روحِ فیض آباد دانند
ازاں رُو نام روح آباد خوانند
(اس مقام کو لوگ ایسی روح خیال کرتے ہیں جو فیض سے آباد ہے، اسی لیے اسے روح آباد کہتے ہیں)

جب حضرتؒ کا دل باغ کی تفریح اور لالہ زار کی سیر سے شگفتہ ہو گیا تو فرمایا، انشاء اللہ تعالیٰ جو شخص اس روضۂ مکرم

میں آئے گا، فیض سے بے نصیب نہ رہے گا اور ہر وہ شخص جو دنیا میں اس کا[1] اندازہ کرے گا اسے برکت نہ ملے گی انشاء اللہ تعالیٰ۔

ستائیسویں تاریخ کو صبح کی نماز کی ادائیگی کے وقت امام حضرات حاضر ہوئے۔ بائیں جانب کے امام کو جماعت کے پیش نماز کی جگہ آگے کر دیا۔ لوگ حیران تھے کہ آج حضرت قدوۃ الکبرٰؒ نے خلاف عادت حکم فرمایا۔ یہ فکر کا مقام ہے۔ حضرت نورالعین نے فرمایا، معلوم ہوتا ہے کہ آج خانہ روزگار کو تاریک کر دیں گے کہ بائیں جانب کے امام کو خود آگے بھیج دیا ہے یہ اپنی جگہ تفویض کرنے کا اشارہ ہے۔ جب مقررہ وظائف سے فارغ ہوگئے اور نمازِ اشراق بھی اپنے مصلّے پر حسب معمول ادا فرما چکے تو حرم روضہ کے اندر تشریف لائے اور ایک شخص کو دروازے پر بٹھا دیا کہ میں جس کسی کو طلب کروں وہی اندر آئے اور اس باب میں سخت تاکید فرمائی کہ ہرگز کسی کو اندر نہ آنے دو۔ ابیات

مرا امروز بایا رانست سرکار
دریں خلوت سرا اغیار مگزار

(مجھے آج کل اپنے دوستوں ہی سے سروکار ہے۔ اس خلوت گاہ میں اغیار کو داخل نہ ہونے دو)

بجز از زمرۂ یاران محرم
کہ با ایناں سرو سرکار دارم

(یارانِ محرم کے گروہ کے سوا (کسی سے تعلق نہیں) بس انہیں سے سروکار رکھتا ہوں)

سوئے خلوت سرائے یار جانی
چو خواہم شد برائے مہربانی

(دوست جانی کی خلوت سرا کی طرف حصولِ عنایت کے لیے جاؤں گا)

بیاراں خواہم از اسرار گفتن
بالماسِ معانی دُرّ سفتن

(اسرار کی باتیں دوستوں ہی سے کروں گا انہیں کے لیے الماس حقیقت کے موتی پروؤں گا)

کسے کو قابلِ اسرار باشد
سزائے گفتن ایں کار باشد

(جو شخص اسرار سمجھنے کے لائق ہوگا وہی یہ بات بتانے کے لائق ہوگا)

---

[1] مطبوعہ نسخے کے صفحہ ۴۰۹ پر یہ عبارت ہے ''وہر کسے کہ مثالِ او در جہاں خواہد کرد مبارکش نخواہد آمد انشاء اللہ تعالیٰ'' اس عبارت کا یہی ترجمہ ممکن ہے جو اُردو متن میں پیش کیا گیا ہے۔

بیاید تا بہ وے اسرار گویم
دگر سوئے حریم شاہ پویم

(ایسا لائق شخص میرے پاس آئے تا کہ میں اسے اسرار کی باتیں بتاؤں ورنہ پھر میں بادشاہ کے حریم میں چلا جاؤں گا)

کہ مرغِ بوستاں دردام تا کے
چو بلبل بے گل آرام تا کے

(آخر باغ کے طائر کی طرح کب تک جال میں رہوں گا اور کب تک بلبل کی مانند بغیر گل آرام کے رہوں گا)

کافی عرصے تک اخیار و ابرار آتے رہے اس کے بعد بہت وقت تک اوتاد و ابدال آئے، پھر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کے سپہ سالار اور اولیائے زمانہ کی ایک جماعت جیسے حضرت علی ثانی، شیخ عبدالسلام ہروی، قاضی ابوالمکارم خجندی، حضرت شیخ معروف الدیموی، شیخ محمد دریتیم، میر تنگر قلی قلنچاق، شیخ حیدر قبچاق، شیخ ہر علی ارلات اور اصحاب و احباب آئے۔ شیخ نجم الدین اصفہانی بذات خود پہلے ہی آ چکے تھے۔ علاقے کے جو بھی چھوٹے بڑے لوگ تھے سب حاضر ہوئے۔

حضرت ایشاں نے اخیار، ابرار، رجال الغیب، اوتاد اور اماموں سے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے مجھے ہمیشہ آپ لوگوں کے درمیان رکھا تھا۔ اب اِرْجِعِیْ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَۃً مَّرْضِیَّۃً [1] (تو اپنے رب کی طرف لوٹ چل اس طرح سے کہ تو اس سے راضی وہ تجھ سے خوش) کا حکم بجالانے کا وقت آ پہنچا ہے اور مجھے اس حکم کی تعمیل بہرحال کرنی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ارادے سے میرا جانشین مقرر ہو چکا ہے۔ قیامت تک میری جگہ جانشینوں کو منتقل ہوتی رہے گی۔ آپ کو چاہیے کہ میرے بعد کسی طرح کا غم نہ کریں اور صورتاً و معناً اپنے ساتھ خیال کریں۔ میں آپ سب سے فرزند نور العین کی حمایت اور مدد کا خواستگار ہوں، ہرگز ہرگز ان کی مدد سے دریغ نہ کریں۔ (اس وصیت کو) مخاطبین میں سے ہر ایک نے بچشم قبول کیا۔ آپ نے (اپنا) سجادہ نور العین کے سپرد کیا اور فاتحہ پڑھی۔ اخیار، ابرار اور جماعت میں سے ہر ایک نے جو حاضر تھا، ان کی دست بوسی کی اور مبارک باد دی۔ اس کے بعد کاغذ کے چند سادہ ورق ساتھ لے کر قبر میں داخل ہوئے۔ ایک رات اور ایک دن قبر میں رہے۔ قبور کے واقعات اور نورِ حضور سے شرف پانے کے جو مشاہدات رونما ہوئے، انہیں اوراق میں تحریر کیا اور اس رسالے کا نام ''بشارت المریدین'' رکھا اس میں تمام نکات تفصیل سے تحریر کیے گئے ہیں جو رسالے کے مطالعے سے معلوم ہوں گے۔ مجمل طور پر صرف اس قدر تحریر کیا جاسکتا ہے کہ ستر ہزار یمنی مرد آئے اور غسل دیا۔ رجال الغیب نے پانی ڈالا اور اوتاد نے کفنایا، پھر آپ کے جنازے کو عرش پر لے گئے وہاں آسمان اور زمین کے فرشتے حاضر کیے گئے۔ اس کے بعد ندائے غیبی نے اعلان کیا، ''اشرف ہمارا محبوب ہے، چند روز دنیا کی تکلیفوں کی آزمائش میں رہائی۔ اب وہ حب الوطن من الایمان [2]

---

[1] پارہ۔ ۳۰، سورہ الفجر، آیت ۲۸

[2] (اصلی) وطن کی محبت ایمان سے ہے۔

کے مصداق اپنے اصلی مرکز میں آ گئے ہیں اور انہوں نے فِیْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِیْکٍ مُّقْتَدِرٍ[1] (راستی اور عزت کی بیٹھک میں قدرت والے بادشاہ کے پاس) کے تخت پر جلوس فرمایا ہے۔'' حق تعالیٰ ہر مومن اور مسلمان کو اس مرتبے کے شرف سے مشرف فرمائے، بالنبی و الہ الامجادہ۔

---

[1] پارہ ۲۷۔ سورۂ قمر، آیت ۵۵

لطیفہ ۶۰

حضرت قدوۃ الکبرا کے بعض کلماتِ اشفاق جو آپ نے قدوہ الآفاق سید حاجی عبدالرزاق اور ان کی اولاد اور بعض بڑے خلفا کے حق میں فرمائے۔ تمام مریدوں، فرزندوں، معتقدوں اور خاص و عام مخلصوں پر آپ کے الطاف کا ذکر

ماہِ مذکور (محرم) کی اٹھائیس تاریخ کو نیلی پوش صبح نے خورشید کا شفق رنگ آنسو ٹپکاتے ہوئے آنکھ کھولی، غلافِ مخالفت سے ماتم آمیز وتعزیت انگیز تلوار نکالی، غموں کے ذرّات اطراف میں بکھر گئے اور الم کی کرنیں چاروں طرف پھیل گئیں (ایسی صبح) اصحاب و احباب جو تمام رات خورشید رخسار کے حضور میں تھے اور ناہید انور کے نور سے بہرہ مند رہے تھے، حضرتؒ کے دیدار سے مشرف ہوئے اور اس جگہ جہاں آپ نمازِ اشراق کے وظائف ادا فرماتے تھے حاضر ہوئے۔
حضرت شیخ نجم الدین اصفہانی حضرت قدوۃ الکبراؒ کے پہلو میں بیٹھے۔ حضرت نور العین کو طلب کیا اور تمام اصحاب کو حکم دیا کہ کچھ دیر کے لیے باہر جائیں۔ سب خاص و عام حضرات باہر آ گئے۔ ان تین حضرات حضرت شیخ نجم الدین اصفہانی، حضرت قدوۃ الکبراؒ اور حضرت نور العین کے سوا کوئی شخص اندر نہ رہا۔ (اس وقت) حضرت نور العین پر اسرار ختم کرنے کا آغاز کیا۔ بیعت:

حریفِ جنس و دید و جائے خالی
کہ سر پوش از طبق برداشت خالی

ترجمہ: مدمقابل تھا، دیدار تھا اور تنہائی تھی ایسے عالم میں (تحفوں سے بھرے ہوئے) طبق کا سرپوش اٹھا کر خالی کر دیا۔
دوپہر تک ایک دوسرے سے استفادے اور افادے کا عالم رہا۔ جب آفتاب کے زوال کا وقت قریب آیا تو جو لوگ باہر تھے انہیں اندر طلب کیا اور چھوٹے بڑے سب اصحاب کو قریب بلایا۔ حضرت نور العین کو اپنے مقابل، حضرت شیخ نجم الدین اصفہانی کو دائیں پہلو میں اور حضرت شیخ دریتیم کو بائیں پہلو میں بٹھایا۔ سب اصحاب جیسے خواجہ ابوالمکارم، شیخ احمد ابوالوفا

خوارزمی، شیخ ابوالواصل، شیخ معروف الدیموی، شیخ عبدالرحمان خجندی، شیخ ابوسعید خزری اور موضع بھدونڈ کے ساکن ملک محمود حلقہ بنا کر بیٹھ گئے۔ مریدین اور معتقدین اس قدر تھے کہ ان کی تعداد اللہ ہی جانتا ہے۔ مختصر یہ کہ روشنک کے لوگ اور ارباب دین جو اودھ اور جون پور کے اطراف سے حاضر ہوئے تھے، سب موجود تھے۔

بابا حسین خادم کو حکم ہوا کہ مجھے جو لباس تبرکاً ملے ہیں انہیں لے کر آؤ۔ وہ اون اور بانات کے کپڑوں کا بقچہ لے کر آئے۔ اس میں وہ تبرکات تھے جو آپ کو چرخ گرداں کے سفر کے دوران اکابر صوفیہ سے حاصل ہوئے تھے۔ بقچے کو کھولا گیا۔ چار خلعتیں اونی کپڑے کی تھیں، ایک وہ جو حضرت مخدومی نے آپ کو پہنائی۔ دوسری ولایت چشت، اللہ تعالیٰ اسے بلاؤں سے محفوظ رکھے، کے صاحب سجادہ برجادہ سے حاصل ہوئی۔ تیسری شامی کپڑے کی خلعت جو شیخ الاسلام سے ملی۔ چوتھی خلعت گرامی جو آپ نے مخدوم جہانیاں سے حاصل کی۔ آپ نے چاروں خلعتیں حضرت نورالعین پر نچھاور کردیں اور فاتحہ پڑھی پھر فرمایا، نورالعین میرے فرزند برحق اور خلیفہ مطلق ہیں۔ جو شخص ان کے حلقے سے سرتابی کرے گا پھل نہیں پائے گا اور جو ان کے حلقے میں داخل ہوگا وہ دونوں جہانوں میں کامیاب رہے گا۔

اس کے بعد آپ نے نورالعین کے فرزندوں کو طلب فرمایا۔ پہلے شیخ شمس الدین کو، جن کی عمر اٹھارہ سال تھی اور جو علمی اعتبار سے عالم بن چکے تھے، سبز رنگ کا جامہ عنایت فرمایا اور فرمایا کہ یہ فرزند علوم کا بے حد حصہ رکھتا ہے لیکن اس کی عمر کم ہوگی۔ اس کے بعد شیخ حسن کو طلب کیا اور انہیں تبرک عطا کرنے کے بعد فرمایا کہ حسن بہ احسن وجوہ بڑے اطاعت گزار ہوں گے۔ پھر شیخ حسین کو طلب کیا اور تبرک عنایت کیا۔ فرمایا کہ یہ ہمارے حسین ثانی ہیں۔ ان سے ایک بڑا خاندان ظہور میں آئے گا۔ اس کے بعد شاہ احمد کو طلب کیا، تبرک عنایت کیا اور فرمایا کہ یہ احمد ثانی ہیں۔ ان کا نام احمد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم گرامی پر ہے اور صفات مصطفوی سے موصوف ہیں۔ ان کی اولاد بزرگ اور سخی ہوگی۔ اس کے بعد شیخ فرید کو طلب کیا اور تبرک عطا کیا پھر فرمایا، اے فرید ثانی آؤ تم سے اللہ تعالیٰ کی محبت اور دوستی کی خوشبو آتی ہے۔ پھر شیخ قتال کو جو نور پور کے ترکوں میں سے تھے، تبرک عنایت کر کے فرمایا، میں تمہیں عبدالرزاق کے جملہ فرزندوں میں سے خیال کرتا ہوں۔ تمہیں چاہیے کہ فرزندگی کو ہاتھ سے نہ جانے دو۔ اسکے بعد دریتیم کو طلب کیا اور تبرک عنایت فرمایا پھر ارشاد ہوا کہ یہ ہمارے فرزند کبیر کی یادگار ہیں جو مجھے عزیز ہیں چنانچہ جو شخص حلقے میں داخل ہوا اسے چاہیے کہ ان کا حلقہ بگوش ہو۔ جس طرح میں نے عبدالرزاق کے فرزندوں کو خزانہ الٰہی اور گنج نامتناہی سپرد کیا ہے اسی طرح انہیں اور ان کی اولاد کے سپرد کیا ہے بشرطیکہ وہ قناعت اختیار کریں اس وقت ہم ان کے اسبابِ معاش کے ذمہ دار ہوں گے۔ اس کے بعد فرمایا، جو ہمارے فرزندوں کا دوست ہے وہ ہمارا دوست ہے اور جو ہمارے فرزندوں کا دشمن ہے وہ ہمارا دشمن ہے اور جو ہمارا دشمن ہے وہ جملہ خاندانِ چشت اور دودمانِ اہل بہشت کا دشمن ہوگا۔ ابیات:

دوستدارِ خاندانِ اولیاست
دوستدارِ اولیاے مصطفیٰ ست

ترجمہ: جو شخص خاندانِ اولیا کا دوست ہے وہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوستوں کا دوست ہے۔

دوستدارِ اولیا و انبیا
دوستدارِ حضرتِ عالی خداست

ترجمہ: جو شخص انبیا اور اولیا کا دوست ہے وہ درحقیقت حضرت خدائے بزرگ کا دوست ہے۔

ور معاذ اللہ بود برعکس کار
کاروبارش عکس راہے از ہداست

ترجمہ: اور اگر اللہ کی پناہ کسی کا معاملہ اس کے برعکس ہے تو اس کاروبار راہِ ہدایت کے خلاف ہے۔

زینہار اے دوستاں ازراہِ عکس
خوار گردد در جہاں ایزد گواست

ترجمہ: اے دوستو! ہرگز مخالف راستہ اختیار نہ کرو، خدا گواہ ہے کہ جو مخالف راہ پر جاتا ہے وہ خوار ہوتا ہے۔

من بہر حالے بفرزندانِ خویش
ناظرم درہر مکاں بے کم و کاست

ترجمہ: میں بے شک وشبہ ہر حال میں اور مقام میں اپنی اولاد کا ناظر ہوں۔

ہرکہ زینسانم نداند درجہاں
ظلمتے مردود و راہِ بے ضیاست

ترجمہ: جو شخص مجھے اس طرح یقین نہیں کرتا وہ دنیا میں مردود تاریکی اور اندھیرے راستے میں ہے۔

اس کے بعد حضرت ابوالمکارم کو طلب کیا اور جامۂ تبرک عطا کیا، فرمایا یہ ہمارے ہمرنگ ہیں۔ ان سے ہرگز ہرگز سرکشی نہ کریں اور اس گروہ سے اعتقاد اور اخلاص رکھیں۔ پھر شیخ شمس الدین اودھی کو لائے۔ آپ نے انہیں تبرک عنایت کیا اور فرمایا کہ یہ ہم سے جدا نہیں ہیں۔ ہرگز فقرا کے دل ہاتھ سے نہ جانے دیں، نیز فرمایا کہ ''اشرف شمس'' اور ''شمس اشرف'' ایک ہی ہیں۔ اس کے بعد شیخ معروف الدیموئی کو لایا گیا۔ انہیں تبرک عطا کر کے فرمایا تم (بھی) ہمارے ہم رنگ ہو۔ ''اشرف معروف'' اور معروف اشرف'' ایک ہیں۔

ان مذکورہ اکابر کے مثل جو بزرگ تھے ان کی بھی تبرک اور خوشنودی سے دل داری کی اور بلند آواز سے فرمایا:

''اے بھائیو! معتقد مریدو اور موجود لوگو! خوب آگاہ ہوجاؤ کہ اشرف جہاں گیر کو خود سے دور اور غایب خیال

نہ کریں کہ حق تعالیٰ نے اپنے لطف سے مجھ کو اپنے جوارِ اقدس میں جگہ عطا فرمائی ہے، شرفِ وصولی سے مشرف فرمایا ہے۔ اپنے بے حد و نہایت لطف و عنایت سے ''محبوب'' فرمایا ہے، اور کہا ہے کہ اس کی اولاد، اس کے معتقد اور مریدوں کے موافق دوستوں کو بخش دیں گے اور جو ان کا مخالف ہوگا اسے دوزخ کے سب سے نیچے کے حصے میں دھکیل دیں گے۔''

جب آپ یہ تمام عنایات، اصحاب، مریدوں اور فرزندوں کے حق میں ارزانی فرما چکے تو حضرت نور العین کو ظہر کی نماز کی امامت کے لیے آگے کیا اور خود نے اور تمام موجود لوگوں نے اُن کی اقتدا میں نماز ادا کی۔ جب نماز پوری ہوچکی تو پہلے خود آپ نے ان کی تواضع کی پھر تمام اصحاب نے ترتیب سے اپنے سر جھکائے۔ اس کے بعد آپ مردانہ وار (سجادے) پر تشریف فرما ہوے اور قوالوں کو حکم دیا کہ سماع آغاز کریں اور وہی شعر پڑھیں جسے شیخ سعدی شیرازی نے ڈھالا ہے، بیت:

گر بدست تو آمدہ اجلم
قد رضینا بما جرٰی القلم

ترجمہ: اے محبوب! اگر میری موت تیرے ہاتھ سے ہونی ہے تو جو کچھ لکھ دیا گیا ہے ہم اس پر راضی ہیں۔

(قوالوں نے) یہ شعر بھی پڑھے، مثنوی:

خوب ترزیں دگر نباشد کار
یار خنداں رود بجانب یار

ترجمہ: اس سے زیادہ بہتر کوئی کامیابی نہیں کہ دوست دوست کی جانب مسکراتے ہوے جائے۔

سیر بیند جمالِ جاناں را
جاں سپارد نگار خنداں را

ترجمہ: خوب جی بھر کر محبوب کے جمال کو دیکھے (پھر) اپنی جان مسکرانے والے محبوب کے حوالے کردے۔

تنگ در بر نگار برگیرد
تا قیامت بخواب درگیرد

ترجمہ: محبوب عاشق کو اپنے پہلو میں جکڑ لے اور عاشق قیامت تک اسی حال میں سوتا رہے۔

قوال یہ اشعار پڑھ رہے تھے اور آپ بھی ان کی موافقت کررہے تھے۔ ایسا عالم تھا کہ در و دیوار پر وجد طاری تھا اور گلزار کے بلبل و قمری خروش میں تھے۔ قطعہ:

ز آوازِ شیریں بجوش آمدند
چو بلبل بہ گلشن خروش آمدند

ترجمہ: وہ شیریں آواز سن کر جوش میں آئے۔ بلبل کی مانند باغ میں مصروف فغاں ہوے۔

بدست آمدہ جامِ ذوقِ وصال
بدم درکشیدہ شد از وجد و حال

ترجمہ: ذوق وصال کا جام ہاتھ میں آ گیا، سانس کھینچ لیا وجد و حال طاری ہوگیا۔

خر امید سوے حریم نگار
سپردہ رواں جانِ شیریں بیار

ترجمہ: محبوب کی خلوت گاہ کی طرف روانہ ہوے اور جانِ شیریں کو محبوب کے سپرد کر دیا۔

تمام شد

خاتمہ کتاب[۱]

اللہ تعالیٰ کا شکر اور احسان ہے کہ نشانی رحمت، سرمایہ برکت، پاکیزہ کتاب اور تصنیف لاجواب جس کا نام "لطائف اشرفی فی بیان طوائف صوفی" ہے اور جو حضرت سراپا عظمت، امام السالکین، برہان العاشقین، قطب ربانی، محبوب یزدانی، غوث الانام، محی الاسلام، تارکِ سلطنت، حامی ملت، مقتدائے اولیائے کثیر حضرت امیر کبیر سلطان سید اشرف جہاں گیر سمنانی السامانی، النور بخشی النوری، چشتی نظامی کے ملفوظات ہیں اور جنہیں حضرت مولانا نظام الدین غریب یمنی نے، جو حضرت قدوۃ الکبراؒ کی خدمت بابرکت میں تیس سال تک سفر و حضر میں رہے اور فیض حاصل کیا، تالیف کیا ہے۔ اب فخر خاندان اشرفیہ، رونقِ دودمانِ شریفہ، محسود ارباب حسد، محمود اوصاف بے عدد، خیر خواہ برادرانِ خاندانی اولاد حضرت محبوب سبحانی، حاجی الحرمین حضرت سید شاہ محمد اشرف حسین خلیفہ و جانشین حضرت سید شاہ نیاز اشرف اشرفی قدس سرہ اور سالک طریق متین

[۱] خاتمہ کتاب میں متعدد قطعات تاریخ نقل کیے گئے ہیں، مترجم نے ان اشعار اور قطعات کا ترجمہ دو وجوہ سے نہیں کیا ہے ایک تو یہ کہ قطعات تاریخ کے ترجمے کی روایت مترجم کے علم میں نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ ترجمے میں ایک حرف کے تغیر سے تاریخ تبدیل ہوجاتی ہے اس لیے احتیاط کا تقاضا ہے کہ قطعات تاریخ جوں کے توں رکھے جائیں۔ جو اس فن کا ذوق رکھتے ہیں وہ خود مادۂ تاریخ کی ترکیب اور حسن سے لطف اندوز ہوں گے۔

حضرت حاجی سید محمد علی حسین سجادہ نشین سرکار کلاں آستانہ حضرت قدوۃ الکبرا سید اشرف جہاں گیر قدس سرہ مقام درگاہ کچھوچھہ شریف ضلع فیض آباد نیز صاجبزدگان حضرت حاجی سید سعادت علی اشرفی السمنانی کی کوششوں اور مطبع مولوی سید نصرت علی خان صاحب مالک نصرت المطابع دہلی کے کارکنوں کے اہتمام سے ۱۲۹۵ھ میں تالیف مذکورہ کا حصہ اوّل اور حصہ دوم جناب فخامت مآب، مخلوق باخلاق پسندیدہ، موصوف باوصاف حمیدہ کی انتہائی کوشش وسعی سے طبع ہوا اور اولیا اللہ کے کلمات اور اہل خانقاہ کے حالات سے شوق رکھنے والوں کو پسند آیا۔

قطعہ تاریخ از بلبل بوستانِ سخنوری یادگارِ انوری وظہوری حضرت سید شاہ حمایت اشرف اشرفی مدظلہ العالی

لطائف اشرفی مطبوعہ گردید
کنوں اسرارِ عرفاں گشت توضیح
حمایت سالِ اوبر لوحِ محفوظ
لطائف اشرفی دیدم بہ تصحیح

ایضاً

لطائف اشرفی گردید مطبوع
کز و مکشوف شد اسرار ملفوظ
چو شد مجموعہ اوراق تصحیح
ہمہ بینندگان گشتند محظوظ
حمایت سال طبعِ او عطارد
رقم کردہ بزیرِ لوحِ محفوظ

قطعہ تاریخ از زبان فیض ترجمان حاجی الحرمین الشریفین حضرت سید محمد علی حسین سجادہ نشین اشرف السمنانی سرکار کلاں آستانہ درگاہ کچھونچہ شریف

چو شد مطبوع ایں گنجینہ اسرار ربانی
بجہد اشرفِی خادمِ محبوبِ یزدانی
نمود فکر تاریخش زمن ہاتف چنیں گفتہ
بخواں تاریخ طبع او کہ ملفوظُ لسمنانی

قطعہ تاریخ از فصیح بیاں، شاعر زبان داں حضرت مولانا شاہ سید حسن سجادہ نشین سرکار خورد مقام آستانہ درگاہ کچھونچہ شریف ضلع فیض آباد۔

للّٰہ الحمد طبع شدہ بتمام
آں کہ ملفوظِ شاہِ سمنانست
ہم بجہدِ کمال وسعیِ بلیغ
آں کہ اولادِ شاہ جیلانست
شاہ اشرف حسین عالی قدر
ہم علی حسین ذیشانست
کردہ سجادہ حسن قایم
رونق افزائے نام پیرانست
چوں شدم سر بجیب باصد فکر
بہرِ تاریخ آں کہ پنہانست
از سر وجدا ایں حسین بگفت
اصفیائے بیانے قرآنست

تاریخ وصال حضرت سید اشرف جہاں گیرؒ

چو رفت از جہاں آں شہنشاہِ دیں
پے وصلِ ربّ جہاں آفریں
بزرگے چہ تاریخ گفت اشرفی
شمارید از اشرف المومنین

قطعہ مادۂ تاریخ دیگر جو حضرت مولانا شاہ سید حسین اشرف سجادہ سرکار خورد نے اپنی زبان معجز بیان سے فرمایا یہ ہے۔

ذا جہاں گیر سیِّدِ اشرف
ھو لما مضٰی الی مولاہ
فاذن للحسین تاریخہ
قالت الحور نوّر مثواہ

....

بحمد اللہ ''لطائف اشرفی'' ج ۲ کے لطائف ۴۱ تا ۶۰ پر نظر ثانی آج ۲۰۰۱-۱۰-۲ بمطابق ۱۴ رجب ۱۴۲۲ھ مکمل ہوئی۔ احقر العباد ناصر الدین صدیقی قادری عفی عنہ۔

آستانہ محبوب یزدانی حضرت مخدوم سلطان سید اشرف جہانگیر سمنانی
درگاہ کچھوچھہ شریف (ضلع فیض آباد) یو۔پی